

[redacted]

دار التالیف والترجمہ ریوڑی تالاب بنارس



سلسل ٤٢ ◎ جمادی الآخری ١٤٠٩ھ ◎ جنوری ١٩٨٩

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ ۱ | جنوری ۱۹۸۹ء | جمادی الآخرة ۱۴۰۹ھ | جلد ۷

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دار التالیف والترجمہ

بی ۱۸/۲جی ریوڑی تالاب

وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپے

فی پرچہ تین روپے

ساقی نامہ

فضاؤں پر مسلط لشکرِ جنات ہے ساقی
قیامت خیز طوفاں ہے اندھیری رات ہے ساقی

اٹھی ہے لعنتِ تہذیبِ نو سیلاب کی صورت
ہے جس کے حلقۂ ہر موج میں گرداب کی صورت

تلاطم خیز موجیں ہیں گناہوں کے تھپیڑے ہیں
الٰہی خیر ہو ایمان کے کمزور بیڑے ہیں

ہوائے شیطنت کمزور بیڑوں کو ڈبوتی ہے
مگر اولادِ آدم تختۂ غفلت پہ سوتی ہے

میں انسانوں کو اس طوفانِ ذلت سے بچاؤں گا
میں ان سوئے ہوئے شیروں کی غیرت کو جگاؤں گا

وہی ضیغم جو تیرہ سو برس پہلے دہاڑے تھے
وہی پنجے جو حق نے سینۂ باطل میں گاڑے تھے

مجھے ان کو اٹھانا ہے مجھے ان کو جگانا ہے
پرانی گونج سے غوغائے باطل کو مٹانا ہے

پلا ساقی پلا وہ شعلۂ صہبائے ایمانی
کہ اڑ جائیں دھواں بن کر وساوس ہائے شیطانی

دہانِ خامہ میں ٹپکا وہ بادہ اپنے ساغر سے
کہ جس کا قطرہ قطرہ تازیانوں کی طرح برسے

شرابِ معرفت کا از سرِ نو جام بھر ساقی
رگوں میں پھر پرانا آتشیں اسلام بھر ساقی

پلا مجھ کو پلا ساغر اسی صہبائے وحدت کا
کہ جس کی موج سے منہ پھیر دوں ہر فوجِ کثرت کا

مئے توحید کہنہ کا اٹھا سر بستہ خم ساقی
سنا مردہ دلوں کو پھر وہی آوازِ قم ساقی

مری فطرت کو ساقی بے نیازِ دو جہاں کر دے
پیالہ سامنے دھر دے قلم میں زندگی بھر دے

زمانے میں نہیں مقصود میرا جز خدا کچھ بھی
مرے منہ سے نہ نکلے گا صداقت کے سوا کچھ بھی

حفیظ جالندھری

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لہٗ مقالید السمٰوٰتِ والأرض

قفقاز کے کوہستانی خطہ میں بحیرۂ اسود کے قریب، آزربیجان، ترکی اور ایران سے متصل روسی جمہوریۂ آرمینیا کا قیامت خیز زلزلہ اللہ کی زمین پر مادہ پرست انسانی خداؤں اور غفلت شعار انسانوں کے لئے ایک تازیانۂ عبرت ہے۔ ۷ نومبر گیارہ بجے دن میں جب سارے لوگ اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، دفتروں اور دیگر اجتماعی کاموں میں مصروف تھے قدرتِ الٰہی کے ایک معمولی اشارہ نے کم و بیش ڈھائی لاکھ انسانوں کو لقمۂ اجل بنا دیا۔ ۱۹۷۶ء کے کمیونسٹ چین زلزلہ کے بعد کمیونسٹ روس کا یہ زلزلہ دنیا کا عظیم ترین زلزلہ بتایا جاتا ہے۔ چینی زلزلہ میں ڈھائی لاکھ انسان لقمۂ اجل بنے تھے۔ پچاس پچاس ہزار آبادی والے دو آرمینی شہر اسپتاک اور کیانا مکمل قبرستان بن گئے ہیں، لینن اکان اور کیروا کان جن کی مجموعی آبادی چار لاکھ تھی اسی فیصد تباہ ہو گئے ہیں۔ آرمینی نیوز ایجنسی کی اطلاع ہے کہ نصف آرمینیا تباہ ہو چکا ہے۔ اس زلزلہ سے دس لاکھ افراد بے گھر ہو گئے، اور پانچ لاکھ زخمی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ قدرتِ الٰہی کے معمولی اشارہ نے ہوائی اڈے تباہ کر دیئے، ٹرانسپورٹ کا نظام درہم برہم ہو گیا، بجلی ٹیلی فون اور سڑکوں کے ذرائع کٹ کر رہ گئے، بلند و بالا عمارتوں کے ملبے تا حدِ نظر پہاڑوں کی طرح شہرِ خموشاں کا منظر پیش کر رہے ہیں اور اللہ سے غافل انسانوں اور خدائی طاقت کے منکر انسانی خداؤں کی کمزوری اور بے بسی پر ہنس رہے ہیں۔ بچے کھچے انسان حیران و سراسیمہ اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے ہیں۔

انسانی خداؤں کی بے بسی کو سمجھنے کے لئے بس اتنی بات کافی ہے کہ روس کی بے خدا حکومت دنیا کی دوسری سُپر ایٹمی طاقت ہے، بحر و بر کے حقائق کے علم اور آفات و زلازل کی پیشگی اطلاع کے لئے اس کے پاس بیسیوں سائنسی لیبارٹریاں اور مصنوعی سیارے ہیں لیکن قدرتِ الٰہی آرمینیا کی تباہی کے لئے زیرِ زمین جس زلزلہ

کی پرورش کر رہی تھی اس کی اسے خبر نہ لگی۔ معلوم ہوا ہے کہ جاپان نے بڑی عمارتوں کو زلزلہ سے محفوظ رکھنے کے لئے مشین ایجاد کرلی ہے، تحفظ کی یہ مشین مبارک ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی حیثیت بالکل اس چڑیا جیسی ہے جو رات کو اپنے پیر آسمان کے رُخ پر اس لئے اٹھا کر سوتی ہے کہ مبادا اس کے اوپر آسمان نہ گر پڑے، جو زمین کائنات کے صحرا بے کنار میں گھومتے ہوئے ایک ننھے لٹو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اور جدید تحقیقات کے مطابق جس کی ترکیب ہی متحرک ارضی پلیٹوں سے ہوئی ہے۔ اور ہر سال جسے محسوس اور غیر محسوس طور پر دس لاکھ لرزوں اور کبھی زلزلوں کے قدرتی جھٹکے سہنے پڑتے ہوں۔ اور علامہ سیوطی کی کتاب "کشف الصلصلۃ عن وصف الزلزلۃ" کے قدیم اسلامی ریکارڈ کے مطابق جو زمین ہمیشہ سے زلزلوں کی زد میں رہی ہو۔ اللہ کے اشاروں پر گردش کرنے والے اس مجبور و بے بس کرۂ ارضی پر قدرتی آفات سے بچنے کے لئے اگر انسان کچھ ترکیبیں نکال بھی لیا کرے تو جب حکمران مطلق کے کھینچے ہوئے حدود تقدیر کے آگے یہ زمین ہی سربسجود ہے تو اس پر بسنے والا انسان اس کے کھینچے ہوئے حدود سے باہر کہاں جا سکتا ہے۔ آسمان و زمین کی کنجیاں بہرحال اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان کو تحفظ کی کوشش کا اختیار ہے اور اس کا حق بھی۔ لیکن اللہ کے قوانین فطرت کے آگے وہ بے بس ہے اسے آسمان و زمین کی کنجیاں کبھی نہیں مل سکتیں۔ اسے اپنی یہ بے بسی عقلاً تسلیم کر کے اللہ کی بغاوت سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

خبر ہے کہ آرمینی دارالسلطنت ایروان سے قریب واقع بجلی گھر زلزلہ سے محفوظ رہا۔ اسے خوش قسمتی کے معمولی لفظ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ سوویت ذمہ داروں نے کچھ ایسے لوگوں کی حاضر دماغی کی بڑی تعریف کی ہے جنھوں نے زلزلہ کیوقت بھاگنے سے پہلے بجلی گھروں کے سوئچ بند کر دیئے تھے ورنہ سارا آرمینیا بلکہ نامعلوم کتنے علاقے ان کی تابکاریوں سے قبرستان بن جاتے۔ یہ حاکم مطلق کی شانِ رحیمی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ جس کے ذریعہ وہ مغرور ارضی خداؤں کو ہوشیار کرنا چاہتا ہے۔ وہ رحم کرنا چاہتا ہے لیکن مادہ پرستی کے نشہ سے سرشار ہو کر تم اس کے باغی بن گئے۔ اس کی رحمت کے دروازے اب بھی کھلے ہیں لیکن کیا تم اپنے ہاتھوں سے تیار کئے ہوئے اپنے جہنم کے دروازے بند کر لوگے۔ کرۂ ارضی پر پھیلے ہوئے ہزاروں ایٹمی ری ایکٹر پلانٹ نیز ایٹمی ہتھیاروں سے بھرے ہوئے سیکڑوں گودام، ہر وقت داغنے کے لئے تیار کھڑے براعظمی اور بین براعظمی میزائل، کیا تمھاری عداوتوں، اللہ سے بغاوتوں اور مادی طاقتوں کے غرور اور سرمستیوں کا یہ عین منطقی نتیجہ

نہ ہونا چاہیئے کہ قدرتِ الٰہی کا ایک ہلکا سا اشارہ ہو جائے اور اپنے ہاتھوں تیار کیا ہوا یہ جہنم بھڑک اٹھے پھر ساری دنیا اس طرح قبرستان میں تبدیل ہو جائے کہ کوئی متنفس کسی کی حاضر دماغی کی تعریف کرنے کے لئے نہ بچے اور کوئی ملک ایسا نہ رہ جائے جس کی خوش قسمتی کی تعریف ہو سکے۔

میکائیل گورباچوف روس کے حکمراں ہوئے تو انھوں نے پریسٹرو ئیکا اور گلاسنوسیت کی اصلاحی مہم شروع کی جس کا مطلب ہے روسی قوم کو گھٹن سے بچانے کے لئے تھوڑا سا ڈھکن کھول دیا جائے۔ اس مہم سے عام انسانی برادری کو اتنا علم ہوا کہ روس میں بھی ہمیں جیسے انسان بستے ہیں، ہماری طرح ان کو بھی بھوک پیاس کا مسئلہ درپیش ہے۔ اور نسل و قوم کی بنیاد پر وہاں بھی انسانی گروہوں میں جھگڑے ہوتے ہیں ورنہ ستر سال سے روس کے انتیس کروڑ انسانوں کے بارے میں باہر کی دنیا کو کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ یہ بات وہاں کے غیر فطری سیاسی و اقتصادی نظام کی بنا پر تھی اب جب کہ تھوڑا سا ڈھکن کھلا تو قدرت نے آرمینیا کے زلزلہ کے ذریعہ اسے بڑی حد تک کھول دیا۔ روس کی بے خدا حکومت نے پہلے تو یہی کہا کہ ہمیں خارجی تعاون کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم زلزلہ کی قیامت خیزیوں سے نمٹنے کی خود صلاحیت رکھتے ہیں لیکن پھر بین الاقوامی ریڈ کراس اور ہلالِ احمر لیگ سے تعاون کی اپیل کرنی ہی پڑی بین الاقوامی پیمانہ پر انسانی برادری نے روسی حکومت اور آرمینیا کے مصیبت زدگان کی جس طرح مدد کی ہے موجودہ دور میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ایسا لگتا ہے کہ گویا عام انسانی برادری کے سمندر کی رحم پرور موجیں برسوں سے کٹے ہوئے انسانوں کے اس بحیرہ کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے بیتاب ہوں۔ جاپانی ریڈ کراس نے بیالیس ہزار ڈالر کے راحتی سامان دینے کا اعلان کیا۔ ہندوستان پاکستان سے کئی طیارے سامان کے ساتھ آرمینیا پہونچے۔ ترکی نے راحت رسانی کے لئے اپنی سرحد کھولنے کا اعلان کیا۔ برطانیہ نے پچاس لاکھ پاونڈ کا تعاون دیا۔ مغربی ممالک اور امدادی تنظیموں نے تعاون کی عالمی مہم چلائی۔ فرانس نے بیس ٹن راحتی سامان بائیس ڈاکٹر اور دو سو فائر بریگیڈ بھیجے۔ ایک ایک دن میں تین تین سو طیارے راحتی سامان کے ساتھ آرمینیا پہونچے۔ دنیا کے چالیس سے زیادہ ملکوں نے روسی حکومت کو تعاون دیا۔ قدرتِ الٰہی نے جس ڈھکن کو مزید کھول دیا ہے کاش اس سے روسی حکمراں سبق سیکھتے اور اپنی آہنی سلاخیں توڑ کر اللہ کے محبوس بندوں کو آزاد کر دیتے کہ دنیا کے انسان ایک کنبہ بن کر ایک دوسرے کے غم میں شریک ہوتے اور ایک دوسرے کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے۔

کسی انسان یا قوم کے ضمیر پر عبرت ناپذیری، آخرت فراموشی اور دنیا پرستی کے کتنے دبیز پردے پڑ سکتے ہیں اس کے اندازہ کیلئے یہ خبر کافی ہے کہ آزربیجان کا ایک مسلم اکثریتی خود مختار علاقہ نگورا نوکاراباخ ہے جس کے متعلق تین مہینوں سے آزربیجان اور آرمینیا کے درمیان نسلی فسادات ہو رہے تھے۔ یہ علاقہ پوری طرح آذربیجان سے گھرا ہوا ہے۔ آرمینی پارلیمنٹ نے اس کے آرمینیا سے الحاق کی قرارداد پاس کر ڈالی کہ بیچ میں یہ قیامت خیز زلزلہ آگیا۔ آدھا آرمینیا قبرستان بن چکا ہے۔ ساری دنیا امداد میں مصروف ہے اور ادھر جنونی عیسائی لیڈر باخ کے مسئلہ پر مظاہرے کر رہے ہیں۔ حکومت روس نے مظاہرین کو گرفتار کیا تو اس پر بھی مظاہرہ ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طبیعت انسانی کی اس سختی اور اس نوع کے جوع الارض کو ایسا ہی زلزلہ مٹا سکتا ہے جو کرۂ ارض کا ایک ٹکڑا بھی صحیح سلامت نہ چھوڑے۔ ایک خبر ہے کہ ادھر تا حد نظر ملبوں کے پہاڑ شہر خموشاں کا منظر پیش کر رہے ہیں ادھر کچھ بے ضمیر مادہ کے مارے ہوئے لوگ ملبوں کے اندر چوریاں کر رہے ہیں۔ بی بی سی کی خبر ہے کہ کچھ لوگ ڈھائی لاکھ روبل اور گرے ہوئے مکان سے اڑسٹھ ہزار روبل کے زیورات چرالے گئے۔

یہ بات تو یقینی ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ زلزلہ اور آفات ہر طرح کے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں۔ ایک صاحب ایمان آفتوں میں گھر کر اور مر کر خوش ہوتا ہے کہ اپنے رب کے فیصلوں پر راضی رہنا سعادت ہے۔ ظاہر ہے وباؤں میں مری ہوئی مچھلیوں اور کتے بلیوں کی موت سے یہ کہیں بہتر ہے۔ لیکن یہ بات بھی عین ممکن ہے کہ انسانی اقوام اللہ سے بغاوت کرنے کے بجائے اس کی تابعدار بن جائیں ظلم و تعدی کے بجائے عدل پرور ہو جائیں فسق و فجور کے بجائے اعمال حسنہ کی خوگر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ زمین کو ہر طرح امن و سکون سے بھر دے۔ قانون مجازات کے مطابق انسانی اعمال کے اثرات روئے زمین پر نمایاں ہوتے ہیں۔ بہتر اعمال سے اگر اقوام عالم روئے زمین کو بھر دیں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ روئے زمین کو امن و سکون سے بھر دے اور آفات سے انھیں محفوظ رکھے۔

زندگی اور موت تو بہرحال اسی کے اختیار میں ہے۔ قدرت الٰہی نے ہمیں اس زلزلہ میں اس کے بھی نمونے دکھا دیئے۔ خبر ہے کہ رضا کار ملبہ ہٹا رہے تھے، ملبہ کے ایک پہاڑ کے نیچے سے آواز سنائی دی " یہ میں ہوں، میں بھی زندہ ہوں"، ایک خبر ہے کہ ایک عورت اپنی تین سالہ بچی کے ساتھ آٹھ دن کے بعد ملبہ سے زندہ نکالی گئی۔ عورت نے کہا کہ جب میری بچی بھوکی یا پیاسی ہوتی تو میں اپنے زخم میں انگلیاں ڈبو کر اپنا خون چسایا کرتی تھی

صحیح بخاری میں حضرت انس کی ایک روایت ہے۔ صعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدا ومعہ ابو بکر وعمر

باقی ص۳۲ پر

تاریخ دعوت

مذہبِ اسلام کا کمال

از حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی

حامداً و مصلیاً۔ اما بعد

تمام ملل و ادیان میں صرف اسلام ایک مکمل دین ہے

کائنات کی ہر شئی اپنا ایک آغاز و انجام رکھتی ہے اور درمیان میں ایک عہد شباب آتا ہے۔ افراد و اشخاص کی طرح اقوام و ملل اور انواع و اجناس پر بھی لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا آتا ہے۔ عالم کا ہر ذرہ وجود و بقاء اور نشو و نما کیلئے خاص آئین رکھتا ہے جو اس کی تقدیر کہلاتا ہے نوع انسانی بھی اپنے وجود و بقاء اور نشو و تعمیر کیلئے ایک ہمہ جہتی اور ابدی آئین رکھتی ہے جو اس کی لازوال فطرت کا عین مقتضاء ہے اور جس کی موافقت یا مخالفت ہی پر اس کی اصلاح و فساد اور بقاء و زوال اور تعمیر و تخریب کا مدار ہے یہی اس کی تقدیر ہے یہی اس کا دین کہلاتا ہے۔ کتاب و سنت کی زبان میں یہی دین "اَلاِسلام" سے معنون ہے چونکہ سلسلۂ کائنات میں فطرتِ انسانی ہی سب سے اعلیٰ ارفع کامل مکمل اور ہمہ جہتی ولازوال ہے۔ اس لئے اس کی تقدیر دائین حیات کا کامل و مکمل ہمہ جہتی اور لازوال ہونا ایک عقلی و منطقی امر ہے لیکن چونکہ انسانی زندگی شخصی و نوعی ہر اعتبار سے اپنی نشو و نما اور ارتقاء کے مختلف مراحل و مدارج رکھتی ہے اور ہر مرحلہ کے کچھ خاص تقاضے اور اس کے لئے خاص احکام ہوتے ہیں پس اس کی تقدیر اور آئین حیات میں بھی یہ درجات و مراحل اور ان کے خاص تقاضوں اور احکام کا ہونا ناگزیر ہے مثلاً افراد کی زندگی کو لیجئے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بالکل ننگا ہوتا ہے اور تن پوشی کے لئے اسے ایک معمولی سا لباس دیا جاتا ہے اس کے بعد اس کی جسمانی نشو و نما کے لحاظ سے اس کے لباس میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے تاکہ وہ سن شعور و بلوغ اور شباب کو پہونچ جائے۔ سن بلوغ و شباب سے قبل ہر مرحلہ نشو و نما کا لباس مختلف ہے اور ایک مرحلے کا لباس دوسرے مرحلہ

رہے لئے قطعًا ان فٹ اور نا موزوں ہوتا ہے اس کے برعکس عہد بلوغ وشباب کا لباس آخر دم تک کیلئے بالکل موزوں وفٹ اور نا قابل تغیر ہوتا ہے بالکل یہی حال ملل وشرائع کا ہے۔ سابقہ ملتوں میں اس وقت تک انقلاب وتغیر آتا رہا ہے جب تک کہ نوع انسانی سن بلوغ وشباب کو نہ پہونچ گئی۔ اگرچہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا۔ اس لئے کہ وہ عین فطرت انسانی ہے اور نا قابل تغیر ہے لیکن شریعت کا آخری کامل ومکمل لباس سید الاولین والاخرین نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکر یہ اعلان فرمایا گیا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا یعنی آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو میں نے پسند کر لیا چنانچہ کعبہ ابراہیمؑ کو خداوند قدوس نے جس طرح مرکز انام ومرجع خلائق بنایا اسی طرح دعائے ابراہیم ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتک ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کو شرف قبولیت بخش کر حضور سرور کائنات النبی الامی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی دنیا تک کیلئے مرجع انام ومرکز خلائق بنایا اور آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنی اس شان کا اعلان یوں فرمایا یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا یعنی اے لوگو میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

حضور کریم ایک کامل ومکمل نبی ہیں

امتی خواہ کسی مرتبہ ومقام کا بھی کیوں نہ ہو نبوت کے آفتاب نصف النہار کی ایک کرن سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اللہ کے آخری پیغمبر، نبوت کے آخری تاجدار اور صاحب لواء الحمد، صاحب مقام المحمود کی شان بلاشبہ وبلا مبالغہ یہ ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پس کسی امتی کا ذکر کیا پیغمبران الہی کا بھی آپ کے ساتھ موازنہ نہ صرف سوء ادب بلکہ بعض اوقات حبط اعمال وایمان کا موجب ہو سکتا ہے۔ آپ نے فاروق اعظم کے ہاتھ میں توریت دیکھ کر فرمایا لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی یعنی موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع واطاعت کرنا لازمی ہوتی

یہ فرماتے ہوئے چہرۂ انور سرخ تھا فاروق اعظم نے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور اس وقت تک چین نہ ملا جب تک کہ آپ کو راضی نہ کر لیا صحیح حدیث میں ارشاد ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی ملکان قال احدھما زنہ برجل فوزنتہ بہ فوزنتہ ثم قال زنہ بعشرۃ فوزنت

بہم فرجحتہم ثم قال زنہ بالف فوزنتہ بہم فرجحتہم کانی انظر الیہم ینتثرون علی من خفۃ المیزان فقال احدہما لصاحبہ لو زنتہ بامتہ لرجحہا (مشکوۃ کتاب الفتن)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے ان میں سے ایک نے کہا آپ کو ایک آدمی سے وزن کروں تو میں اس کے ساتھ وزن ہوا پھر اس آدمی سے وزن میں غالب آیا۔ پھر کہا دس آدمی سے وزن کروں تو میں ان کے ساتھ وزن میں غالب آیا۔ پھر کہا ہزار آدمی سے وزن کروں تو میں ان کے مقابلہ میں بھی غالب آیا گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں میرے اوپر ان کے ہلکا ہونے سے گرے پڑ رہے ہیں۔

پس ان میں سے ایک فرشتہ نے کہا کہ اگر آپ کو پوری امت کے مقابلہ میں وزن کیا جائے تو پھر آپ اپنی پوری امت پر بھی راجح اور غالب ہوں گے۔

یہ مرتبہ کسی صوفی، کسی ولی، کسی امام کا نہیں ہے پھر قول رسول کے مقابلہ میں کسی کے قول کا درجہ ہو سکتا ہے؟

ایک دوسری حدیث رتبہ رسالت کی بلندی کو یوں نمایاں کرتی ہے کہ ایک شخص کے برائیوں کے ننانوے دفتر ہوں گے جن میں اس کی بدکاریاں اور سیہ کاریاں درج ہوں گی۔ اس سے سوال ہوگا کہ کیا تو اس سے انکار کرتا ہے۔ کیا کاتبین اعمال نے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے اور کیا کوئی تیرا عذر باقی ہے؟ ہر سوال کے جواب میں کہے گا کہ کچھ نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک پرچہ نکالے گا جس میں اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشہد ان محمد ا رسول اللّٰہ لکھا ہوگا اس کے بعد حکم ہوگا کہ جاؤ اس کو وزن کراؤ وہ کہے گا اے خدا ما ھذہ البطاقۃ مع ھذہ السجلات یعنی یہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا کام دے گا۔ آخر کار وزن کرائیگا فتوضع البطاقۃ فی کفۃ و توضع السجلات فی کفۃ پس سجلات یعنی دفاتر ہلکے ہوں گے اور بطاقۃ الشہادۃ یعنی شہادت لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ والا پرچہ بھاری ہوگا (بحوالہ مشکوۃ کتاب الفتن فی الحساب)

ان دو دو احادیث سے عظمت رسالت صاف طور سے واضح ہے اور اہلحدیث حضرت رسول اکرمؐ کی اس جلالت شان کے دل و زبان سے قائل ہیں۔ اہلحدیث کا اصل تصور دجرم یہ ہے کہ ان کے نزدیک پاس انفاس رسول اصل الاصول ہے کہتے ہیں کہ ؎

ہوتے ہوئے مصطفٰے کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

جب اصل ملے تو نقل کیا ہے یاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے

اور ان کا نعرۂ مستانہ ہے۔

بعد از خدا العشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور بزبان امام شافعیؒ یوں رطب اللسان ہیں

ان کان رفضا حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافض

اور اہلحدیث کی معروف صدا یہ ہے ؎

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمد
ما نرگسیم حیراں دیدار ما محمد
قمری بہ سرو نازو بلبل بہ گل فریبد
ما عاشقیم بے جاں دیدار ما محمد

اہلحدیث دراصل سنت رسول کے متبع اور اس کے سچے عاشق ہوتے ہیں دوسری روایت میں یوں ارشاد ہے

عن انس قال رجل یا رسول اللہ متی الساعۃ؟ قال ویلک ما اعددت لھا قال ما اعددت لھا الا انی احب اللہ ورسولہ (مشکوٰۃ کتاب الآداب فی حب اللہ)

یعنی ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول قیامت کب ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر تم نے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کوئی تیاری نہیں کی ہے سوا اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں اور دراصل یہی ایک عظیم سرمایہ ہے۔

اہلحدیث کے جذبات کی صحیح ترجمانی حدیث بالا میں ایک صحابی رسول کی زبانی بیان کردی گئی ہے۔ بلاشبہ اہلحدیث سنت رسول کے متبع اور ان کے سچے عاشق ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صاف ارشاد ہے کہ صلّوا کما رأیتمونی اُصلّی یعنی ایسی نماز پڑھو جیسی کہ میں پڑھتا ہوں۔ سرورِ کائنات کے طریقہ سے الگ ہوکر ایک شخص نے نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ ارجع فصل فانک لم تصل یعنی تم پھر سے نماز پڑھو ابھی تم نے

نماز نہیں پڑھی۔ یہ ارشاد اس کے نادانستہ حرکت پر ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلاف سنت کوئی بھی کام ہوگا قبول نہ ہوگا پس اہلحدیث کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ سنت رسول کی اتباع کو اصل الاصول سمجھتے ہیں۔ توحید، رسالت کے صدق دل سے اقرار ہی ہے جو مدار نجات ہے اور ان کے مقتضیات کو اپنے عقیدہ و عمل میں لانے پر دارین کی فلاح منحصر ہے علاوہ ازیں کسی امام و مجتہد اور کسی عالم و صوفی کے قول و عمل کی تقلید مدار نجات نہیں ہے

سوچنے کی بات ہے کہ آج بھی کسی غیر مسلم کے حلقہ اسلام میں آنے کی وجودی شرط یہی اور صرف یہی ہے کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے اور اسی اقرار توحید و رسالت اور ان کی تصدیق پر نجات کا انحصار اور دارومدار ہے۔

اہلحدیث کلمہ کے ہر جزو کے مقتضا یعنی کتاب اللّٰہ و سنت رسول اللّٰہ ہی کو ہر امر میں اپنا ملجأ و ماوی قرار دیتے ہیں اور اعتصام بالکتاب والسنہ ہی ان کا نصب العین اور اللّٰہ و رسول کی پیروی و محبت ہی ان کا کل متاع حیات ہے اور ان کا یہی عقیدہ و عمل ہے

اصل دین آمد کلام اللّٰہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلّم داشتن

پس اہلحدیث اپنے ایمان و عقیدہ کی آخری متاع حب رسول و اتباع رسالت ہی کو سمجھتے ہیں

امام اعظم صرف آخری رسول ہیں

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ میں واقعہ اسراء کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ حضور حبیب لیلۃ المعراج میں مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی اور آسمان پر جلیل الشان انبیاء سے ملاقات ہوئی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو انت الامام الاعظم کے لقب سے خطاب فرمایا یہ مخصوص لقب جو حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے سید الاولین والآخرین سرور کائنات صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو ملا ہے آج یہ لقب ارباب تقلید نے ان بزرگان ملت کیلئے مخاص کر لیا ہے جن کی تقلید انھوں نے اپنے اوپر لازم کر لی ہے۔ اہلحدیث کے نزدیک امام اعظم صرف امام الانبیاء سرور کائنات کی ذات والاصفات ہے آپ کی ذات ساری امتوں کا مرکز و ماوی ہے اور اسی امام کبریٰ کی طرف اہلحدیث خلق اللّٰہ کو دعوت دیتے ہیں جس کی طرف رجوع کرنے ہی سے دارین کی بھلائیاں میسر آسکتی ہیں

محال است سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

آج امت مسلمہ پر سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اصل یا و ربا ؤس سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے ۔ ذیلی مراکز جو قائم کر لیئے گئے ہیں وہیں تک ان کی دوڑ ہے اسی کو اولیت اور اصلیت حاصل ہو گئی ہے اور اصل مرکز ان کی نظر سے اوجھل اور مستور ہو کر رہ گیا ہے ۔ اہلحدیث کا سب سے بڑا یہی طرۂ امتیاز ہے کہ ملت اور انسانیت کو اسی اصل کی طرف بلا رہے ہیں اور امت کے اکابر اساطین کو ان کو اصلی اور ثانوی حیثیت میں اپنے اپنے قریب مقام میں دیکھنے کو کہہ رہے ہیں اگر یہ کام گناہ ہے تو بلاشبہ اہلحدیث اپنے اس جرم عظیم اور گناہ کبیرہ پر بے حد شاداں و نازاں ہیں

قرآن کریم ایک کامل و مکمل کتاب ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے قرآن کریم کی شکل میں وہ کامل مکمل کتاب دی کہ بڑے بڑے زبان داں ، ادیب و خطیب اور شعراء عرب اس کے مقابلہ سے عاجز آ گئے ۔ انھوں نے چار و ناچار اعتراف کیا کہ قرآن کریم کا مقابلہ طاقت بشری سے بالاتر ہے ۔ ذرا غور کیجیئے کہ دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے فائق تر ہو اور ثبوت دعوی میں کوئی کتاب پیش کیا ہے اور اسی کو اپنے صدق کذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعوی کے انکار کرنے والوں کو ضلالت و گمراہی اور خلود فی النار وغیرہ کے ذلت آمیز وعیدوں سے جوش بھی دلایا ہو ، پھر سخت چیلنج فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین کے باوجود بھی اس ملک کے رہنے والے اس کی زبان بولنے والے اور اس زبان کے قادر الکلام سحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت و خاموش و متحیر و مدہوش رہ گئے

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے قرآن مجید کوئی انسانی تصنیف نہیں ہے جس کا انسان مقابلہ کر سکے آنحضور نے اس کامل و مکمل کتاب اور کلام بلاغت نظام کو پیش کر کے اہل عرب کو عاجز و درماندہ بنا کر اپنی صداقت کو آفتاب کی طرح روشن کر دیا ساری دنیا کے مسلم و منفقدار ، فصحاء اس کے مقابلہ سے عاجز رہے ۔

۲ ۔ مشرکین عرب ، بدر ، احد ، حنین ، احزاب ، تبوک کی جنگوں میں اپنی اولاد اور جان و مال کو ہر طرح قربان کر رہے تھے مگر فصاحت اور بلاغت کے ماہرین کلام پاک کے مقابلہ میں ایک سورۃ حتی کہ ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے ۔

۳ ۔ قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی نے کیا خوب لکھا ہے کہ جس طرح اس امت کے یہودی و عیسائی اور اہل عرب فصحاء و بلغاء کلام الہی کے مقابلہ میں کوئی معارضہ نہ پیش کر سکے ، اس طرح آج کے یہود و نصاریٰ زبان عرب کے ماہرین فصحاء

وبلغا رکھی اس کے معاوضہ ومقابلہ سے عاجز ہیں حالانکہ یہ یہود ونصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن ہیں۔ اگر یہ معاملہ ومقابلہ ان سے ممکن ہوتا تو اپنی اسلام دشمنی کے سبب قرآن کریم کے اس سخت چیلنج کا ضرور جواب دیتے۔

عرب کے ان یہود ونصاریٰ نے لغت پر بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ اقرب الموارد، المحیط، المنجد، وغیرہ جیسے ضخیم مجلدات کو تصنیف کیا۔ اور ادب وانشاء پر بہت ساری کتابیں لکھیں اور بے شمار عربی جرائد مجلات کے اڈیٹر ہیں لیکن باایں ہمہ اوصاف اس کامل ومکمل کتاب کی ایک آیت کا بھی مقابلہ آجتک ان سے ممکن نہیں ہوا ہے۔ رحمۃ للعالمین، ان لغت وادب کے ماہرین نے نہ انفرادی طور پر کوئی معاوضہ کیا اور نہ اجتماعی طور پر، قرآن کریم کا اعلان بانگ دہل آج کے زمانہ پر بھی صادق ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۝ یعنی باطل کا گذر اس کتاب کے سامنے نہ ہوگا نہ پیچھے سے کیونکہ یہ کتاب حکیم وحمید ذات کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ فلسفہ قدیم کے اصول سے قرآن کریم پر زد پڑے گی نہ سائنس جدید کے نظریات واکتشافات سے قرآن پر کوئی حرف آئیگا نہ پچھلی صدیاں قرآن کے احکام پر کچھ اثر انداز ہوں گی، نہ انیسویں، بیسویں اور مابعد کی صدیوں سے احکام الہٰی میں کچھ تغیر وتبدل ضروری ہوگا کیونکہ اس کتاب کو خداوند کریم نے رہتی دنیا تک کیلئے جامع ومبہم اوصاف کامل ومکمل نازل فرمایا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اس کامل ومکمل کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کے نہ ٹھہر سکنے پر خوب لکھا ہے۔

چل دیئے اطرس گم ہوئے زرقس مرگئے متی مٹ گئے لوقا
جاءالحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

الغرض قرآن کریم رب العلمین کی طرف سے وہ آسمانی ہدایت نامہ ہے جو رہتی دنیا تک کی انسانیت کیلئے نبوت کے آخری تاجدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ساری کائنات انسانی تک پہونچایا گیا ہے نوع انسانی اپنے سن شعور وبلوغ کو بالکل پہونچ گئی اور اس میں امانت الہٰی کو اٹھا لینے کی پوری صلاحیت واستعداد پیدا ہوگئی تھی اور اللہ کا آخری فرستادہ ومعلم آگیا اور قصر نبوت میں آخری اینٹ بھی نصب کر کے بالکل اسے کامل اور مکمل کر دیا گیا ہے۔ اور ہمیشہ ہمیش کیلئے نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اب نہ کسی فرستادہ حق کی آمد کا کوئی انتظار ہے اور نہ کوئی جدید وحی متصور ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کا اس سلسلہ میں اپنا صاف بیان موجود ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی

حدیث نبوی کا طبی معجزہ

قسط ۳

کیا بیماریاں متعدی ہیں؟

تحریر ڈاکٹر محمد علی البار ⟵⟶ ترجمہ : ڈاکٹر مقتدی یاسین ازہری

ان علمی حقائق سے ہمیں واضح طور پر ان احادیث نبویہ شریفہ کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے جن کا تعلق امراض کے متعدی ہونے سے ہے۔ ان حقائق سے وہ تعارض بھی دور ہو جاتا ہے جو ظاہر بین لوگوں کو ان احادیث کے مفہوم میں نظر آتا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ احادیث نبویہ کے اندر انسانی اجسام و امراض سے متعلق ان حقائق کا انکشاف کیا گیا ہے جن تک انسانی ذہن وعقل کی رسائی ممکن نہیں، اور اسلوب بیان اتنا آسان و سادہ ہے کہ سمجھنے والے کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی اس سلسلے کی حدیثیں درج ذیل ہیں۔

(۱) عن ابی ھریرۃ : لاعدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ وصفر، وفر من المجذوم کما تفر من الأسد - اخرجه البخاری

چھوت، بدفالی، پرندہ اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں اور کوڑھ زدہ سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو (بخاری، کتاب الطب)

(۲) عن ابی ھریرۃ قوله صلی الله علیه وسلم لاعدوی ولا صفر ولا ھامۃ - فقال اعرابی یا رسول الله فما بال الابل تکون فی الرمل کانها الظباء فیجئ البعیر الاجرب فیدخل فیها فیجربها کلها، فقال رسول الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ چھوت صفر اور پرندہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک اعرابی نے سوال کیا کہ اللہ رسول، اونٹ ریتیلے مقام پر ہرن کی طرح صاف رہتا ہے، لیکن جب خارش زدہ اونٹ اس کے پاس آجاتا ہے تو وہ اسے بھی خارش زدہ بنا دیتا ہے۔ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم فمن اعدی الاول اکرم ؐ نے سوال فرمایا کہ بتاؤ پہلے اونٹ کو کہاں سے خارش لاحق ہوئی ؟

(بخاری، مسلم، کتاب الطب، الفاظ مسلم کے ہیں)

۲ ۔ عن ابی ھریرۃ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحت مند کے لا یوردن ممرض علی مصح پاس بیمار کو نہ لایا جائے ۔ (کتاب الطب بخاری و مسلم)

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب قوم اور دوسرے تمام لوگوں کے لئے یہ بات واضح رمائی ہے کہ تنہا چھوت یا تنہا مائکروب مرض کے وجود کا سبب نہیں ہے، بلکہ بہت سے دوسرے اسباب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت ہیں، وہ اگر چاہتا ہے تو انھیں کسی اور طرف پھیر دیتا ہے پھر جسم محفوظ ہو جاتا ہے، اور اگر چاہتا ہے تو کسی جسم میں انھیں اکٹھا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں بیماری پیدا ہوتی ہے اور امراض کے پھیلنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مائکروب ہی مرض کا تنہا سبب ہے اور چھوت ہی بیماری کا واحد ذریعہ ہے وہ لوگ ایک طرف چیزوں کی حقیقت سے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ناواقف ہیں، اور تیسری طرف ظاہری اسباب کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں ۔ بلکہ انھیں پر کلی بھروسہ کرنے لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان توحید کے دائرہ سے نکل کر شرک کے دائرے میں پہونچ جاتا ہے اب صرف ظاہری اسباب پر اس کی نظر ہوتی ہے اور حقیقی سبب یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم و فیصلہ سے وہ غافل ہو جاتا ہے جس طرح عرب و عجم کے لوگ پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور جس طرح بعد کے اور موجودہ دور کے وہ لوگ تاریکی میں پڑ گئے ہیں جو بھاری بھرکم الفاظ و اصطلاحات سے مرعوب ہیں ۔ ایسے لوگ بلاشبہ خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکے میں ڈال رہے ہیں ۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسبب اول پر نظر رکھی جائے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو سے یہ فرمایا تھا کہ پہلے اونٹ میں بیماری کہاں سے آئی ؟ اس طرح تمام معاملات اس وحدہ لاشریک کی طرف لوٹ جائیں جو کائنات اور بندوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے ۔ اور صحت، بیماری چھوت اور قوت مدافعت پیدا کرتا ہے ۔

تنہا مائکروب بیماری نہیں بن سکتا، اور نہ تنہا کسی چھوت سے کسی طرح کی بیماری یا مرض پیدا ہو سکتا ہے بلکہ اس کے کچھ دوسرے اسباب ہیں جن پر بندوں کا کوئی اختیار نہیں بلکہ وہ انھیں جانتے بھی نہیں ہیں ۔

انھیں اسباب سے جسم صحت، مرض، چھوت، قوت مدافعت ہر چیز کے لئے تیار ہوتا ہے۔

ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ لوگ مکمل توحید کو تسلیم کریں اور اس رب پر بھروسہ کریں جس کے حکم سے اسباب کا وجود و قیام ہے کیونکہ وہی جب چاہتا ہے مائیکروب کو بیماری کا سبب بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے قوت مدافعت کی حیثیت دے دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے کسی مائیکروب سے دماغی بخار جیسی بیماری پیدا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے ایسی چھوٹی نازک مخلوق بنا دیتا ہے جو انسان کے حلق میں زندہ رہتی ہے لیکن اسے کسی طرح کی تکلیف نہیں پہونچاتی ہے۔ وہی جب چاہتا ہے تو ہاتھ پاؤں شل ہونے والی بیماری کے وائرس کو خطرناک تشکیل دے دیتا ہے یا اس سے اعضاء تنفس شل ہوجاتے ہیں اور جب چاہتا ہے تو اس کے لئے اس مرض سے محفوظ رکھنے کا سبب بن جاتا ہے۔

اسی کی مشیت سے ہمارے درمیان پائے جانے والے بیکٹریا بےضرر زندگی بسر کرتے ہیں اور جب اسکا حکم ہوتا ہے تو وہی انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں، اسی نے بیماری اور علاج دونوں کو پیدا کیا ہے اور وہی جب چاہتا ہے بیماری کو علاج اور علاج کو بیماری بنا دیتا ہے۔ چنانچہ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں کہ وہ کسی انسانی جسم میں پیدا ہونے کے بعد اس کے حق میں علاج بن جاتی ہیں، جیسا کہ پولیو کے مائیکروب کے سلسلے میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ اسی طرح بہت سی بیماریاں انسانی جسم کو لاحق ہوتی ہیں لیکن اسے کسی طرح کی تکلیف یا نقصان نہیں پہونچاتیں اس راز کی واقفیت سے انسان کے سامنے ایسے وسیع افق کھول دیئے ہیں جنھیں وہ پچھلی صدی کے اواخر سے کام میں لارہا ہے جبکہ مشہور انگریز معالج (جینیز) کو اس مدافعت کا حال معلوم ہوا جو انسان کے اندر اس ٹیکے کے بعد پیدا ہوئی جو کہ چیچک کے مائیکروب پر مشتمل ہے اور اس سے اس کے جسم میں چیچک کے خلاف مقابلے کی قوت پیدا ہوگئی۔

آج وسیع پیمانے پر چیچک، کالی کھانسی، پولیو، ہیضہ، ٹائیفائڈ وغیرہ امراض سے بچانے کے لئے جو ٹیکے ایجاد ہوئے ہیں۔ وہ سب مذکورہ واقفیت ہی کا نتیجہ ہیں جو محدود ہوتے ہوئے بھی انسانی دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ ٹیکے کے اصول کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسانی جسم کے اندر کمزور یا مردہ مائیکروب کو داخل کیا جائے۔ اور جسم کے اندر موجود مدافعت کی قوت ان مائیکروب سے واقفیت حاصل کرنے اور ان کی مدد سے ایسے مواد تیار کرے جن سے بیماری کا مقابلہ ہوسکے اور اس طرح وہ مائیکروب جب دوبارہ

جسم پر حملہ آور ہو تو اس میں مقابلے کی پوری صلاحیت موجود ہو۔ اس نتیجہ پر یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ قوت مدافعت تمام حالات میں کامیاب نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی بغیر کسی ٹیکے یا علاج کے انسان کے اندر مدافعت کی قوت پیدا ہو جاتی ہے لیکن عام حالات میں اس طرح کے ٹیکے یا علاج کا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تدبیر انسانی جسم کو سو فیصد مائیکروب کی جارحیت سے محفوظ رکھ سکے گی۔

اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے دوا کو بیماری بھی بنایا ہے۔ چنانچہ بہت سی دوائیں دوسرے امراض کا سبب بنتی ہیں۔ بلکہ کچھ امراض اسی لئے پیدا ہوتے ہیں کہ انسان مخصوص قسم کی دوائیں اور جڑی بوٹیاں استعمال کرنے کا عادی بن جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق مائیکروب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریوں کے مقابلے میں دواؤں سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی تعداد زیادہ ہے۔

یہ خیال یورپ امریکہ کے بعض طبی حلقوں کا ہے۔ اس سے دوسرے اطباء اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن بہت سے لوگ اس رائے کے مؤید ہیں۔

لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کامیاب دوا کبھی کبھی مہلک مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی معروف مثال پنسلین ہے۔ یہ ایک مفید اور کامیاب دوا ہے، جو مائیکروبی بیماریوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن یہی پنسلین کبھی کبھی اس مریض کی موت کا سبب بن جاتی ہے جس میں حساسیت (الرجی) کا مادہ موجود ہوتا ہے۔ جس مریض کو کسی بھی وقت میں پنسلین نقصان کرتی ہے اسی کے سلسلے میں کبھی یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ پہلے پنسلین ہی کے ذریعہ بہت سی بیماریوں سے شفایاب ہو چکا ہے، لیکن وہی علاج کسی دوسرے وقت میں اس کے لئے ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اس دوسرے ردعمل کے پیدا ہونے کا اصل سبب ابتک معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن اس سے ہم اتنا ضرور سمجھ سکتے ہیں کہ دوا بعض اوقات بیماری کا سبب بن جاتی ہیں۔

مائیکروب کے مقابلے کے لئے جن مضادات حیویہ (انیٹی بائیوٹک) کا اطباء استعمال کرتے ہیں وہ بھی کبھی کبھی بیماری کا سبب بن کر بہت سے نفع بخش جراثیم کو ہلاک کر دیتے ہیں یا جسم میں موجود کیڑوں کی مختلف قسموں کے درمیانی توازن کو خلل انداز بنا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں بیماریوں کا حملہ آسان ہو جاتا ہے اور جسم مختلف امراض کی زد میں آجاتا ہے۔

جڑی بوٹی کے قبیل کی ایک دوا "تھالیڈومیڈ" کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک ایسی سکون بخش دوا ہے جو

کسی بھی طرح کے ردعمل سے خالی ہے۔ لیکن اسے جب حاملہ عورتوں کو دیا گیا تو اس کے نتیجے میں ہزاروں بچے ایسے پیدا ہوئے جو ہاتھ پیر سے محروم تھے۔

اس مختصر مضمون میں بیماریوں کے نقصانات کی تفصیل پیش نہیں کی جاسکتی، یہ طب کا ایک مستقل شعبہ ہے جس کے ماہر اطباء اس شعبہ کی مختلف شاخوں میں کام کرتے ہیں۔

اس طرح کی بیماریوں کو (Lanog diseases) کا نام دیا جاتا ہے۔ مذکورہ تفصیل سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فیصلے سے کس طرح بیماری علاج اور علاج بیماری بن جاتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہے وہی ہوتا ہے اور جسے نہ چاہے نہیں ہوسکتا۔ اسی کی مشیت سے ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔ اور اسی کے حکم سے آگ کے اندر جلانے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود اسباب کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسباب کا وجود اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی قدرت ہی سے ہوتا ہے اور ہمیں اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ اسباب کو جانیں اور انھیں اختیار کریں۔ کیونکہ ایسی کوئی کوشش کمال توحید کے منافی نہیں ہے، جو چیز توحید کے خلاف ہے وہ یہ عقیدہ ہے کہ اسباب بذات خود مؤثر ہیں انھیں کو دیکھنا چاہئے اور انھیں پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اور اس خدا کو فراموش کردینا چاہیئے جس کے ہاتھ میں تمام اسباب ہیں اور وہ انھیں جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ مومن کو غیر اللہ پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی اسباب کو بھی استعمال کرنا چاہیئے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ اسباب اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے پابند ہیں۔ اس لئے احادیث نبویہ میں بڑی بلاغت اور خوبصورتی کے ساتھ فرما دیا گیا ہے کہ (لا عدوی ولا طیرۃ و فر من المجذوم کما تفر من الاسد) یعنی چھوت اور بدفالی کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ یعنی بذات خود چھوت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن اسباب و احتیاط کی پابندی اور مجذوم سے فرار بھی ضروری ہے۔

اسی کو دوسری حدیث میں (لا یورد ممرض علی مصح) یعنی بیمار کو صحت مند کے پاس نہیں لانا چاہیئے۔ میں فرما دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے مرض کو متعدی ہونے میں تقویت ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کے ہاتھ کو چھو کر بیعت کرنے سے اس وجہ سے انکار فرمایا تھا کہ امت کے افراد مرض کے اسباب سے پرہیز کریں لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ نے مجذوم کے ساتھ کھانا بھی تناول فرمایا تھا۔ تاکہ اللہ پر بھروسہ اور توکل

کا اظہار ہوسکے۔ اور سب لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ پورا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور چھوت بھی اللہ کے ارادے کے بغیر نہیں ہوتا۔ کائنات میں صرف خدائے واحد ہی کا حکم چلتا ہے اور تمام اسباب اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر اس کی ذات پر صحیح طور پر بھروسہ کیا جائے تو چھوت کا تصور بھی ذہن سے ختم ہوگا اور ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کی طرف طبیعت بھی مائل ہوگی۔ لیکن وہ اسباب جو انسان کے دائرہ علم سے باہر ہیں اور جن سے علاج بیماری اور بیماری علاج بن جایا کرتا ہے ان کے سلسلے میں انسان کی مجبوری قائم رہے گی۔

نبیؐ نے اس طرح امت کے لئے اپنے قول وفعل سے علاج و دوا کے مسئلہ کو واضح فرما دیا ہے۔ آپ نے خود بھی علاج کرایا اور علاج کرانے کا حکم بھی فرمایا۔ آپؐ کا ارشاد ہے جس خدا نے بیماری بنائی ہے اسی خدا نے علاج بھی بنایا ہے۔

آپؐ نے علاج کا حکم دیتے ہوئے حرام چیزوں کے ذریعہ علاج سے منع فرمایا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ دوا بذات خود شفا کا سبب نہیں ہے اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کی زبانی فرمایا گیا ہے کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی شفا، مرض اور دوسرے تمام معاملات بھی خدا کے ہاتھ میں اور اس کے تصرف کے ماتحت ہیں۔

اس موقع پر ابن قیم کا بیان بڑا تسلی بخش ہے۔ انھوں نے اس سلسلے کی مختلف حدیثیں اور لوگوں کی آراء نقل کرنے کے بعد لکھا ہے (میرے نزدیک حدیث میں ایک دوسری گنجائش بھی ہے۔ یعنی اسباب وحکم کو ثابت کیا جائے اور شرک نیز باطل عقیدے کی تردید کی جائے۔ یعنی حدیث میں وارد نفی واثبات دونوں اپنے اپنے مقام پر رہیں (لاعدویٰ ــــ وفرمن المجذوم) کیونکہ عام لوگ اپنے مشرکانہ مذہب کے مطابق چھوت کے قائل تھے جس طرح نجومیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ دنیا کے بھلے برے میں ستاروں کی تاثیر ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ یہ کہتے کہ یہ صرف اسباب ہیں یا اسباب کا حصہ ہیں، انھیں جب اللہ تعالیٰ چاہے اپنی مشیت، ارادے اور حکمت سے ان کے تقاضوں سے پھیر دے اور یہ کہ وہ اس کے حکم کے پابند ہیں اور ان کی وہی حیثیت ہے جو دوسرے ان اسباب کی ہے جو اپنے مسببات سے مربوط ہوں۔ اور وہی جب چاہتا ہے تو بیماری کے اسباب کو مدافعت کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور بغیر سبب کے چیزوں کی ماہیت وحقیقت کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسباب اس کی بارگاہ میں بےجان مخلوق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہت سے اسباب ناقص ہوتے ہیں جن کی تکمیل وہی کرتا ہے۔ ایک بچے کی پیدائش میں مجامعت صرف ایک سبب ہے، لیکن بچے کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام کرنے والے بہت سے دوسرے اسباب کی کارفرمائی بھی

ہے زمین میں ہل چلا کر بیج ڈالا جاتا ہے لیکن تنہا یہی عمل پیداوار کا سبب نہیں جس خدا نے اسباب کو پیدا کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں مخلوق کو وجود میں لاتا ہے وہی کبھی اسباب کے نتائج بروئے کار لانے میں رکاوٹ بھی پیدا کر دیتا ہے۔ اگر وہ دور جاہلیت کے لوگ مذکورہ طریقے پر چھوت کو ثابت کرتے تو ان کی مخالفت نہ کی جاتی۔ جیسا کہ دوا اور بیماری کے سلسلے میں ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرایا اور اس کا حکم بھی فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر بیماری کے لئے اللہ تعالیٰ نے علاج بنایا ہے۔ اس ارشاد سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بیماری اور علاج دونوں کے اسباب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور علاج کے ذریعہ حقیقت میں انسان ناپسندیدہ اسباب کو دوسرے اسباب کے ذریعہ دور کرتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دونوں جہان کے فوائد کا دار و مدار اسی قاعدے پر ہے۔ اسباب کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو شریعت معطل ہو کر رہ جائے گی۔ اور بہت سی مصلحتیں ختم ہو جائیں گی۔ اور اگر صرف اسباب ہی پر بھروسہ کر لیا جائے اور انھیں کے ذریعہ مسببات کا وجود مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ مکمل اسباب کی حیثیت رکھنے میں تو یہ شرک ہوگا جو بہت بڑی نادانی اور توحید کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ لیکن جس طرح اسباب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان کی محدود تاثیر کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ویسے اگر انھیں تسلیم کیا جائے تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کی صفت خلق و امر کے مطابق ہوگی اور مشیت الٰہی پر اس سے کوئی حرف بھی نہیں آئے گا، نہ توحید کی کسی طرح خلاف ورزی ہوگی۔ شریعت کا مقصد اسباب کا اثبات ہے لیکن وہ مشرکین کے اس عقیدے کی تردید کرنا چاہتی ہے جو اسباب کے بذات خود موثر ہونے کے سلسلے میں انھوں نے قائم کر رکھا تھا۔ اس طرح موضوع کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱ - یہ کہ خالص توحید کو مانتے ہوئے اسباب کو ثابت کیا جائے شریعتوں میں اسی کا حکم ہے اور یہی واقع اور حقیقت کے مطابق ہے۔

۲ - اسباب میں معبود کے ساتھ دوسری چیزوں کو شریک ... جیسا کہ مشرکین کے مختلف طبقوں کا حال تھا۔

۳ - اسباب کا پورے طور پر انکار کر دینا تاکہ توحید کے انکار کے لئے راستہ ہموار ہو سکے۔ اس طرح گم کردہ راہ دو قسموں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک طبقہ اسباب کے ذریعہ توحید کے عقیدے ... ہوئیں پہونچا تا ہے اور دوسرا طبقہ توحید کا لیکن اسباب کا انکار کرتا ہے۔ لیکن دونوں حق سے دور ہیں۔ صحیح راہ یہ ہے کہ توحید اور اسباب دونوں کو ثابت کرنے کے بعد ایک کو دوسرے سے مربوط کیا جائے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت کو ہر طرح کے شرک سے پاک رکھا جائے۔

اگر کوئی شخص اسباب کا انکار کرے تو اس سے حکمت الٰہی انکار لازم آتا ہے اور اگر اسباب کو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اس سے توحید پر حرف آتا ہے۔ خالص توحید یہ ہے کہ اسباب کو ثابت کرکے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس پر توکل کیا جائے اسی سے ڈرا جائے اور اسی سے امید وابستہ کی جائے۔ اگر آدمی کو صحیح علم ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو ثابت فرمایا ہے اور جس چیز کی نفی فرمائی ہے دونوں کے مابین۔ اور اس طرح جس چیز کو باطل قرار دیا ہے اور جس چیز کا اعتبار کیا ہے ان دونوں کے مابین فرق آسان ہو جائے گا کیونکہ دونوں صورتیں واضح طور پر ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ (انتہی)

رحمۃ للعالمین کا عربی ترجمہ اور صحیح اردو اشاعت

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے اس کتاب رحمۃ للعالمین للقاضی المنصور فوری رحمہ اللہ کا عربی ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ پہلے اور تیسرے حصہ کا ترجمہ میں نے خود کیا ہے۔ اور دوسرے حصہ کا ترجمہ جامعہ سلفیہ کے ایک فاضل مولوی عبدالسلام عین الحق نے جس کا میں نے لفظ بہ لفظ مراجعہ کیا ہے۔ تینوں حصوں میں جتنے حوالے آئے ہیں ان کا اصل ماخذ سے تقابل کیا گیا ہے جلد اور صفحات درج کئے گئے ہیں۔ اور جہاں مزید حوالوں کی ضرورت تھی وہاں حوالے دیئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ ترجمہ موجودہ علمی ذوق و معیار کے مطابق ہو گیا ہے۔ اس کی اشاعت کی ذمہ داری الدار السلفیۃ بمبئی کے ذمہ ہے ان شاء اللہ وہ بہت جلد ہی ترجمہ منظر عام پر آ جائیگا۔

ترجمہ کے دوران رحمۃ للعالمین کی مختلف اشاعتوں کو دیکھنے کی ضرورت پیش آئی جس سے اندازہ ہوا کہ بعض اشاعتیں صرف تجارتی نقطۂ نظر سے شائع کی گئی ہیں کتاب کی اہمیت اور مقام و مرتبہ کے شایان شان عبارت کی تصحیح وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے جس سے کتاب کی حیثیت مجروح ہوئی ہے۔

چونکہ ترجمہ کے دوران ضروری حوالجات اور اصل ماخذ سے تقابل کا کام مکمل ہو چکا ہے اس لئے ارادہ ہے کہ بہت کی اس عظیم کتاب کا ایک صحیح اور مستند ایڈیشن شائع کیا جائے جو کتاب کی علمی و تحقیقی حیثیت کے شایان شان ہو۔
اس سلسلہ میں علماء کرام اور اعیان جماعت سے گذارش ہے کہ اگر ان کے پاس رحمۃ للعالمین کا کوئی نسخہ موجود ہو تو اسکے ناشر اور مطبعہ نیز سن طباعت سے خاکسار کو مطلع فرمائیں تاکہ متعدد اشاعتوں کے مابین تقابل کرا کے صحیح ایڈیشن سامنے لانے میں سہولت ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عظیم علمی و جماعتی خدمت کی بہتر تکمیل آسان فرمائے بنعمتہ تتم الصالحات۔

(مقتدیٰ حسن ازہری)

امام ضیاء الدین مقدسی صاحب "المختارہ"

قسط ۵

۵۶۹ - ۶۴۳ھ
۱۱۷۳ - ۱۲۴۵ء

مولانا محمد حنیف فیضی

۶۷ - فضائل الشام: تین اجزاء میں ہے۔ تاریخ الاسلام میں یہی لکھا ہے لیکن سیر الاعلام میں لکھا ہے کہ دو جزء میں ہے[۳] اس کا دوسرا جزء جو بیت المقدس کے فضائل پر مشتمل ہے، ظاہریہ میں موجود ہے نسخہ عمدہ اور مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے: مجموع ۴۸ (ق ۳۲ - ۵۲)[۴] یہ دوسرا جزء فضائل بیت المقدس کے نام سے پہلی بار محمد مطیع الحافظ کی تحقیق کے ساتھ دار الفکر دمشق میں چھپ کر شائع ہوا ہے سنۂ طباعت ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء ہے

۶۸ - فضائل قاسیون: ایک جزء میں ہے[۵]

۶۹ - فضائل القرآن: ایک جزء میں ہے[۶] ابن عماد نے غالباً اسی کا ذکر "فضائل القراۃ" کے نام سے کیا

۷۰ - فضل العلم: ایک جزء میں ہے[۸] غالباً یہی وہ کتاب ہے جس کا نام علامہ البانی نے "کتاب العلم" ذکر کیا ہے اور لکھا۔ اس کا صرف پہلا ورق ظاہریہ میں موجود ہے جو مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے: مجموع ۲۱ (ق ۶۰)[۹]

---

[۱] بروکلمان، الاصل (۱/۳۹۹) [۲] ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۲۳۹) [۳] تاریخ الاسلام وفیات ۶۴۳ھ، سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۲۸)، ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۲۳۹)، شذرات الذہب (۵/۲۲۵) [۴] فہرس الالبانی ص ۲۳۳
[۵] القلائد الجوہریہ (۲/۵۵۹) [۶] سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۲۸) [۷] شذرات الذہب (۵/۲۲۵)
[۸] سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۲۸) [۹] فہرس الالبانی (ص ۲۳۲)

۷ - فوائد معویہ المختار : حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ [1]

۷ - فوائد المنتقاۃ العوالی : بروکلمان نے اسی نام سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا قلمی نسخہ مانچسٹر میں موجود ہے رقم ۱۸۲ [2] غالباً یہ نام اس طرح ہے: "الفوائد المنتقاۃ العوالی"

۷ - قتال الترک : ایک جزء میں ہے۔ [3]

۷ - قصۃ موسیٰ علیہ السلام۔ ایک جزء میں ہے [4]

۷ - قطعۃ یسوق فیہا الاحادیث بدون سند ولا تخرج دھی مما اتفق علیہ الشیخان او تفرد بہ احدھما۔ مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ظاہریہ میں موجود ہے: مجموع ۲۱ (ق ۶۲-۶۳) [5]

۷ - کرامۃ مشائخ الارض المقدسۃ : اس کا جزء ثالث ظاہریہ میں موجود ہے: حدیث ۲۴۸ (۹۱-۹۹) [6]

۷ - کلام الاموات : ایک جزء میں ہے [7]

۷ - مجموع لہ : ظاہریہ میں موجود ہے: مجموع ۱۵ (ق ۵۷-۴۲) [8]

۷ - مسند فضالۃ بن عبید : ایک جزء میں ہے [9]

۸ - مشائخ الاجازۃ : اس کتاب میں ہر اس شیخ کی ایک ایک حدیث ہے جس نے حافظ ضیاء کو اجازت دی تھی۔ اس کا تیسرا جزء ظاہریہ میں موجود ہے: مجموع ۳۶ (ق ۲۶۶-۲۷۹) [10]

۸۱ - مناقب اصحاب الحدیث : چار اجزاء میں ہے [11] حافظ ذہبی نے تاریخ میں اسی نام سے ذکر کیا ہے لیکن مطلق رکھا ہے۔ سیر میں "مناقب المحدثین" کے نام سے ذکر کر کے لکھا ہے کہ تین اجزاء میں ہے۔ [12]

۸۱ - منتخب من الحث علی طلب الحدیث : ظاہریہ میں موجود ہے: عام ۳۲۳۷ (ق ۱۸/۱-۲)

---

[1] کشف الظنون (۱۲۹۸/۲) [2] بروکلمان، الملحق (۱/۶۹) [3] سیر اعلام النبلاء (۱۲۸/۲۳)

[4] ذیل طبقات الحنابلہ (۲۳۹/۲) [5] فہرس الالبانی ص ۳۳۳ [6] ایضاً [7] ذیل طبقات الحنابلہ (۲۳۹/۲)

[8] فہرس الالبانی (ص ۳۳۳) [9] ذیل طبقات الحنابلہ (۲۳۹/۲) [10] فہرس الالبانی ص ۳۳۳

[11] ذیل طبقات الحنابلہ (۲۳۹/۲) [12] تاریخ الاسلام، وفیات (۶۴۳ھ)، سیر اعلام النبلاء (۱۲۸/۲۳)

۸ - من تعالیقہ : ظاہریہ میں موجود ہے - حدیث ۳۴ (ق ۱۹۷ - ۲۰۴)

۸ - منتقی من الاحادیث الصحاح والحسان : ظاہریہ میں موجود ہے - مجموع ۹۲ (ق ۲۷۲ - ۲۹۰)

۸۵ - منتقی من الاربعین فی شعب الدین لابی القاسم الصفار : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموعہ (ق ۴۴ - ۵۱)

۸۶ - منتقی من حدیث ابی الحسن احمد بن ابراہیم العبلدی : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع ۱۰۷ (ق ۲۸۰ - ۲۸۲)

۸۷ - منتقی من حدیث ابی نعیم الازہری : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع ۱۰۷ (ق ۲۸۳ / ا - ۳)

۸۸ - منتقی من حدیث الامیر ابی احمد خلف بن احمد وغیرہ : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع ۹۲ (ق ۲۶۳ - ۲۶۸)

۸۹ - منتقی من جزء الثانی من حدیث الطوسی : مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ظاہریہ میں ہے : مجموع ۱۷ (ق ۲۷ - ۲۸)

۹۰ - منتقی مما سمعناہ بمرو : ظاہریہ میں موجود ہے : حدیث ۳۴۴ (ق ۱ - ۱۰)

۹۱ - منتقی من معجم مشائخ شیخنا ابی حسین احمد حمزۃ السلمی : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع ۱۱۰ (ق ۱۴ - ۲۴)

۹۲ - المنتقی من حدیث ابی علی الحسن بن احمد الاوتی : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع ۶۷ (ق ۱۹۴ - ۱۹۷)

۹۳ - من حدیث ابی ھریرۃ : ظاہریہ میں موجود ہے . مجموع ۸ (ق ۱۸ - ۲۲)

۹۴ - من حدیث الشیرازی ومن حدیث اسماعیل بن جعفر وھارون بن سعید الایلی : ظاہریہ میں موجود
مجموع ۱۷ (ق ۲۸ - ۲۹)

۹۵ - من حدیثہ عن جماعۃ من شیوخہ : ظاہریہ میں موجود ہے - مجموع ۶۸ (۸۷ - ۹۲)

۹۶ - من عوالی حدیثہ : ظاہریہ میں موجود ہے - مجموع ۱۶ (ق ۱ - ۱۰)

۹۷ - من کلامہ علی شئ من احادیث (الجمع بین الصحیحین) مولف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع ۸۵ (ق ۷۷ - ۸۴)

۹۸ - من مناقب جعفر بن ابی طالب : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع - (۸۸ - ۹۴) [1]
محمد مطیع الحافظ نے لکھا ہے کہ کتاب بغداد میں شیخ محمد حسن آل یاسین کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے [2]

۹۹ - من الموافقات العوالی : ظاہریہ میں موجود ہے : مجموع ۱۰۱ (ق ۱۲۶ - ۱۲۷) [3]

---

[1] فہرس الالبانی ص ۳۳۴ - ۳۳۵ (نمبر ۸۲ سے ۹۷ تک) [2] فہرس الالبانی ص ۳۳۵
[3] فضائل بیت المقدس (مقدمہ ص ۲۱) [4] فہرس الالبانی ص ۳۳۵

۱۰۰۔ موافقات الائمۃ الخمسۃ الحفاظ : حاجی خلیفہ اسے ذکر کرنیکے بعد رقمطراز ہیں : ان کی تعداد آٹھ حدیثیں ہیں جن پر شیخین (بخاری مسلم)، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے اتفاق کیا ہے [1]

۱۰۱۔ موافقات مسلم من الدارمی : ابن جابر وادی آشی نے "برنامج" میں اسکا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا محقق (ایڈیٹ کرنیوالے) ڈاکٹر حبیب الہیلہ نے اسکو موافقات الخمسۃ الحفاظ کو ایک کتاب قرار دیا ہے لیکن مصنف کا ناموں سے اسکا پتہ نہیں چلتا۔ واللہ اعلم

۱۰۲۔ الموافقات : علامہ ذہبی نے اسکے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ کتاب تقریباً ساٹھ اجزاء پر مشتمل ہے [2] اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ پچاس اور ساٹھ کے درمیان اجزاء پر مشتمل ہے [3] علامہ ابن رجب نے لکھا ہے کہ ایک جزء میں ہے [5]

(فائدہ) ضیاء مقدسی کی تصنیفات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ "موافقات" نام کی انکی متعدد کتابیں ہیں ملاحظہ ہو: ۳۶، ۴۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱ نمبر کی کتابیں، پس ممکن ہے کہ موافقات نام کی انکی جتنی کتابیں ہیں ذہبی نے ان سب کو شامل کرکے "تقریباً ساٹھ اجزاء" قرار دیا ہو اور ابن رجب نے ان میں سے کسی خاص جزء کے اعتبار سے "ایک جزء" کہا ہو۔ یا ممکن ہے کہ موافقات نام کی انکی ایک ضخیم کتاب ہو اور اسی نام کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی ہوں مگر مقیداً جیسا کہ مذکورہ نمبروں والی کتابوں کے نام سے ظاہر ہے تو ذہبی کا قول اس ضخیم کتاب کے لحاظ سے ہے اور ابن رجب کی بات دوسری کسی چھوٹی کتاب کے لحاظ سے ہے۔ واللہ اعلم

۱۰۳۔ الموبقات : بہت سے اجزاء پر مشتمل ہے [4]۔ ۱۰۴۔ الموقف والاقتصاص : ایک جزء میں ہے [5]

۱۰۵۔ نصیحۃ الملک الاشرف : یہ کتاب وعظ وارشاد میں ہے، ظاہریہ میں موجود ہے جسکی فوٹو کاپی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شعبہ مخطوطات میں ہے : مجموع ۲۴۶۰ (ق ۱۰۶ ـ ۱۱۱)

۱۰۶۔ النہی عن سب الاصحاب وما فیہ من الاثم والعقاب : ایک جزء میں ہے اور ظاہریہ میں موجود ہے: مجموع ۱۱ (۱۲ ـ ۴۴) : شیخ البانی نے ذکر کیا ہے اور دیگر مآخذ میں اس کا ذکر "النہی عن سب الاصحاب" کے نام سے ملتا ہے۔ [8]

۱۰۷۔ الہجرۃ الی ارض الحبشۃ : ایک جزء میں ہے۔ [9] (جاری)

---

[1] کشف الظنون (۲/۱۸۸۹) [2] برنامج ابن جابر الوادی آشی ص ۲۴۲ (تعلیق) [3] سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۲۸)
[4] تاریخ الاسلام، وفیات ۶۴۳ھ [5] ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۲۳۹) [6] ایضاً [7] ایضاً
[8] فہرس الالبانی ص ۲۳۵، سیر اعلام النبلاء (۲۳/۱۲۹) تاریخ الاسلام، وفیات ۶۴۳ھ، ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۲۳۹)
[9] ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۲۳۹)

غیر اہلِ کتاب کیساتھ کھانا کھانیکا مسئلہ

از قلم
غازی عزیر المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

اب زیر بحث موضوع سے متعلق پیدا ہونے والے مختلف النوع سوالات اور شریعتِ مطہرہ کی روشن تعلیمات میں ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کیجائے گی۔ وباللہ التوفیق والمنۃ۔

اس مسئلہ کا پہلا سوال یہ ہے کہ کیا کسی غیر مسلم (بالخصوص غیر اہل کتاب) لادین شخص کے ساتھ اس کے برتنوں میں کھانا کھانا یا کسی غیر اہل کتاب و لادین شخص کے ہاتھ کا تیار کردہ کھانا کھانا ایک مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کے لئے کیا شرائط اور استثنائی صورتیں ہیں؟

مندرجہ بالا سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی غیر اہل کتاب یا لادین شخص کے ساتھ اس کے برتنوں میں کھانا کھانا یا اس کے ہاتھ کا تیار شدہ کھانا کھانے میں ہرگز کوئی شرعی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کی حرمت کتاب اللہ یا کسی صحیح و صریح حدیث نبوی سے قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کافرہ کیساتھ کھانا کھانا ثابت ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں "قبول الہدیۃ من المشرکین" کے عنوان سے مستقل ایک باب باندھا ہے جس میں وہ چار روایات لائے ہیں۔ اسی باب کی ایک روایت میں آں صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غیر مسلمہ کی پیش کردہ زہر آلود بکری کا قبول کرنا اور اسے تناول کرنا مذکور ہے (ملاحظہ ہو صحیح البخاری کتاب الہبۃ باب قبول الہدیۃ من المشرکین)

کسی غیر مسلم کے کھانے کو استعمال کرنے کے لئے جو چند شرائط ہیں وہ یہ ہیں کہ کھانا کھانے کے برتن اور ساتھ کھانا کھانے والا غیر اہل کتاب شخص ظاہری طور پر نجاست سے پاک ہو نیز کھانا ان اشیاء پر مشتمل نہ ہو یا کھانا پکانے کے دوران ایسے برتن یا ایسی چیزوں کا استعمال نہ کیا گیا ہو جنکی حرمت صراحت کے ساتھ کتاب و سنت میں مذکور ہے۔ ان شرائط کے علاوہ اس کے لئے کوئی اور شرط یا شرعی یا استثنائی صورت کتاب و سنت میں نہیں ملتی ہے۔

بعض [illegible] امام [illegible] مستقل [illegible] کے طور پر قدرت لینا مکروہ بتاتے ہیں چنانچہ بعض فقہاء حنفیہ کا قول ہے کہ انفاقیہ

ایک دو بار مشرکین کے ساتھ یا ان کے ہاتھ کا تیار کردہ کھانا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کافر کے ساتھ کھانا تناول فرمانا ثابت ہے لیکن اسے ہمیشہ کی عادت بنا لینا مکروہ ہے۔ ان کان ذلک مرۃ او مرتین یجوز لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل مع کافر فتحملناہ علی ذلک ولکن یکرہ المداومۃ علیہ۔ شرکت فی نصاب الاحتساب باب چہارم (نفع المفتی والسائل ص۱۱)

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری، میں کہیں گھر جانے کی صورت میں اس بات کی ایک دو دفعہ اجازت دی ہے لیکن مداومت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ان ابتلی بہ المسلم مرۃ او مرتین فلا بأس واما الدوام علیہ فیکرہ

(فتویٰ عالمگیری، کتاب الکراہیۃ)

مداومت سے متعلق فقہاء حنفیہ کی بیان کردہ کراہت، علوم نقلیہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض قیاس اور اجتہادی رائے پر ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ واضح قابل قدر اور حق و انصاف کے قریب تر فتویٰ مشہور حنفی عالم جناب مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کا ہے جس میں آپ سے کسی مستفتی نے سوال کیا:۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت میں کہ قوم مہتر یا ڈوم یا چمار یا دوسادھ جو ہند کا مردار خور ہوتے ہیں اکثر چیزیں حرام مثل چوہا اور بلی یعنی گوہ اور بلا اور کیکڑا وغیرہ کو کھایا کرتے ہیں ان کے یہاں کی چیزیں از قسم حلال پکی ہوئی کھانا یا ان کے ہاتھ کا پانی کنوئیں یا دریا سے نکالا ہوا پینا کہ جس میں کوئی شبہ تلویث اشیاء حرام یا نجاست وغیرہا کا نہ ہو شرعاً ممنوع ہے یا جائز؟ اور ان کے ہاتھ سے چیزیں مثل روٹی اور گوشت یا خشکہ اور دال پکوانا یہ سب چیزیں ان لوگوں کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی مسلمانوں کو کھانا روا ہوگا یا نہیں الخ؟

آں محترم نے اس مفصل سوال کے جواب میں تحریر فرمایا" ج: جب تک کوئی نجاست ظاہری یقیناً اعضائے ظاہرہ کافر پر نہ ہو اس کے ہاتھ سے کھانا پکوانا یا پانی نکلوانا یہ سب درست ہے۔ واقعی روا ہوگا جب تک تیقن نجاست نہیں ہوگا الخ"۔ (فتاویٰ عبدالحی لکھنوی ص۱۷۱ استفتاء رقم ۱۳۶ مختصراً)

بعض فقہاء یہاں تک فرماتے ہیں کہ مشرکین کے کھانے میں اگر نجاست موجود ہونے کا وہم ہو تو بھی اس کھانے پر طہارت اور صحت سلامتی کا حکم لگے گا الا یہ کہ تیقن نجاست اور فساد و بطلان پر کوئی تعلق حجت و دلیل قائم ہو۔ پس ایسی صورت میں کفار و مشرکین یا کسی بھی لادین کے ساتھ کھانا روا ہوگا چنانچہ "فتاویٰ حمادیہ" میں مذکور ہے۔ والاطعمۃ التی یتخذھا اھل الشرک ویتوھم فیھا اصابۃ النجاسۃ اکل ذلک محکوم بطہارتہ حتی تیقن بنجاستھا" الخ (فتاویٰ حمادیہ مختصراً)

اگر مشرکین کے برتنوں کی نجاست کا پہلے علم نہ ہو تو ان میں بلا دھوئے ہوئے کھانا پینا بھی جائز ہے۔ اگر پہلے سے برتنوں کی نجاست کا علم ہو مگر انھیں استعمال سے قبل دھو کر پاک کر لیا گیا ہو تو ان میں کوئی قباحت نہیں رہ جاتی۔ لیکن بغیر دھوئے ہوئے ایسے برتن جن کی نجاست کا علم ہو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

المملکۃ العربیۃ السعودیہ کی مشہور یونیورسٹی جامعہ امام محمد بن سعود الریاض کے استاذ شیخ عبدالعزیز محمد سلمان لکھتے ہیں: "کفار کے برتن اور لباس مباح ہیں اگر ان کی کیفیت نامعلوم ہو کیونکہ مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ایک مشرکہ کے مزادہ سے وضو فرمایا تھا۔" (الاسئلۃ والأجوبۃ الفقہیۃ المقرونۃ بالادلۃ الشرعیۃ ج۱ ص۲ طبع دہم ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء الریاض وکذا فی الصحیحین)

سنن ابوداؤد کی ایک روایت جسے امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ میں دوران غزوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کا مشرکین کے برتن استعمال کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ اس روایت کو حضرت جابرؓ نے اس طرح روایت کیا ہے۔ "کنا نغزو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنصیب من آنیۃ المشرکین واسقیتہم فنستمتع بہا فلا یعیب ذلک علیہم" (رواہ ابوداؤد واحمد)

ایک اور روایت میں ابی ثعلبۃ الخشنی سے مروی ہے کہ: "انہ سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا نجاور اہل الکتاب وہم یطبخون فی قدورہم الخنزیر ویشربون فی آنیتہم الخمر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان وجدتم غیرہا فکلوا فیہا واشربوا وان لم تجدوا غیرہا فارحضوہا بالماء وکلوا واشربوا" (رواہ ابوداؤد مع العون المعبود ج۳ ص۴۲۳ باب الاکل فی آنیۃ اہل الکتاب طبع دہلی)

شارح سنن ابوداؤد علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں: خطابیؒ کا قول ہے کہ (راوی پر بیان کی ہوئی پہلی) حدیث سے ظاہر ہے کہ مشرکین کے برتن بغیر دھوئے اور پاک کئے ہوئے استعمال کرنا علی الاطلاق مباح ہیں اور یہ اباحت عقیدۃ ہے اس شرط کے ساتھ جو اس باب کی (دوسری) حدیث میں مذکور ہے۔ (بزار کی روایت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے ان برتنوں کو دھویا اور ان میں کھانا کھایا جیسا کہ حافظؒ نے فتح میں بیان کیا ہے) خطابیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے برتنوں کے غسل کی اجازت ہے لیکن اس سلسلہ میں اصل قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اگر مشرکین کا حال معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے برتنوں میں خنزیر پکاتے اور شراب پیتے ہیں تو ان برتنوں کا بغیر دھوئے ہوئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔" (عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ج۳ ص۴۲۳ طبع دہلی وملتان)

بعض فقہائے حنفیہ کے نزدیک مشرکوں کے برتنوں میں بغیر دھوئے ہوئے کھانا پینا جائز لیکن مکروہ ہے بشرطیکہ برتنوں کی نجاست

کا علم نہ ہو بصورت دیگر بغیر دھوئے ہوئے ان میں کھانا پینا ناجائز ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے" ویکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل ومع ھذا لو اکل او شرب قبل الغسل جاز ولا یکون آکلا ولا شاربا حراما وھذا اذا لم یعلم بنجاسۃ الاوانی فاما اذا علم فانہ لا یجوز ان یشرب ویاکل منھا قبل الغسل

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۷ طبع مصر)

کی اس مذکورہ کراہت کی بنیاد بھی محض قیاس پر ہے جسے ثابت کرنے کے لئے کوئی ٹھوس اثر موجود نہیں ہے۔

موضوع زیر بحث کے سلسلہ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کسی غیر مسلم اور غیر اہل کتاب کا جھوٹا کھانا پینا کسی مسلم کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم اور غیر اہل کتاب کا جھوٹا کھانے پینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ کھانا یا مشروب حلال اشیاء سے تیار کیا گیا ہو، جس برتن میں اسے پکایا اور رکھا گیا ہو یا پیا ہو وہ ظاہری نجاست حقیقی سے پاک ہو نیز بظاہر اس جھوٹے کھانے یا مشروب میں کوئی نجاست پڑی ہوئی نظر نہ آتی ہو۔ اس حلت کی دلیل یہ ہے کہ ہر بنی آدم کا لعاب دہن بلا تفریق رنگ و نسل و بلا امتیاز دین و مذہب طاہر و پاک ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "بحر الرائق" میں مذکور ہے۔

"سؤر الآدمی طاھر لا فرق بین الجنب والطاھر والحائض والنفساء والصغیر والکبیر والمسلم والکافر والذکر والانثی یعنی ان اکل طاھر وطھور من غیر کراھتہ الخ (بحر الرائق)

آدمی کا لعاب دہن پاک ہے جس میں جنبی اور پاک حائضہ اور نفاس والی عورت، چھوٹے اور بڑے مسلم اور کافر مذکر اور مونث کا کوئی فرق نہیں ہے یعنی" سب پاک ہیں اور طہور اس کی عدم کراہت سے ہے۔

اسی طرح "فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

سؤر الآدمی طاھر ویدخل فیہ الجنب والحائض والنفساء والکافر الخ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۳ طبع مصر)

آدمی کا لعاب پاک ہے، اس حکم میں جنبی حائض نفاس والی عورتیں اور کافر سب داخل ہیں"

اور در مختار میں ہے۔

فسؤر الآدمی مطلقا ولو جنبا او کافرا طاھر الخ (در مختار علی ھامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۴۸)

انسان کا لعاب دہن مطلقا پاک ہے خواہ وہ جنبی ہو یا کافر"

علامہ عبد الرحمن الجزیری ؒ بیان کرتے ہیں۔ مالکیہ کا قول ہے۔ اللعاب ھو ما یسیل من الفم حال الیقظۃ

او النوم وهذا طاهر بلا نزاع اما ما يخرج من المعدة الى الفم فانه نجس الخ یعنی لعاب وہ ہے جو منہ سے حالتِ بیداری اور خواب میں بہتا ہے۔ اور یہ بلا نزاع پاک ہے لیکن جو معدہ سے خارج ہو کر منہ میں آتا ہے وہ نجس ہے۔ اور حنابلہ کا قول ہے کہ پسینہ، بلغم اور تھوک سب پاک ہیں۔" الفقہ علی المذاہب الاربعہ الجزء الاول ص۶ طبع استنبول ۱۹۸۴ء)

مشہور مترجم و شارح احادیث نبوی علامہ مولانا وحید الزماں صاحب صحیح بخاری کے باب البصاق والمخاط ونحوہ فی الثوب" یعنی تھوک اور رینٹ وغیرہ کپڑے میں لگنے کا بیان" کے فائدہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ نکلا کہ آدمی کا تھوک پاک ہے اگر منہ میں کوئی نجاست نہ ہو اور یہی باب کا مطلب ہے۔ اس حدیث کو خود امام بخاریؒ نے کتاب الشرط میں وصل کیا ہے الخ (تیسیر الباری اردو ترجمہ شرح صحیح بخاری ج ۱ ص۱۷۰ کتاب الوضو طبع تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

جامعہ امام محمد بن سعود الریاض (سعودی عرب) کے استاذ شیخ عبدالعزیز محمد سلمان نے تمام انسانوں کے لعابِ دہن کی طہارت اور اس کے بہت سے دلائل اپنی کتاب الاسئلہ والاجوبہ" میں بیان کئے ہیں جو قابلِ مطالعہ ہیں (ملاحظہ ہو الاسئلہ والاجوبہ الفقہیہ المقرونہ بالادلۃ الشرعیہ ج ۱ ص۵۴-۵۵ طبع دہم الریاض)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو کفار و مشرکین کے "نجس عین" ہونے کا وہم غالباً قرآن کریم کے اس ارشادِ باری تعالیٰ سے ہوا ہے انما المشرکون نجس (سورۃ التوبہ-۲۸) مشرکین ناپاک ہیں۔"

حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ مشرکین کی نجاست اعتقادی ہے نہ کہ ظاہری و جسمانی جیسا کہ تمام مفسرین متقدمین و متاخرین نے بیان کیا ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں ہم ذیل میں چند مشہور مفسرین کی تفاسیر سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ" مشرکین اپنی باطنی خباثت کے باعث نجس ہیں۔" (قرآن الکریم مع تفسیر جلالین علی الہامش ص۲۵۶ طبع مکتبۃ الشعبیۃ المصریہ)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ مشرک کی نجاست پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ صحیح میں موجود ہے کہ (المؤمن لا ینجس) واما نجاسة بدنه فالجمهور على انه ليس بنجس البدن والذات یعنی مشرک کے بدن کی نجاست کے متعلق جمہور کا قول ہے کہ ان کا بدن اور ذات نجس نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا طعام حلال قرار دیا ہے لیکن بعض ظاہریہ ان کی جسمانی نجاست کے بھی قائل ہیں۔ اشعث نے حسن سے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی مشرک ان

مصافحہ کر لیتا تو وہ وضو کرتے"۔ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۳۴۶ پ ع ۱۰ وکذا فی تفسیر ابن جریرؒ)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم فرماتے ہیں: "ناپاک ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بذاتِ خود ناپاک ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعتقادات، ان کے اخلاق، ان کے اعمال اور ان کے جاہلانہ طریق زندگی ناپاک ہیں الخ"۔ تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۸۷ حاشیہ ۲۵ طبع ادارہ ترجمان القرآن لاہور نومبر ۱۹۸۴ء)

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے بھی اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے: "مشرک لوگ (بوجہ عقائد خبیثہ) نرے ناپاک ہیں الخ (تفسیر ترجمہ اختصار شدہ بیان القرآن ص ۲۲۷ طبع تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور و کراچی)

اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں: "لیس بذات نجس"، یعنی وہ بذاتِ خود نجس نہیں ہے (عون المعبود ج ۱ ص ۲۸ طبع دہلی و ملتان)

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں:

اما قوله تعالىٰ، انما المشركون نجس فالمراد به النجاسة المعنوية التي حكم بها الشارع وليس المراد ان ذات المشرك نجسة كنجاسة الخنزير الخ

اللہ تعالیٰ کا قول کہ مشرکین نجس ہیں سے مراد معنوی نجاست ہے کہ جس کا حکم شارع نے بیان کیا ہے۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ مشرک کی ذات بھی خنزیر کی ذات کی طرح ناپاک ہے۔"

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۶ طبع استنبول)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "بحرالرائق" میں مذکور ہے۔

"ان المراد بقوله تعالىٰ انما المشركون نجس النجاسة في اعتقادهم" (بحرالرائق)

اللہ تعالیٰ کا قول کہ مشرکین نجس ہیں سے مراد ان کے اعتقاد کی نجاست ہے۔"

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک مشہور شاگرد امام محمدؒ غیر مسلمین کے متعلق یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

"يجوز لغير المسلم أن يمسه (اي القرآن الكريم) اذا اغتسل اما تحفيظ غير المسلم القرآن فانه جائز الخ" (الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۴۸)

اگر کوئی غیر مسلم غسل کے بعد قرآن کریم کو چھوئے تو یہ جائز ہے نیز قرآن کریم کی تحفیظ بھی غیر مسلم کے لئے جائز ہے۔"

امام محمدؒ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی نجاست محض اعتقادی اور معنوی ہے۔ حقیقی جسمانی اور ذاتی نہ

یہی بات اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد حقانی "ولقد کرمنا بنی آدم" یعنی ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا۔ کی متقاضی بھی ہے۔

اب اختتام پر ڈاکٹر صاحب کی محولہ تقریر وگفتگو کی مصدقہ رپورٹ کے بعض جملوں پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالتا چلوں۔

جہاں تک "سعودی عرب بن نار کین وطن" کے "مختلف" کیمپوں میں ہندوؤں کے ساتھ یا ہندو یا ورچیوں کا تیار کردہ کھانا برداشت کرنے" کے اس "مسئلہ" کی "اہمیت" کا تعلق ہے یا جس کے باعث "منفعد ربامد" پاکستانی حضرات کو "ناگوار حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے" دہ سرے سے کوئی اہم یا غیر اہم مسئلہ ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر شرعی دلائل کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے۔ جہاں تک باشندگان "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کی غالب اکثریت بیل سی فکر کے پائے جانے کا تعلق ہے تو یہ ان کی دین ومذہب کی تعلیمات سے لاعلمی، بیجا تنگ نظری اور تعصب کی غمازی کرتا ہے۔ جس کا غالب عامل دین ومذہب کے ساتھ وابستگی سے کہیں زیادہ ماضی کے تلخ سیاسی وملکی حالات اور شخصی تہی دامنی کا احساس شدید ہے۔ مخلصانہ طور پر عرض کرتا ہوں کہ ان حالات میں عوام کے پیش نظر بحیثیت سچے مسلم کے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہنا چاہیئے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الممتحنہ ۷) عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم میں اور ان لوگوں کے مابین محبت ڈال دے جن سے تم ... ت ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا غفور اور رحیم ہے۔

تقریباً یہی مضمون ایک حدیث نبوی میں اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

البغض عدوك هونا ما عسى ان يكون حبيبك يوما ما۔ (رواه الترمذی والبیہقی) اپنے دشمن سے بغض وعناد کسی قدر کم رکھو، ہو سکتا ہے کہ دہ عدو کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس فکر کو پھیلانے میں خودغرض سیاست داں حضرات نیز مفاد پرست اور نام نہاد علمائے سو ہم زبان ہو کر ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے چنانچہ اس ناجائز منافرت اور رنجانے اس جیسی کتنی خرافات کا پروپیگنڈہ وتشہیر اس قدر وسیع پیمانہ پر کیا گیا ہے کہ عوام کے نزدیک یہ باطل افکار ونظریات جزو ایمان وجزو دین کا مقام پا چکے ہیں جو فی الواقع شریعت مطہرہ میں ادنیٰ سا مقام بھی نہیں رکھتے، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس موقع پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آ رہا ہے جس میں آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا:۔

مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا ما ليس منه فهو رَدٌّ" (صحیح بخاری ۱/۳۷۱ وصحیح مسلم ۲/۷۷) جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کرے جو اس سے متعلق نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

والمراد به امر الدین الخ " فتح الباری ج ۵ ص ۳۰۳) اس سے مراد دینی امر ہے "

حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں۔

کلّ من احدث فی الدین مالم یاذن به الله ورسوله فلیس من الدین فی شیئ الخ " (جامع العلوم والحکم ص ۴۲) جس نے دین کے اندر کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کی اجازت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دی ہو تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے "

اور

من احدث فی دیننا مالیس منه فهو ردٌّ " (جامع العلوم والحکم ص ۴۲ وغیرہ) جس شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے متعلق نہیں ہے تو وہ مردود ہے "

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰة والسلام علی رسوله الکریم:

بقیہ افتتاحیہ۔

وعثمان، فرجف بهم، فضربه النبی صلی الله علیه وسلم برجله وقال: اثبت اعلیك نبی وصدیق وشهیدان،، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ احد پر چڑھے، اس پر لرزہ طاری ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیر سے مارا اور فرمایا ٹھہر جا تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ روئے زمین پر اگر صالح لوگ ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے آئی ہوئی آفات کو بھی ان سے دور کرسکتا ہے۔ اور تاریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ عذاب کی شکل میں آئی ہوئی بھیانک آفات سے وہی اقوام دوچار ہوتی ہیں جو قانون فطرت اور اعلیٰ انسانی اقدار کو توڑ کر شر کا مجسمہ بن جاتی ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں۔

اسلامی رسالت و شریعت کی عمومیت

عبد الرقیب سلفی ——— قسط ۲

قال تعالیٰ: یا اھل الکتاب آمنوا بما نزلنا مصدقا لما معکم من قبل ان نطمس وجوھا فنردھا علی ادبارھا او نلعنھم کما لعنا اصحاب السبت وکان امر اللہ مفعولا "

اے اہل کتاب قرآن پر ایمان لاؤ جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم چہرے کو مسخ کردیں یا ان کو پشت کے بل اوندھا کردیں۔ یا ان کو بھی اصحاب سبت کی طرح ملعون کردیں اور اللہ کا حکم پورا ہونا ہے

قال تعالیٰ: ۵۔ یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعھدی اوف بعھدکم وایای فارھبون وآمنوا بما انزلت مصدقا لما معکم ولا تکونوا اول کافر بہ ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا وایای فاتقون "

اے بنی اسرائیل میرے انعام کردہ نعمتوں کو یاد کرو۔ اور اپنا عہد پورا کرو، تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کرونگا اور مجھ سے ہی ڈرو۔

اور قرآن پر ایمان لاؤ۔ جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے پہلے کافروں میں مت بنو۔ اور میری آیات وہدایات کو ثمن قلیل کے بدلے مت فروخت کرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

غرآن کریم کی دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب پر رسالت اسلام کی اتباع واجب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور ان کے متبعین سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان کی مدد کا حکم دیتے رہیں گے۔

قال تعالیٰ: واذ اخذ اللہ میثاق النبیین یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد

لیا کہ جب میں نے تم لوگوں کو کتاب وحکمت دی اور کہا کہ پھر تم لوگوں کے پاس ایک رسول آئیں گے جو تمہارے پاس موجود شریعت کی تصدیق کریں گے۔ تو تم لوگ ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا تم لوگ اس کا اقرار کرتے ہو اور میرے اس عہد کو قبول کرتے ہو تو سب نے جواب دیا، ہاں ہم لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم لوگ اس امر پر گواہ رہو اور میں بھی تم لوگوں کے ساتھ گواہ ہوں اور عتبہ بن مسعود کی قرأت میں یہ آیت اس طرح ہے" واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب" اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا۔

عبداللہ ابن عباس اور علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر ان سے یہ عہد لیا۔ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری زندگی میں مبعوث ہوں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہی عہد و پیمان کریں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان کی زندگی میں ہو تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی حمایت کریں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب" الجواب الصحیح "کے اندر لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے قول کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول" واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" تمام انبیاء کو شامل ہے۔ اور لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ، ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ،" کے اندر" لما" کی پہلی لام، لام قسم ہے اور لام ثانی جواب قسم کی لام ہے اور قاعدہ ہے کہ جب قسم اور شرط یکجا مجتمع ہوتے ہیں، اور قسم مقدم ہوتی ہے تو جواب قسم شرط کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عہد کے بعد رسالت اسلام سے اعراض کرنے والے اہل کتاب پر فسق کا حکم لگایا گیا ہے جس سے مراد کفر ہے۔ اور یہ لوگ ایمان سے خارج ہیں۔

قال تعالیٰ فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون" جو لوگ اس عہد کے بعد روگردانی کریں گے وہ لوگ فاسق ہوں گے یعنی خارج از ایمان ہوں گے۔

۳۔ اسی عہد کی وفاداری اور پاسداری کا نام دین ہے اور جو شخص بھی اس کے علاوہ دیگر ادیان و مذاہب کی پابندی کریگا وہ اللہ کے فرض کردہ دین کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیت میں بصورت استفہام انکاری لوگوں کے سامنے بیان کیا ہے قال تعالیٰ" افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم

من فی السموات والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون۔ کیا وہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالانکہ کائنات کی تمام چیزیں خواستہ ونخواستہ اسی کے حکم کی تابع ہیں۔ پھر سب لوگوں کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کے علاوہ کسی کی طرف سے کوئی دین قبول نہیں کریگا۔ اور یہود ونصاریٰ پر ان کے دینی عہد ومیثاق سے واجب ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں۔ اور ان کے دین اسلام میں داخل ہوجائیں، اور یہی مقصود ومطلوب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا:۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہیگا وہ اس کی طرف سے کبھی بھی مقبول نہیں ہوگا۔ اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا۔

"من" صیغۂ عام ہے اور "من" شرطیہ عمومیت پر دلالت کے اعتبار سے سب سے زیادہ بلیغ ہے لہذا اس میں اہل کتاب اور دوسرے سبھی لوگ شامل ہیں۔ اور کلام کا سیاق وسباق اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ اس لیے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کو مراد لیا ہے جیسا کہ دوسرے لوگوں کو شامل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ بلکہ سورۂ آل عمران جو قرآن کی ایک لمبی اور بڑی سورت ہے، اس کا ابتدائی حصہ اہل کتاب سے خطاب اور نصرانیوں سے مناظرہ کے بارے میں ہے۔ اس طور سے کہ جب نجران کا نصرانی وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا۔ اسی وقت اس کا نزول ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع ہی میں بیان کیا ہے کہ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ اور اہل کتاب کو بھی اسلام لانے کا حکم اسی طرح دیا گیا ہے جس طرح اہل عرب کو یہ حکم دیا گیا ہے جن کے پاس کوئی کتاب موجود نہیں ہے گویا کہ پوری بنی نوع انسان کو اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے خواہ ان کے پاس کتاب ہو یا نہیں ہو۔

قال اللہ تعالیٰ "شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم ۔ ان الدین عند اللہ الاسلام" اللہ تعالیٰ، فرشتے اور منصف اہل علم نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی جو عزیز اور حکیم ہے۔ بلاشک اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے اور اہل کتاب نے آپس میں سرکشی کی وجہ سے علم آجانے

کے بعد اختلاف کیا ہے، اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ جلد ہی اس سے حساب لینے والا ہے۔ اور اگر وہ لوگ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہدیجئے کہ ہم اور ہمارے متبعین اللہ کے تابع فرمان ہیں۔ اور آپ اہل کتاب اور ناخواندہ لوگوں سے کہدیجئے کہ ہم تم لوگ اسلام لانے کی خواہش رکھتے ہو۔ اگر اسلام لاؤگے تو ہدایت یاب ہو جاؤگے۔ اور اگر اعراض کروگے تو میری ذمہ داری صرف اللہ کی بات پہونچا دینی ہے، اور اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے بندے کے حرکات و سکنات سے واقف ہے اور اسے ملاحظہ کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک ہی سیاق میں مضبوط ترتیب کے ساتھ اسی معنی کی آیتیں پے بہ پے آتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور ان کے متبعین سے یہ کہہ رکھا ہے کہ وہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی حمایت کریں۔

قال تعالیٰ:۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ

اور یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں عہد لیا کہ جبکہ میں نے تم کو کتاب و حکمت دی ہے۔ پھر جب تمھارے پاس وہ رسول آئیں جو تمھاری شریعت کی تصدیق کرتی تو تم لوگ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد و حمایت کرو۔

اور انبیاء نے اس کا عہد کیا اور اللہ تعالیٰ اس اقرار پر شاہد بنا

قال تعالیٰ: ااقررتم واخذتم علی ذالکم اصری۔ قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین اور اس کے بعد کہا فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون۔ اور اس کے بعد کہا افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون اور ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ حکم موجود ہے۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔

ان آیات کی اس بات پر صریح دلالت موجود ہے کہ انبیاء کا دین ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و شریعت پر ایمان لانے والے تمام رسالتوں اور شریعتوں پر ایمان لانے والے اور تمام رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہونگے

قال تعالیٰ: قل آمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم واسماعیل واسحاق ولیعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی والنبیون من ربھم لانفرق بین احد منھم

آپ کہدیجئے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ، قرآن، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اسباط، موسیٰ، عیسیٰ، و دیگر انبیاء کرام پر نازل کردہ شریعتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے

ونحن له مسلمون درمیان کسی طرح کی کوئی تفریق نہیں کرتے ہیں اور ہم لوگ اسی کے تابع فرمان ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری حدیثیں بھی رسالت محمدی کی عمومیت پر دلالت کرتی ہیں جن میں بعض روایتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کے مقابلے میں آپ کو کچھ خاص چیزیں عطا کی ہے۔ جو کسی دوسرے نبی کو نہیں ملی ہے۔ اور ان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر نبی کی بعثت ان کی خاص قوم کی طرف ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ صحیحین میں یہ روایت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اعطیت خمسا لم یعطهن احد من الانبیاء قبلی ، نصرت بالرعب مسیرة شهر وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا فایما رجل من امتی ادرکته الصلوٰة فلیصل ۔ واحلت لی الغنائم ، ولم تحل لاحد قبلی واعطیت الشفاعة وکان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة مجھکو پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں ، ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔ تمام روئے زمین میرے لئے مسجد اور جائے طہارت بنا دی گئی ہے ۔ لہذا میری امت میں سے کسی کو بھی کہیں نماز کا وقت پائے تو وہ وہیں نماز پڑھ لے میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے۔ اور مجھ سے قبل کسی نبی کیلئے بھی یہ چیز حلال نہیں تھی مجھکو سفارش کا حق دیا گیا ہے ۔ اور نبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے ۔ اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں ۔

۲ ۔ عن ابی موسی الاشعری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : والذی نفسی بیده لا یسمع بی رجل من هذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم لا یومن بی إلا دخل النار ،، ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ اس امت کا کوئی فرد بھی یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنے گا اور پھر ایمان نہیں لائے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا ۔

اس حدیث میں امت سے مراد ۔ امت دعوت ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان واجب نہیں

ہوتا۔ تو آپ ایمان نہ لانیوالے کو جہنم کے دخول کی وعید نہیں سناتے اور خصوصیت کے ساتھ یہودی اور نصرانی کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعلیٰ کے ذریعہ ادنی پر تنبیہ ہے اس لئے کہ جب یہود و نصاریٰ کو دخول جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ جو بلحاظ زمانہ انبیاء کرام کی آخری امت ہیں، اور آسمانی کتابیں بھی ان کے پاس موجود ہیں تو ان کے علاوہ جو لوگ بت پرست ہیں وہ سب اس وعید کے اندر بدرجۂ اولیٰ داخل ہیں۔

۳۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک کتاب لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ان کو کسی اہل کتاب سے دستیاب ہوئی تھی اور پھر آپ کے سامنے اس کو پڑھنے لگے تو آپ نے غصہ ہوتے ہوئے فرمایا لقد جئتکم بہا بیضاء نقیۃ والذی نفسی بیدہ لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا ان یتبعنی "میں تم لوگوں کے پاس ایک صاف ستھری واضح شریعت لیکر آیا ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ بھی آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کرنی پڑتی۔

۴۔ حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے اہل کتاب بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھا تھا۔ اور ان کو ایمان کی دعوت دی تھی اور اگر آپ ان کی دعوت پر مامور نہیں ہوتے تو پھر آپ ان کو ایمان کی دعوت نہیں دیتے۔

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی کسری والی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوھم الی اللہ ولیس بالنجاشی الذی صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور تمام بادشاہوں کو دعوتی خط لکھا تھا اور ان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی اور یہاں نجاشی سے مراد وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی نماز جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی۔

شاہ حبشہ نجاشی نصرانی تھے اور ان کی رعایا بھی نصرانی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت نے ان کی عدل پروری اور انصاف پسندی کا چرچا سن کر حبشہ ہجرت کیا تھا۔ جن کا کفار مکہ نے تعاقب کیا تھا اور اپنے قاصدوں کو تحفے تحائف کے ساتھ نجاشی کے دربار میں بھیجا تھا۔ تاکہ یہ لوگ ان کو مکہ واپس لے آئیں۔ لیکن نجاشی نے ان کی بات سننے سے قبل واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی بات سنی اور ان لوگوں کی زبانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور خصائل محمودہ کو جانا تو ان لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دے دیا اور جب قرآن کریم کو سنا تو کہا ان ھذا والذی جاء بہ موسیٰ لیخرج من مشکوۃ واحدۃ "بلا شک یہ شریعت محمدی قرآن اور شریعت موسوی توریت دونوں کا مخرج ایک ہی مشکاۃ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ بن خلیفہ الکلبی کو دعوتی خط دیکر شاہ روم ہرقل کے پاس بھیجا تھا اور اس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا" بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی ہرقل عظیم الروم ۔ السلام علی من اتبع الھدیٰ ۔ اما بعد فاسلم تسلم و اسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین وان تولیت فان علیک اثم الاریسین" بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط شاہ روم ہرقل کے نام ہے متبعین ہدایت پر سلامتی ہو ۔ اما بعد ۔ اسلام لاؤ اور سلامت رہو ۔ تم اسلام لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو ڈبل اجر دیگا ۔ اور اگر اس سے اعراض کروگے تو تمھاری رعایا کا بھی گناہ تمھارے سر ہوگا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کو دعوتی خط کے ہمراہ شاہ مصر مقوقس کے پاس روانہ کیا تھا اور اس نے آپ کے قاصد کی بڑی تعظیم و تکریم کی تھی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ دو لونڈی اور ایک خچر روانہ کیا تھا، اور ان میں سے ایک لونڈی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے منتخب کیا تھا جن کا نام ماریہ قبطیہ ہے اور انھیں کے بطن سے آپ کے صاحبزادہ ابراہیم کی ولادت ہوئی تھی ۔ اور دوسری لونڈی حسان بن ثابت کو دیدی تھی جن کے بطن سے عبدالرحمن پیدا ہوئے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ فارس کسریٰ کو خط لکھا تھا اور اس نے نامۂ مبارک کو پڑھکر جب چاک کردیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر یہ بد دعا کی تھی کہ اے اللہ تو ان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کردے ۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ و قیصر دونوں ہی کو خط لکھا تھا ۔ لیکن کسریٰ نے اس کو پڑھکر چاک کردیا اور قیصر نے پڑھنے کے بعد لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا ۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ بھی کسریٰ کے متبعین ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں گے اور وہ لوگ یعنی قیصر کے متبعین باقی رہیں گے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی کو اپنے نامۂ مبارک کے ساتھ منذر بن ساری صاحب "ہجر" کے پاس بھیجا تھا اور اس کو دعوت اسلام دی تھی ۔

اہل کتاب اپنے علم کے مطابق ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں لوگوں کو بتاتے تھے اور مشرکین کو ڈرانے دھمکاتے تھے کہ ہم لوگ ان پر ایمان لائیں گے اور تمھارے خلاف ان کی مدد کریں گے جیسا کہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے ۔ لیکن آپ کی بعثت کے بعد انھیں لوگوں نے آپ کی رسالت کا انکار

کیا اور خیانت و وحشت اور بنئی رسول سے عداوت کی وجہ سے بدعہدی کیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عاصم بن عمر بن قتادہ نے مجھ سے اپنی قوم کے کچھ افراد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جو اسباب کی بنا پر ہم لوگ مسلمان ہوئے ان میں ایک سبب یہ ہے کہ ہم لوگ یہودیوں سے سنتے تھے اور ہم لوگ مشرک بت پرست تھے۔ اور وہ لوگ اہل کتاب اور صاحب علم تھے اور ہمارے اور ان کے درمیان فتنے موجود تھے۔ پھر جب ہم لوگوں کو بعض ناپسندیدہ چیزیں پیش آئیں، تو ان لوگوں نے ہم سے کہا کہ اب ایک نبی کی بعثت کا وقت قریب آگیا ہے۔ ہم لوگ تم لوگوں سے ان کے ساتھ عاد و ارم کے قتال کی طرح قتال کریں گے۔ اور ہم لوگ اکثر ان سے یہ بات سنتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو ہم لوگوں نے آپ کا دعوت الی اللہ کو قبول کیا۔ اور ہم لوگوں نے اس کو پہچان لیا جس کے ذریعہ وہ لوگ ہم کو ڈراتے تھے۔ اور ہم لوگوں نے ایمان لانے میں ان سے سبقت کی اور ان لوگوں نے آپ کا کفر کیا۔ اور سورہ بقرہ کی یہ آیتیں ہمارے اور ان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قال تعالیٰ " ولما جاء هم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين "، یعنی جب ان لوگوں کے پاس اللہ کی کتاب آگئی جو ان کے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور اس سے قبل وہ کافروں کے خلاف مدد چاہتے تھے پھر جب وہ آگئے تو انجان بن گئے اور ان کا کفر کیا۔ لہذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ابن ہشام نے کہا ہے " یستفتحون - یستنصرون کے معنی میں ہے اور یہ یتحاکمون کے معنی میں بھی آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت انجیل میں بھی بیان کی گئی ہے قال تعالیٰ:۔ واذ قال عيسى ابن مريم يا بني اسرائيل اني رسول الله اليكم مصدقا لما بين يدي من التوراة ومبشرا برسول يأتي من بعدي اسمه احمد فلما جاءهم بالبينات قالوا هذا سحر مبين " جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تم لوگوں کے پاس اللہ کا رسول مبعوث کیا گیا ہوں اور تم لوگوں کے پاس توریت جو موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے پھر جب وہ معجزات کے ساتھ تشریف لائے تو ان لوگوں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ کی جو صفت انجیل میں اہل انجیل کیلئے بیان کی ہے اور اس کی جو باتیں مجھ تک پہونچی ہیں اس کو یحنس حواری

ثابت کیا ہے جس نے عہد عیسوی سے انجیل کو نقل کیا ہے ۔ اس میں انکا بیان ہے کہ جس نے مجھ کو غصہ کیا، اس نے رب کو غصہ کیا۔ اگر میں ان کی موجودگی میں کوئی ایسا کام کرتا جو مجھ سے قبل کسی نے نہیں کیا ہے. تو اس میں ان کی کوئی غلطی نہیں تھی. لیکن یہ لوگ ابھی سے اترانے لگے ہیں اور یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ وہ مجھ سے اور اللہ تعالیٰ سے بھی جنگ کریں گے جبکہ ناموس کے بارے میں جو کلمہ ہے اس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ان لوگوں نے بلاوجہ مجھکو ناراض کیا ہے. اگر وہ آدمی آیا جو تم لوگوں کے پاس رب اور روح القدس کے پاس سے مبعوث ہونیوالا ہے، جو رب کے پاس سے نکلیگا وہ مجھ پر اور تم پر شہادت دیگا۔ اس لئے کہ تم لوگ پہلے سے میرے ساتھ ہو۔ اور اسی کے بارے میں میں نے تم لوگوں کو بتایا ہے: تاکہ تم لوگوں کو کسی طرح کا شک نہ ہو سریانی زبان میں منحمنا محمد کو کہتے ہیں۔ اور رومی زبان میں محمد کو برقلیط کہتے ہیں۔ اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اہل کتاب کو شامل نہیں ہوتی تو پھر اس سے ان کا انکار کفر نہیں ہوتا ۔ قال تعالیٰ : لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیهم البینۃ،، کفار اہل کتاب اور مشرکین جدا نہیں ہوئے یہانتک کہ ان کے پاس دلیل آگئی ۔

قال تعالیٰ:" ان الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین فی نار جهنم خالدین فیها اولئك هم شر البریۃ ،، کفار اہل کتاب اور مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور یہ لوگ بدترین قسم کی مخلوق ہیں ۔

قال تعالیٰ " هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیارهم لاول الحشر ،، وہ اللہ کی ذات ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو اول حشر میں ان کے گھروں سے نکالا ۔

قال تعالیٰ : یقولون لاخوانهم الذین کفروا من اهل الکتاب ،، وہ لوگ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہہ رہے تھے ۔

جس شریعت کے ہم تابع فرمان ہیں اس میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انس وجن، اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب کی طرف مبعوث کیا ہے، اور اس پر ایمان نہیں لانے والا کافر ہے اور اس سے جہاد واجب ہے۔ وہ اللہ کے عذاب کا مستحق ہے اور یہ مومنوں کی اجماعی بات ہے اور اس سلسلے میں کثرت سے نصوص موجود ہیں ۔

قال اللہ تعالیٰ : قل یا ایها الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ،، اے نبی آپ کہدیجئے کہ میں تم سب کا رسول ہوں - قال تعالیٰ : قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم

(جاری)

عربی ادیب نجیب محفوظ مصری اور مغرب کا نوبل پرائز

ابن حبیب اشرف

سوئیڈن اکیڈمی نے ۱۹۸۸ء کا ادبی نوبل انعام مصر کے ادیب نجیب محفوظ کو ساٹھ لاکھ روپے کی شکل میں دینے کا اعلان کیا ہے۔ موصوف یہ اعزاز حاصل کرنے والے پہلے عرب ادیب ہیں۔ آپ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۱ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ یونیورسٹی میں آپ نے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ تقریباً پچاس کتابوں کے مصنف ہیں۔ ناول اور افسانہ نگاری آپ کا اصل فن ہے۔ مغربی ادب، مغربی فلسفہ اور مغربی اقدار کے دلدادہ ہیں۔ ایک زمانہ میں بلند اسلامی و ادبی شخصیت سید قطب رحمۃ اللہ نے ان کے لئے روشن مستقبل کی پیش گوئی کی تھی لیکن جمال عبدالناصر سے لیکر انور سادات تک مصر کے ناپائیدار معاشرہ کی نجات کے لئے موصوف کی ذہانت نے جو راہ منتخب کی وہ اسلام کے آفاقی اور دائمی اصولوں کے بجائے مغربی فلسفہ، مغربی اقدار، ترقی پسندی، جدید مغربی جمہوریت اور کمیونزم کے داعیوں کی نصرت و تائید کی راہ ہے۔ آپ کی نظر میں ابونواس کی خمریات حقیقی اسلامی ادب عالی ہے اپنے اس نوبل انعام کے اعزاز کے متعلق آپ کی رائے ہے کہ یہ میری محنتوں اور میری خوش قسمتی کا ثمرہ ہے عرب کے ترقی پسند ادبا اور نقاد نجیب محفوظ کو فرانسیسی ادیب بالزاک سے تشبیہ دیتے ہیں جیسے سماجی زندگی کا گہرا شعور حاصل ہے۔ اور اس انعام کو عرب قوم اور عربی زبان کی عالمی اہمیت کے لئے نیک فال قرار دیتے ہیں لیکن اس کے برخلاف عرب دنیا کی اکثریت اور دنیائے اسلام اس مغربی اعزاز کو سیاسی حربہ اور مکر و خداع سے تعبیر کرتی ہے۔

عبقری اسلامی ادیب عباس محمود عقاد نے اپنی کتاب "بین الکتب والناس" میں ادبی انعام کے لئے نوبل کمیٹی کے کچھ شرائط کا ذکر کیا ہے:-

ادیب صلح و امن کا پیامبر ہو۔ اقوام عالم میں فتنہ اور بغض و عداوت کے بجائے اقدار عالیہ کا خادم ہو وغیرہ ''
لیکن حقیقت یہ ہے کہ نوبل کمیٹی صلح و امن اور اقدار عالیہ انھیں باتوں کو قرار دیتی ہے جسے مغربی فلسفہ اور مغربی افکار درست قرار دے دیں۔ مغرب کے فلسفہ اقدار اور معیار پر جو شخص پورا اتر جائے وہ ادبی انعام کا مستحق ہو سکتا ہے جبکہ انحار عالم میں نہ امن و سلامتی کے فلسفوں اور اقدار کی کمی ہے اور نہ امن و سلامتی کے لئے کام کرنے والوں کی، صحیح بات یہ ہے کہ نوبل کمیٹی کے یہ شرائط جہاں مغربی فلسفہ و اقدار کے تابع ہیں وہیں یہ بات بھی واضح ہے کہ ادیبوں کے انتخاب کے سلسلہ میں نوبل کمیٹی مکمل طور پر مغرب کے سیاسی مصالح کے تابع ہے۔ اس ادارہ کے ذمہ دار سب عالمی صہیونیت کے خادم ہیں۔ اس ادارہ سے آج تک جتنے ادبی انعامات دیئے گئے ان میں پچاس فیصد ایسے ادیبوں کو دیئے گئے جو یہودی الاصل یا یہودیوں کے معاون ہیں۔ اس ادارہ نے مغربی فلسفہ کے دونوں رخ سرمایہ داری اور کمیونزم کے خول سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا، سرد براعظم سے ایشیا کے گرم براعظم میں اس نے قدم رکھا بھی تو ہمیشہ سیاسی مصالح کا خوشنما پہلو اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ برصغیر میں ٹیگور تو اس کے معیار پر پورے اتر گئے لیکن اقبال جو صوفیانہ شاعری اور صلح و امن کی خدمات کے لئے ٹیگور سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ اس معیار پر پورے نہیں اترے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اقبال صلح و امن کے ایسے اقدار اور فلسفہ کا علمبردار ہے کہ اس کا آفتاب بے حجاب ہو جائے تو مغرب کے فلسفہ و اقدار کائی کی طرح بکھر کر رہ جائیں۔ بیگن اور سادات امن کے نوبل انعام سے نوازے گئے جبکہ بیگن انسانیت اور امن و سلامتی کا قاتل ہے اور سادات فلسطینیوں اور عربوں کے حقوق اور عالم اسلام کے عزت و وقار کا سوداگر ہے لیکن نوبل کمیٹی مغربی فلسفہ اور اہل مغرب اپنے سیاسی مصالح کے پیش نظر دونوں کو امن کا خادم سمجھتے ہیں۔

نجیب محفوظ جو اس عظیم نوبل انعام کے مستحق قرار دیئے گئے وہ ان کی ان دیرینہ خدمات کا صلہ ہے جو انھوں نے مغربی فلسفہ اور مغربی اقدار کے فروغ کے لئے انجام دی ہیں۔ انھیں یہ سعادت اسی وقت نصیب ہوئی جب وہ مغرب کے معیار پر پورے اتر گئے۔ نجیب محفوظ کے خیالات ان کے ناولوں کے کرداروں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نئی عرب نسلوں میں مغربیت اور اباحیت کے فروغ اور اسلامی ثقافت سے بیگانگی پیدا کرنے میں موصوف نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ مقبوضہ عرب علاقوں میں فلسطینی نوجوانوں کو اسلامی روح سے بیگانہ کرنے کے لئے اسرائیلی حکومت نجیب کے ناولوں کو نہایت کثرت سے شائع کر کے تقسیم کراتی رہی ہے۔ تمام عربوں سے کٹ کر سادات

نے جب اسرائیل کا دورہ کیا تو نجیب اس کے بڑے موید تھے۔ انھوں نے کیمپ ڈیوڈ کے مولت آمیز سمجھوتہ کی مکمل تائید کی تھی، موصوف اسرائیل جیسی ظالم اور خونخوار طاقت کے ساتھ پرامن تعلقات قائم کرنے کے بڑے علمبردار رہیں۔ نوبل کمیٹی یا اہل مغرب کے سیاسی مصالح کی تکمیل کے لئے اور کیا چاہیئے اس لئے اگر نوبل کا اعزاز سادات کو بخشا گیا تو نجیب آج اپنی خدمات کے صلہ سے کیوں محروم رہتے

نئی اسلامی بیداری اور فلسطین کے عوامی انتفاضہ نے مغرب نواز ادیبوں اور سیاسیوں کے دائرے اسقدر تنگ کر دیئے ہیں کہ انھیں اپنے مخصوص مزاج کے لئے سپر پاور اعظم کے ایک خنک جھونکے کی ضرورت سختی سے محسوس ہوئی اور اسلام کے ابھرتے ہوئے آفتاب کی شعاعوں سے جب مغرب سے مستعار لی ہوئی ان کی آنکھیں چندھیانے لگیں تو اپنی زندگی اور مقدر کے سیاہ خانہ میں مغرب کے پیلے آفتاب کی دھند آمیز شعاع نوبل پرائز کے چور دروازہ سے کشید کرلی انھیں خبر نہیں کہ یہ وظیفہ اگرچہ ان کے عزت و اعتقاد میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا بلکہ چھوٹے اعزاز اور چند سکوں کے عوض ان سے بہت بڑی قربانی چاہتی ہے۔ قرآن جیسے احکام ادب عالی نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔ "ولن ترضی عنك الیهود ولا النصاری حتی تتبع ملتهم"، یہود و نصاریٰ ہرگز تم سے راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تم ان کی ملت کی اتباع کرنے لگو۔

موجودہ وقت میں کسی کو عطا کیا گیا کوئی نوبل پرائز ہو یا شیطان لعین سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" پر برطانیہ کا عظیم ادبی انعام ہو یا ماضی قریب میں مغربی ممالک کے ماتحت ایشیائی، افریقائی اور مسلمان ممالک میں با اثر شخصیات کو "سر"، "شمس العلماء" یا "ایسے" ہی دیگر خطابات کی نوازش سب اہل مغرب کے سیاسی عزائم اور مکر و خداع پر مبنی ہیں یہ مغربی فلسفہ و اقدار کے شاطر شکاریوں کے وہ جال ہیں جن سے دیگر اقوام کے با اثر افراد خصوصاً نوجوان کبھی بڑی آسانی سے شکار ہو کر مغربی تہذیب کے انٹرنیشنل عجائب گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی تہذیبی بولیوں اور اپنے قومی خد و خال کو فراموش کر کے ڈارون کے بندروں کے قومی خد و خال اور ان کی تہذیبی بولیاں اختیار کر لیتے ہیں۔

ساتھ ہی ایسے باغیرت افراد کی بھی کمی نہیں ہے جنھوں نے اہل مغرب کے دیئے ہوئے اعزازات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا یا اسے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے ہمیشہ اپنی تہذیب و ثقافت کے فروغ میں منہمک رہے۔

ہماری مطبوعات

نام کتاب :- نماز میں سورہ فاتحہ احادیث صحیحہ۔ آثار سلف اور اقوال ائمہ کی روشنی میں۔

تالیف : مولانا کرم الدین سلفی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

صفحات : ۱۹۲

ناشر : ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ بنارس

ملنے کا پتہ : مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

قیمت : بیس روپے

نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت اور عدم قرأت کا مسئلہ مدت سے فقہاء اسلام کے نزدیک معرکۃ الآراء رہا ہے۔ اس موضوع پر فریقین کی جانب سے مفصل اور مختصر دونوں قسم کی کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں خصوصاً محدثین کرام نے احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو امت کے سامنے انتہائی سہل شکل میں پیش فرمایا ہے جو ایک حق پرست متبع سنت کے لیے پورے طور پر تشفی بخش ہے۔

جمہور صحابہ کرام اور علماء سلف وخلف کا یہی مسلک ہے کہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوگی اور مقتدی وامام دونوں کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس دعوی کی تائید زیر نظر کتاب کا موضوع ہے۔ فاضل مصنف نے انتہائی پراعتماد لہجے میں یہ لکھا ہے کہ کسی مرفوع صحیح غیر مجروح حدیث میں یہ وارد نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت سے منع فرمایا ہو بلکہ کسی ضعیف حدیث سے بھی یہ دعوی مستفاد نہیں ہوتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ علماء کی ایک جماعت نے اجمالاً وتفصیلاً اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ سب سے پہلے امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "جزء القراءۃ خلف الامام" کے نام سے مستقل رسالہ

تصنیف فرمایا ہے۔ اس کے بعد آپ کے شاگردان گرامی امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے بھی قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ پر بسط و تفصیل سے لکھا اور براہین ساطعہ سے ثابت کیا کہ سورہ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے بہت سے جید علماء اور ماہرین فن حدیث نے بھی مذکورہ مسئلہ پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ لیکن ہمارے مولف مرحوم نے اس لیے اس مسئلہ کو اٹھایا ہے کہ ان بزرگان اسلام کی کتابیں خالص علمی مباحث و نکات پر مشتمل ہیں۔ ہر شخص ان سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان میں سے بعض تو اب بالکل نایاب ہیں اس لیے اس رسالہ میں صرف دلائل جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ خواص کے علاوہ عوام بھی کماحقہ مستفید ہو سکیں۔

مؤلف علیہ الرحمۃ نے اپنے مدعا کے اثبات میں اساطین علماء احناف مثلاً شیخ عبدالرحیم حنفی، شیخ حسن عجمی حنفی، مرزا حسن علی حنفی، مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہم اللہ کے اقوال و فتاوی کو جمع کر دیا ہے اور اخیر میں علماء احناف کے تمام دلائل کے متعلق مولانا لکھنوی کے فیصلہ کو بھی پیش کیا ہے۔

مصنف نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے کتاب کا آغاز فرمایا ہے۔ اور قرأۃ فاتحہ کے وجوب کو اجلہ محدثین کرام بشمول شراح حدیث و مفسرین سے منقول شدہ تقریباً بیس اقوال سے ثابت کیا ہے اس کے بعد پچاس سے زائد احادیث نبوی نقل کر کے اس کی فرضیت کو مزید موکد کیا۔ اسی طرح ساٹھ سے زائد آثار صحابہ کرام۔ تابعین و تبع تابعین کے تینتیس فتاوی اور اتنی ہی تعداد میں ائمہ مجتہدین اور جمہور علماء سلف و خلف کا مسلک اور جماعت اہلحدیث و احناف کے چھیالیس جید علماء کرام کے اقوال کو کافی جدوجہد، سعی بلیغ اور انتہائی تحقیق و جستجو سے نقل فرمایا۔ اس طرح اس سلسلہ میں لگ بھگ تین سو دلائل و براہین سے قرأۃ فاتحہ کی فرضیت کو مستحکم قرار دیا گویا دور نبوی سے اس وقت تک صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور علماء سلف و خلف کے اقوال بشمول احادیث نبویہ کا استدراک و استقصاء ہدیہ قارئین فرمایا ہے۔

اسی بحث کے ضمن میں دلائل سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو بھی ٹھوس اور مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے۔

اسی طرح احادیث صحیحہ سے منقح کیا گیا ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت شمار نہیں کی جائے گی۔ اس کے لیے مصنف نے احادیث رسول، محدثین عظام کے اقوال اور علماء اہلحدیث کے فتاوی کو پیش کیا ہے۔

کتاب کی زبان سلیس۔ شائستہ اور انداز تحریر سنجیدہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کوئی شخص عنادی۔ انصاف پسندی

ور تلاش حق کے شوقین سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے اور ضرور مسلک حق کو پالیں گے۔ اس موضوع پر مصنف کی یہ کوشش پوری جماعت اہلحدیث پاک وہند کی جانب سے قابل تبریک اور اس باب میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔

فاضل مؤلف مولانا کرم الدین سلفی پاکستان کے ایک ابھرتے ہوئے جواں عزم اہلحدیث عالم تھے۔ پاکستان کا مشہور شہر اوکاڑہ آپ کا وطن تھا۔ وہاں کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں آپ نے تعلیم حاصل کی تھی فراغت کے بعد اسی جامعہ میں کچھ عرصہ تدریسی فرائض بھی انجام دیئے اس کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں ناظم تعلیمات اور شیخ الحدیث بھی تھے۔ عمر عزیز کے آخری تین برس کلیہ ... وشارجہ متحدہ عرب امارات میں امامت و خطابت اور دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے ہوئے گذارے تاریخ وفات ۱۷ فروری ۱۹۸۸ء ہے رحلت کے وقت آپ کی عمر صرف چالیس برس تھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کو قبول عام سے نوازے اور مصنف کے لئے اسے سعادت عقبیٰ کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ بنائے۔ آمین۔

امتیاز احمد سلفی

ندوۃ المجاہدین کیرالہ کانفرنس میں
جامعہ سلفیہ و مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے وفد کی شرکت

ناظم اعلیٰ محترم جناب مولانا عبد الوحید عبد الحق حفظہ اللہ کے ایماء پر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند اور جامعہ سلفیہ کی نمائندگی کے لئے جامعہ کے اساتذہ کا ایک دو رکنی وفد ندوۃ المجاہدین کیرالہ کے اسٹوڈنٹ ونگ کی مجاہد اسٹوڈنٹ موومنٹ اسٹیٹ کانفرنس میں شرکت کے لئے ۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء کو بنارس سے روانہ ہوا ہے۔ یہ وفد چار روزہ کانفرنس (۲۹ دسمبر تا یکم جنوری) کے منعقدہ پروگراموں میں شرکت کے بعد واپس آئے گا۔ جامعہ کی بعض عربی مطبوعات بھی وفد کے ساتھ ارسال کی گئی ہیں۔

(دفتر جامعہ سلفیہ)



ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ ۲ فروری ۱۹۸۹ء رجب ۱۴۰۹ھ جلد ۷

مدیر

عبدالوہاب حجازی

اس شمارہ میں

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب

وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ — تیس روپے

فی پرچہ — تین روپے

حدیث

مولانا عبدالحکیم صاحب مسلم کے والد گرامی مولانا عبدالہادی شہیدین کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے تھے اور مع اہل وعیال جہاد بالاکوٹ میں شریک ہوئے تھے۔ آبائی وطن ضلع چھپرا بہار ہے۔ مسلم صاحب کا شعری مجموعہ "دیوان گلشن" آج سے کچھ پہلے ہر مسلمان گھر میں موجود ہوتا تھا اور لوگ اسے پڑھ کر ایمان تازہ کرتے تھے۔ یہ شعری مجموعہ مسلمانوں کے لئے کل کے مقابلہ میں آج زیادہ نفع بخش ہے۔

ادارہ

جب سے لائی ہے صبا مژدۂ بستان حدیث
خطۂ ہند کو کہتے ہیں گلستان حدیث

جائیے سیر کو گلشن میں تو آتی ہے چلی
سنبل و سوسن و صد برگ سے ریحان حدیث

بلبل و فاختہ طوطی و قمری ہر سو
ہیں بصد نغمہ سرائی کے ثنا خوان حدیث

زندہ رہتا نہ کبھی بعد نبی کے اسلام
جسد دین میں پڑتی نہ اگر جان حدیث

اہل تقلید کو ٹکڑے ہیں گدائی کے نصیب
طالب سنت نبوی کو ملا خوان حدیث

کیسے مانیں گے وہاں نامۂ دستور قیاس
جس جگہ خاص ہو پروانۂ سلطان حدیث

بالیقیں جلد شفا پائیں گے بیمار شکوک
لائیں گے دل سے اگر خواہش فرمان حدیث

پردۂ ضد و تعصب کا اٹھا دو دل سے
ہو اگر منتظر جلوۂ جانان حدیث

قول نبوی کے خلاف آئے جہاں قول امام
بے ادب ہو نہ وہاں درپئے بطلان حدیث

اتنی شیخی نہ کرو پڑھ کے ہدایہ صاحب
ابھی جا کر کہیں کیجئے گردان حدیث

دل کے اندھوں کو مرے پاس تو لاؤ یارو
ڈالوں ان پر بھی ذرا پرتو لمعان حدیث

گھیر لیتی شب بدعت کی اندھیری ہم کو
ہوتا طالع نہ اگر نیر تابان حدیث

پائے سرسبز وہی مزرع ایمان اپنا
جس کو سیراب کرے قطرۂ باران حدیث

حب نبوی کا نہ ہو ذوق میسر اس کو
جس نگوں بخت کے دل میں نہیں میلان حدیث

قرب نبوی کی تمنا ہے اگر اے مسلم
[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

جس چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا

مشہور مجسمہ ساز طاہر تلا زمہ ذوالفقار علی بھٹو کا پندرہ فٹ بڑا کالنی کا مجسمہ تیار کریں گے۔ مجسمے کی تیاری کے سلسلے میں پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور مجسمہ ساز طاہر تلا زمہ کے درمیان بات چیت ہوئی۔ مجسمہ تین سال میں تیار ہوگا، مجسمے کی تیاری کے لئے حتمی منظوری وزیر اعظم بے نظیر بھٹو چند دنوں میں دیں گی۔ اس مقصد کے لئے پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کا ایک وفد جلد ہی بے نظیر بھٹو سے ملاقات کرے گا۔

(ہفت روزہ اہلحدیث لاہور شمارہ ۵۳ مجریہ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۸ء بحوالہ نوائے وقت)

پاکستان میں جمہوریت کی آمد پر دنیا کے مختلف ذرائع ابلاغ نے صدائے تحسین بلند کی۔ خاص طور سے مغربی میڈیا نے اسے طلوع صبح نو اور نسیم سحر سے تعبیر کیا، ہم نے بھی دیکھا کہ کیسے بھی سہی بہر حال جمہوریت کی نسیم پری صحن پاکستان میں اتری لیکن اس کی برکات کا دیکھنا ابھی باقی ہے، مذکورہ بالا خبر جمہوری ممالک میں ظاہری رنگ روغن کے طور پر دیکھی جاتی ہے۔ لیکن اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لئے یہ خبر اس اعتبار سے قابلِ عبرت ہے کہ بانیٔ پاکستان سے لیکر اب تک وہاں کے تمام مدبرین نے اسلامی نظام کی عظمت اور اس کے نفاذ کی باتیں کی ہیں اور اسے آئینی ضمانت دی گئی ہے کہ وہاں کا کوئی قانون قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہوگا۔ لیکن نئی جمہوری حکومت اگر لا الٰہ الا اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے اصولوں کی اتباع کا یہی معنی سمجھتی ہے کہ کسی شخصیت کو جمہور کا ہیرو ثابت کرنے کے لئے اس کا اسٹیچو (مجسمہ) نصب کیا جا سکتا ہے تو ہم اسلام کے لازوال اور دائمی حقائق کی روشنی میں یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس جمہوریہ کے ساتھ اسلام یا پاکستان کی نسبت محض نمائش ہوگی۔

فتوح البلدان کی روایت ہے کہ سندھ سے محمد بن قاسم کے چلے جانے کے بعد کیراج کے مقام پر غیر مسلموں نے بغرض عبادت ایک مندر میں اس کا مجسمہ نصب کر لیا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی۔

اس امت میں بڑے بڑے مدبرین آتے ہیں اور اپنے فرائض ادا کرکے چلے جاتے ہیں امت ہمیشہ انھیں ان کے اعمال کے معیار سے جانتی پہچانتی ہے۔ اسلام میں صرف اللہ کی ذات کو مرجع عبادت واحکام اور صرف خاتم الانبیاء والرسل کو لائق اتباع قرار دینے کے عظیم مصالح میں سے ایک عظیم مصلحت یہ بھی ہے کہ امت مسلمہ قیامت تک کے لئے ہیروؤں کی جنگ سے نجات پا سکے۔ ذرا تصور کیا جائے کہ آج اگر کسی شخصیت کا اسٹیچو نصب کرنے کی طرح ڈال دی جاتی ہے تو کل سیاسی مدبرین اور دیگر شعبہائے حیات کی عظیم شخصیات کی ایک طویل فہرست تیار ملے گی اور پاکستان کے چوراہوں، گلی کوچوں، پارکوں اور میدانوں میں ہیرو ہی ہیرو نظر آئیں گے اور آج صدائے تحسین بلند کرنے والے مغربی جمہوری ممالک کے سیاح کل جب پاکستان شرکستان کو آکر دیکھیں گے تو مسلمان بہزادوں اور آذروں کی فنکاری کی دل کھول کر داد دیں گے اور کچھ کھل کر کچھ زیر لب یہ کہتے ہوئے مسکرا کر چل دیں گے۔

جمہوریت زندہ باد، اسلام مردہ باد

جمہوریت، ادب آرٹ اور فنون لطیفہ کے نام پر مغرب کی تقلید ایک عام بات ہے، جس میں مجسمہ سازی بھی ہے لیکن افسوس اس کا ہے کہ پاکستان میں یہ چیزیں اس وقت کشید کی جا رہی ہیں جب مغرب کے تعلق سے یہ ساری چیزیں زوال کی علامت سمجھی جانے لگی ہیں اور مغربی اقوام کو عظیم جنگوں میں لڑا کر چور چور کر دینے میں ان تمام ذرائع کا بھی پورا پورا ہاتھ رہا ہے۔ اس سے متعلق علامہ اقبال کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"یورپ نے اپنے علمی، اخلاقی اور اقتصادی نصب العین کے خوفناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے نکتہ رس مگر قدامت پرست مدبرین اس حیرت انگیز انقلاب کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے جو انسانی ضمیر میں اس وقت واقع ہو رہا ہے۔ خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشوونما کے لئے ناسازگار ہے، بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کی طبائع پر وہ فرسودہ سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آجائے جو جذبات قلب کو افکار دماغ سے متمیز نہیں کر سکتی (پیام مشرق)

قدیم بت پرستی کے دور میں ہزاروں لاکھوں مجسمے خدائی دیوتا اور مذہبی معبود تھے گو آرٹ اور فن کے لحاظ سے ان میں وہ نزاکت نہ ہو جو جدید دور کے آذروں کے فن پاروں میں ہوتی ہے لیکن جمہوری دور میں یہ مجسمے

قومی معبود ہیں۔ قدیم مجسموں نے مذہب کے نام پر خلق خدا کی نگاہوں سے مالک حقیقی اور معبود برحق کے جلوے چھپائے تھے لیکن جدید مجسموں نے قوم کے نام پر خلق خدا کی نگاہوں سے مالک حقیقی اور معبود برحق کے جلوے چھپائے اور انھیں حاکمیت اور اتباع کا وہ درجہ جمہور بے شعور کی طرف سے مل گیا جو صرف اللہ اور صرف رسول کے لئے خاص ہوتا ہے۔ یہ بات باعث مسرت ہے کہ عالم اسلام میں بہت سے ممالک نے مغرب کے زوال اور اسباب زوال کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھا اور اسلامی تہذیب کے لازوال اصول و مبادی کو اختیار کر کے مغربی جمہوریت اس کے اجب آرٹ اور فنون لطیفہ سے رونما ہونے والے قدیم عجمیت کے مہلک اثرات سے امت مسلمہ کو نجات دلانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کی تاریخ اس اعتبار سے اقوام عالم میں درجہ امتیاز رکھتی ہے کہ اس کی عظیم شخصیات اپنے اعمال اور کارناموں سے بعد کی نسلوں میں قیامت تک جانی پہچانی جاتی رہیں گی، انھیں گندے مجسموں کی کوئی حاجت نہیں، سیدنا ابراہیم خلیل، اسماعیل ذبیح، خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، خالد، معاویہ، ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل، بخاری، مسلم، ابوداؤد نسائی، ترمذی، سلیمان بن عبدالملک، ہارون رشید، امین، مامون، قطب الدین ایبک، شاہان مغل، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور پاکستان کی تاریخ سیاست کے مدبرین، امت مسلمہ کے دل و دماغ میں ہر ایک کے ان کے اپنے اعمال اور کارناموں کے اعتبار سے مقام و مراتب واضح ہیں اور ہمیشہ تک واضح رہیں گے، انھیں مجسموں کی غلاظت کی کوئی حاجت نہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت میں اگر پاکستان کی خدمت کی ہے تو امت مسلمہ یقیناً اس کی قدر کرے گی لیکن اس کے باوجود اگر مجسمہ سازی کے شوق کی تکمیل کر ڈالی گئی تو ایسی خدمات کو بھی امت فراموش کر دے گی، اور رہا سہا احترام بھی ختم ہو جائیگا۔

اور اس بات کی بھی کیا ضمانت ہے کہ آج جس مجسمہ کو آرٹ اور فن کے نام پر نصب کیا جائے کل آنے والی نسلیں ان کی پرستش بھی نہ کرنے لگیں خواہ اس پرستش کے مراسم، آداب اور اسالیب کچھ بھی ہوں، بت پرستی کی گذشتہ تاریخ سے اسی بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ابتداً صالح لوگوں کے مجسمے اسی غرض سے نصب کئے گئے کہ انھیں دیکھ کر اللہ کی یاد زیادہ آئے گی لیکن بعد میں آنے والی نسلوں نے اللہ کو فراموش کر دیا اور ان صالح لوگوں کی تعلیمات کو بھی اور اللہ کے بجائے ان صالحین کے مجسموں کی پرستش کرنے لگیں۔ صحیح بخاری میں

عطاء عن ابن عباس کے طریق سے مروی ہے کہ قوم نوح میں جو بت تھے وہ عرب میں بھی آگئے ود (دومۃ الجندل) سواع (ہذیل)، یغوث (مراد۔ بنی غطیف) یعوق (ہمدان) اور نسر حمیر کے بت تھے یہ قوم نوح کے صالح لوگوں کے نام ہیں، جب یہ لوگ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کے اخلاف کو اشارہ کیا کہ اپنی مجالس میں ان کے مجسمے بنا کر رکھ لو اور ان کے یہی نام رکھ لو، انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن ابھی تک ان کی عبادت نہیں ہوتی تھی، جب یہ لوگ بھی فوت ہوگئے اور علم اٹھ گیا تو ان کی پرستش ہونے لگی، وقالوا لا تذرن آلهتكم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا ، وقد أضلوا كثيرا ولا تزد الظالمين إلا ضلالا ۔

قوم نوح نے کہا ہر گز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو ود اور سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ اور اے اللہ تو ان ظالموں کی گمراہی میں اور اضافہ فرما۔

اور قرآن میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے: واجنبني وبني أن نعبد الأصنام رب إنهن أضللن كثيرا من الناس اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو محفوظ رکھ کہ ہم بتوں کی عبادت کریں اے میرے رب یقیناً انھوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔

ایک فلم ساز نے بے نظیر کی زندگی پر فلم بنانے کا اعلان کیا ہے، فلم کا نام دھرم جیوتی رکھا گیا ہے، بے نظیر کا کردار ادا کرنے والی اداکارہ کا انتخاب ہو گیا ہے، ذوالفقار اور دوسرے پاکستانی سیاستدانوں کا کردار ادا کرنے والے اداکاروں کا انتخاب ہو گیا ہے، ایک اور فلم میں ہیروئن کا نام بے نظیر رکھا گیا ہے۔

(سہ روزہ دعوت دہلی ۳۱ جنوری ۱۹۸۹ء)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جدید جمہوریت نے بیگم زرداری کو سیاست کے افق پر اس لئے جلوہ گر کیا ہے کہ وہ تاریخ اسلام میں اولیات کی تاریخ اپنے اچھوتے کارناموں سے مرتب کریں، وہ تاریخ اسلام کی پہلی خاتون وزیر اعظم ہیں۔ وہ شہیدوں کے پختہ مزارات کی برائی پر قانع نہ رہ کر دیو قامت مجسمے کھڑے کرنے کا تاریخ اسلام کا اولین کارنامہ انجام دینے کا عزم رکھتی ہیں اور اب جمہوری برکات سے لذت اندوز ہونے والوں کی طرف سے ایک اور اولین اعزاز انھیں اس فلم کی شکل میں حاصل ہونے والا ہے جو کسی مسلمان خاتون وزیر اعظم کی پہلی فلم ہوگی۔ اقبال نے کہا تھا۔

بتولے باش وپنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

فاطمہ زہرا بتول کی طرح ہو کر زمانہ کی نگاہوں سے چھپ جا تاکہ تمہاری گود کو حسن جیسا لڑکا ملے۔
اسلام نے عورت کو شوہر کے گھر کی مالکہ اور مسئولہ قرار دیا ہے۔ اس خاتون کو افضل ترقرار دیا جو غیر محرموں کے لیے پردہ اور چہرہ پر نقاب ڈال لے۔ کیا اس فلم کے ذریعہ حدود شریعت کی دھجیاں بکھر کر نہ رہ جائیں گی اور پاکستان کے اسلامی خم میں کشید کی گئی۔ مغربی اور اباحی جمہوریت کی صہبا رجس کے میخانوں کا دستور ہے کہ ؎ لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر، بہکے بہکے قدموں کے ساتھ مستانہ لغزشوں پر مبنی کتنے ہی اولین کارنامے انجام نہ دلائے گی۔

قابل عبرت تو یہ ہے کہ اس سے اسلام اور امت مسلمہ کا نام کتنا روشن ہو گا جس اسلام اور جس امت مسلمہ کے اصول و تاریخ کا اقوام عالم میں یہ امتیاز ہے کہ مجسموں اور جانداروں کی تصویروں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ صحیح اور متواتر المعنیٰ احادیث رسول ان کی حرمت پر نہایت کثرت سے آئی ہیں جن میں آپ نے مجسمہ و تصویر سازوں کو قیامت میں اللہ کے نزدیک بدترین انسان اور سخت ترین عذاب کا مستحق گردانا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کو تصویروں میں جان ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور وہ ایسا نہیں کر سکیں گے، سورہ سبا میں جو تماثیل کا لفظ آیا ہے اس سے نباتات اور غیر جانداروں کی تصویریں مراد ہیں۔ حضرت سلیمان تورات کے پیرو تھے اور تورات میں بھی اسلام اور دوسری آسمانی کتابوں اور شریعتوں کی طرح اس نوع کی تصویروں کی حرمت منقول ہے۔

وہی بت فروشی وہی بت گری ہے — سنیما ہے یا صنعت آزری ہے
وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا — یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے
وہ دنیا کی مٹی یہ دوزخ کی مٹی — وہ بتخانہ خاکی یہ خاکستری ہے

(اقبال)

شب معراج کی تقریب

ماہ رجب کی ایک خطرناک بدعت

تحریر: دار الافتاء ریاض سعودی عرب۔ ترجمہ: ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

سعودی عرب کے سب سے مشہور علمی و دعوتی ادارے ادارت البحوث والافتاء والدعوۃ والارشاد کی دائمی فتوی کمیٹی کے پاس یہ استفتاء آیا کہ:

شب اسراء و معراج کو بطور تقریب و یادگار کے منانے کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

کمیٹی نے مندرجہ ذیل فتوی صادر کیا۔

اسراء و معراج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت اور عند اللہ آپ کی عظیم قدر و منزلت پر اللہ رب العزت کی عظیم نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ نیز یہ باری تعالی کی قدرت باہرہ اور اس کے ساری مخلوقات پر علو و فوقیت پر دال ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر	پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصی (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا، جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں درحقیقت وہی ہے جو سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی نعمت سے سرفراز کئے گئے آپ کے لئے آسمان کے دروازے کھلے، حتی کہ آپ نے ساتویں آسمان کو پار کیا۔ اللہ رب العزت نے شرف خطاب بخشا، آپ پر پنجوقتہ نمازیں فرض کیں۔ ابتداءً پچاس نمازیں فرض تھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار بغرض تخفیف

اللہ رب العزت سے رجوع کیا تو آخر میں پانچ نمازیں فرض باقی رہ گئیں۔ جن پر پچاس نمازوں کا اجر و ثواب ہے اس لئے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت اپنی ساری نعمتوں پر ہر طرح کے حمد و شکر کا مستحق و سزاوار ہے۔

واقعۂ اسراء و معراج کس رات کی بات ہے اس کی تعیین کے سلسلے میں کوئی ماہ رجب میں ہے یا کسی دوسرے مہینے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ جس حدیث میں بھی اس کی تعیین و تحدید کا تذکرہ ہے وہ ماہرین حدیث کے یہاں صحیح ثابت نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ اس نے لوگوں کے حافظے سے اس واقعہ کی تاریخ کو محو کر دیا۔

اگر صحیح احادیث میں اس کی تعیین موجود بھی ہوتی تو مسلمانوں کے لئے اس رات کو کسی عبادت کیلئے مخصوص کرنا یا اس کو بطور یادگار منانا ناجائز ہوتا اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہ تو اس رات کو بطور یادگار منایا اور نہ ہی اس میں کوئی مخصوص عبادت کی۔

اگر اس رات کو بطور یادگار منانا مشروع ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول یا فعل سے اس مسئلہ میں امت کی یقیناً رہنمائی فرمائی ہوتی۔

اور اگر ایسا ہوتا تو یہ بات معروف و مشہور بھی ہوتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے ہم تک نقل کیا ہوتا اس لئے کہ امت مسلمہ کو جن امور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی مطلوب تھی صحابہ کرام نے اسے آپ سے نقل کیا، دینی امور و مسائل میں کوئی کوتاہی یا تفریط و تقصیر نہیں کی۔ بلکہ وہ تو ہر خیر کی طرف سبقت کرنیوالوں میں تھے۔ اس لئے اگر اس رات کو بطور یادگار منانا یا اس میں عبادت کرنا مشروع ہوتا تو صحابہ کرام اس پر عمل پیرا ہونے میں سب سے آگے ہوتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لئے سب سے زیادہ ناصح و خیر خواہ و ہمدرد تھے۔ آپ نے رسالت کی بھرپور تبلیغ فرمائی۔ امانت کو ادا کیا۔ اس رات کی تعظیم اور اس کو بطور یادگار منانا اگر دین و شریعت کا مسئلہ ہوتا تو آپ اس سے تغافل نہ فرماتے اور نہ ہی اسے چھپاتے۔ جب مذکورہ امور میں سے کوئی بات واقع نہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس رات کو بطور یادگار کے منانے یا اس کی تعظیم کا تعلق دین اسلام سے نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے اس امت کیلئے اپنے دین کی تکمیل فرمائی اور اس پر اپنی نعمت کا اتمام کیا تو اللہ کے

حکم و منشا کے بغیر دین میں نت نئی چیزوں کے موجدوں پر نکیر فرمائی۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ — آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا

اور سورہ شعراء میں ارشاد ہے۔

ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم يأذن به الله ولولا كلمة الفصل لقضي بينهم وان الظالمين لهم عذاب اليم (آیت ۲۱) — کیا ان کے پاس کچھ ایسے شریک خدا ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین میں ایسی باتیں مشروع کردی ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں اذن نہیں دیا۔ اگر قول فیصل پہلے سے طے نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا۔ یقیناً ان ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بدعات سے اجتناب سے متعلق صحیح احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح تاکید ہے۔ جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ احداث فی الدین گمراہی ہے۔ ان نصوص میں امت کو بدعات کے خطرات و مضرات سے آگاہ کیا گیا ہے اور اس کے ارتکاب سے نفرت دلائی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ:

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ — ہمارے دین میں جس نے ایسی نئی چیزیں ایجاد کیں جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود و غیر مقبول ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد — جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کے بارے میں ہمارا کوئی فیصلہ نہیں ہے تو وہ غیر مقبول ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرماتے تھے۔

امابعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ	سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے۔
وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم	اور سب سے اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے
وشر الامور محدثاتھا وکل	اور سب سے بری بات محدث اور نو ایجاد امور ہیں۔
محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ،	اور ہر نو ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

سنن نسائی میں بسند حسن یہ الفاظ بھی آئے ہیں :

وکل ضلالۃ فی النار ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے ۔

سنن میں عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی موثر نصیحت فرمائی کہ جس سے دل ڈر گئے، آنکھیں اشکبار ہوگئیں، ہم نے کہا: یا رسول اللہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نصیحت الوداعی نصیحت ہے اس لئے آپ ہمیں وصیت فرما دیجئے!

آپ نے فرمایا: میں تمھیں تقوی (یعنی خوف خدا کی) نصیحت کرتا ہوں، اور سمع وطاعت کی نصیحت کرتا ہوں چاہے تمھارا امیر کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو زندہ رہا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا ایسی صورت میں تمھارے لئے ضروری ہے کہ تم میری اور میرے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت سے تمسک کرو اپنے دانتوں سے اسے مضبوطی سے تھام لو اور نو ایجاد امور سے پرہیز کرو، کیونکہ ہر نو ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس مفہوم کی اور بہت ساری احادیث ہیں، صحابہ کرام اور سلف صالحین سے بھی بدعات ومحدثات سے اجتناب اور اس سے ڈرنے اور بچے رہنے کی بات منقول ہے اس لئے کہ بدعات دین میں اضافہ ہے۔ اس میں یہود ونصاری جیسے اعداء اللہ سے مشابہت بھی ہے۔ جنھوں نے اپنے دین میں اضافے کئے اور بے اصل بدعات ایجاد کیں۔ ان بدعات سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ دین ناقص ہے۔ اور اس پر اتہام والزام ہے کہ وہ نا تمام اور غیر مکمل ہے۔ نتیجہ معلوم ہے کہ یہ بڑی خرابی اور فعل شنیع ہے۔

احداث فی الدین آیت " الیوم اکملت لکم " سے متصادم ہے اس میں بدعات سے تحذیر واجتناب اور اس سے نفرت دلانے والی احادیث کی بھی صریح مخالفت ہے۔ (المسلمون عدد ۱۷۵/ ۲۶/ شوال و ۲/ ذوالقعدہ مطابق ۱۰، ۱۶ جون ۱۹۸۹ء)

کیا اُمتِ محمدیؐ موجود ہے یا ختم ہو چکی ہے؟

علماء اُمت کے اجتماعی فیصلے کا وقت

صوفی نذیر احمد کاشمیری

لایزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذلک

برابر میری امت کا ایک گروہ اللہ کے دین پر قائم رہیگا۔ جو لوگ انکا ساتھ چھوڑ دینگے وہ انھیں نقصان نہ پہونچا سکیں گے یہانتک کہ قیامت قائم ہو اور وہ جماعت برابر اسی پر قائم رہے گی۔ (بخاری ومسلم)

" لایزال ناس من امتی ظاھرین حتی یاتیھم امر اللہ وھم ظاھرون

میری امت کے کچھ لوگ برابر غالب اور سر بلند رہیں گے اور اللہ کے حکم یعنی قیامت کے آنے تک ان کی فتحیابی و سربلندی قائم رہے گی۔ (بخاری)

لاتزال من امتی منصورین لا یضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ (ترمذی)

میری امت کا ایک گروہ برابر کامیاب و بامراد رہے گا اور انکا ساتھ دینے والے ان کو کچھ نقصان نہ پہونچا سکیں گے اور یہ صورت حال برابر قیامت تک جاری رہے گی۔ بخاری

لاتزال طائفۃ من امتی قوامۃ علی امر اللہ لا یضرھا خالفھا

میری امت کا ایک گروہ برابر پوری شدت کیساتھ دین پر قائم رہے گا اور اس کے مخالف اسکا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ ابن ماجہ

لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق

میری امت کا ایک گروہ حق کے سلسلے میں ہمیشہ کامیاب و

ظاهرین علی الحق حتی تقوم الساعۃ — فتحیاب رہے گا یہانتک کہ قیامت آجائیگی۔" (مستدرک حاکم)

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین (بیہقی) — اس علم دین کے حامل ہر پچھلے دور کے لوگوں میں سے اس کے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو دین میں غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی دروغ گوئی اور جاہلوں کی جاہلانہ تاویلات کو برابر دین سے دور کرتے رہیں گے۔" (بیہقی)

تاقیام قیامت امت اسلامی کے برسرحق رہنے اور کائنات انسانی کیلئے، حجت مطلقہ رہنے کے سلسلے میں یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا اعلان ہے۔

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم — اے اللہ تو اس شخص کی مدد کر جو دین محمدؐ کی مدد کرے اور اور ہمیں انھیں لوگوں میں شامل کر دے اور اس شخص کو رسوا کر اور اس کی مدد ترک کر دے جو دین محمدؐ کو چھوڑ دے یا اس کی مخالفت کرے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کر۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ صدر بیان، ایک مسلمان کے لئے اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ امت محمدؐ کی اور اس کے متوارث و متداول دین کے مقابل محاذ آرائی کرنے والا شخص خذلان اور رسوائی دارین سے بچ نہیں سکتا نیز آپ کا ارشاد ہے۔

یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم — آخری زمانہ میں (دین میں) مکر و فریب کرنے والے اور جھوٹے لوگ ہونگے، جو تمہارے سامنے ہوں گے، دین کی ایسی ایسی باتیں پیش کریں گے جنھیں نہ کبھی تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے (مسلمہ) باپ دادا نے سنا ہوگا۔ لہذا تم اپنے آپکو بچا کر رکھنا وہ تمھیں (اصل دین سے) بھٹکا نہ سکیں۔ اور نہ (اپنے خود ساختہ دین سے) تمھیں فتنے میں مبتلا کر سکیں۔"

(مسلم)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی اعلان عام ہے " لا تجتمع امتی علی الضلالۃ " میری امت

گمراہی پر مجتمع نہ ہوسکے گی"۔ گویا اجماع امت کا انکار خروج دین وملت کے مساوی ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی کے عقائد اور اسکی تحریک ابوالاعلیٰ مودودی اس بات کے کامل طور پر منکر ہیں کہ امت محمدیؐ کا ایک گروہ پوری تفصیل اور تسلسل کیساتھ صراط مستقیم پر ہمیشہ قائم رہے گا۔ بلکہ وہ اس کے مقابل پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد سے آجتک "ظاہرین علی الحق" کا کوئی گروہ تسلسل کے ساتھ موجود نہیں رہا ہے۔ مزید برآں انہوں نے یہ بھی اعلان کردیا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سے آجتک امت میں جو اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اٹھتی رہی ہیں وہ حق و باطل کے امتزاج سے بنی تھیں۔ لہذا نہ تو وہ کائنات انسانی کیلئے اللہ کی حجت تھیں اور نہ ان کی مخالفت کرنیوالا کوئی فرد یا گروہ غضب الٰہی کا سزاوار ہوسکتا تھا۔ لیکن خود اس شخص (مودودی) نے جو تحریک کھڑی کی ہے وہ اس کے خیال میں اس درجہ دین خالص وکامل کا نمونہ ہے کہ اگر امت اسلامیہ نے اس کا ساتھ نہ دیا تو کسی صورت غضب الٰہی سے بچ نہیں سکتی۔

(دیکھئے روداد جماعت اسلامی حصہ دوم ص۱۷ وص۱۸)

یہاں پر مودودی نے اپنی تحریک کے مقابل امت محمدیؐ کو خارج از دین وامت قرار دیا ہے تاوقتیکہ امت اسکی تحریک کی تصدیق تام نہ کرے۔ یہ شخص اپنے خود ساختہ دین کو "دین خالص" قرار دیکر اہل کفر کے سامنے خدا کی حجت بننے کے بجائے خود امت محمدیؐ کے مقابل اپنے آپ کو خدا کی حجت تام قرار دیکر اعلان کرتا ہے کہ اگر امت نے اسکا انکار کردیا تو وہ بالکل یہود کی طرح مغضوب خدا ہوکر رہے گی۔ یہ ہے مودودی ازم کی بنیاد۔

اس شخص نے دین اسلام کے نام پر امت مسلمہ اور اس کے مسلمہ دین کے مقابل ایک مستقل محاذ قائم کیا ہے اور اسے حق صریح قرار دیکر امت اسلامیہ کو اس سے ہم آہنگ ہونے کیلئے للکارا ہے۔ اور اس تحکم کے ساتھ للکارا ہے کہ یا تو امت اسلامیہ اس کے ساتھ اور اس کی جماعت کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کرے ورنہ اس کا انکار کرتے ہوئے یہود کیطرح غضب الٰہی کا نشانہ بنے۔ ان دو راہوں کے علاوہ اس کے لئے اور کوئی تیسری راہ کھلی نہیں ہے۔ اس اعلان کے آگے چند سطروں کے بعد لکھا ہے: "اب چونکہ یہ دعوت ہندوستان میں اٹھ چکی ہے۔ اس لئے ہندی مسلمانوں کیلئے آزمائش کا وہ خطرناک لمحہ آہی گیا۔ رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت کو پہنچانے کی تیاری کررہے ہیں۔ اگر ہمیں اس کوشش میں کامیابی ہوگئی تو جہاں جہاں یہ پہونچیگی تو وہاں کے مسلمان بھی اس آزمائش میں پڑجائیں گے"۔ روداد جماعت اسلامی حصہ دوم ص۱۸

یہ ہے اس کی جانب سے اضلال اور امت مسلمہ کو فتنہ میں ڈالنے کی کوشش۔

اہل بدعت کا اور ایک دجال کا فرق یہاں پر ایک متفق علیہ حدیث کی طرف توجہ دلاتے ہوئے معاملہ کو صاف

ر دیا جاتا ہے ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اہل کتاب تو دحق سے زیغ وانحراف کے نتیجے میں ۷۲، فرقوں میں بٹ گئے تھے ۔ مگر میری امت میں ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں سے صرف ایک فرقہ نجات پائے گا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔

اصل حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ تمام دجالی فرقے صرف سنت نبوی کے ساتھ خلط ملط کی جانیوالی بدعتوں کے پردے ہیں ۔ اپنے منصوبے کے تحت خود امت کے مقابل ایک محاذ کھڑا کرتے ہیں ۔ مگر وہ چونکہ امت کے مقابل محاذ بناتے ہیں ۔ لہذا وہ چھوٹتے ہی امت اسلامی سے بطور خود خارج ہو جاتے ہیں ۔ لہذا انھیں امت کے اہل بدعت فرقوں میں شمار کرنے کا کوئی امکان بھی نہیں رہتا ۔ لیکن جن فرقوں کا رسول پاکؐ نے پتہ دیا ہے وہ قطعاً امت کا حصہ ہیں ۔ اوران کا جہنم میں داخل ہونا اگرچہ صحیح اور برحق ہے لیکن یہ داخلہ کسی صورت (خلود فی النار) نہیں ہو سکتا لکہ ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنی اپنی بدعات کے لحاظ سے جہنم کا مزہ چکھے گا اور پھر نجات پاکر جنت میں داخل ہوگا ۔ جس طرح کبائر کا ارتکاب کرنیوالا امتی بھی اپنے گناہوں کی سزا قطعاً پائیگا خواہ وہ ایک دن کے لئے ہی کیوں نہ ہو مگر وہ (مخلد فی النار) نہیں ہوگا لیکن جہاں تک دجالوں کا تعلق ہے وہ کسی معنی میں جزو امت نہیں ہیں ۔ لہذا انکی سزا "خلود فی النار" ہے ۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ ونصله جھنم وساءت مصیرًا

اور جس نے رسول کی مخالفت کی ۔ بعد اس کے کہ حق اس پر ظاہر ہوگیا اور وہ مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی اور پگڈنڈی پر چل کھڑا ہوا تو ہم اسے اس کی روگردانی کی سمت میں اور دھکیل دینگے اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے جو برا ٹھکانا ہے ۔" (القرآن)

ایک گمراہ امتی اور ایک دجال کے درمیان یہی فرق ہے ۔ پہلا شخص تو اپنے کئے کی سزا پاکر اور رسوائی و ذلت اٹھاکر پھر سے دیر یا سویر اہل ایمان کے ساتھ تو جنت میں داخل کیا جائیگا ۔ اس لئے کہ اس کا امت مرحومہ سے رابطہ موجود ہے رسالت محمدیؐ کا قلادہ اس کی گردن میں پڑا ہوا ہے ۔ مگر دنیا کی عارضی چمک دمک اور عارضی مفاد نے اس کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا ہے ۔ جہنم میں دو چار غوطے کھانے کے بعد اس کی آنکھ سے یہ چکا چوند جاتی رہے گی اور وہ پھر دائرۂ رحمت میں آجائے گا ۔ مگر ایک دجال چونکہ اتباع رسول کے "عروہ وثقیٰ" کو ارادۃً چھوڑ کر خود کسی من مانی پگڈنڈی پر چل

کھڑا ہوا تھا لہذا اس کے لئے دار رحمت "جنت" میں واپس آنے کی کوئی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ کیلئے غضب خداوندی کا نشانہ بنا رہے گا۔

مرحومہ امت اور مغضوبین

قرآن مجید جس صفت کے ساتھ اللہ تعالی کا ابتدائی تعارف کراتا ہے اور اسے بار بار کی تکرار کے ساتھ انسان کے دل میں بٹھاتا ہے وہ اللہ پاک کی صفت رحمت ہے۔ سورہ فاتحہ کو دیکھئے کہ وہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع ہوتی ہے۔ پھر سورہ کے شروع ہونے کے ساتھ ہی دوسری آیت میں الرحمٰن الرحیم کے لفظ کو دوہرایا جاتا ہے اور پھر سورہ کا آغاز "بسم الرحمٰن الرحیم" سے کرتے ہوئے آخری سورہ تک اسی تکرار کو قائم رکھا جاتا ہے۔ پھر مختلف سورہ کے اندر بھی تکرار آپ کو لگاتار ملے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف اعلان ہے کہ اللہ پاک کی میزانِ عدل کے مطابق کوئی شخص بھی نجات نہ پاسکے گا یہاں تک کہ خود آپ نے اپنے متعلق بھی فرمایا کہ جب تک اللہ کی رحمت مجھے نہ گھیرے میں بھی نجات کا مستحق صرف اپنے عمل سے نہیں ہوسکتا۔ آپ کی ایک دعا یہ بھی تھی۔

اللھم مغفرتک اوسع من ذنوبی و — اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے

رحمتک ارجیٰ عندی من عملی — اور میں اپنے عمل کے مقابلے میں تیری رحمت سے زیادہ پر امید ہوں

یہاں اس بات پر نظر جمانے کی ضرورت ہے کہ رحمت خداوندی کی یہ حدود خود خدا کا رسول بیان فرما رہا ہے لہذا دائیں بائیں کے وساوس کو ہرگز دل میں نہ آنے دینا چاہیئے۔ ورنہ انسان "صراط مستقیم" سے بھٹک کر نہ معلوم ہلاکت کی کس وادی میں پہونچ جائیگا۔ یہ امت مرحومہ کی حدود اور اس کا حصار عافیت یہ امت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے زیر سایہ ہے لہذا جہاں تک افرادِ امت کے باہمی تعلق کا سوال ہے یہ قطعا "رحماء بینھم" کے دائرے کے اندر محدود رہنا ہوگا۔

مغضوبین

ابوالاعلی مودودی کا صاف اعلان ہے کہ اسلام میں اللہ پاک کا تصور "الواحد القہار" کا ہے لہذا وہ قرآن کریم کی تعلیم سے چھوٹتے ہی اور قدم اول پر ہی صاف کٹ جاتا ہے۔ چونکہ پوری تعبیر ایک قاہرانہ وجابرانہ نظام سمع وطاعت سے کرتا ہے اور سیدھا مغضوبین کے دائرے میں چلا جاتا ہے۔ اور پھر ساری امت کو قاہرانہ دعوت دیتا ہے کہ وہ اسے قبول کرے ورنہ یہود کی طرح مغضوب ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ وہ اس دعوتِ کفر کی حجت پر اس درجہ مطمئن ہے کہ اسے

یقین ہے کہ امت نے اگر اسے رد کر دیا تو وہ دیر یا سویر غضب الٰہی کا نشانہ بن کر رہے گی۔

بلاشک و شبہ یرقان کے مارے کو ساری دنیا زرد ہی نظر آتی ہے اور سدا دن کے اندھے کو ساری دنیا سراپا ہی بربادی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن کیا وہ واقعۃً بھی ایسی ہی ہے جیسی ابوالاعلیٰ کو نظر آتی رہی؛ خدائے واحد کی قسم ایسی نہیں ہے جیسی وہ ابوالاعلیٰ مودودی کو نظر آتی رہی۔ ہاں خدائے واحد کی قسم ایسی ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کائنات دینی نظام رحمت ہے جس کے لئے اللہ پاک نے اس کی تخلیق کی ہے لا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم۔ لوگ برابر اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر اللہ کی رحمت ہو اور انھیں رحمت ہی کیلئے تو پیدا کیا ہے۔ قہر و غضب ہرگز منشاء تخلیق کائنات نہیں ہے۔ وہ تو عدل خداوندی کے تقاضے سے ان کے لئے ناگزیر بن جاتا ہے جو اس کے حصار رحمت سے خود نکل جائیں

اے اللہ! تو مودودی کی فکر کو جلد خاکستر کر دے اور اس کا نام و نشان تک دنیا میں نہ چھوڑ۔ اور مخلوق خدا کے جس حصے کو اور وہ زیادہ تر امت اسلامیہ سے اغوا کیا ہوا حصہ ہے اس شخص نے ہمہ گیر کی ریاست کے قاہرانہ نظام کی جادوگری کا شکار کر لیا ہے۔ اسے اس ہلاکت کے سراب سے نکال کر رحمت کی بسیط کائنات میں پھر سے واپس لے رحمتی وسعت کل شئ۔ میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ القرآن امت اسلامیہ مرحومہ کا حقیقی مقام رحمت کی یہی وسیع کائنات ہے اور اس کا انکار کرنیوالوں کا مقام کیا ہے۔ وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین۔ بلاشبہ اہل کفر کو جہنم گھیرے ہوئے ہے جنت جس طرح رحمت الٰہی کا آخری مظہر ہے۔ بالکل اسی طرح جہنم قہر و غضب و مقت الٰہی کا مظہر ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی جماعت میں معیاری شرائط داخلہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اسے ایسے مردان کار کی ضرورت ہے جو حضرت صدیق اکبر اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی طرح اس دعوت کو قبول کریں اور اس میں اس طرح جت جائیں کہ گویا اسی کی تلاش میں تھے۔

صرف دو معنی اس دعوے کے صرف دو ہی معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی جو الفاظ سے متبادر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بخیال خویش وہ اتنے بلند مقام پر جا پہونچا ہے کہ اس کی رہنمائی کو قبول کرنے کیلئے حضرت صدیق اکبر اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی طرح مستحکم ایمان کی ضرورت ہے۔ اس کی پوری دعوت کا اندازہ دیکھتے ہوئے یہی معنی ذہن کیطرف متبادر ہوتا ہے۔ اور کسی کا اپنے متعلق ایسا گمان کرنا جبکہ وہ ایک اولوالعزم رسول نہ ہو مغضوب خدا ہونے کی دلیل ہے۔ ایسا مدعی غضب خداوندی سے بچ نہیں سکتا۔ وہ کوئی مصلح نہیں بلکہ دجال ہے۔ لاریب وہ دجال ہے

اور خلود فی النار" کا سزاوار ہے۔ اس کے اس دعوے کے بعد" ظنوا بالمؤمنین خیرا " کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن سیاسی اقتدار پر قبضہ کی بھوک اور حد سے بڑھی ہوئی اسکی حرص وطمع کو دیکھتے ہوئے۔ اس عبارت کے ایک دوسرے معنی یہ لیئے جا سکتے ہیں کہ وہ اندھوں کی ایک ایسی جماعت بنانا چاہتا ہے۔ جو سیاست کے سلسلے کی اس کی دل بدلی کے ہر مرحلہ پر بلا چون وچرا اس کا اتباع کرتے چلے جائیں۔ خواہ وہ انھیں ہلاکت کی کسی بھی وادی میں لیکر چلا جائے۔ ایسی دعوت کا انجام بھی صرف قہر خداوندی ہو سکتا ہے۔

صرف قہر خداوندی ابوالاعلیٰ مودودی کے دین میں جیسے وہ بالکل ناجائز طور پر اسلام کا نام دیتا ہے، خدا کا تصور" الواحد القہار" کا ہے اور بالکل اسی صفت خداوندی کی مناسبت سے۔ اس کے ہاں دین کے معنی موجودہ دور کی ہمہ گیر وقاہر ریاست ہے۔ اور چونکہ ایسی ہمہ گیر کلی ریاست ہمہ جہتی سمع وطاعت کے بغیر چل نہیں سکتی۔ لہذا اس شخص نے " عبادت" کو جو غایت تخلیق انسانی ہے) اطاعت کا ہم معنی قرار دیا ہے) حالانکہ عبادت کے مرکزی معنی قطعاً دعا وطلب حاجت کے ہیں۔" الدعاء هو العبادة۔ دعا ہی عبادت ہے۔ (ابوداؤد) الدعاء مخ العبادة۔ دعا عبادت کا مغز ہے (ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح بیان کے بعد کسی مسلمان کو عبادت کے مفہوم میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ سکتا مگر یہ شخص رسول کے صریح بیان کو ٹھکرا کر عبادت کے معنی" کلی اطاعت کرنا ہے۔

عبادت کے معنی حقیقی مطابقی اور اسکے تضمنات اور التزامات کسی بھی لفظ کا اصطلاحی حقیقی معنی تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ رہے اسکے تضمنات والتزامات تو ان کا حاط کرنا مشکل ہے۔ اور یہ بات محض الحاد ہے کہ کسی دینی اصطلاح کے حقیقی ومطابقی معنی کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے۔ اس کے تضمنات یا التزامات کو اس کی جگہ لا کر فٹ کیا جائے۔ اور پھر اسی حیثیت سے اس سے دین کو مستنبط کیا جائے۔ اور ابوالاعلیٰ نے بالکل یہی کچھ کیا ہے یعنی عبادت کے مطابقی حقیقی معنی کی جگہ، اس لفظ کے التزامی معنی" اطاعت" کو لیا ہے۔ کیونکہ عبادت اطاعت کو مستلزم ہے لیکن اطاعت عبادت کو مستلزم نہیں ہے۔ گویا یہ لزوم صرف ایک جانب سے ہے اور دوسری جانب سے قطعاً نہیں ہے۔

اس شخص نے اللہ پاک کے تصور رحمت سے کامل علیحدگی اختیار کرتے ہوئے۔ اللہ پاک کی قہاریت سے سارے دین کو مستنبط کرتے ہوئے اپنی تحریف دین کا آغاز کیا ہے۔ پھر الہ ورب وعبادت کو اسی کی مناسبت سے معنی پہنانے کی بھرپور کوشش کی ہے اس لئے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے وہ یہ ہے کہ" الہ ورب، عبادت ودین،، کے حقیقی معنی کو پس منظر

ہیں و تکمیل دینے کیلئے التزامی معنی کو اس طرح اچھالا ہے کہ کوئی شخص ان الفاظ کے حقیقی و مطابقی معنی کیطرف راہ نہ پا سکے۔ پھر یا تو جامد ہو کر بیٹھ جائے یا اندھے کیطرح اس کے پیچھے چلنے پر مجبور ہو جائے۔ پھر وہ جس جس وادی پر خار میں بھٹکتا رہے وہ بھی آنکھوں پر پٹی باندھ کر بقول اس کے حضرت ابوبکر و حضرت خدیجہ کے اخلاص و دلجمعی کیساتھ اس کے پیچھے چلتا جائے ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

و بئس الطالب والمطلوب "

اس شجرۂ خبیثہ کی اصل

یہاں پر میں اس سارے اندھے کنبے کو، جس میں بہت سے افراد کو مجھ سے بھی لگاؤ ہے اور مجھے بھی ان سے ازحد لگاؤ ہے " خاصتہً عرض کروں گا کہ وہ جرمنی کے فلاسفر ہیگل کے کلی ریاست کے فلسفۂ سیاست کیطرف متوجہ ہوں۔ مودودی نے ہیگل کے سارے فکری مواد کو قریباً ہر پہلو سے اپنایا ہے ہیگل نے ریاست کو دنیا میں چلتا پھرتا خدا بنایا ہے۔ اور مودودی نے ریاست کو "کل دین" کا حقیقی مظہر مانا ہے چونکہ کلی ریاست کے اندر سیاسی اقتدار اعلیٰ پیوست ہے جو مودودی کے نزدیک الوہیت کی مکمل حقیقت ہے لہذا یہ خدا بھی ہیگل کے خدا کی طرح کلی ریاست کے قالب میں حلول پذیر ہے۔

اس کی وضاحت

کلی ریاست "حق مطلق" کا ظہور کامل ہے۔ وہ کائنات میں چلتا پھرتا خدا ہے۔ ہیگل اس کلی ریاست کو محض ایک نظریاتی تصور کی حیثیت سے مرتب نہیں کرتا بلکہ پروشین ریاست کو اسکا مادی مصداق قرار دیتا ہے۔ اور ضمنی طور پر اس کی سمع و طاعت کو معاشرۂ انسانی کی کلی عبادت قرار دیتا ہے۔ وہ ریاست کو ہر پابندی سے آزاد بناتا ہے اور اسے اسی مقام پر لاتا ہے کہ معاشرے کا فرد فرد اس کے سامنے مسئول و جوابدہ ہو۔ مگر خود کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ اور دین میں یہی حیثیت اللہ پاک کی بتائی گئی ہے۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔ اللہ پاک کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔ مگر باقی سب اسکے سامنے جوابدہ ہیں " (القرآن) مگر اس پر بھی جب اسکی طبیعت مطمئن نہ ہوئی تو وہ عیسائیت کے پروٹسٹنٹ فرقے کے عقائد و افکار کو بھی اپنی کلی ریاست کے تصور میں سمو لیتا ہے۔ اور اس طرح "کائنات انسانی کے ایک معبد اعظم و معبود اعظم کو گھڑ گھڑا کر کھڑا کرتا ہے اور پھر کائنات انسانی کو للکار کر کہتا ہے کہ اس معبود و معبد کے مجموعے کو پوجو مگر اسی حیثیت سے پوجو کہ تم میں سے ہر ایک اس کے سامنے جوابدہ ہے مگر وہ خود کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔ وہ ہر قسم کی قید و بند سے آزاد ہے۔ حقوق حیات دینا اور سلب کرنا اسی کا حق ہے۔ (ایاک نعبد و ایاک نستعین)

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور صرف تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہیں گے "۔ ریاست سے باہر کسی سند کا خیال بغاوت ہے۔ " ہر ہر مہادیو۔ صرف ہرتی تیا سب سے بڑا دیوتا ہے " کہ جسکا کوئی مادی مظہر متعین نہیں ہے۔ ہرتی ہندی میں اللہ پاک کا نام ہے اور اسے کسی ایک مظہر میں قید نہیں کیا گیا ہے بلکہ وہ ایک اعتقاد مجرد ہے۔ ہیگل کی بے چین طبیعت اب بھی مطمئن نہیں ہوئی تو وہ اپنے مجموعے خباثت " نظام فکر " میں تاریخ مغربیت کے منافق اعظم " میکیاولی " کے فلسفہ سیاست کو بھی سمیٹ لیتا ہے تاکہ اس کی گرفت سے کوئی بچ کر نکل نہ سکے اور وہ یہ اعلان عام کرسکے کہ اس دھرم " کلی دھرم۔ نہ کم نہ زیادہ " کو قبول کرو ورنہ مغضوب خدا ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ؎

نشاں دہد خم ابروئے دمے کہ سجدہ بکن . اطاعتش نہ کنی دین شنو کہ خوں طلبیت

اسکا ابرو اشارہ کر رہا ہے کہ سربسجود ہو جاؤ اگر سمع و طاعت سے گریز کروگے تو سن لو کہ اسکا انجام خون کی ندیاں بہانے پر ختم ہوگا۔

ریاست کے بمقابل فرد یا معاشرے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نہ وہ کسی اور بلند عدالت کا تصور کرسکتا ہے۔ کلی ریاست کا یہ اعتقاد ہے۔ اور دنیا کی کمیونسٹ پارٹیاں صرف اسی خونیں انقلاب کی داعی ہیں۔ سرخ انقلاب کی بالکل یہی کچھ حقیقت ہے۔ فلعنۃ اللہ علی الظالمین ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔

ہیگل ازم اور مارکس ازم کا رشتہ

مارکس کے پاس اپنا فکری اور مواد تو تھا۔ ادھر وہ ایک اول درجے کے یہودی کی طرح بے انتہا ہوس کا تھا۔ لہذا اس نے ہیگل ازم میں صرف ایک تبدیلی کرتے ہوئے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہیگل نے فکر کی مادے پر فوقیت و اولیت دیکر ایک مہلک غلطی کی تھی اور سر کے بل چلنے کی ناکام کوشش کی تھی اور اس نے مادے کو اولیت کا درجہ دیکر اسے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ یہ تھی وہ تبدیلی جو مارکس نے ہیگل ازم میں کی اور اس پر قبضہ کرلیا۔ (جاری)

امام ضیاء الدین مقدسی صاحب "المختارہ"

قسط ۵

۵۶۹ — ۶۴۳ھ

۱۱۷۴ — ۱۲۴۵ء

مولانا محمد حنیف فیضی، جامعہ سلفیہ بنارس

المختارہ کا اجمالی تعارف

یہ کتاب محدث الشام شیخ السنہ حافظ ضیاء الدین مقدسی کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق تالیف ہے اس کا شمار حدیث کے ان مہتم بالشان مجموعوں میں ہوتا ہے جو محدثین کے نزدیک معتمد ہیں اور جن کی حدیثیں محققین کے یہاں لائق احتجاج ہیں صحیحین کے بعد خالص صحیح میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے حافظ ذہبی اس کی حدیثوں کے متعلق رقمطراز ہیں: "ھی الاحادیث التی یصلح ان یحتج بھا"[1] مختارہ کی حدیثیں لائق احتجاج ہیں۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے "التزم فیہ الصحۃ فخرج فیہ احادیث لم یسبق الی تصحیحھا"[2] ضیاء نے مختارہ میں صحت کا التزام کر کے ایسی حدیثوں کی تصحیح کی ہے جن کی ان سے پہلے تصحیح نہیں کی گئی تھی۔ شیخ عبدالحق دہلوی رقم فرماتے ہیں کہ شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ نے بھی خالص صحیح میں کتابیں لکھی ہیں ان میں سے ایک مختارہ بھی ہے نیز رقمطراز ہیں۔ "خرج صحاحا لیست فی الصحیحین" مولف نے اس کتاب میں ان صحیح حدیثوں کی تخریج کی ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں۔[3]

---

[1] تاریخ الاسلام۔ وفیات ۶۴۳ھ [2] کشف الظنون ۱۶۲۴/۲

[3] مقدمہ المشکوٰۃ ص ۷

اس کا اصل نام یہ ہے" الاحادیث المختارة مما لیس فی صحیح البخاری و مسلم"[1] کتانی نے اس کا نام اسطرح لکھا ہے "الاحادیث الجیاد المختارة مما لیس فی الصحیحین او احدھما"[2] یہ نوے اجزاء پر مشتمل ہے مگر نامکمل ہے[3] اس کی ترتیب ابواب کے بجائے مسانید صحابہ پر ہے۔

کتب حدیث میں مقام

مختارہ کتب حدیث میں خاصا مقام اور بلند حیثیت کی حامل ہے۔ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور صحیح الحاکم (مستدرک) کے ساتھ اس کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ علماء فن کے نزدیک اس کا درجہ مستدرک حاکم پر فائق ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں" قالوا: کتابہ احسن من المستدرک[4]"، اصحاب فن کے قول کے مطابق مختارہ مستدرک سے بہتر ہے۔ علامہ سخاوی تحریر فرماتے ہیں" ھی احسن من المستدرک[5]"، مختارہ مستدرک سے بہتر ہے۔ حافظ ابن کثیر کا بیان ہے" ھی اجود من مستدرک الحاکم[6]"، مختارہ مستدرک سے عمدہ ہے ایک دوسری جگہ رقمطراز ہیں" کان بعض الحفاظ من مشائخنا یرجحہ علی مستدرک الحاکم[7]" ہمارے مشائخ میں سے بعض حفاظ مختارہ کو مستدرک پر ترجیح دیتے تھے۔ کتانی رقمطراز ہیں" ابن تیمیہ اور زرکشی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ضیاء کی تصحیح حاکم کی تصحیح پر فائق ہے[8]۔ علامہ زرکشی نے تخریج الرافعی میں ذکر کیا ہے کہ ضیاء کی تصحیح حاکم کی تصحیح پر برتر اور ترمذی وابن حبان کی تصحیح قریب ہے[9]۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رقمطراز ہیں ھو خیر من صحیح الحاکم[10]، مختارہ مستدرک سے بہتر ہے۔ نیز رقمطراز ہیں" ھو اصح من صحیح الحاکم[11]" مختارہ مستدرک سے صحیح تر ہے۔ نیز تحریر فرماتے ہیں شرطہ فیہ احسن من شرط الحاکم فی صحیحہ[12]،،

---

[1] فہرس الالبانی ص۳۲۵ ۔ [2] الرسالۃ المستطرفۃ ص۲۲

[3] ذیل طبقات الحنابلۃ (۲/۲۳۸)

[4] مقدمۃ المشکاۃ ص۶ ۔ [5] فتح المغیث (۱/۳۸)

[6] البدایۃ والنہایۃ (۱۳/۱۷۰)

[7] اختصار علوم الحدیث مع شرحہ الباعث الحثیث ص۲۹)

[8] الرسالۃ المستطرفۃ ص۲۲ ۔ [9] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (۱/۲۶)

[10] التوسل والوسیلۃ ص۲۶، الفتاوی (۱/۱۷۰) [11] ایضاً ص۱۴۴، ایضاً (۱/۲۳۶ و ۱۳/۳۳)

[12] اقتضاء الصراط المستقیم (۲/۸۵

مختارہ میں ضیاء کی شرط مستدرک میں حاکم کی شرط سے بہتر ہے۔ نیز رقمطراز ہیں " بلکہ ضیاء کی تصحیح مختارہ میں حاکم کی تصحیح سے بہتر ہے۔ لہذا علماء حدیث کے نزدیک بلا شبہ ضیاء کی کتاب (مختارہ) اس باب میں حاکم کی کتاب (مستدرک) سے بہتر ہے[1] نیز لکھتے ہیں ضیاء کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ اور ترمذی و ابن حبان وغیرہ کی تصحیح کے قریب ہے کیونکہ مختارہ میں غلطی کم ہے وہ صحیح الحاکم (مستدرک) کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ مستدرک میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن کا کذب و موضوع ہونا ظاہر ہے یہی وجہ ہے کہ مستدرک کا درجہ دوسری کتابوں سے گھٹ گیا ہے[2]

ضعیف حدیثیں مختارہ میں ضعیف حدیثیں بھی موجود ہیں۔ کتانی کا بیان ہے کہ مختارہ کی حدیثیں مسلم ہیں اسکی بہت تھوڑی حدیثوں پر تعقب کیا گیا ہے[3]۔ اس سلسلے میں محدث عصر علامہ البانی کا بیان نقل کرنا زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا اس لئے کہ حدیث ان کا تخصص ہے اور مختارہ ان کے اہم مراجع میں سے ہے نیز اس کتاب کی تحقیق و تصحیح اور اس کی حدیثوں کی تخریج کا کام انجام دے رہے ہیں۔ وہ شیخ الاسلام کی اس رائے پر کہ مختارہ مستدرک حاکم سے بہتر ہے۔ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام کا کلام بایں حیثیت درست ہے کہ مختارہ موضوع روایتوں نیز حدیث گھڑنے والے اور جھوٹے راویوں سے پاک صاف ہے لیکن اس کے مولف حاکم کی طرح متساہل ہیں کیونکہ مجہول راویوں کی حدیثیں منتخب کرکے ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس قسم کی روایتوں کا بہت بڑا حصہ مختارہ میں موجود ہے۔ شیخ الاسلام کے کلام کا یہ معنی سمجھا جانا کہ مختارہ منصف بہ ثبوت ہے، درست نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ مختارہ میں بہت سی ایسی حدیثیں ضعیف موجود ہیں جن کے ضعف کا باعث راویوں کی جہالت ہے اور بعض ایسی بھی ضعیف حدیثیں پائی جاتی ہیں جن کے ضعف کا سبب سندوں میں ضعیف راویوں کا واقع ہونا ہے[4]

[1] الفتاوی (۲۲/۴۲۶) [2] الرد علی الاخنائی ص۱۹۲۔ الصارم المنکی فی الرد علی السبکی ص۱۶
[3] الرسالۃ المستطرفہ ص۲۴۔
[4] شیخ الاسلام ابن تیمیہ وجہودہ فی الحدیث وعلومہ (۱/۲۵۸) غیر مطبوعہ

منہج واسلوب

۱۔ ضیاء مقدسی ایک بلند پایہ محدث تھے۔ انھوں نے حدیثوں کو محدثین کے طریقے پر حاصل کیا تھا لہذا اس کتاب میں اسی طریقے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرویات کو اپنی سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے یعنی وہ اپنے شیخ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا شیخ اپنے شیخ سے، اسی طرح آخری سند تک یہی طریقہ اس کتاب میں کار فرما ہے۔

۲۔ امام صاحب اس کتاب کے مقدمے میں فرماتے ہیں۔

یہ وہ حدیثیں ہیں جن کا میں نے ان حدیثوں سے انتخاب کیا ہے جو صحیح بخاری اور مسلم میں نہیں ہیں مگر میں نے کبھی بعض ان حدیثوں کو بھی ذکر کیا ہے جن کو امام بخاری معلقاً لائے ہیں اور کبھی ہم نے حدیثوں کو عمدہ سندوں سے ذکر کیا ہے مگر ان کے اندر کوئی علت ہے تو اس علت کو بیان کر دیا ہے تاکہ اس کی معرفت ہو جائے۔[1]

اس بیان سے تین چیزوں پر روشنی پڑتی ہے جو مختارہ کے منہج و اسلوب سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں:

(الف) مولف نے مختارہ کی حدیثوں کا انتخاب ان حدیثوں سے کیا ہے جو بخاری و مسلم میں نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ کی ہیں۔

(ب) مختارہ میں ایسی بھی حدیثیں لائے ہیں جو صحیح بخاری میں معلقاً مذکور ہیں۔

(ج) مختارہ میں ایسی بھی مرویات لائے ہیں جن کی سندیں عمدہ تو ہیں مگر علت سے خالی نہیں اس لیے ان کا مقصد اس علت کو بیان کرنا ہے تاکہ اس کو پہچان لیا جائے۔

۳۔ اس کتاب کو مسانید کی ترتیب پر مرتب کیا ہے اور سب سے پہلے مسند ابی بکرؓ کا ذکر کیا ہے اس کے بعد مسند عمرؓ بعدہ مسند عثمانؓ پھر مسند علیؓ پھر باقی عشرہ مبشرہ وغیرہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مسانید ذکر کئے ہیں عشرہ مبشرہ کے مسانید کے بعد بقیہ صحابہ کی مرویات ذکر کرتے ہیں حروف معجم کا لحاظ کیا ہے۔

۴۔ اس کتاب کو مرتب کرنے میں مولف نے صرف سرد احادیث پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ فنی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسانید و متون سے متعلق عمدہ فنی بحثیں کرتے ہیں اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) اگر متعدد راویوں نے کوئی لفظ مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے تو اس کو بیان کرتے ہیں جیسے لفظ سمعت[1]

(ب) اگر سند میں کوئی راوی کنیت سے مذکور ہے تو حدیث ذکر کرنے کے بعد اس کے نام کی صراحت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں " ابو الولید اسمہ لمازۃ بن زبّاد "[2] ابو الولید کا نام لمازہ بن زبار ہے۔ ایک دوسری حدیث ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں ابو الحویرث اسمہ عبد الرحمن بن معاویہ "[3] ابو الحویرث کا نام عبد الرحمن بن معاویہ ہے۔ ایک اور حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" ابو نعامہ اسمہ عمرو بن عیسیٰ "[4] ابو نعامہ کا نام عمرو بن عیسیٰ ہے۔

(ج) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی علت ہو تو اس کو بیان کرتے ہیں جیسا کہ امام دارقطنی کا قول نقل کیا ہے محمد بن جبیر لا یثبت سماعہ عن عثمان فیکون حدیثہ مرسلا وقد رواہ زید بن ابی انیسہ باسناد متصل عن عثمان ... الخ[5] محمد بن جبیر کا سماع عثمان سے ثابت نہیں لہذا ان کی یہ حدیث مرسل ہوگی اور اس حدیث کو زید بن ابی انیسہ نے عثمان سے متصل اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے .... اخیر تک۔

(د) راویوں سے متعلق جرح و تعدیل بھی ذکر کرتے ہیں اس بارے میں اصحاب فن کے اقوال سے استناد کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں: " ابو نعامہ اسمہ عمرو بن عیسیٰ بصری وثقہ یحییٰ بن معین و قال احمد بن حنبل ھو ثقۃ الا انہ اختلط قبل موتہ وثق یحییٰ بن معین البراء بن نوفل والدالان فی ما قیل "[6] ابو نعامہ کا نام عمرو بن عیسیٰ ہے وہ بصرہ کے رہنے والے ہیں یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ وہ ثقہ تو ہیں مگر اپنی موت سے پہلے اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ اور یحییٰ بن معین نے براء بن نوفل اور دالانی کی توثیق کی ہے اور کہا گیا ہے

---

[1] مختارہ مسند ابی بکرؓ ص۷ [2] ایضاً۔

[3] ایضاً ص۵

[4] ایضاً ص۱۹ [5] ایضاً ص۸

[6] ایضاً ص۱۹

کر والان بہیس کے لڑکے ہیں۔

(۴) کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ کسی راوی کے جرح سے متعلق کسی صاحب فن کا کلام نقل کر کے اس کا رد کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں " وقال الدارقطني : والان مجهول في ~~الحديث غير ثابت والله اعلم~~ دارقطنی نے کہا کہ والان حدیث میں مجہول ہیں غیر ثابت ہیں واللہ اعلم " اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ولعل الدارقطني لم يقف على الحكاية التي ذكرها ابو بكر بن خزيمة فان من شرط الجهالة ان لا يروي عن الشخص غير واحد والله اعلم[1] ۔ اور شاید دارقطنی کو اس حکایہ علم نہیں ہو سکا جس کو ابوبکر بن خزیمہ نے ذکر کیا ہے کیونکہ جہالت کی شرط سے یہ ہے کہ اس شخص سے ایک سے زیادہ راوی روایت نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

۵ ۔ اگر ایک مضمون کی حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے تو اس کو ان مختلف سندوں سے ذکر کرتے ہیں[2]

۶ ۔ حدیث روایت کرنے کے بعد اس کی تخریج بھی کرتے ہیں مگر یہ اسلوب ہر حدیث کے ساتھ نہیں ہے۔

۷ ۔ ایک [redacted] صحابی [redacted] جتنے لوگوں نے حدیثیں روایت کی ہیں ان میں سے ہر ایک کی مرویات کو یکجا بیان ہے مثلاً مسند ابی بکرؓ میں حضرت عمرؓ نے ان سے [redacted] روایتیں کی ہیں ان سب کو ایک جگہ ذکر کر دیا ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ کی مرویات وغیرہ۔ اس کی [redacted] مندرجہ ذیل تفصیل ملاحظہ ہو

مسند ابی بکر رضی اللہ عنہ :۔

۱ ۔	روایۃ عمر بن الخطاب عن أبي بكر		ص۲
۲	"	عثمان بن عفان "	ص۱۲
۳	"	علي بن ابي طالب "	ص۵
۴	"	عبد الرحمن بن عوف "	ص۷
۵	"	عبد الله بن مسعود "	ص۸

---

[1] مختارہ (مسند ابی بکر ص۲۰

[2] ایضاً ملاحظہ ہو ص۲۰ و ص۲۱ وغیرہ

۶ ۔ عبید اللہ بن عباس عن ابی بکر ص۹
۷ ۔ ابی سعید الخدری 〃 ص۱۱
۸ ۔ ابو برزہ نضلۃ بن عبید 〃 ص۱۲
۹ ۔ ابی ھریرۃ 〃 ص۱۴
۱۰ ۔ عمرو بن حریث 〃 ص۱۶
۱۱ ۔ حذیفہ بن الیمان 〃 ص۱۸
۱۲ ۔ محمد بن حاطب وقیل الحارث بن حاطب 〃 ص۲۰
۱۳ ۔ ابو الطفیل عامر بن واثلہ 〃 ص۲۰
۱۴ ۔ وحشی بن حرب 〃 ص۲۱
۱۵ ۔ رافع بن عمرو الطائی رفیق ابی بکر فی غزوۃ ذی السلاسل ص۲۲
۱۶ ۔ عائشۃ عن ابیھا ص۲۳
۱۷ ۔ اسماء بنت عمیس امرأۃ ابی بکر ص۲۴
۱۸ ۔ قیس بن ابی حازم عن ابی بکر ص۲۵
۱۹ ۔ عبد الرحمن بن یربوع 〃 ص۲۹
۲۰ ۔ اوسط بن اسماعیل بن اوسط وقیل: بن عمرو وقیل: بن عامر البجلی ابو اسماعیل عن ابی بکر ص۲۹
۲۱ ابوبکر بن ابی زھیر الثقفی عن ابی بکر ص۳۱
۲۲ ۔ جبیر بن نفیر 〃 ص۳۱

بعض خصوصیات مختارہ کی بعض خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱ ۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی حدیثوں کی صحت ہے اس کتاب کے ذریعہ صحیح حدیثوں کی معرفت میں سہولت حاصل ہوتی ہے ۔

۲ ۔ اس کی ایک خصوصیت اس کی حسن ترتیب وجودت وضع ہے کیونکہ:

(الف) مسانید صحابہ پر مرتب ہے جس کی بنا پر ہر صحابی کی مرویات یکجا مل جاتی ہیں ۔

(ب) عشرہ مبشرہ کی مرویات کو شروع کتاب میں یکجا بیان کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ان کی مرویات اکٹھا مل جاتی ہیں۔

(ج) عشرہ مبشرہ کے مسانید کے بعد حروف معجم کے اعتبار سے دیگر صحابہ کرام کے مسانید ذکر کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے آسانی کے ساتھ ہر صحابی کی حدیثیں مل جاتی ہیں۔

(د) ایک صحابی سے جتنے حضرات نے حدیثیں روایت کی ہیں ان میں ہر ایک کی مرویات اس صحابی سے الگ الگ ایک ہی جگہ ذکر کر دی گئی ہیں جس کی وجہ سے اس مخصوص شاگرد کی تمام مرویات اس صحابی سے یکجا مل جاتی ہیں۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو "مختارہ کا منہج و اسلوب" (د)

۳ ۔ یہ ان حدیثوں کو بھی شامل ہے جن کی خود مولف نے تصحیح کی ہے اور مولف سے پہلے ان کی تصحیح نہیں ہوئی تھی جیسا کہ حاجی خلیفہ کا بیان گذر چکا۔

۴ ۔ اس میں بکثرت حدیث پائی جاتی ہے لہذا یہ کتاب اس باب میں مفید و مساعد ہے۔

۵ ۔ یہ عمدہ قسم کے حدیثی علوم پر مشتمل ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں فیہ علوم حسنۃ حدیثیۃ [1] اس کتاب میں حدیث سے متعلق عمدہ قسم کے علوم ہیں۔

۶ ۔ اس میں جرح و تعدیل کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں لہذا یہ کتاب قاری کو احادیث صحیحہ کی معرفت کرانے کے ساتھ ساتھ جرح و تعدیل کی بھی معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

نوٹ :۔ یہاں مختارہ کے منہج و اسلوب اور اس کی خصوصیات سے متعلق جو کچھ مختارہ کی روشنی میں لکھا گیا وہ اس کتاب کے اس حصہ کی روشنی میں ہے جس کا راقم الحروف مطالعہ کر سکا ہے یعنی مسند ابی بکر رضی اللہ عنہ والا حصہ جو ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے یہ مقدار اس ضخیم کتاب کے لحاظ سے بہت ہی تھوڑی ہے۔ (جاری)

[1] البدایہ والنہایہ (۱۳ / ۱۰۰)

غیر مسلمین کے ساتھ موالات کا حکم

(استدراک)

.. از قلم: غازی عزیز، ص ب ۲۶۲، الخبر ۳۱۹۵۲ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)



الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ، اما بعد: "پاکستان کے ممتاز مفکر و عالم دین" جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کسی غیر اہل کتاب شخص کے ساتھ یا ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کی ممانعت بیان کرنے کے سلسلہ میں ایک مدلل اور تحقیقی مضمون اس سے قبل بعنوان "غیر اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانے کا مسئلہ" مورخہ یکم مئی ۱۹۹۶ء کو مرتب کیا جا چکا ہے، جس میں غیر مسلمین بالخصوص کفار اور مشرکین کیساتھ "ترک موالات" کی ترغیب اور اس سے متعلق جملہ احکام ایک الگ موضوع بحث ہونے کے سبب قصداً بیان نہیں کئے گئے تھے، لیکن بعض حلقوں میں "کفار و مشرکین" کے ساتھ "ترک موالات" کے احکام کو ان کی ذات کے نجس عین ہونے یا ان کی چھوئی یا پکائی ہوئی کسی حلال خوردنی شئے کو استعمال کرنے کی حرمت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جو فی الواقع تاویل بعید، خلط مبحث اور CONFUSION کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں بعض رفقاء نے سعودی عرب کے ایک معزز، بے باک، نامور، حق گو سلفی بزرگ، اپنے وقت کے ایک ممتاز جید عالم دین اور حقیقی مجاہد با عمل علامہ شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمہ اللہ کے رسائل کے مجموعہ "الاربع الرسائل المفیدۃ" طبع یازدہم الریاض ۱۴۰۲ھ کے ایک وقیع رسالہ"

"الهدية الثمينة فيما يحفظ المؤمن دينه" کے صفحات ص۱۸ تا ۱۴۹ کا خلاصہ نقل کر کے دیا ہے جو کفار و مشرکین کے ساتھ "موالات" کے حکم سے متعلق ہے، اس ایک ورقہ خلاصہ کا با محاورہ اور سلیس اُردو ترجمہ اور اس موضوع سے متعلق شرعی احکام بصورت "استدراک" ذیل میں پیش خدمت ہے:

آپ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تزال طائفة من امتي على الحق منصورة لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي امر الله ؕ[1] ترجمہ: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی۔ اس کی مخالفت کرنے والے اور نقصان پہونچانے والے اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (یعنی قیامت) آجائے۔

لیکن یہ برحق گروہ بہت قلیل تعداد میں ہوگا۔ میری خواہش ہے کہ کاش میں بھی ایسی ہی شان والوں میں سے ایک فرد شمار کیا جاؤں اگرچہ میرا علم اور قدرت کلام بہت مختصر ہے (جب میں اکثر لوگوں کو دین اسلام سے انقلاب کرتے اور صنم پرستوں اور شریعت کے دشمنوں یعنی نصاریٰ (عیسائی) ملحدین اور روافض (شیعہ) کے ساتھ موالات کرتے دیکھتا ہوں تو میری دینی غیرت وحمیت اور انسانی شفقت بیدار ہو اٹھتی ہے۔ چنانچہ میں نے بعض قرآنی آیات واحادیث نبویؐ اور علمائے سنتؒ کے اقوال جمع کئے ہیں، جو سہل انداز میں مشرکین کے ساتھ اختلاط (یعنی گھلنے ملنے) کی حرمت، ان کے ساتھ موالات، انکی بستیوں (اور ممالک کی جانب سفر کرنے، وہاں قیام کرنے اور اجنبی شرکات (کمپنیوں) کے ساتھ اضطراری حالات میں کام کرنے کے احکام سے متعلق ہیں۔"

علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تمام مومنوں پر مشرکین کے ساتھ رفاقت اور مودت کے اظہار کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر سخت وعید اور تہدید مذکور ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ "لَا يَتَّخِذُونَ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً"[2]

ترجمہ۔ مسلمانوں (مؤمنوں) کو چاہیے کہ کفار کو ظاہرًا یا باطنًا، دوست نہ بناویں مسلمانوں (مؤمنوں) کی

---

[1] رواہ مسلم (ج ۲ ص۱۴۳) وابن ماجہ (ج ۱ ص۵) عن ثوبان وکذا فی الدارمی (ج ۲ ص۲۱۳) والبخاری (ج ۲ ص۱۰۸۵) عن مغیرہ بن شعبہ ورواہ مسلم (ج ۲ ص۱۴۳) عن معاویہ ایضاً باختلاف اللفظ)

دوستی سے تجاوز کرے اور جو شخص ایسا کام کریگا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

[مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم فرماتے ہیں کہ " اوپر (اس سے قبل) کفار کی مذمت مذکور تھی اس آیت میں ان کے ساتھ دوستی کرنے سے ممانعت فرماتے ہیں (اور تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے ایک یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بالکل دوستی نہ رکھیں، دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار سے بھی دوستی رکھیں یہ دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں "۔ (اختصار شدہ بیان القرآن ص۷۲ حواشی ۲،۳)]

۲۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۔ ۴؎ (ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنالیا ہے انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو ۵؎)

[اس آیت کے نزول کے اسباب بیان کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں "
یہ اشارہ ہے دو قصوں کی طرف ایک یہ کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے کہ یہ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہوا اور جب انکو رکوع و سجدہ کرتے دیکھتے اور تمسخر کرتے، دوسرا قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان سنتا اشهد ان محمداً رسول الله تو کہتا قد حرق الکاذب یعنی جھوٹا جل جاوے، ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اسکے اہل وعیال سب سو رہے تھے کوئی خادم گھر میں آگ لیکر گیا ایک چنگاری گر پڑی وہ اور اس کا گھر، اور گھر والے سب جل گئے۔ یہ تو الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ کے مصداق تھے اور الْكُفَّار کے مصداق کا ایک قصہ یہ ہوا تھا کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سعید بن الحارث نے منافقانہ اظہار اسلام کیا تھا۔ بعضے مسلمان ان سے اختلاط رکھتے تھے۔ ان سب واقعات پر یہ آیتیں نازل ہوئیں "۔ (اختصار شدہ بیان القرآن ص۱۰۵)]

۳۔ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ (ترجمہ: اور جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ سنادو کہ ان کے لئے

۲؎ سورہ آل عمران۔ ۲۸ پ۳ ۳؎ ترجمہ و تفسیر و اختصار شدہ بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم ص۷۲ طبع تاج کمپنی ۴؎ سورہ المائدہ ۵۷ پ۶ ۵؎ تفہیم القرآن از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ج۱ ص۴۸۳ طبع ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔ ۶؎ سورہ النساء۔ ۱۳۸ تا ۱۴۰ پ۵

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ ۷

دردناک کی سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کیلئے ہے۔ اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں، اب اگر تم ایسا کر رہے ہو تو تم بھی انہی کیطرح ہو" ۸

[مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود تو علانیہ اور منافقین صرف غرباء وضعفاء مسلمین کے روبرو۔ پس جس طرح وہاں مشرکین کی مجالست ایسے وقت میں ممنوع تھی یہاں یہود اور منافقین کی مجالست سے نہی ہے، اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں اول ان کی کفریات پر رضا کے ساتھ یہ کفر ہے، دوم اظہار کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ مگر بلا عذر یہ فسق ہے، سوم کسی ضرورت دنیوی کے واسطے یہ مباح ہے، چہارم تبلیغ احکام کیلئے یہ عبادت ہے، پنجم اضطرار وبے اختیاری کے ساتھ اس میں معذوری ہے"

(اختصار شدہ بیان القرآن ص۹۰)]

۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۹

ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دیدو" ۱۰ (سورۃ النساء)

[مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم فرماتے ہیں:" حجت صریحہ یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا تو پھر کیوں ایسا کیا!

(اختصار شدہ بیان القرآن ص۹۰ حاشیہ ۲۳۲)]

۵۔ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۔ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا

(ترجمہ:" آج تم ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں، یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری ان کے نفسوں نے ان کے لئے کی ہے۔ اللہ ان پر غضبناک ہو گیا ہے

---

۷ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۰۴ ۸ سورۃ النساء: ۱۴۰ ۹ پ ۵ ۱۰ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۱۱

مِنْهُمْ فٰسِقُوْنَ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً ترجمہ: "اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا رہنے والے ہیں، اگر لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا[1] فی الواقع یہ لوگ اللہ اور پیغمبر اور اس چیز کے ماننے والے ہوتے جو پیغمبر پر نازل ہوئی تھی تو کبھی (اہل ایمان کے مقابلہ میں) کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے، مگر ان میں سے بیشتر لوگ خدا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں، تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔"[1]

[جو اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں ایسے لوگوں کی وضاحت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم یوں فرماتے ہیں یہود مدینہ اور مشرکین مکہ میں مسلمانوں کی عداوت کے علاقہ سے جس کا منشا رتناسب فی الکفر تھا، باہم خوب سازگاری تھی۔" (اختصار شدہ بیان القرآن ص۱۹۰ حاشیہ ۱)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا قول ہے: "اللہ تعالیٰ پر ایمان، اور اس کے نبی اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان انکی (کفار و مشرکین کی) "ولایت" کے بغیر مستلزم ہے ان کی ولایت کا اثبات عدم ایمان کا موجب ہے کیونکہ لازم کا عدم ملزوم کے عدم کا بھی متقاضی ہے۔

چنانچہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکے ساتھ موالات پر اپنی خفگی و غضب اور ہمیشہ عذاب میں رہنے کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ یہ جان لو کہ انکی ولایت سے کچھ حاصل نہ ہوگا مگر اس کو جو خود مومن نہ ہو۔ مگر جو لوگ اللہ پر اور اسکی نازل کردہ کتاب پر اور اسکے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ موالات نہیں رکھتے بلکہ ان کے ساتھ عداوت کا رویہ اختیار کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکے اصحاب کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"۱۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْآ اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ[3] ترجمہ: جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ اس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔"[4]

[دنیائے عرب کے ایک مشہور اور جید عالم دین علامہ یوسف القرضاوی "مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "اس سے مراد محض کفر نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ و جدل اور جارحانہ کاروائی کرنا ہے۔"

(الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی)

---

[1] سورۃ المائدہ۔ ۸۰تا ۸۲ پ۶ [1] تفہیم القرآن ج۱ ص۱۹۰ [2] "ولایت" کا لفظ عربی زبان میں حمایت، نصرت، مددگاری، پشتیبانی، دوستی، قرابت، سرپرستی اور اس سے ملتے جلتے مفہومات کیلئے بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی بعض آیات جن میں کفار کے بجائے مومنوں کو اولیاء بنانے کا ترغیبی ذکر ملتا ہے انکے سیاق و سباق کا مطالعہ بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم "صریح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد وہ رشتہ ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے اور شہریوں کا اپنی ریاست سے اور خود شہریوں کا آپس میں ہوتا ہے" تفہیم القرآن ج۲ ص۱۶۱ حاشیہ ۵۰ (مختصراً) [3] سورۃ المجادلہ ۲۲ پ۲۸ [4] اختصار شدہ بیان القرآن ص۱۲۳۰

۲۔ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ" ۱۵

ترجمہ: "اے ایمان والو اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے) اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے ظالم (اور نافرمان ہیں)" ۱۶

۳۔ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ۔ اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ وَاَلْسِنَتَھُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ" ۱۷

ترجمہ: "اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ جو تمہارے پاس دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم پروردگار پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور آگے اس پر وعید ہے کہ جو شخص تم میں ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو فوراً اظہار عداوت کرنے لگیں اور (وہ اظہار عداوت یہ کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں یہ دنیوی اضرار ہے اور (دینی اضرار یہ کہ) وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ" ۱۸

(ان آیات کے متعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں: "مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے اور ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عروہ بن زبیر وغیرہ حضرات کی متفقہ روایت بھی یہی ہے کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا تھا جب مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب ابی بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا" (تفہیم القرآن، ج۵ ص۴۲۲ حاشیہ ۱)

---

۱۵ سورۃ التوبہ ۹:۲۳ پ۱۰ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ سورۃ التوبہ کا دوسرا نام سورۃ البراءۃ بھی ہے "براءت اس لحاظ سے کہ اس کے آغاز میں مشرکین سے بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے" تفہیم القرآن ج۲ ص۱۶۶

۱۶ اختصار شدہ بیان القرآن ص۴۸۱ ۱۷ سورۃ الممتحنہ ۶۰:۱-۲ پ۲۸ ۱۸ اختصار شدہ بیان القرآن ص ۹۹۷

اور علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ سورہ الممتحنہ کی یہ آیت مشرکین مکہ کے ساتھ موالات رکھنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی، جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عملی طور پر جنگ کی اور مسلمانوں کو محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ واحد ہے، ناحق ان کے گھروں سے بے گھر کیا تھا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے موالات کے تعلقات قطعاً جائز نہیں ہو سکتے تھے، مگر پھر بھی قطعاً ان سے تعلقات منقطع کرنے یا ان سے دوستی قائم ہونے کے امکان پر مایوسی کا اظہار نہیں کیا گیا بلکہ ذرا آگے اسی سورہ کی آیت نمبر ۷ میں فرمایا گیا:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ [19]

یعنی "اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"[20] (الحلال والحرام فی الاسلام (للقرضاوی))

سورہ الممتحنہ کی اس آیت نمبر ۷ کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں "یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت متبدل بہ صداقت ہو جاتے، چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے الخ"۔ (اختصار شدہ بیان القرآن ص۴۹۸)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس آیت پر حاشیہ اسطرح مرتب فرمایا ہے "اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں سے قطع تعلق کی جو تلقین کی گئی تھی اس پر سچے اہل ایمان اگرچہ بڑے صبر کے ساتھ عمل کر رہے تھے مگر اللہ کو معلوم تھا کہ اپنے ماں، باپ، بھائی، بہنوں اور قریب ترین عزیزوں سے تعلق توڑ لینا کیسا سخت کام ہے، اور اس سے اہل ایمان کے دلوں پر کیا کچھ گذر رہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انکو تسلی دی کہ وہ وقت دور نہیں جب تمہارے یہی رشتہ دار مسلمان ہو جائیں گے اور آج کی دشمنی کل پھر محبت میں تبدیل ہو جائیگی۔ الخ"، (تفہیم القرآن ج ۵، ص۴۳۲-۴۳۳ حاشیہ ۱۱)

تقریباً یہی مضمون ترمذی، اور بیہقی کی اس حدیث[21] میں بیان ہوا ہے جس کا ذکر میں اپنے پہلے مضمون کی آخری سطور میں کر چکا ہوں۔]

---

[19] سورہ الممتحنہ: ۷، پ ۲۸ [20] اختصار شدہ بیان القرآن ص۴۹۸ [21] ابغض عدوک هونًا ما عسی ان یکون حبیبک یومًا ما" (رواہ الترمذی والبیہقی) یعنی اپنے دشمن سے بغض عناد کسی قدر کم رکھو ہو سکتا ہے کہ وہ (عدو) کسی دن تمہارا دوست بن جائے"

۴: فَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ؎۲۲

ترجمہ: "اور (اے مسلمانو) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے اور (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی (ولی، پیر یا سرپرست) رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو گی؛" ؎۲۳

۵۔ سورہ المآئدہ کی آیت نمبر ۸۵ اوپر بیان ہو چکی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مزید فرمایا:

۱: "اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ" ؎۲۴

ترجمہ: "جیسا کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کیلئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ" ؎۲۵

۲: "وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا" ؎۲۶

ترجمہ: "اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں گا امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا" ؎۲۷

علماء فرماتے ہیں: پس یہ براءت ہے اور یہ موالات ہے کہ جس کا معنیٰ یہ ہے لا الٰہ الا اللہ جو لوگ ایک اللہ کی عبادت پر شامل ہے اور اس میں اس باری تعالیٰ کے علاوہ دوسرے تمام معبودوں کی نفی ہے۔

یہی اسلام کی حقیقت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت (طریقہ) ہے جس کی اتباع کا حکم ہم سب کو دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" ؎۲۸

ترجمہ: "پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا" ؎۲۹

پس اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی یہ بعض آیات ہیں جو ظاہری طور پر دلالت کرتی ہیں، واضح برہان، اور بیّن حجت ہیں اس امر میں کہ جو مسلم کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو دوست رکھے یا ان کے شرک کا انکار نہ کرے یا ان افعال کی تحسین کرے یا ان کے کفر میں شک کرے تو وہ توحید اور اسلامی شریعت سے لاعلم اور خود بھی کافر ہے۔

؎۲۲ سورہ ہود۔ ۱۱۳ پ ۱۲ ؎۲۳ اختصار شدہ بیان القرآن صـ ۲۱۱ ؎۲۴ سورہ الممتحنہ ۴ پ ۲۸ ؎۲۵ اختصار شدہ بیان القرآن، صـ ۲۹ ؎۲۶ سورہ مریم۔ ۴۸ پ ۱۶ ؎۲۷ اختصار شدہ بیان القرآن صـ ۲۶۸ ، صـ ۲۲۷ ؎۲۸ سورہ النحل [illegible] ؎۲۹ [illegible] تفسیر القرآن [illegible]

کفار و مشرکین سے مشابہت کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً حضرت عمرؓ کی حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"من تشبہ بقوم فھو منھم"[1] ترجمہ:"جو شخص کسی دوسری قوم سے مشابہت کرے پس وہ انہی میں سے ہے"۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کفار کے ساتھ مشابہت کی حرمت ثابت ہے"۔
اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں"اس حدیث میں کفار کے ساتھ ان کے اقوال، ان کے افعال، انکے لباس، ان کی عبادات، اور ان کی عیدوں (تہواروں) وغیرہ کے طور طریقوں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے مشروع نہیں کیا ہے، میں کسی طرح کی مشابہت کی سخت ممانعت، تہدید اور وعید ہے"۔

جہاں تک مشرکین کی بستیوں کیجانب سفر کرنے اور وہاں قیام کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پیش ہے۔

"انا بریٔ من کل مسلم یقیم بین ظھیرانی المشرکین" ترجمہ۔ میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت وحفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو"۔

اور سمرۃ بن جندب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من جامع المشرک اوسکن معہ فانہ مثلہ" ترجمہ۔ جو شخص مشرک کے ساتھ اکٹھا ہو یا سکونت اختیار کرے تو وہ اُسی جیسا ہے"۔

شیخ سلیمان بن سحمان کا قول ہے کہ ہر مسلمان پر کفار و مشرکین کی عداوت، ان سے بغض ان سے دوری اور مفارقت قلبی، جسمانی اور زبانی طور پر کرنا واجب ہے"۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمۃ اللہ کے مذکورہ رسالہ کے ایک ورقہ خلاصہ کا اردو ترجمہ اور اس کی مختصر تشریح ختم ہوئی۔ ترجمہ وتشریح میں اس بات کی انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ جہاں قرآن کریم کی آیات آئی ہیں وہاں ان کے تراجم و تفاسیر برصغیر کے مشہور اور قابل اعتماد علمائے متاخرین کی تصانیف سے نقل کی جائیں۔ جہاں کوئی وضاحت طلب چیز نظر آئی اسے قوسین کے درمیان یا حواشی میں لکھ کر واضح کیا گیا ہے، تمام آیات کے حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے، نیز بعض آیات جو رسالہ میں مختصراً مذکور تھیں، لیکن قرآن کریم میں ان آیات کے پہلے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲

یا بعد میں تسلسل کے ساتھ ایک ہی موضوع پر بحث کرتی دوسری آیات نظر آئیں ان کا اضافہ بھی افادۂ عام کے پیش نظر کر دیا گیا ہے۔

آں رحمہ اللہ نے رسالہ مذکور میں جو کچھ فرمایا وہ بلاشک وشبہ صد فی صد صحیح اور اسلامی تعلیمات کی مختصر لیکن بحد جامع ترجمانی ہے، کفار ومشرکین کی اسلام اور اہل اسلام سے عداوت اور ان کی شرانگیزیوں کے باعث ان کے ساتھ ترک موالات کے جو دلائل قرآن کریم کی آیات، احادیث نبوی اور ائمہ کبار کے اقوال سے مرتب کئے گئے ہیں، ان پر کلام کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں علمائے سلف نے انتہائی شدت اختیار کی ہے لیکن پھر بھی اس پوری بحث میں کسی بھی مقام پر صراحتًہ یا کنایتہً یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ کفار ومشرکین کی ذات قطعی طور پر خنزیر کی مانند ناپاک ہے یا ان کے ساتھ یا ان کے ہاتھ کی تیار کردہ یا ان کے برتن میں یا ان کی چھوتی ہوئی حلال اشیاء کے کھانے پینے کی شریعت میں ممانعت ہے کہ جس سے بقول ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مسلمانوں کو احتیاط کرنی چاہئیے۔

غیر مسلمین (جن میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب حتی کے لادین بھی شامل ہیں) سے مراسم کے متعلق اگر اسلامی تعلیمات کو اجمالی طور پر بیان کیا جائے تو اس سلسلہ میں سورہ الممتحنہ کی آیات (۸،۹) جامع اور مکمل دستور کی حثیت رکھتی ہیں، اس دستور کے پہلے حصے میں اس غلط فہمی "کہ تمام غیر مسلمین حسن سلوک اور عدل وانصاف کے قطعاً مستحق نہیں ہیں"، کا ازالہ کیا گیا ہے بلکہ اسمیں ان غیر مسلم قوموں کے ساتھ جو اسلامی ریاست، اسلام اور خود مسلمانوں کی دشمن یا ان سے برسر جنگ نہیں ہیں (ان کے ساتھ نہ صرف عدل وانصاف کرنے کی بلکہ حسن سلوک ورواداری کے ساتھ پیش آنے اور "برّ" (یعنی ہر قسم کی صلاح وفلاح) کی ترغیب بھی ملتی ہے، اسلام صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھنے سے منع کرتا ہے جو اسلامی ریاست، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف محاذ آرا ہو کر ان کے خلاف بالفعل جارحیت وقوت کا استعمال کریں۔ چنانچہ دولت قطر کے ممتاز مصنف اور جید عالم دین علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں:

"اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتتا ہے۔ خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر الخ"

(الحلال والحرام فی الاسلام) اردو ترجمہ صد ۳۲۲ طبع بمبئی بار اوّل)

بہت ممکن ہے یہاں بعض لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی حسن سلوک اور رواداری کے مراسم کس طرح پیدا کئے جا سکتے ہیں جب کہ خود قرآن کریم میں کفار و مشرکین کو دوست اور اپنا حلیف بنانے کی سخت ممانعت اور ایسا کرنے پر شدید تہدید و وعید ہے جیسا کہ اوپر شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمۃ اللہ کے رسالہ کے ترجمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ یوسف القرضاوی نہایت واضح اور سلجھے ہوئے انداز میں تحریر فرماتے ہیں؛

اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے کہ ہر یہودی، نصرانی، یا کافر پر اس کا اطلاق ہو۔" ورنہ یہ بات ان آیتوں اور نصوص کے متناقض ہوگی۔ جن میں خیر پسند لوگوں کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں دوستانہ تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ الحلال والحرام فی الاسلام) اردو ترجمہ صفحہ ۴۲۵-۴۲۶)

اب قرآن کریم کا مقرر کردہ دستور ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥

(الممتحنہ ۸، ۹ پ ۲۸)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کیساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو۔ اور جو شخص ایسوں سے دوستی کریگا وہ ظالم اور گنہگار ہونگے۔" (اقتصار شد بیان القرآن صفحہ ۲۹۹)

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ "کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں، موالات یعنی دوستی، مدارات یعنی ظاہری خوش اخلاقی، مواساۃ یعنی احسان اور نفع رسانی۔ موالات تو کسی حال میں جائز نہیں ہے اور مدارت تینوں حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفع ضرر کے واسطے، دوسرے اس کا فرکی مصلحت دینی یعنی توقع ھدایت کے واسطے، تیسرے اکرام ضیف کیلئے اور اپنی مصلحت و منفعت و مال و جان

کیلئے درست نہیں اور مواساۃ کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز رہے)"
(اختصار شدہ بیان القرآن ص۴۷ حاشیہ ۵)
سورہ الممتحنہ کی آیات ۸، ۹ کی شرح میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں:" اس مقام پر ایک شخص کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں کے ساتھ نیک برتاؤ تو خیر ٹھیک ہے مگر کیا انصاف بھی صرف انہی کے لئے مخصوص ہے؟ اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ بے انصافی کرنی چاہیئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سیاق وسباق میں دراصل انصاف ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ عداوت نہیں برتتا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ عداوت نہ برتو۔ دشمن اور غیر دشمن کو ایک درجہ میں رکھنا اور دونوں سے ایک ہی سا سلوک کرنا یہ انصاف نہیں ہے۔ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حق ہے جنہوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے، اور تم کو وطن سے نکل جانے پر مجبور کیا اور نکالنے کے بعد بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑا۔ مگر جن لوگوں نے اس ظلم میں کوئی حصہ نہیں لیا انصاف یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتے اور برادری کے لحاظ سے ان کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں انہیں ادا کرنے میں کمی نہ کرو" (تفہیم القرآن ج۵ ص۴۳۳ حاشیہ ۱۲)
ایک اور مقام پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:" (سورہ الممتحنہ میں حاطب بن ابی بلتعہ کی ایک) شدید غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ کسی مومن کو کسی حال میں اور کسی غرض کے لئے بھی اسلام کے دشمن کافروں کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق نہ رکھنا چاہیئے اور کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیئے جو کفر و اسلام کی کشمکش میں کفار کے لئے مفید ہو۔ البتہ جو کافر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عملاً دشمنی اور ایذا رسانی کا برتاؤ نہ کر رہے ہوں ان کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے" (تفہیم القرآن ج۵ ص۴۲۱)
اس امر کی تائید میں ذخیرہ کتب احادیث میں ایک مشہور واقعہ مذکور ہے جو اس طرح ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات کیلئے مکہ سے ان کی کافرہ والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ مدینۃ المنورہ اپنے ساتھ بیٹی کیلئے کچھ تحائف لیکر پہنچیں تو حضرت اسماءؓ نے اپنی کافرہ والدہ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملاقات اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت دی تو آپؓ نے ملاقات کی۔ (مسند احمد و ابن جریر و ابن ابی حاتم عن عبداللہ بن زبیرؓ) ایک اور روایت میں یہی واقعہ

خود حضرت اسماءؓ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اپنی کافرہ والدہ سے ملاقات کروں اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاقات کی اجازت کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کے لئے بھی کہا ۔" (مسند احمد و بخاری و مسلم)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے یہ جملے ہی جویانِ حق کے لئے کافی ہیں : سابقہ آیات میں کفار سے جس ترکِ تعلق کی ہدایت کی گئی تھی اس کے متعلق لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی تھی کہ یہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے ان آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس کی اصل وجہ انکا کفر نہیں بلکہ اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ انکی عداوت اور انکی ظالمانہ روش ہے لہٰذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہئے اور ان کافروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا چاہئے جنہوں نے کبھی ان کے ساتھ کوئی برائی نہ کی ہو ۔" (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۲۳)

علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں : "جن آیتوں میں موالات سے منع کیا گیا ہے انکا تعلق دراصل ایسے لوگوں سے ہے جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہوں ۔ ان کی مدد اور پشت پناہی کرنا ، انھیں راز دار بنانا اور ملی مفاد کے خلاف انہیں اپنا حلیف بنا کر ان کی قربت حاصل کرنا کسی مسلمان کیلئے ہرگز جائز نہیں ہے ۔" (الحلال والحرام فی الاسلام اردو ترجمہ ص ۴۲۶ طبع بمبئی)

اس امر کی صراحت قرآن کریم کی بعض دوسری آیتوں میں بھی ملتی ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ

(آل عمران - ۱۱۸، ۱۱۹ پ ۴)

ترجمہ : "اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو (راز دار) صاحبِ خصوصیت مت بناؤ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تمہارے مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے ۔" (اختصار شدہ بیان القرآن ص ۵۸)

مولانا اشرف علی تھانویؒ مرحوم "صاحبِ خصوصیت" کی شرح میں فرماتے ہیں : "یہاں جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت

کی ممانعت فرمائی ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کو اپنا ہمراز بنایا جائے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خالص امور انتظامی میں اس کو دخل دیا جائے۔" (اختصار شدہ بیان القرآن صـ۵۵)

بہتر ہے کہ یہاں غیر مسلمین کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں چند اور ضروری باتیں بھی واضح کرتا چلوں یعنی یہ کہ مسلمان خواہ کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتے ہوں دینی امور کے علاوہ تمام فنی و معاشرتی وصنعتی امور میں امن پسند اور بے ضرر غیر مسلمین کے ساتھ بلا تفریق اہل کتاب وغیر اہل کتاب تعاون کر سکتے، اور ان سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ان کے ساتھ رواداری، حسن معاشرت، بھلائی، عدل وانصاف اور تبادلۂ تحائف وغیرہ تعلقات رکھنا بھی جائز ہے۔

تاریخ اسلام کے عہد زریں میں غیر مسلمین کے ساتھ مسلمانوں کے باہمی روابط کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ہجرت کے موقع پر ایک مشرک عبداللہ بن اریقط سے رہبری کی خدمات لی تھیں۔ (ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ حیوٰۃ محمدؐ مصنف ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری صـ۱۶۷ طبع امریکہ ۱۹۷۶ء) حالانکہ رہبری اور وہ بھی ان حالات میں کہ جن میں ہجرت کی گئی تھی، سے زیادہ خطرناک اور نازک بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ نے شرکت کی تھی حالانکہ اس وقت وہ اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے اور ان کا شمار مشرکین میں ہوتا تھا۔

حنبلی مسلک کے فقیہ علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ: "ایسے حالات میں کسی غیر مسلم شخص کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں عام مسلمانوں کی رائے اچھی ہو" (المغنی لابن قدامہ ج ۸ صـ۴۱)

ذخیرۂ احادیث میں بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم بادشاہوں اور کفار کے تحائف قبول کئے اور خود بھی انکو تحائف دیئے۔ (بخاری، احمد، ترمذی، وطبرانی وغیرہ میں یہ روایات تلاش کی جا سکتی ہیں)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برصغیر کے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں اس غیر اسلامی تصور نے کس طرح جگہ پائی تو اس کے دو ممکنات ہیں: اوّل وہ کہ جس کا ذکر راقم الحروف نے اپنے سابقہ مضمون غیر اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانے کا مسئلہ کے اختتام پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی گفتگو کی اخباری رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ دوئم جو لوگ مختلف ادیان عالم کی تعلیمات، رسم ورواج، ان کے جداگانہ نظام

اور ان کے مذاہب کی تاریخ پر نگاہ رکھتے ہیں ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی مخصوص خطہ کے باشندوں کی اکثریت ایک عرصہ قدیم سے جس نظام زندگی پر کاربند ہے یقیناً وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس نظام زندگی کے اثرات اس خطہ کی اقلیت اور خطہ کے گرد ونواح کے باشندوں کے معمولات زندگی پر رفتہ رفتہ ضرور مترتب ہوتے ہیں خواہ وہ اثرات اپنی اصل ہیئت میں مترتب ہوں یا کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ۔ یہ متفقہ امر ہے کہ برّ صغیر کا قدیم ترین مذہب ہندومت (HINDUISM) ہے جس کے اصول و مبادی چار ویدوں (VEDAS) سے ماخوذ ہیں۔ اگر کسی ہندو برہمن کے رہنے سہنے کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کی مذہبی تعلیمات یا معاشرہ کے رسم و رواج کے مطابق کسی نچلی ذات (LOWER CASTE) سے تعلق رکھنے والے فرد کو اچھوت (UNTOUCHABLE) یا مجسم نجس سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اچھوت کسی اعلیٰ ذات (CASTEUPPER) کے فرد کا برتن، یا کھانا صرف چھوئے یا اسے پکائے یا ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنا کھانا کھائے یا صرف ان کے کھانے پر اس اچھوت کا سایہ بھی پڑ جائے تو اعلیٰ ذات والے فرد کیلئے وہ کھانا اشد ھ (نجس و حرام) ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام ہر بنی آدم کو خواہ وہ کسی بھی مذہب اور کسی علاقہ سے تعلق رکھتا ہو مجسم نجس نہیں بلکہ غیر مسلمین کی اعتقادی طور پر نجس مانتا ہے اور بجائے نفرت و تذلیل کے ہر انسان کا احترام اور اس کی تکریم کرتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے " ولقد کرمنا بنی آدم "۔ یعنی ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا ہے"۔ پس معلوم ہوا کہ چھوت چھات (UNTOUCHABLITY) کا نظریہ خالص برہمانہ فلسفہ دینیات (HICAL THOUGHT VEDIC THEOP) پر مبنی ہے جو کسی نہ کسی طرح برصغیر کے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں رچ بس گیا ہے جس سے وہ لوگ یہ مطلب اخذ کر بیٹھے ہیں کہ کفار و مشرکین کے ہاتھ سے کوئی حلال چیز چھو جائے یا ان کے ہاتھ لگ جائے یا صرف انکے ساتھ بیٹھ کر کھا لینے سے ہی وہ حلال چیز اشدھ (نجس و حرام) ہو جاتی ہے، خواہ اس کافر یا مشرک کے اعضائے ظاہرہ پر بظاہر کوئی غلاظت و نجاست موجود نہ ہو۔ یہاں ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ کیا برّ صغیر کے ان بعض مسلمانوں پر، جن کے ذہنوں میں یہ غیر اسلامی نظریہ راسخ ہو چکا ہے، اس حدیث نبویؐ کا اطلاق نہیں ہوتا " من تشبّہ بقوم فھو منھم "۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔



انقلاب کے آثار شناس

آزادی تحریر و تقریر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کچھ لوگ تو اس حق کا اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ دین و اخلاق کے مسلمات بھی پامال ہوتے نظر آتے ہیں۔ پچھلے دنوں سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی کلام" پر احتجاجی تبصروں کے ضمن میں ناظرین اس کی مثال دیکھ چکے ہیں۔

بعض لوگ طنز و مزاح کے اسلوب میں اشہب قلم دوڑاتے ہوئے اپنا جوہر تحریر نمایاں کرتے ہیں اور ملت کی دردمندی کا راگ الاپتے ہوئے اپنے اخلاص کی نمائش کرتے ہیں۔

آزادی قلم ہی کا سہارا لیکر کچھ حوصلہ مند اور جیالے اہل قلم اپنے مخالف اداروں اور شخصیات کو نشانہ بناتے ہیں، اور دل کی بھڑاس نکالنے کیلئے ایسے تبصرے کرتے ہیں انہیں خوش فہمی یہ ہوتی ہے کہ ہم ملت کے بہی خواہ اور مخلص ہیں ہمارا ہر عمل ملت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے اور دوسرے جتنے لوگ میدان میں ہیں سب کے سب مفاد پرست و غلط کار ہیں۔ یہ ایک طرح کا غرور ہے جو ایسے لوگوں کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جن میں عمل کی صلاحیت مفقود اور ہدم و تنقید کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔

اسی طرح کہ ایک قلمکار نے دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ افکار میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں طنز و تعریض کے سہارے اپنے مخالفین کی خبر لی ہے۔ موصوف نے بات کو بعض دینی مدارس میں رونما ہونیوالے اختلافات کے تذکرہ سے شروع کیا ہے۔ اور اس صورت حال پر افسوس ظاہر کیا ہے جس سے وہ مدارس دوچار ہیں۔

غلطیوں کی نشاندہی بری نہیں، لیکن نام لیکر کسی کو بدنام کرنا یقیناً ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ اور چونکہ نام چند مخصوص شخصیات و اداروں ہی کے لئے گئے ہیں اس لئے یقین ہوتا ہے کہ مدعا اصلاح نہیں بلکہ انتقام ہے، حالات کی ابتری کے حوالے سے کچھ لوگوں پر کیچڑ اچھالنے کے لئے ملت کے زوال کی بات

کہی گئی ہے ۔ اگر تعصب وعناد کارفرما نہ ہوتا تو مقالہ نگار صاحب کو اپنے حلقوں میں بھی ایسی مثالیں مل جاتیں جن کو انھوں نے دوسروں کے یہاں دیکھا ہے ۔ دوسروں پر قلمی چھینٹے اڑانے والوں کا المیہ یہ ہے کہ ان کے اندر کام کو تولنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ۔ اس لئے وہ اچھے اور برے کاموں کے مابین تمیز نہیں کر پاتے ۔ اور ان شخصیات اور اداروں کو بھی نشانہ بنا لیتے ہیں جو خاموشی کے ساتھ دین وعلم کی خدمت کر رہے ہیں چنانچہ موصوف نے دیوبند ، مظاہر علوم اور مدرسۃ الاصلاح میں بدعنوانیوں کی بات کرتے ہوئے جامعہ سلفیہ میں انقلاب کے آثار کی پیشین گوئی کی ہے ۔

ہمیں مسرت ہے کہ ملت میں اتنی دوررس نگاہ کے مالک افراد موجود ہیں ۔ ان کے ہوتے ہوئے یقیناً ملت کو کوئی خطرہ نہیں ۔ طوفان سے پہلے یہ بیڑے کو کنارے لگا دیں گے ۔ جب ان کا اشہب قلم چلے گا تو غیر مخلص افراد خود بخود راستہ صاف کر دیں گے اور میدان میں صرف اسی طرح کے نبض شناس پڑے رہ جائیں گے ۔

افسوس ملک کی بعض مسلم جماعتوں نے اپنے ماننے والوں کا ایسا مزاج بنا دیا ہے کہ انھیں دوسروں کے تمام کام بیجا و بے فائدہ نظر آتے ہیں ۔ ان کا تصور ہے کہ ملت کی بہی خواہی ہمارا حصہ ہے اور ہمارے ہی عمل سے ملت کو عزت و وقار حاصل ہوگا ۔ اگر کوئی ادارہ خاموشی کے ساتھ تدریس وتبلیغ کے میدان میں کام کر رہا ہو تو ایسے افراد کو یہ موقف برا معلوم ہوتا ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ کام اگر ہو تو ہمارے جھنڈے تلے اور اخلاص کا دعویٰ کیا جائے تو ہمارے اسٹیج سے !

اسلام نے خود پسندی وغرور سے روکا تھا ۔ لیکن یہ لوگ اسی میں مبتلا ہیں ۔ اور خود ساختہ پیمانہ سے سب کا اخلاص ناپتے پھرتے ہیں ۔

جامعہ سلفیہ بحمداللہ ایسا ادارہ ہے جس کے پاس اپنی دعوت اور اپنا منہج ہے ۔ اگر کسی کو اس کا کام پسند نہیں یا اس کے منہج پر اعتراض ہے تو اس کے لئے براہ راست بات چیت کی دعوت دی جاتی ہے ، پرچوں میں طنزیہ مضامین کے ذریعہ یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا خصوصاً ان لوگوں کی طرف سے جو توحید وسنت کے مدعی اور مسلمانوں کے مخلص ہیں ۔

ایک طرف یہ لوگ چلاتے ہیں کہ ہندو احیاء پرستی کے فتنے کے مقابلہ میں مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیئے ، اور دوسری جانب سنجیدہ وباوقار اداروں کے خلاف تہمت تراشی کرتے ہیں ۔ اس موقف کی روشنی میں اگر ان کے دعوی اخلاص کو دیکھا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ ۔ اللہ تعالیٰ ایسے مخلصین سے ملت کو بچائے ۔

ادارہ

ہماری مطبوعات

نام کتاب :۔ معاویہ بن ابی سفیان ایک مجاھد صحابی

تالیف :۔ شیخ منیر محمد الغضبان حفظہ اللہ

ضخامت :۔ پانچ سو صفحات

قیمت :۔ چھپن روپئے

ناشر :۔ ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ۔ بنارس

ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

صحابہ کرام کے دور میں یقیناً بعض ایسے واقعات پیش آئے جو قابل تعریف نہیں کہے جاسکتے، لیکن و معصوم نہ تھے کہ کسی کو استبعاد ہو۔ ان واقعات کی بنیاد پر ان کے اخلاص وایثار پر شبہ کرنا اور انھیں د کا طلبگار بنانا زبردست ظلم وزیادتی ہے۔

صحابہ کی ان پاک نفوس شخصیتوں میں مجاہد اسلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی ذات گرامی آپ بھرپور ذکاوت اور زندہ عزائم کے مالک تھے۔ بزبان نبوی امانت دار اور فوری تھے۔ ان میں فتنوں کے مقا کی صلاحیت موجود تھی۔ جسے وہ سیاسی بصیرت اور ذہانت وفطانت کی معاملہ نہ سوجھ بوجھ سے فرو کیا کرتے لیکن آپ سے متعلق عام طور سے لوگوں کا ذہن گردوپیش سے کچھ اسطرح متاثر ہوا کہ کتاب وسنت کی نصوص نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔ اور یہ تمام کارستانیاں روافض کی وضع وتحریف اور ان کی سرگر نتیجہ ہے۔ حالانکہ متعدد مورخین اسلام نے ان کی افضلیت کا تذکرہ کیا ہے اور عام صحابہ سے متعا زبان وقلم کو محتاط رکھا اور ایسے لفظ کے استعمال سے اجتناب کیا جس سے ان کی شخصیت پر کسی قسم قدغن لگتا ہو۔

اگر بنظر انصاف تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً حضرت معاویہ کے سلسلہ میں وہی موقف اختی

کرنا ہوگا جو عام صحابہ کرام کی بابت مورخین اسلام نے اپنایا۔

اسی لئے سخت ضرورت تھی کہ حضرت معاویہ کی سیرت اور ان کی زندگی کے واقعات و حالات کو پوری ایمانداری کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ان کی ذات سے متعلق جو غلط تصور لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا ہے اس کا ازالہ ہو سکے اور تاریخ کی سچی تصویر پیش ہو جائے۔

مصنف سیرت معاویہ نے اس کتاب کی تالیف میں چند امور کا لحاظ رکھا ہے کیونکہ اس کا مرجع احادیث نبویہ اور تاریخی روایات پر مبنی ہے۔

- صحیح سند سے مروی شدہ احادیث کو تاریخی روایات پر اولیت دی گئی ہے۔
- تاریخی روایات کو ان کی اسانید میں مذکور شدہ رجال کے حالات زیر جرح کتب جرح و تعدیل سے معلوم کر کے درج کیا گیا ہے۔
- بغیر سند کے کوئی بھی روایت نہیں ذکر کی گئی ہے۔
- نصوص و روایات میں چھان پھٹک کے بعد نتائج اخذ کئے گئے ہیں
- ایسی روایتوں کے ذکر سے اجتناب کیا گیا ہے جن کے راویوں کے حالات سے علمائے رجال خاموش ہیں۔

لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود مصنف کو اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اپنی چاہت اور خواہش کے مطابق صحیح تصویر کشی سے قاصر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف کو بہت سی جگہ صرف ضعیف یا منکر روایت ہی مل سکی۔ ظاہر ہے اس قسم کے رطب و یابس روایتوں کے ذکر سے عدم ذکر ہی مستحسن ہے۔

اس کتاب میں ناظرین حضرت معاویہ کی سیرت کے علاوہ ان کے پورے سیاسی حالات و واقعات اور خدمات کا تذکرہ پائیں گے جس میں ان کی سیاسی بصیرت، ذکاوت و ذہانت اور معاملہ فہمی کا عنصر غالب نظر آئیگا خواہ یہ واقعات حضرت عثمان کی خلافت کے دور میں رونما ہوئے ہوں یا حضرت علی کے۔ ضمن حضرت عثمان کے دور خلافت میں واقع شدہ فتنوں کا بھی ذکر آ گیا۔ نیز حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے مابین جو صفین کا المیہ پیش آیا اس کے اسباب و مقاصد اور محرکات و عوامل کا تذکرہ بھی ہے۔

کتاب کے مؤلف شام کے محقق اور مشہور عالم الشیخ محمد منیر الغضبان ہیں۔ حضرت معاویہ کی سیرت سے متعلق ان کی تحریر اپنے موضوع پر منصفانہ تحریر ہونے میں اپنی مثال آپ ہے۔ ہندوستان میں اس موضوع پر اس سطح کی کوئی کتاب موجود نہیں تھی ادارۃ البحوث کی کوششیں قابل مبارکباد ہیں کہ اس نے

کتاب کا اردو ترجمہ پیش کرکے یقیناً مسلمانوں پر ایک احسان کیا۔

کتاب کا اردو ترجمہ جامعہ سلفیہ کے چند فاضل اساتذہ کرام نے انجام دیا ہے اور ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب حفظہ اللہ نے ترجمہ کا اصل کتاب سے بالاستیعاب تقابل کیا ہے ترجمہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ دقت پسندی سے کام لیا جائے اور مصنف کے مقصود پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے پائے۔

کتاب کے شروع میں مولف کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ ساتھ ناشر کی جانب سے بھی کتاب کے موضوع کی روشنی میں ایک ٹھوس اور باوزن تقدیم ہے جس سے کتاب کی اہمیت مزید دوچند ہو گئی ہے۔ امید ہے کہ اہل علم اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔

(امتیاز احمد سلفی)

بنگلور میں جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کی شاخ کا سنگ بنیاد

ویک روزہ اجتماع

شہر بنگلور میں جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کی شاخ کا سنگ بنیاد مورخہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۶۹ء بروز اتوار صبح ساڑھے نو بجے رکھا گیا اور یہ تقریب سعید حضرت مولانا حافظ عبد المتین صاحب میمن جوناگڈھی کے اہتمام میں حضرت مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ صدر محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی بمبئی و نائب صدر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے مبارک ہاتھوں سے عمل میں آئی۔

اس مبارک موقع پر جمعیت اہلحدیث بنگلور نے ایک روزہ دعوتی اجتماع منعقد کیا جس میں مشاہیر علماء کرام و فضلاء عظام نے خطاب فرمایا اور سامعین کی کثیر تعداد نے اس میں شرکت فرمائی ہماری نیک تمنائیں اس ادارہ کے ساتھ ہیں اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جماعت کے لئے خیر و برکت اور صلاح و فلاح کا ذریعہ بنائے (آمین)

(ادارہ)

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۳ مارچ ۱۹۸۹ء شعبان ۱۴۰۹ھ جلد ۷

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب
وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپیے
فی پرچہ تین روپیے

اس شمارہ میں

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ. وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ
مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (سورۃ الاعراف ۱۹۹)

ترجمہ: عفو و درگذر سے کام لو، بھلی باتوں کا حکم دو، اور جاہلوں سے اعراض کرو اور اگر شیطان کی طرف سے تجھے کوئی کچوکا پہنچے تو اللہ کی پناہ لو، بیشک اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

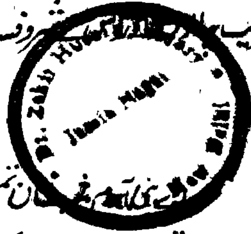
اس مفہوم کی دو اور آیتیں ہیں۔ جن میں اللہ رب العزت نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اپنے ہم جنس دشمن یعنی انسانوں کے ساتھ حسن وسلوک کریں۔ ان سے نرمی وظاہرداری کا رویہ اپنائیں۔ تاکہ جب اس کا ضمیر بیدار ہو اور دل قبول حق پر آمادہ ہو تو اس سے تعلقات استوار ہو جائیں۔

شیطان نامی "عدو مبین"[1] کے سلسلے میں یہ حکم ہے کہ ضروری طور پر انسان اس کے شر و فساد سے اللہ رب العزت کی پناہ کا طالب ہو۔ کیونکہ کسی احسان وسلوک اور ظاہرداری کو قبول کرنا اور اس سے متاثر ہونا اس مخلوق کی سرشت میں ہے ہی نہیں۔ بلکہ دشمنی وعداوت میں شدت کا حال یہ ہے کہ بنی آدم کی ہلاکت و بربادی سے کم کسی چیز پر

---

[1] قرآن میں شیطان کو انسان کا "عدو مبین" یعنی کھلا دشمن متعدد بار کہا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:
سورہ بقرہ ۸ و ۲۰۹، الانعام (۱۴۲) یوسف (۵) القصص (۱۵) یٰسین ۶۰، زخرف ۶۲ اسراء ۵۳ فاطر (۱۹)

وہ راضی نہیں ہے۔ اس مبینہ وشتیں دشمن کی پرفریب [illegible] شر و فساد سے محفوظ رہنے کیلئے بار بار قرآن واحادیث میں تنبیہ وارد ہوئی ہے۔



اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

[illegible] بنی آدم [illegible] شیطان تمھیں فتنے میں نہ مبتلا کر دے جیسے کہ تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

شیطان تمھارا دشمن ہے۔ تم بھی اس کو اپنا دشمن بنائے رکھو وہ اپنے گروہ کو دعوت دیتا ہے کہ وہ جہنمیوں میں ہو جائیں

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو جھوٹی قسم کھا کر یہ یقین دلایا کہ میں تمھارا ناصح و خیرخواہ ہوں۔ اس فریب اور جھوٹ کے بعد اولاد آدم کے ساتھ اس کا رویہ اور سلوک جو ہوگا وہ سب کو معلوم ہے۔ انسان اور شیطان کے درمیان ابتدائے آفرینش سے جو دشمنی ہوئی اللہ رب العزت کے حکم کی سرتابی کے بعد ابلیس راندۂ درگاہ ہوا تو اس نے اپنی اس مستحکم دشمنی وعداوت کا اظہار علی الاعلان ان الفاظ میں کیا کہ اے رب تیری عزت کی قسم میں تیرے مخلص بندوں کے علاوہ سارے انسانوں کو گمراہ کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ابتلاء و آزمائش کے لئے شیطان کو اتنی طاقت عطا کر دی کہ وہ انسانوں کی رگوں میں خون کیساتھ رواں دواں ہے اس کے ساتھ اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اپنے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا۔ اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ پر نزول قرآن کے بعد اپنے دین کی تکمیل فرمائی۔

اس کتاب ہدایت اور رہبر انسانیت کے فرمودات میں شیطان لعین اور اس کی فتنہ سامانیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے واضح ہدایات موجود ہیں۔

پہلی بنیادی بات تو یہ کہ اگر شیطان انسان کا عدو مبین ہے تو ہمیں بھی اس سے جنگ جاری رکھنے اور رشتۂ عداوت کو استوار رکھنے اور اس کو پروان چڑھانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر انسان کے ذہن و دماغ میں عداوت کا یہ مبدأ مرتسم ہو جائے تو بہت سے مقامات پر مقابلہ آسان ہو جائیگا

کتب سنت اور آثار سلف کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تشبہ بالکفار والمشرکین کی طرح تشبہ بالشیطان سے روکا گیا ہے ۔

اللہ رب العزت نے کلام اللہ کی تلاوت سے پہلے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے ۔

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ ۔

بہت ساری دعاؤں میں ہر طرح کے شر وفتنہ سے بچنے اور اللہ کے تحفظ حاصل کرنے کے ساتھ شیطان کے شر سے بچنے اور اللہ کی پناہ حاصل کرنے کا تذکرہ موجود ہے ۔

قرآن وحدیث میں شیطان سے تعوذ باللہ کے ان قطعی نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ :

انسان کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں شیطان کی فتنہ سامانیوں ، شرانگیزیوں اور مضرت رسانیوں سے بچنے کے سلسلے میں کافی ہوشیار اور چوکنا ہونا چاہیئے ۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سارے معاملات میں شیطان کے شر سے تحفظ حاصل کرنے اور اس سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں ، شیطان کے شر سے تعوذ کی مسنون دعاؤں کو پڑھیں ، اور ہر وقت اپنے دل ودماغ میں یہ رکھیں کہ وہ "عدو مبین" ہے جس کی چالیں بڑی باریک ہیں ۔ اس کی فتنہ سامانیوں اور دجل وتلبیس کا مقابلہ صرف رجوع الی اللہ ہے ۔ عبادت واعمال میں خلوص نیت کتاب وسنت کی تعلیم ، اس میں فہم وتدبر ۔ اس کے لئے عملی جد وجہد ، اور صبح وشام اور ہر وقت شیطان کے شر وفساد سے تحفظ ونجات کے لئے اللہ کی محفوظ پناہ گاہ تلاش کریں کہ لاملجا الا اللہ ۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین ۔

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

درس حدیث

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول" اِنَّمَا الاَعمال بالنیات، وانما لکل امرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ، فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الیٰ ما ھاجر الیہ (متفق علیہ)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: اعمال کا تعلق نیتوں سے ہے۔ ہر آدمی کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے۔ حتیٰ کہ ہجرت بھی اگر کوئی اللہ اور رسول کے لئے کرے تب تو اس کی یہ ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی ورنہ اگر دنیا کی خاطر یا کسی عورت سے شادی رچانے کی نیت سے ہجرت کی تو اس کی یہ ہجرت اس کی نیت کے مطابق ہوگی (یعنی شرعی ہجرت نہیں ہوگی)

حدیث مذکورہ میں اس بات کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ انسان اپنی نیت اور ارادے کے مطابق اپنے اعمال پر جزاء اور سزا کا مستحق اور سزاوار ہوتا ہے جس نے نیک مقاصد کیلئے کوئی کام کیا تو وہ نیک بدلہ پائے گا اور جس نے (کوئی شرعی کام بھی) کسی دنیوی مقصد کے لئے کیا تو اس کی نیت کے مطابق اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔

ائمہ اسلام نے اس حدیث کو ثلث اسلام قرار دیا امام بیہقی نے اس کے ثلث اسلام ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ انسان کے اعمال دل، زبان اور اعضاء وجوارح سے سرزد ہوتے ہیں اور نیت (یعنی دل کا عمل) ان تین قسموں میں سے ایک ہے اور سب سے برتر۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس حدیث کی شرح وتوضیح میں امام احمد کے قول (یعنی اسلام کا دارومدار

ان تین احادیث پر سے اکی توجیہ فرماتے ہیں کہ : دین امر کی بجاآوری اور منکرات سے باز رہنے سے عبارت ہے۔ حدیث "الحلال بین ..." میں شبہات اور ممنوعات کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کا حکم دیا ہے اس کی ایک قسم ظاہری اعمال یعنی و جبات مستحبات کی ہے اور دوسری باطنی اعمال یعنی اخلاص وللہیت کی۔ اسلیئے حدیث "من عملَ عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد" میں ایجابا واستحبابا اللہ کے حکم کے بغیر تقرب الی اللہ سے ممانعت ہے۔

حدیث : "انّمَا الاعمالُ بالنیّات" باطنی اعمال کو واضح کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ دین میں صرف اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاص وللہیت ہی ہے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ آیت شریفہ "لیبْلُوَکم ایکم احسن عملا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "صوبہ د اخلصہ" ہے یعنی سب سے زیادہ صواب عمل اور خالص اس لیئے کہ اگر عمل خالص ہو اور صواب نہ ہو (یعنی کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو) تو مقبول نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ صواب ہو اور خالصۃً لوجہ اللہ نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوگا۔ عمل کی مقبولیت کیلئے شرط یہ ہے کہ خالص اور صواب ہو۔

آج کی اس مادی دنیا اور خدا بیزار ماحول میں اس طرح کے ارشادات نبویہ کی اہمیت وافادیت دوچند ہوجاتی ہے جبکہ معاشرہ میں منافقت کا رواج عام ہوگیا ہے۔ عام دینی معاملات ومسائل ریا ونمود کا شکار ہوگئے ہیں۔ سنت وتوحید سے محبت کی دعویدار اقوام وملل اور جماعتیں وتحریکات عمل صالح کی مذکورہ شرطوں کی رہینیوں کے عملاً قائل نہیں۔ اس طرح کے ماحول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہمارے لئے مشعل راہ ہے

آج ضرورت ہے کہ ہم اس حدیث کی روشنی میں اپنے دلوں کو ٹٹولیں، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنا اور اپنے اعمال ونیات کا جائزہ لیں اور اپنی نیتیں صحیح کرلیں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

بدعت
اور اس کے تباہ کن نتائج

بدعت دین میں ایسے نو ایجاد طریقہ کو کہتے ہیں جو بظاہر امر شرعی کے مشابہ لیکن حقیقت میں اس سے متضاد ہوتا ہے، اس پر عمل کا مقصد اللہ کے تعبد میں مبالغہ یا امور شرعی کے جو مصالح ہوتے ہیں بدعت کے ذریعہ ان کا حصول ہوتا ہے۔ لیکن دین و شریعت میں چونکہ ایسے نو ایجاد امور کی کوئی اصل نہیں ہوتی اس لئے باتفاق علمائے امت یہ باطل اور ضلالت ہے۔ امت مسلمہ نے اپنی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں دین کی پر خلوص اتباع اور بدعات کے سبل متفرقہ کی رہروی کے نتائج سعادت اور ہلاکت دونوں صورتوں میں دیکھ لئے ہیں۔ دور نبوت اور اس کی روشنی سے منور قرون فاضلہ حیات انسانی کے آخری دن تک تمام پہلوؤں سے سعادت اور عزو تمکین کا وہ بلند ترین نمونہ ہیں کہ جن سے بڑھ کر سعادت و عظمت کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں جب اولین بدعات اربعہ خارجیت، رفض و تشیع، قدریت اور مرجئیت کا ظہور ہوا تو ان کے جلو میں عیسائیوں، ایرانی پارسیوں اور ہندؤں کے حلول و اتحاد وحدۃ الوجود اور ان کے تمام چھوٹے بڑے عقائد و اعمال اور رسوم و رواج مرور زمانہ کے ساتھ امت مسلمہ کے ایمان و عمل میں پیوست ہو گئے اور وقت کے علماء سوء، اباحی صوفیاء، اور الحاد زدہ متکلمین نے ان ساری ضلالتوں اور بدعات کو دین اسلام کا نام دے دیا۔ اور امت مسلمہ کی وہ کھیتی جو ایمان اور اعمال صالحہ کی زمین پر اپنے تنوں پر مضبوط ہو کر کھڑی ہوئی تھی۔ جس کی شادابی امت کے کاشتکاروں کے لئے وجہ انبساط اور منکروں کے لئے باعث ناخوشی و انقباض تھی بدعات کے اشجار خبیثہ سے بھر گئی اور آکل المرار کافر اقوام کے لئے لقمۂ تر بن گئی۔ گو ہر زمانہ میں ما انا علیہ

واصحاب کے وصف سے متصف امت مسلمہ کا ایک گروہ دین خالص پر عمل پیرا رہا اور امت کو اصل راہ کی طرف پھیر لانے کے لئے اس نے اپنی تمام ترجسمانی، ایمانی، اخلاقی، علمی اور عملی صلاحیتیں اس راہ میں لگا دیں حتیٰ کہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن تیمیہؒ جیسے باعزیمت علماء نے خود مسلمانوں کے ہاتھوں جان لیوا ایذائیں برداشت کیں بلکہ برصغیر میں مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا احمد شہید اور علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید نے تو اس راہ میں اپنی جانیں بھی لٹا دیں۔ ان نفوس زکیہ کی سرفروشیاں بارآور بھی ہوئیں لیکن امت مسلمہ کے ایک بڑے طبقے کو آج بھی بدعات کا زہر آمیز شہد اتنا خوش ذائقہ لگ رہا ہے کہ سرچشمہ عز وسعادت کتاب وسنت سے سیراب ہونا اسے ناخوشگوار لگتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

دین رسول کے مخالف نفاق، بدعات اور فجور کا جب ظہور ہو گیا تو مسلمانوں پر دشمن مسلط کر دیئے گئے رومی نصاریٰ نے یکے بعد دیگرے شام وجزیرہ پر دھاوا بول کر شامی سرحدی علاقے چھین لئے حتیٰ کہ چوتھی صدی میں بیت المقدس بھی لے لیا اور کچھ عرصہ بعد دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شام نصرانی کفار اور ملحد منافقوں کے درمیان انتہائی بدترین حالت میں گزر رہے تھے۔ اسی طرح اہل مشرق جب اسلام پر قائم تھے تو ترکی، ہندی اور چینی مشرک کافروں پر غالب تھے لیکن جب بدعات، الحاد، اور فجور کا ظہور ہوا تو اللہ نے ان پر کفار کو مسلط کر دیا، بعض علماء کا قول ہے کہ تاتاری ترکوں کے بادشاہ ہلاکو نے عراق میں خلیفہ پر غلبہ حاصل کر لیا اور عظیم قتل وخونریزی کی۔ بیان ہے کہ ایک لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ایسی ہی خونریزی حلب میں بھی کی تھی، بعض علماء کا قول ہے کہ مسلمانوں کے لئے ہلاکو ایسا ہی تھا جیسے بنی اسرائیل کے لئے بخت نصر، مسلمانوں کے دیار میں ان کے دخول کے اسباب میں سے الحاد، نفاق اور بدعات کا ظہور رہے ہے، حتیٰ کہ رازی نے ستاروں اور بتوں کی پرستش اور جادو کے عمل پر "السر المکتوم فی السحر ومخاطبۃ النجوم" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ کتاب سلطان محمد خوارزم شاہ کی ماں کے لئے لکھی تھی۔ اس سے رازی کے تعلقات غایت درجہ قوی تھے۔

(مجموع فتاویٰ ۱۳/۱۷۸، ۱۸۰)

بدعت اور اس کے تباہ کن نتائج سے متعلق کتاب وسنت میں واضح نصوص اور اقوال سلف موجود

ہیں ان کے ہوتے ہوئے امت اسلامیہ کا تباہی کے بھنور میں گرفتار رہو جانا کس قدر عبرت انگیز ہے۔ ذیل میں ہم الاعتصام للشاطبی سے مستفاد بعض نتائج کا ذکر کر رہے ہیں۔

(۱) بدعت دین کامل میں اضافہ اور اللہ کے حدود سے بغاوت ہے اس لئے کہ اللہ نے اپنے رسول پر مکمل دین نازل فرمایا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (القرآن)

(۲) صاحب بدعت ملعون ہوتا ہے۔ من احدث حدثا او آوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین (الحدیث) جس نے بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

(۳) صاحب بدعت اللہ سے دور ہو جاتا ہے حسن کہتے ہیں صاحب بدعت روزہ نماز کے ذریعہ جتنا ہی اللہ کے لئے کوشش کرتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

(۴) بدعت سے مسلمانوں اور امت مسلمہ میں اختلاف و انشقاق پیدا ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا (ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا) اس امت کے اصحاب ہوئی، اصحاب بدعات اور اصحاب ضلالت ہیں۔

(۵) صاحب بدعت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ہر گناہ کے لئے توبہ ہے بجز اصحاب ہوئی وبدعت کے ان کے لئے توبہ نہیں (الحدیث)

(۶) صاحب بدعت سے رسول بری الذمہ ہیں۔ انا بریٔ منھم (الحدیث) میں ان سے بری الذمہ ہوں۔

(۷) صاحب بدعت کی نماز، روزہ حج و زکوٰۃ اور کوئی عمل خیر قبول نہ ہوگا۔ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور قاضی، رازق اور نفع و ضرر اور موت و حیات کا مالک ہے اللہ اس کی جبینیں باطل اور زبان گونگی کر دے گا۔ اس کے نماز روزے بیکار کر دے گا، تمام ذرائع کاٹ دے گا اور اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا۔

(۸) بدعت کے آنے ہی سنت اٹھ جاتی ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ ہر آنے والے سال میں بدعت کی ایجاد اور سنت کی موت ہوگی یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مر جائیں گی۔

(۹) صاحب بدعت پر دنیا میں ذلت اور اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اِنَّ الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا وکذلک نجزی المفترین (القرآن) جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا انھیں انکے رب کی طرف سے دنیا کی زندگی میں غضب اور ذلت کی مار ہوگی اور ایسا ہی بدلہ ہم جھوٹی باتیں گھڑنے والوں کو بھی دیں گے۔

(۱۰) صاحب بدعت کو شفاعت نصیب نہ ہوگی آپ نے فرمایا حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعۃ میری شفاعت میری امت کے لئے واقع ہوگی بجز صاحب بدعت کے۔

(۱۱) اہل بدعت کے لئے فتنہ کا اندیشہ ہے (فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔

(۱۲) صاحب بدعت کی دعا قبول نہیں ہوتی ابراہیم بن ادہم سے کہا گیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے ادعونی استجب لکم مجھے پکارو میں تمھاری دعا قبول کروں گا اور ہم ایک زمانہ سے اسے پکار رہے ہیں لیکن وہ ہماری دعا قبول نہیں فرماتا انھوں نے جواب دیا تمھارے دل دس چیزوں میں مردہ ہوگئے۔ (۱) تم نے اللہ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا۔ (۲) تم نے کتاب اللہ پڑھی لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔ (۳) تم نے محبت رسول کا دعویٰ کیا اور ان کی سنتوں کو چھوڑ دیا۔ (۴) شیطان سے عداوت کا دعویٰ کیا لیکن اس سے موافقت کی وغیرہ۔

(۱۳) بدعت پر اصرار کرنے والے دین کی طرف پھر نہیں پلٹ پاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دین سے اس طرح نکل جاتے ہیں جیسے تیر کمان سے پھر ان کا لوٹنا ایسا ہی مشکل ہوتا ہے جیسے تیر کا کمان کی طرف (الحدیث)

جس دین میں بدعت اور اس کی تباہ کاریوں سے متعلق اتنے واضح نصوص موجود ہوں امت مسلمہ کی تباہی وبربادی عبرت انگیز ہے، شعبان المعظم کی پندرہویں شب (شب برآت) کے موقع پر بدعت کے غیر دینی مناظر کا ایک اجمالی خاکہ بغرض عبرت ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) پختہ قبریں اگر کہیں ٹوٹ پھوٹ گئی ہوں ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور چونا کاری کرکے قبرستان کو شہر خموشاں کا منظر بخشا جاتا ہے۔ لیکن بدعات میں مست عشاق رسول کو یہ ہوش نہیں رہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ قبریں بنانے اور ان کی آرائش سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

(۲) بوڑھے جوان، بچے بچیاں مرد عورتیں قبرستان میں اختلاط کے ساتھ اکٹھا ہوتے ہیں۔ اس پر

شبہ نہیں کہ زیارت قبور مسنون ہے بہت سے علماء نے عورتوں کو بھی اس حکم میں شامل کیا ہے لیکن زیارت کے نام پر کسی مقررہ تاریخ میں اختلاط مرد و زن کے ساتھ میلہ لگانا سنت رسول پر زیادتی ہے، اختلاط مرد و زن بازاروں راستوں تعلیم گاہوں حتیٰ کہ مسجدوں اور عیدگاہوں میں نماز پڑھتے وقت بھی جائز نہیں تو شہر خموشاں کے ویرانے میں کسطرح جائز ہوگا۔ اس موقع پر اصحاب قبور کے وسیلے سے حاجات طلب کی جاتی ہیں یہ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے اور اللہ شرک کرنے والوں کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ نیز بدعات کی سرمستیوں میں کھوئے ہوئے لوگ نماز کی ادائیگی کے لئے اللہ کے گھروں میں حاضر نہیں ہو پاتے مسجدیں ویران ہوتی ہیں اور قبرستانوں میں میلے کا سماں
(۳) آتش بازیاں اور پٹاخے داغے جاتے ہیں اور اس پر بے پناہ روپئے صرف کئے جاتے ہیں جبکہ اللہ کی سخت تنبیہ ہے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین. فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ یہ امر بدعت ہونیکے ساتھ گناہ کبیرہ بھی ہے۔ پٹاخوں کے دھماکوں سے شہروں اور بستیوں کو سر پر اٹھالیا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ میدان جنگ میں برستے گولوں کے ذریعہ دشمن کو ملیا میٹ کیا جا رہا ہو لیکن وہ ہاتھ جن سے یہ گولے چھوٹتے ہیں حقیقت میں شیاطین کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ اور وہ گولے حق کے نہیں باطل کے گولے ہوتے ہیں اور تباہ و برباد ہونے والا باطل کا لشکر نہیں دین حق کا لشکر ہوتا ہے اللہ اور اس کے حبیب کے دین کا لشکر!

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

(اقبالؒ)

کیا امتِ محمدی موجود ہے یا ختم ہو چکی ہے؟

علمائے امت کے اجتماعی فیصلے کا وقت

صوفی نذیر احمد کاشمیری

محض جھوٹ

مگر مارکس کا یہ دعویٰ یکسر لغو اور بے بنیاد تھا۔ ذرا غور سے سن لیجئے کہ وہ بے بنیاد کیوں ہے۔ سوائے پاگلوں کے باقی ہر ذی شعور انسان کے کل کا ہر عملی منصوبہ آج کی سوچ بچار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ کل کے کاروبار کیلئے آج سوچ لیتا ہے اور پھر کل اسے مادی شکل دیتا ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ مارکس نے بھی تو سوا ڈیڑھ سو برس پہلے چند افکار کو جوڑ کر آئندہ کی تعمیرِ انسانی کا ایک خاکہ بنایا تھا اور سو برس بعد اس کی مادی تعبیر کی غلط یا صحیح کوشش ہوئی اور اس کے کچھ مظاہر سامنے آئے۔ لہٰذا مارکس نے ہیگل ازم میں جو تبدیلی صرف اسلئے کی تھی کہ موجودہ مادی دور کی سیاست کی گدی پر ہیگل براجمان نہ کیا جائے بلکہ اس گدی پر اس کی مورتی کو بٹھایا جائے۔ وہ تبدیلی یکسر باطل، بے بنیاد اور واقعیت سے خالی تھی حقیقت تو یہ ہے کہ فکرِ انسانی کو ہمیشہ اس کے مادی عمل پر فوقیت و اولیت حاصل رہی ہے۔

اللہ پاک کے غیر مسئول ہونیکی حدود

اس سلسلے میں پہلی اور مرکزی بات یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے آپ کو بطور خود رحمت کا پابند کرتے ہوئے اپنا تعارف اسی صفت کیساتھ کرایا ہے "کتب ربکم علیٰ نفسہ الرحمۃ۔ تمہارے رب نے رحمت کو خود اپنے آپ پر فرض کر لیا ہے" اور یہ تصور جہنم میں گر کر خاکستر ہو جانے والی کائنات کے لئے پیغامِ حیات ہے۔ جو اسے رحمت کے لالہ زار و نو بہار میں واپس لے آتا ہے۔ اللّٰھم مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجیٰ عندی من عملی (الحدیث) وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین (القرآن)

کلی ریاست کے زہریلے، خونخوار اور فریب کار دمکار معبود باطل کے مقابل، خدائے حقیقی کا مندرجہ صدر تعارف کس قدر جاذب دلکش، روح افزا، حیات آفریں اور زندگی کو، کائنات کو ایک بہار بے خزاں بنانے والا ہے۔ اس بات کو ہر ذی ہوش آدمی سمجھ سکتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ صرف بنیادی اور ابتدائی تعارف ہے جسکی تفصیل اور بھی ہے۔

تفصیلی صفات

اللہ پاک تمام اخلاقی صفاتِ کمال سے متصف اور نقص و رذالت و زوال کی ہر صفت بالکل منزہ اور پاک ہے اسکے صفاتِ کمال تو حساب و شمار سے باہر ہیں۔ لیکن وہ صفات جو انسان کے لئے خدا سے رابطہ قائم کرنے کیلئے بیان کئے گئے ہیں وہ ننانوے بتائے گئے ہیں۔ ان میں صفتِ رحمت بنیادی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ صفت رحمت سے بنیادی رابطے کے بعد ایک ایک صفت خداوندی کا قلب و صدر انسانی پر پرتو افگن ہوتے جانا فوز و فلاح کی ہر صورت کو صد درجہ قابل قبول بنا دیتا ہے۔ اسے ہر انسان کو دل سے محسوس کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ قلب انسانی ہی ہے جو ہدایت ربانی کا مخاطب ہے۔ لہٰذا دماغ کے بجائے اس رابطے کو دل سے محسوس کیا جانا چاہئے۔

مقام رضا

خدائے رحمٰن و رحیم و ارحم الراحمین و خیر الراحمین کی صفت رحمت سے ہم رنگی و ہم آہنگی، انسان کی تمام مادی فلاح و حیتوں کے ساتھ ہی، اسکی تمام اخلاقی صلاحیتوں کی آبیاری کرتے ہوئے، انھیں اتنا مضبوط کردیتی ہے کہ وہ اللہ پاک کی دوسری اخلاقی صفاتِ کمال سے ہم رنگی و ہم آہنگی اختیار کرسکیں۔ اور بھرپور غذا ہضم کرسکیں۔ صفت رحمت سے ہم آہنگی تو محض دودھ دلیا اور ساگو دانے کی قسم کی ہلکی غذا تھی۔ مگر باقی تمام صفاتِ کمال سے ہم رنگی و ہم آہنگی، بھرپور غذا ہے۔ اور وہ انسان کو "بندۂ مولا صفات" کے مقام تک پہونچا کر اسے "خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ" اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا" (الحدیث) کا مصداق بنا دیتی ہے۔ سہ

لطف ہے اک لطف ان کی دید میں غوطہ زن ہوں چشمۂ خورشید میں (صوفی نذیر احمد)

اللہ پاک تمام صفاتِ کمال سے ہم رنگی و ہم آہنگی انسان کو کمال کے اس درجے تک پہونچا دیتی ہے جو تاریخ حیات کا آخری نقطۂ عروج ہے اسے معراجِ حیات کہنا صحیح ہوگا۔

لیکن کلی ریاست اور اس کے خدائے واحد و قہار سے ہم رنگی تو انسان کو مغضوب و ملعون قرار دیکر سانپ بچھو، لومڑی، بھیڑیا، ریچھ اور بندر کے "اسفل السافلین" تک پہونچا دیتی ہے۔ اور اس سے ہم آہنگی اسے سنگ و خشت کے مادی احول کے موسل بنا دیتی ہے۔

دین کی یہ صراط مستقیم اور کفر و الحاد کے سُبل متفرقہ اس درجہ واضح حدود رکھتی ہیں کہ جس شخص کی اخلاقی صلاحیتیں بالکل برباد نہ ہو چکی ہوں اسے وہ فطری بداہت محسوس ہوتی ہے۔

غایت تمیز و غایت بے تمیزی کا مقام

آپ پر جوں جوں صفاتِ الٰہی کا رنگ غالب آتا جائیگا اسی لحاظ سے آپ کی قوت تمیز تیز اور قوی ہوتی جائیگی۔ یہاں تک کہ آپ

"اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور اللّٰه" "فراستِ مومن سے الحذر! کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے" کے مصداق بن جاتے ہیں جہاں تک نیک و بد کا تعلق ہے آپ کو ہر چیز نور و ظلمت کی طرح واضح نظر آئے گی اور یہ غایت تمیز کا مقام ہے۔ لیکن جہاں تک کلی ریاست کے خونخوار بھوت کا تعلق ہے اس کے ساتھ آپ کی ہم آہنگی پہلے تو آپ کو نیک و بد کے اخلاقی شعور سے محروم کر دے گی یہاں تک کہ اخلاقی نیک و بد کا سارا شعور آپ میں سے گم ہو جائے اور آپ صرف حیوان ہو کر رہ جائیں گے جس کا سارا مقصد حیات کسی نہ کسی طرح پیٹ کے دھندے کو چلانا ہے۔ مگر اس خونخوار بھوت کی رضا میں فنائے کامل کا درجہ حاصل ہو جانے کے بعد آپ میں سے تمیز مفید و مضر بھی ختم ہو جائیگی اور حیوان کے مقام سے بھی نیچے گر جائیں گے۔ پھر کچھ دنوں "لذت برائے لذت" کے سراب ہلاکت میں رہنے کے بعد یہ حیوانی داعیہ بھی آپ میں سے ختم ہو جائیگا۔ اور آپ ہمہ جہتی بے رغبتی و بے کیفی کے بعد ہمہ جہتی ناامیدی کا شکار ہو کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اور جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔ یہ کلی ریاست کے خوفناک بھوت کی رضا جوئی کا انجام بد ہے۔

اس کے مقابل اللہ کی رضا سے ہمہ جہتی اور رضا کارانہ ہم آہنگی کا انجام یہ ہے "یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" "اے مطمئن نفس انسانی! اپنے رب کیطرف اسطرح لوٹ جا کہ تو اس سے اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا" (القرآن)

ہوائے و تمنائے نفس

انسان کی اخلاقی فطرت، اس کا اخلاقی نصب العین، اس کا اخلاقی طریق کار، اس کا اخلاقی محرک اور ان سب کا اپنے رب سے رابطہ ایک بدیہی فطرت ہے۔ بشرطیکہ انسان کی فطرت ہی بیساکھا نہ جاچکا ہو۔

انسان کی اخلاقی فطرت اور اللہ پاک کی صفات کمال کے درمیان ہوائے نفس اور تمنائے نفس کی آڑ بن جایا کرتی ہے اور انسانی مجاہدات اور اس کی ریاضتوں کی غرض و غایت صرف اس قدر ہے کہ ہوائے نفس اور تمنائے نفس کی نفی کرتے ہوئے اللہ پاک کی صفات کمال سے رابطہ بحال کیا جائے۔ اسے انجماد کی حالت سے نکال کر متحرک کیا جائے۔ "لا تتبع الهوی فیضلك عن سبیل اللّٰه" "ہوائے نفس کی اتباع نہ کرو کہ وہ تجھے خدا کے رستے سے بھٹکا دیگا (القرآن)" "واما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی" "اور جس نے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جوابدہی کا خوف کیا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔ (القرآن)

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا اور پھر اللہ پاک نے بھی، باوجود کہ اسے کو گمراہ کر دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں

پردہ (اللہ یا القرآن) ہوائے نفس کی شدت کی آخری حالت یہ ہے کہ وہ "ہوائے نفس" خود کسی ہجری پرست فرد کا معبود بن جائے۔

تاریخ اسلام میں اس کی سابقہ مثال محی الدین ابن عربی کا فلسفۂ باطنیت ہے۔ چنانچہ اس کا صاف اعلان ہے کہ تمام قسم کے معبود تو محض ضمنی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ کسی نہ کسی جزوی خواہش کو پورا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا صرف اسی حیثیت سے اور اسی حد تک وہ معبود ہیں لیکن خواہش بحیثیت خواہش معبود اعظم ہے۔ ابن عربی کا یہ بیان اسکی کتاب (فصوص الحکم) میں موجود ہے۔

باطن و ظاہر کی مطابقت

ابن عربی فرقہ باطنیہ کا امام ہے اور ہیگل مادیت کے دور کا امام ہے۔ مگر دائیں اور بائیں بازو کی اس دوری کے باوجود دونوں میں کمال مشابہت بھی ہے۔ ابن عربی ہوائے نفس کو معبود اعظم قرار دیتا ہے جو کوئی مادی چیز نہیں ہے۔ اس کا جو بھی وجود ہے خارج میں نہیں بلکہ نفس انسانی کے اندر ہے مگر ہیگل کا معبود اعظم "کلی ریاست" ہے جو ایک مادی واقعہ ہے۔ باقی ہر معاملے میں دونوں برابر ہیں۔ دونوں ہی ایک ہی طرح کا مشرکانہ تصور پیش کرتے ہیں۔

ماضی میں جبکہ انسان کا ابتدائی شعور ابتدائی حالت میں تھا تو مشرک طبائع اپنے خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے کسی فرد کو اللہ پاک کا مظہر قرار دیکر اسے پوجنے کی دعوت دیتی تھیں۔ اور چونکہ موجودہ دور میں انسان کا اجتماعی شعور ازحد ترقی کرچکا ہے اس لئے اس نے ریاست کو "جو کہ انسان کے اجتماعی ارادے و خواہش کا مظہر ہے" خالق کائنات کا مظہر قرار دیکر اس کو پوجنے اور اس کی سمع و طاعت کی دعوت دے رکھی ہے۔

اور ابوالاعلیٰ مودودی قطعاً و حتماً ہیگل کے متوسلین میں سے ہے۔ دین اسلام اور امت مسلمہ کی "صراط مستقیم" سے اس کا کوئی بھی تعلق نہیں۔ بلکہ دین محمدؐ اور امت محمدیؐ کے مقابل ایک آزاد محاذ ہے۔

جس طرح ہیگل نے اپنے نظام فکر کی اساس تین چیزوں پر رکھی ہے (الف) کلی ریاست کا قیام (بطور نصب العین (ب) عیسائیت سے مستعار لئے ہوئے مذہبی و اخلاقی افکار و عقائد (بطور ذریعہ مقصد) (ج) میکیاولی کی اجتماعی منافقت (بطور ذریعہ مقصد) بالکل اسی طرح مودودی نے بھی اپنے افکار کی بنیاد انہیں تینوں چیزوں پر بالکل اسی ترتیب اور اسی نوعیت سے استوار کی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں عیسائیت کے افکار و عقائد کو استعمال کیا گیا ہے اور یہاں اسلام کے افکار و عقائد۔ باقی دونوں کے مقصد اور طریق کار میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ ہیگل کی طرح مودودی کے یہاں بھی تخلیق انسانی کا مقصد کلی ریاست کا قیام ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کا ذریعہ مذہب

اخلاقی افکار وعقائد جیسا کہ جن کی اس عظیم مقصد کو نظر انداز کرنے کے بعد قطعاً کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی ۔ اس کا یہ دعویٰ خود اسی
الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ "یہ جملہ عبادات جو صرف ذرائع کی حیثیت میں ہے اگر اصول قیام حکومت کے واحد نصب العین سے علیحدہ
ہو کر کام کرتے ہیں تو عنداللہ ان کا کوئی اجر نہ ہوگا۔" (تجدید احیائے دین ص۲۴، روداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص۳۲)
ہیگل تو ملحد اعظم تھا ۔ اسے عیسائیت کے عقائد وافکار سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ لیکن ان افکار وعقائد سے اسے اس
لحاظ سے ضرور سروکار تھا کہ وہ اسکے واحد نصب العین "کلی ریاست" کے قیام میں مددگار ثابت ہوں چونکہ عیسائیت کے افکار و
عقائد اس کے یورپی ماحول میں پھیلے ہوئے تھے لہٰذا ان سے کھلی بغاوت اس کو اس کے مقصد میں ناکام بنا سکتی تھی۔ لہٰذا ملحد ہونے
کے باوجود اسے مذہبی افکار وعقائد کا سہارا لینا پڑا لیکن میکیاولی کی اجتماعی منافقت کو بھی اس نے ذریعہ مقصد کے طور پر اختیار کر
رکھا تھا۔ اور اس منافقت کا اصل الاصول یہ تھا کہ جب کسی مقصد یا نصب العین کو صحیح سمجھ کر اپنایا جائے تو اس کی راہ میں حائل ہونے
والے کسی بھی اخلاقی وروحانی اصل وضابطہ کی مطلق پرواہ نہ کی جائے۔ بلکہ اسے بلا دریغ اس مقصد کی راہ میں قربان کر دیا جائے کیونکہ
کہ وہ محض ذریعہ ہے جو مقصد ونصب العین کے لئے ہے ورنہ "اصول برائے اصول" اور "ضابطہ برائے ضابطہ" کوئی چیز نہیں۔ مودودی
نے بھی میکیاولی کی اجتماعی منافقت کو اپنے نظام فکر میں مناسب جگہ دینے کیلئے "اصول وفروع" کے فرق کا ضابطہ مقرر کیا ہے لیکن
ضابطہ فقہائے اسلام کے اصول وفروع کے فرق کے ضابطے سے بالکل مختلف نوعیت کا ہے مودودی کے نزدیک تو "اصل" صرف ا
اصل الاصول کا نام ہے جو اس کے خیال کے مطابق تخلیق انسانی کی واحد غرض وغایت ہے اور وہ ہے "کلی ریاست" کا قیام۔ اس کے
علاوہ جو کچھ بھی ہے خواہ وہ سرمایۂ دین وایمان میں سے کچھ بھی ہو، سب فرع ہی فرع ہے۔ اور وہ سب کچھ اس واحد نصب العین پر
قربان کیا جا سکتا ہے جس کا نام کلی ریاست ہے۔ مثلاً اس مقصد کے حصول کیلئے اگر توحید وشرک کے امتیاز کو ختم کرنا پڑے سنت
وبدعت کے فرق کو مٹانا پڑے الوہیت، ربوبیت، دین وعبادت جیسے قرآن کے کلیدی الفاظ کے معنی میں کھلی تحریف کرنی پڑے
بارہ تیرہ سو سال کی طویل مدت تک دین حق قرآنی تعلیمات سے غفلت وجہالت کا الزام سلف صالحین، ائمہ مجتہدین، فقہ
محدثین ومفسرین پر لگانا پڑے ۔ امت مسلمہ کے متوارث ومتداول دین کو "ما الفينا عليه اباءنا" کا مصداق ٹھہرانا پڑے، ا
نبویہ کی روایات صحیحہ کی قطعیت کی نفی کرنی پڑے یا بہروپیوں کی طرح پوری زندگی سیاسی دل بدلی، رنگ بدلی میں گزارنی
پڑے۔ غرضیکہ کچھ بھی کرنا پڑے۔ ان تمام فروعات کو اصول پر قربان کرنے سے اس کے نزدیک مذہب واخلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ
اس کے نزدیک یہ ساری چیزیں، اسی ایک اصل الاصول "کلی ریاست" کی فرع ہیں جن کی افادیت بھی یہی ہے کہ وہ مقصد کی
راہ میں قربان ہوں۔

مودودی نے اپنی کتاب تجدید احیائے دین میں جس جگہ مغرب کے ایسے چند ملحد مفکروں کا ذکر کیا ہے وہاں وہ انتہائی حسرت و یاس کے عالم میں پکار اٹھا ہے کہ یہی آزاد مکاتب فکر کا ابھرنا مغرب کی ساری کامیابیوں کی بنیاد تھی اور افسوس کہ یہی کام مسلمانوں سے نہ ہوسکا۔ لہذا مودودی نے قطعی طور پر انھیں آزاد و ملحد مفکروں کا راستہ اپنایا ہے کتاب دین کا نہیں۔

اللہ پاک اپنی رحمت کاملہ سے جماعت اسلامی کو توفیق دے کہ مودودی ازم سے کامل توبہ کرتے ہوئے امت اسلامی کی راہ عدل واعتدال یعنی صراط مستقیم پر آجائے اور مودودی افکار کے زہریلے بیج کو پھلنے پھیلنے سے روک دے۔ اور یہ بات بھی نقش کالحجر کی طرح اٹل جان لے کہ ایک مغضوب خدا کے کہنے سے امت تو ہرگز مغضوب نہیں ہوسکتی اسلئے کہ غضب الٰہی کا رحمت الٰہی کے دائرے میں داخلہ نہیں ہوتا۔ "رحمتی سبقت غضبی" میری رحمت کو میرے غضب پر سبقت حاصل ہے الحدیث۔ اور یہ بات بھی نقش کالحجر ہے کہ وہ خود غضب الٰہی کے دائرے میں گھر چکا ہے۔ اگر جماعت اسلامی نے اسے کامل انقطاع کرتے ہوئے امت مرحوم سے رابطہ نہ جوڑا تو وہ بھی مغضوب ہوجائیگی۔

روداد جماعت اسلامی حصہ دوم، جماعت اسلامی کا ہر ہر فرد پورے غور سے پڑھے اور خاص کر اس کتاب کے صٓ۱ و صٓ۱ کو غور سے پڑھے اور سیدھی امت اسلامیہ کے دائرے میں آجائے اور غیر مسلموں میں کام کے محاذ کو سنبھال لے۔ انشاء اللہ راقم بھی ساتھ دے گا۔ بلکہ پیری و مریدی کے سب قواعد وضوابط کو بالائے طاق رکھ کر اصلاح وتزکیہ نفس کی حد تک انشاء اللہ پورا ساتھ دونگا۔ اسلام ایک وسیع نظام اخوت ہے وہ ایک دائرے کی طرح کوئی محدود حلقہ نہیں ہے۔ اخوت میں شعوری تعاون ہوتا ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں تھا۔ مگر اندھی عقیدت کا نام تک نہ تھا۔

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ کا سالانہ تقریری انعامی مقابلہ

سابقہ روایات کے مطابق امسال بھی ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ کا سالانہ اردو، عربی تقریری انعامی مقابلہ ہوا تفصیل درج ذیل ہے۔

ہر مقابلے کی دو دو نشستیں ہوئیں (۱) کیا سائنس اسلام سے متصادم ہے (عنوان مقابلہ اردو برائے عالم ثانی وثالث)

(۲) حدیث رسول کی شرعی حیثیت (عنوان مقابلہ اردو برائے عالم اول وثانویہ ثانیہ۔

۱) الاحتفال بمولد النبیؐ عنوان مقابلہ عربی برائے عالم ثانی وثالث

۲) النظافۃ فی الاسلام " " " عالم اول وثانویہ ثانیہ

باقی ص۲۳ پر

مولانا محمد بشیر سہسوانی

ڈاکٹر حنیف نقوی —— ریڈر شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس

مولانا محمد بشیر فاروقی کے دادا شیخ محمد صدر الدین عمری مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت (۱۷۹۹ء تا ۱۸۳۹ء) میں پنجاب (موجودہ ہریانہ) کے مقام تھانیسر (موجودہ کروکشیتر) سے ترک وطن کرکے سہسوان (ضلع بدایوں، یوپی) تشریف لائے تھے۔ یہاں مولانا شرف علی صاحب کی صاحبزادی سے ان کی شادی ہوئی جن کے بطن سے چار بیٹے تولد ہوئے ان میں سے دو بیٹے (ولی اللہ اور نجف علی) یا تو کم سنی ہی میں فوت ہو گئے یا لاولد رہے۔ باقی دو بیٹوں کے نام جن سے سلسلہ نسب چلا، نیاز احمد اور بدر الدین تھے۔ مولانا محمد بشیر ان میں سے ثانی الذکر کے صاحبزادے تھے۔

شیخ نیاز احمد اور شیخ بدر الدین دونوں نے دہلی کے مختلف علماء و فضلاء سے اکتساب علم کے بعد فن طب کو ذریعہ معاش بنایا۔ قانون شیخ کا درس ان دونوں بھائیوں نے مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۴۹ھ) سے لیا تھا۔ تکمیل درسیات کے بعد شیخ نیاز احمد نے دہلی میں درس اور مطب کا سلسلہ شروع کیا۔ فن طب میں آپ سے استفادہ کرنے والوں میں مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔ شیخ بدر الدین نے لکھنؤ کا رخ کیا اور وہاں مطب شروع کرکے بہت جلد اہل شہر سے اپنی مہارت و حذاقت کا لوہا منوا لیا۔ اردو کے مشہور و معروف شاعر جوش ملیح آبادی (متوفی ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) کے پردادا نواب فقیر محمد خان گویا (متوفی ۱۲۷۸ھ) کی قدردانی اور شرف مصاحبت کے نتیجے میں لکھنؤ کے روساء و عمائدین کے حلقے میں بحیثیت طبیب انھیں کافی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ مطب کے ساتھ ساتھ درس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس سلسلہ میں قانون شیخ پر حواشی اور تعلیقات بھی تحریر فرمائے۔ ۱۲۶۰ھ میں مرض سرطان میں آپ کی وفات ہوئی۔

مولانا محمد بشیر فاروقی حکیم محمد بدر الدین کے چار بیٹوں میں دو سے چھوٹے اور ایک سے بڑے تھے۔ آپ کا

سال پیدائش اور مقام ولادت تحقیقی طور پر متعین نہیں۔ تاہم از روئے قرائن صاحب "نزہۃ الخواطر" کا یہ بیان کہ آپ ۱۲۵۲ھ میں سہسوان میں پیدا ہوئے درست معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے ابتدائی مراحل وطن ہی میں طے کئے۔ بعدازاں لکھنؤ تشریف لے گئے اور مولانا مفتی واجد علی اور بعض دوسرے علماء فرنگی محل کی خدمات میں حاضر رہ کر درسیات کی تکمیل کی۔ لکھنؤ سے آپ نے متھرا کا رُخ کیا اور اپنے برادر عم زاد حکیم نورالحسن فاروقی (متوفی ۱۲۹۷ھ) سے فنِ طب اور معالجات کی اصولی و عملی تعلیم حاصل کی۔ طلب علم کے سلسلے میں آپ کی اگلی منزل دہلی تھی۔ وہاں آپ نے مولانا سید امیر حسن محدث سہسوانی (متوفی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء) سے استفادہ کیا مولانائے موصوف کے فیضانِ صحبت کے اثر سے آپ کو علوم حدیث و تفسیر سے دلچسپی پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں بالآخر آپ نے ترک تقلید اور عمل بالحدیث کی راہ اختیار کر کے تحقیق و اجتہاد کو اپنا دستور العمل بنایا مولانا امیر حسن، شیخ الکل مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ غالباً انھیں کی ترغیب سے آپ بھی محدث موصوف کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے کتب احادیث کی سند حاصل کی۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مولانا محمد بشیر نے درس و تدریس کو اپنا مشغلہ قرار دیا اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے ایک سال سابق صوبۂ آسام (موجودہ بنگلہ دیش) کے شہر سلہٹ میں قیام فرمایا۔ بعدازاں ایک سال تک سہسرام (صوبۂ بہار) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ سہسرام کے بعد سینٹ جانس کالج، آگرہ میں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور تقریباً پندرہ سال تک جدید نصاب کے مطابق عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو مستفید کرتے رہے۔ کالج کے علاوہ گھر پر بھی صبح و شام سلسلہ درس جاری رہا جس میں منطق و فلسفہ، تفسیر و حدیث اور زبان و ادب کے علاوہ فن طب میں استفادہ کرنے والے بھی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ آگرے کے مشہور اطبا حکیم مبارک علی اور حکیم معصوم علی نے آپ ہی کے حلقۂ درس میں رہ کر فراغت حاصل کی تھی۔ آگرے کے زمانۂ قیام ہی میں (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء) میں آپ پہلی بار حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ اس سفر حج کے دوران آپ نے شیخ محمد بن عبدالرحمن سہارنپوری مہاجر مکہ اور شیخ احمد بن عیسیٰ سے حدیث کی کتابوں کی سند بھی حاصل کی۔

۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء کے آخر میں نواب صدیق حسن خاں کی تحریک پر آپ نے آگرے کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور ۵ محرم ۱۲۹۵ھ/۹ جنوری ۱۸۷۸ء کو بھوپال تشریف لے گئے جہاں پہلے آپ مدرسہ سلیمانیہ

کے مہتمم اور بعدازاں مدارس ریاست کے افسر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ بھوپال میں فرائض منصبی کی انجام دہی کے پہلو بہ پہلو آپ نے شیخ حسین بن محسن انصاری الیمانی کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر ان سے بھی باقاعدہ سند حدیث حاصل کی اور اپنی دستار فضیلت میں ایک اور طرۂ امتیاز کا اضافہ کیا۔ علاوہ بریں اصلاح عقاید اور تربیت اخلاق کی غرض سے قاضی صاحب کی مسجد میں ہر جمعہ کو وعظ کا سلسلہ شروع کیا جو بہت مفید اور کامیاب ثابت ہوا۔ ریاست کی ملازمت میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دوبارہ حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء میں نواب صدیق حسن خاں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے بھوپال کے قیام سے دل برداشتہ ہو کر ریاست کی سکونت ترک کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ لیکن نواب شاہ جہاں بیگم کے اصرار نے اس ارادے کی تکمیل سے باز رکھا۔ بیگم صاحبہ نے آپ کے علم وفضل کی قدر شناسی اور صلاح وتقوی کے اعتراف کے طور پر دوشنبے کو قصر شاہی (تاج محل) میں آپ کے وعظ کا اہتمام کیا جس میں شاہی خاندان کی خواتین اور امراء وعمائدین کی بیگمات شریک ہو کر آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتی تھیں۔ صفر ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ء) میں جب نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ نے بھی انتقال فرمایا اور حکومت کی تبدیلی کے ساتھ نظام حکومت بھی بدلا تو آپ کے لئے بھوپال کے قیام میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد دہلی میں شیخ الحدیث مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (متوفی ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء) انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد بعض مخلصین کی دعوت پر جو پہلے ہی سے دہلی میں آپ کی تشریف آوری اور مستقل قیام کے لئے کوشاں تھے، آپ دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں بھی درس وتدریس کے ساتھ وعظ وتذکیر کی روایت بدستور قائم رکھی۔ چنانچہ حوض والی مسجد (نئی سڑک) میں روزانہ نماز فجر کے بعد تقریباً دو گھنٹے ترجمہ وتفسیر قرآن بیان فرماتے رہے۔ اس مجلس میں عام لوگوں کے علاوہ شہر کے اہل علم بھی شرکت کرتے اور آپ کے ارشادات سے مستفیض ہوتے تھے۔ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے معاصرین میں سے کسی کی فضیلت علمی سے مرعوب نہ ہوتے تھے لیکن مولانا محمد بشیر کے تبحر علم، قوت استدلال اور زور بیان نے ان سے بھی اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مولوی سید اقتدار احمد سہسوانی (متوفی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) کے حوالے سے اس سلسلے میں ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم اپنے تبحر علمی کی وجہ سے کسی عالم کو خاطر میں نہ لاتے تھے میں بھی ڈاکٹر صاحب کے حلقۂ درس میں تھا۔ مولانا محمد بشیر اس زمانے میں حوض والی مسجد (نئی سڑک) میں درس قرآن دیا کرتے تھے آپ کا غلغلہ ہر طرف بلند تھا۔ ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے۔ تمھارے مولوی صاحب کو بھی دیکھوں گا۔ اس دوران کشمیری دروازے میں مجلس تجوید منعقد ہوئی۔ مولانا محمد بشیر صدر تھے۔ تقریر فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب بھی شریک مجلس تھے۔ دولت کدے پر آکر فرمایا: ہاں یہ البتہ مولوی ہیں اور فرمایا میرا ترجمۂ قرآن ان کو دکھاؤ۔ اگر یہ غلطی نکالیں تو مان لوں گا۔ اس کے بعد کئی ماہ تک ڈاکٹر صاحب آپ کے درس قرآن میں حاضر ہوتے رہے اور فرمایا کرتے: یہ ملّا نے مولوی محمد بشیر کے بیان کو کیا سمجھتے ہیں، اس کی قدر مجھ سے پوچھو جوان سے قرآن پڑھ رہا ہوں [۱]۔

دہلی میں مولانا محمد بشیر تقریباً پانچ سال تک تشنگان علم کو اپنے فیضانِ تربیت سے سیراب کرتے رہے۔ اس عرصے میں بے شمار طلبہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے مختلف علوم و فنون میں درجۂ کمال حاصل کیا۔ تلامذہ کی اس فہرست میں پروفیسر عبدالعزیز میمن، مولانا عبدالستار عمر پوری، مولانا ابوسعید شرف الدین اعوان، مولانا محمد عثمان علی گڈھی، مولانا عبدالتواب غزنوی اور مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڈھی کے نام بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ عمر کے بہترویں برس میں ایک ہفتے کی مختصر علالت کے بعد ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (۹ رجون ۱۹۰۸ء) کو آپ نے دہلی میں انتقال فرمایا اور رشیدی پورہ کے قبرستان میں اپنے استاد مولانا نذیر حسین محدث کے پہلو میں دفن ہوئے۔

کسی شخص کے علم و فضل اور تحقیقی و اجتہادی صلاحیتوں کی بہترین شہادت اس کی تصانیف سے ملتی ہے۔ مولانا محمد بشیر اس اعتبار سے بھی اپنے دور کے علماء میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ ابویحییٰ امام خاں نوشہروی نے انھیں 'اصحاب تصانیف کثیرہ' میں شمار کیا ہے [۲]۔ لیکن انھوں نے کن کن موضوعات پر کتنی کتابیں تصنیف کیں۔ یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ آپ کے ہم وطن شاگرد اور عزیز منشی شاکر حسین نکہت سہسوانی کے بقول "آپ کی غیر مطبوعہ تالیفات و تصانیف کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ (آپ کے انتقال کے بعد) کس کے پاس رہیں۔ اور ان کا کیا حشر ہوا [۳]" جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان میں کا بعض یکسر معدوم ہو چکی ہیں اور بعض النادر کالمعدوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان حالات میں مختلف ذرائع سے جن مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کا علم ہو سکا ہے ان سے متعلق ضروری تفصیلات سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) القول المحقق المحکم فی زیارۃ قبر الحبیب الاکرم: دستیاب معلومات کے مطابق یہ رسالہ مولانا محمد بشیر کی سب

پہلی تصنیف ہے جس میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ قبر نبوی کی زیارت صرف مستحب ہے۔ فرض، واجب یا سنت موکدہ نہیں جو کوئی شخص کرے گا ماجور و مثاب ہوگا اور جو کوئی شخص نہ کرے گا اس پر کچھ عقاب نہیں۔ محرر سطور کو اس رسالے کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ مولوی عبدالجبار ملکاپوری نے اپنے استاذ مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کے حسب ایماء "الکلام المبرم فی نقض القول المحقق المکرم" کے نام سے اس کا رد لکھا تھا جو بروز جمعہ ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۲۸۹ھ (۲۳ اگست ۱۸۷۲ء) مکمل ہوا تھا اور محمد علی بخش خاں لکھنوی کے مطبع علوی لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ اس جوابی رسالے کے مطابق مولانا محمد بشیر نے زیر بحث رسالہ اسی سال (۱۲۸۹ھ) سفر حج سے واپسی کے بعد لکھ کر طبع کرایا تھا۔ مولانا عبدالباقی سہسوانی کی تحریر کے مطابق اس مسئلہ میں بحث کی ابتدا مولوی محمد بشیرالدین قنوجی کے بعض اعتراضات اور فیما بین چند تحریرات کی آمد و شد سے ہوئی تھی۔

(۲) القول المنصور فی زیارۃ سید القبور:۔ متذکرہ بالا مسئلے سے متعلق یہ آپ کی دوسری تصنیف ہے جس میں "الکلام المبرم" کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ کوئی نسخہ دستیاب نہ ہونے کی بنا پر اس رسالے کا صحیح زمانۂ تصنیف و اشاعت بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اول الذکر رسالے کے برخلاف اس رسالے کا جواب خود مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نے "الکلام المبرور فی رد القول المنصور" کے نام سے تحریر فرمایا تھا۔ یہ جوابی رسالہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ (۲۲ جولائی ۱۸۷۳ء) کو مکمل ہوا اور رجب ۱۲۹۰ھ (اگست ستمبر ۱۸۷۳ء) میں مطبع علوی لکھنؤ میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔

(۳) اتمام الحجہ علی من اوجب الزیارۃ مثل الحجہ ملقب بہ المذہب الماثور فی زیارۃ سید القبور:۔ رسول اکرم کے روضۂ مبارک کی زیارت سے متعلق بحث کے سلسلے میں یہ آپ کی تیسری تصنیف ہے۔ جس میں مولانا عبدالحیؒ کی کتاب "الکلام المبرور" کے مندرجات پر رد و قدح کی گئی ہے۔ تین سو چالیس صفحات کی یہ ضخیم کتاب ۲۹ شعبان ۱۲۹۲ھ (۳۰ ستمبر ۱۸۷۵ء) کو مکمل ہوئی اور اسی سال مطبع غنچۂ وزیری، آگرہ میں بہ اہتمام محمد وزیر خاں چھپ کر شائع ہوئی۔ اس کی طباعت کے سلسلے میں نواب صدیق حسن خاں نے مصنف کی اعانت فرمائی تھی۔ مولانا عبدالحیؒ نے دو سال کے بعد ۲۴ شوال ۱۲۹۴ھ (یکم نومبر ۱۸۷۷ء) کو اس کا رد لکھ کر مکمل کیا جو "السعی المشکور فی رد المذہب الماثور ملقب بہ واضح الحجہ فی ابطال اتمام الحجہ" کے نام سے ماہ جمادی الثانیہ ۱۲۹۶ھ (جون ۱۸۷۹ء) میں مطبع چشمۂ فیض، محمود نگر، لکھنؤ سے

چھپ کر شائع ہوا۔" السعی المشکور" کے بعد اس موضوع سے متعلق مزید کوئی رسالہ لکھا گیا یا نہیں، اس کا پتا نہیں چلتا۔

(۴) صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ الدحلان: یہ کتاب شیخ احمد بن زینی دحلان مفتی مکہ (متوفی ۱۳۰۴ھ مطابق ۸۷-۱۸۸۶ء) کی تصنیف" الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ" (مطبوعہ رجب ۱۲۹۹ھ مطابق ۸۷-۱۸۸۶ء) (۱۸۸۲ء) کا جواب ہے۔ جو اصل کتاب کی مناسبت سے عربی میں لکھا گیا ہے۔ فاضل مصنف جب دوسری بار بھوپال سے حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے تو مکہ مکرمہ میں مفتی صاحب موصوف سے توحید کے موضوع پر آپ کا ایک معرکہ آرا مناظرہ ہوا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان واپس آکر آپ نے ان کے رد میں یہ جامع اور مبسوط کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کا پہلا ایڈیشن مطبع فاروقی، دہلی سے علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم السندی کے نام سے شائع ہوا تھا۔ پانچ سو سولہ صفحات کی اس کتاب پر کسی جگہ سنہ طباعت درج نہیں۔ مصر و حجاز اور دیگر عرب ممالک میں اس کتاب کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ چنانچہ ۵۲-۱۳۵۱ھ میں علامہ سید رشید رضا مصری کی تصحیح و تقدیم کے ساتھ مطبع المنار، مصر سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر بحیثیت مصنف مولانا محمد بشیر سہسوانی کا نام درج ہے۔ اس کے بعد یہ کتاب کم از تین بار اور شائع ہو چکی ہے۔ پانچواں ایڈیشن جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ فضیلۃ الشیخ اسماعیل الانصاری کی تعلیقات کے ساتھ ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں مطبعۃ النجد التجاریۃ، الریاض سے شائع ہوا تھا۔ مولانا محمد بشیر نے اس کتاب میں بحث اور استدلال کے لیے جو طریق کار اپنایا ہے۔ اس کے بارے میں علامہ رشید رضا مصری کا ارشاد ہے۔

"جری الشیخ فی ردہ علی منہاج المحدثین فی التثبت فی النقل بعزو الروایات وعزو الاحادیث والاخبار الی مخرجیھا وبیان علل اسانیدھا وتحکیم قواعد الجرح والتعدیل فی رجالھا بنقل ما قالہ کبار المصنفین فی نقد الرجال فی اشھر کتبھم۔"

مولائے موصوف نے اپنی اس جوابی تصنیف میں محدثین کے طریق کار کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ نقل میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ روایات کی تلاش و جستجو کی ہے۔ احادیث و آثار کے اولین ماخذ کی نشاندہی کی ہے۔ سندوں کی علتیں بیان کی ہیں اور نقد رجال کے سلسلے میں جرح و تعدیل کے اصول سے کام لیتے ہوئے جرح و تعدیل کی مشہور کتابوں سے اس فن کے بلند پایہ مصنفین کے اقوال نقل کیے ہیں۔

(جاری)

اللہ کے سوا غوث پاک کون؟

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

راجدھانی دہلی سے اردو زبان میں شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ کے مدیر محترم خلیجی جنگ کا جائزہ لینے کیلئے عراق گئے تھے، موصوف نے وہاں سے خاصی طویل رپورٹ اپنے تاثرات کے ساتھ بھیجی ہے جو ہفت روزہ کی ۹ جولائی تا ۲ اگست ۸۸ء کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ کے ایک حصہ میں اسلامی عقیدہ کی غلط تعبیر و ترجمانی کی گئی ہے ان سطور میں اسی حصہ پر اظہار خیال مقصود ہے۔

لیکن پہلے یہ عرض کردوں کہ ہندوستان کی مسلم اردو صحافت جس رخ پر جارہی ہے اس سے ملت اسلامیہ کے صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ دینی، سماجی اور ثقافتی تمام مقاصد کو زبردست نقصان کا اندیشہ ہے بلکہ واقعات کو گہری نظر سے دیکھئے تو محسوس ہوگا کہ یہ نقصان واقعۃً اس وقت پہونچ رہا ہے۔ مذکورہ صحافت کے کارکن عام طور پر دین کی بنیادی تعلیمات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ان کا ثقافتی وفکری معیار بھی اتنا بلند نہیں ہوتا کہ وہ اپنے قارئین کو اوپر اٹھا سکیں، اخبار میں دلچسپی کے لئے وہ سنسنی خیز خبریں، غیر مصدقہ واقعات اور دل آزاری کی باتیں نقل کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے دینی جذبہ ورجحان سے کھیلنا ہوتا ہے تو شرک و بدعت اور ضعیف الاعتقادی کے جھوٹے واقعات اور غلط تجزیات کا انبار لگا دیتے ہیں۔ مسلم صحافت کا یہ فرض تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے دینی عقائد و مسائل سے متعلق گفتگو کرے تو معتبر علماء کے ذریعہ کرے اور یہ علماء بھی تیرتکے کے بجائے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی بات پیش کریں۔ کرامت اور معجزہ کے نام پر شرک و بدعت کے اعمال و واقعات کی حوصلہ افزائی کیجائے گی تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ملت اپنے درپیش معرکہ میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کے لئے بلندی و عزت کا جو وعدہ کیا ہے۔ اس میں سب سے اولین اور بنیادی شرط ایمان کی ہے۔ اللہ تعالٰی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے وضاحت کیساتھ فرمایا تھا کہ شرک سے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے، خواہ وہ نبی و رسول کے ہوں یا امتی کے لیکن افسوس آج مسلم اردو صحافت کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں میں شرک و بدعت کے عقیدوں کو پھیلا رہا ہے، اور اس کے خلاف بہت کم نوٹس لیا جاتا ہے، پھر شکوہ یہ ہوتا ہے کہ ہم مظلوم ہیں اور ہماری داد رسی نہیں ہوتی

اب آگے مدیر موصوف کے تاثرات پڑھئے اور ضعیف الاعتقادی بلکہ شرک کا کرشمہ دیکھئے۔

" بغداد پہونچتے ہی میں سب سے پہلے غوث پاک شیخ عبد القادر جیلانی کے مزار اقدس پر حاضری دینے گیا۔ میرے ساتھ دو ہندوستانی غیر مسلم صحافی اور ایک پاکستانی صحافی بھی تھے۔ یہ تینوں مجبوراً میرے زور دینے پر غوث پاک کے مزار پر گئے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ میں وقت برباد کر رہا ہوں لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ اگلے دن غوث پاک کے مزار پر دی جانے والی حاضری ان کی زندگی کی ضمانت بن جائے گی۔

غوث پاک کے مزار پر میں نے ایران عراق جنگ کے خاتمہ کی دعا کی"

" مجھے کیا معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ غوث پاک کے صدقہ اتنی جلد دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کی دعا قبول کرے گا۔ اور صرف دو دن کے اندر اندر ایران جنگ بندی کے لئے راضی ہو جائیگا۔"

مدیر محترم نے اپنی تحریر میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ کو " غوث پاک " کے لقب سے یاد کیا ہے۔ یہ بھی شریعت کے احکام سے ناواقفیت اور بدعت میں ملوث ہونے کی واضح مثال ہے۔ غوث کا معنی مدد و نصرت یا ناصر و مددگار ہے۔ کسی مرے ہوئے شخص کو اس اعتبار سے غوث کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر قابل غور پہلو یہ ہے کہ علماء امت اس بات پر متفق ہیں۔ اس امت میں سب سے افضل خلفاء راشدین اور ان میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ لیکن اس فضیلت کے بعد بھی انھیں یا کسی اور شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ یا تابعین یا ائمہ دین نے " غوث پاک "، یا " غوث اعظم " وغیرہ القاب سے یاد نہیں کیا، پھر ہمیں کیا حق پہونچتا ہے کہ ہم شیخ جیلانی رحمہ اللہ کو غوث پاک کے لقب سے یاد کریں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ وضاحت ہے کہ آپ ﷺ اپنے یا کسی دوسرے کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ بلکہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم و فیصلہ سے ہوتا ہے

امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ " غوث " کی تفسیر بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ ایک شخص جس [illegible] مخلوق کو مدد اور رزق ملتا ہے۔ یہ عقیدہ نصرانیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اور رافضی شیعوں کے حضرت علی

کے بارے میں عقیدہ سے ملتا جلتا ہے ، اور یہ کھلا کفر ہے ۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کردیا جائے گا (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ، ۳ / ۹۶ ر -)

امام موصوف نے ایک بڑی عمدہ اور قابل توجہ بات یہ لکھی ہے کہ قطعی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ سچے مسلمانوں نے کبھی بھی اپنی ضرورتوں کو غیر اللہ سے طلب نہیں کیا ۔ بلکہ دور جاہلیت میں مشرکین بھی بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور وہ ان کی دعا قبول کرتا تھا ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ توحید اور اسلام کے بعد دعا کی قبولیت کے لئے مسلمانوں کو کسی ایسے واسطے کی ضرورت پڑے جس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ؟ (ایضاً ص۹۵)

آگے فرماتے ہیں کہ : کسی زمانہ کے افضل شخص کو قطب یا غوث کے نام سے یاد کرنا بدعت ہے ، سلف میں کسی امام سے یہ ثابت نہیں ۔ شریعت میں اس طرح کے القاب کسی بھی شخص کے لئے استعمال نہیں ہوئے ہیں ۔ (ایضاً ص۱۰۲)

ایک سوال کے جواب میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ : غوث ، قطب ، ابدال ، اوتاد وغیرہ نام کتاب اللہ میں موجود نہیں ہیں ، نہ ہی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا استعمال ثابت ہے ۔

اور غوث یا غیاث کے لفظ کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا مستحق نہیں ہے ، وہی فریادیوں کی فریادرسی کرتا ہے ، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے سوا کسی اور سے فریاد کرے خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی ورسول ۔

(ایضاً ۱۱ ، ص۴۳۴ وبعد)

مدیر موصوف کی تحریر میں شیخ عبد القادر کی قبر کی زیارت کا ذکر ہے ۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام میں ایسا کوئی سفر جائز نہیں ۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے سوا کوئی دوسری جگہ کا سفر نہ کرو ۔ ایک مسجد حرام ، دوسری مسجد اقصیٰ اور تیسری مسجد نبوی ۔

واضح ہو کہ ملازمت ، تجارت اور تحصیل علم سے متعلق سفر اس ممانعت میں داخل نہیں ۔ کیونکہ کسی جگہ کو متبرک مقدس سمجھ کر اس کا سفر کرنے سے روکا گیا ہے ۔ لہذا ممانعت میں دنیا کے متبرک مقامات ، بزرگوں کی جگہیں ، نشان ، روضے اور مزارات داخل ہوں گے ۔ جو شخص بھی ثواب کی نیت سے ان جگہوں کا سفر کریگا وہ ممنوع کام کا مرتکب ہوگا ۔ اور اندیشہ ہے کہ عقیدت کی وجہ سے شرک کا بھی مرتکب ہوجائے ۔

مدیر محترم ہی کے شہر دہلی کی مشہور علمی شخصیت شاہ ولی اللہ سے زمانہ واقف ہے۔ یقیناً وہ "وہابی" نہ تھے۔ نہ پیران پیر کے مرتبہ سے ناواقف، لیکن انھوں نے اپنی گرانقدر تصنیف حجۃ اللہ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لاَ تَشُدُّ الرِّحَال" فرماکر تمام متبرک مقامات، قبروں، اولیاء اللہ کی عبادت گاہوں اور کوہ طور وغیرہ کی زیارت کیلئے سفر کرنا منع کر دیا۔

مدیر محترم کی زیارت قبر کے لئے بندہ و صحافیوں کو تلقین و ترغیب پڑھکر ہمیں علامہ اقبال کا مصرع یاد آگیا:

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

عقل و بصیرت کے فقدان اور عقیدہ وایمان کے ضیاع کا یہ کتنا بھیانک منظر ہے کہ ایک مسلمان جسے توحید کا پابند اور اس کا مبلغ و منادہ ہونا چاہیئے تھا، ایک کافر کو قبر کی زیارت کی تلقین کر رہا ہے اور کافر اس فعل کو عبث گردانتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کسی نبی، ولی یا صالح انسان کی قبر پر حاضری سے کوئی حادثہ ٹل جائے گا یا کسی کی موت مؤخر ہوجائے گی، بے بنیاد خیال ہے۔ یہ قبروں کی زیارت کی تاثیر نہیں بلکہ زیارت کرنیوالے کے عقیدہ کی کمزوری ہے کہ جن دو واقعات کے مابین کوئی ربط نہیں ہے، انھیں وہ باہم مربوط کرنیکی کوشش کر رہا ہے۔

زیارت قبر تو ایک متنازعہ مسئلہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے حج جیسے مبارک سفر میں حوادث کا شکار ہوجاتے ہیں، لہذا یہ تصور لوالعجبی ہے کہ کسی قبر کی زیارت سے کوئی حادثہ ٹل جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی متعدد شخصی و اجتماعی حوادث کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن کیا کوئی "زائر قبر" ثابت کرسکتا ہے کہ آپ نے کبھی کسی قبر کا رخ فرمایا یا کسی امتی کو اس تصور سے قبر کی زیارت کا حکم فرمایا؟ اے اللہ! دلوں کی کجی سے مسلمانوں کو نجات دے، اور شرک و بدعت کی ہلاکت خیزیوں سے آگاہ فرما۔

دہلی کے مدیر موصوف کا گمان ہے کہ ایران عراق جنگ بندی "غوث پاک" کے صدقہ عمل میں آئی ہے اس گمان فاسد کی تردید کے لئے سطور ذیل پر غور فرمائیے:

اسلام میں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی دوسرے کا واسطہ یا حوالہ دیکر کچھ مانگے، اور یہ تصور کرے کہ یہ شخص بھلائی کے حصول یا برائی کو دور کرنے میں مددگار ہوگا۔ اور اس کے

ؔ انوار التوحید از مولانا محمد صادق ؒ ص ۱۷۲

ذریعہ رزق، مدد یا ہدایت حاصل ہوگی۔ (امام ابن تیمیہؒ نے اسے شرک کی قسم بتایا ہے۔

درمختار میں امام ابویوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف اسی کے حوالہ سے مانگنا چاہیئے کسی دوسرے کے حوالہ سے نہیں۔ حنفیوں کے امام ابن عزبی کا قول ہے کہ اللہ سے مانگنے کیلئے کبھی غیر کو ذریعہ نہیں بنایا جائیگا۔ کیونکہ وسیلہ کی ضرورت قرب کی طلب کے لئے پیش آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ بتادیا ہے کہ وہ ان سے قریب ہے لہٰذا اس کے قرب کے لئے وسیلہ بیکار ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے مرتبہ، حق اور احترام وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے وسیلہ بنانا جائز نہیں، شریعت میں کہیں اس کا حکم نہیں۔ نہ صحابہ و تابعین وغیرہ میں سے کسی سے ایسا فعل ثابت ہے۔ امام تیمیہؒ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی نیکی پر اللہ کے حضور فخر و ناز کا اظہار کرے، ایک بندہ کی نیکی دوسرے بندہ کے لئے چنداں مفید نہیں۔

عقیدہ طحاویہ کے شارح کا قول ہے کہ دعا کی قبولیت میں وسیلہ بنائے گئے شخص کی نیکی و پرہیزگاری کا کوئی دخل نہیں، اس طرح کا حوالہ دیکر دعا کرنا زیادتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین میں کسی سے اس طرح دعا مانگنے کا ثبوت نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ کسی نبی، رسول، بیت اللہ یا مشعر حرام وغیرہ کے حق و صدقہ کا حوالہ دیکر دعا کرنا مکروہ ہے۔

شرح مختار میں ہے کہ دعا میں یہ کہنا جائز نہیں کہ اَسْأَلُكَ بِملائكتك او انبيائك۔ یعنی کسی فرشتہ یا نبی کے حق یا حوالہ سے دعا کرنا باطل ہے۔ کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

ایران عراق سرحد پر جاتے ہوئے پیش آنے والے واقعہ کے ضمن میں مدیر محترم لکھتے ہیں۔

" ہماری کار ایک موڑ پر راستہ ملنے کیلئے رکی ہوئی تھی کہ اچانک گاڑی کو زبردست جھٹکا لگا اور پھر گاڑی کا آدھا حصہ اس طرح غائب ہوگیا جیسے کہ چھری سے سیب کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ ایک ٹینک ہماری گاڑی اور پیچھے کی ایک گاڑی پر سے گذرتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔

" میں گاڑی کے دوسرے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا جس کی وجہ سے مجھے خراش بھی نہیں آئی، البتہ ترکی کے دو صحافی زخمی ہو گئے۔ "

آگے لکھتے ہیں۔

" خدا کا شکر ہے کہ ہندوستانی صحافیوں کو ذرا سی خراش بھی نہیں آئی ہمارے ہندوستانی صحافیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر حاضری کا نتیجہ تھا کہ ہم لوگ بالکل محفوظ ہے۔ اس کے بعد جتنے دن ہم بغداد میں رہے روز غوثِ پاک کے مزار پر حاضری دیتے تھے اور غیر مسلم صحافی بھی باقاعدگی سے ہمارے ساتھ وہاں جاتے تھے۔"

مشرکانہ اعمال وعقائد کی توجیہ وترویج پر جب انسان آمادہ ہوتا ہے تو اس کی بصیرت ختم ہو جاتی ہے، اور بودے سہاروں کے ذریعہ وہ اپنی بات کو پیش کرتا ہے اور اسے یہ احساس قطعاً نہیں ہوتا کہ اس کی اس طرح کی روش کو عقل و ہوش والے کیا نام دیں گے۔

دہلی کے مدیر موصوف اپنی ضعیف الاعتقادی میں یہ تو لکھ گئے کہ غوث پاک کی برکت سے ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت حادثہ سے بال بال بچے لیکن انھیں اس بات پر غور کرنے کی زحمت نہ ہوئی کہ خود شیخ عبدالقادرؒ کی نظر میں ان کے اس عقیدہ کی کیا قیمت ہے اور ان کی تعلیمات سے کیا سبق ملتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب مانگے تو اللہ ہی سے مانگ۔ اور مدد چاہے تو اللہ ہی سے چاہ۔

اس حدیث پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں، ینبغی لکل مومن ان یجعل هذا الحديث مرأة قلبه وشعاره ودثاره وحديثه فيعمل في جميع حركاته وسكناته حتى يسلم في الدنيا والآخرة ويجد العزة فيهما برحمة الله تعالى (فتوح الغیب)

یعنی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ بنالے۔ اپنا ظاہری و باطنی لباس ٹھہرا لے اور اپنا کلام قرار دے۔ اور خدا سے حاجت مانگنے اور مدد چاہنے کے اعتقاد کو اپنی تمام حرکات و سکنات کے اندر عمل میں لائے تاکہ دنیا و آخرت میں سلامت رہے۔ اور توحید کے باعث دین و دنیا میں عزت پائے۔

شیخ عبدالقادرؒ تقریباً ۸۰۰ سال سے بغداد میں دفن ہیں، اس مدت میں بغداد کے اور دنیا کے مسلمان

کیسی کیسی آفتوں اور آزمائشوں سے دوچار ہوئے ۔ مگر افسوس کہ کسی اللہ کے بندے کو یہ سمجھ میں نہ آیا کہ شیخ جیلانیؒ کی قبر کی جانب رجوع کر کے ان آفتوں سے چھٹکارا حاصل کرلے ۔

شیخ موصوف کی قبر سے بہت تھوڑے فاصلہ پر ایران عراق کا محاذِ جنگ تھا جہاں تقریباً آٹھ سال سے شیعہ سنی مسلمانوں کے مابین خونریزی ہو رہی تھی، کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے ۔ دونوں ملکوں کے عوام زبان سے خواہ کچھ نہ کہیں لیکن ان کے دل افسوسناک صورتحال پر تلملا رہے تھے، اور تقریباً ہر خاندان بلاواسطہ یا بالواسطہ آتش جنگ کی لپیٹ میں آچکا تھا لیکن تعجب ہے کہ کسی اللہ کے بندہ کو یا ہمارے دہلی کے صحافی محترم کو یہ خیال نہ ہوا کہ خونِ مسلم کی اس ارزانی اور مسلم ملکوں کی تباہی و بربادی کو روکنے کے لئے شیخ جیلانی کی قبر کی زیارت کرلیں اور ان کے صدقہ میں ملت اسلامیہ کو اس عظیم نقصان سے بچالیں ۔ مزید تعجب اس امر پر ہے کہ شیخ جیلانیؒ کی قبر بغداد میں ہے اور اس ملک پر اتنی بھیانک مصیبت نازل ہونے کے باوجود شیخ موصوف نے اپنی "غوثیت" کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا !!

صحابہ کرامؓ اور ہمارے ایمان کے مابین جو فرق ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ مصائب وشدائد سے جب ان کا سابقہ پڑتا تھا تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرتے تھے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر ان کی تربیت فرمائی تھی ۔ لیکن ہمارا ایمان اتنا کمزور اور بے اثر ہے کہ ہم مصائب میں کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ روضوں، مزاروں اور استھانوں کی جانب نگاہ اٹھاتے ہیں ۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جن کے اندر ہم ان کی ایمانی قوت اور توحید خالص کی جلوہ گری دیکھتے ہیں ۔

ابن اثیر نے اپنی کتاب الکامل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایرانیوں کے ساتھ جنگ کے دوران جب مدائن پر فوج کشی کا ارادہ ہوا تو درمیان میں دریائے دجلہ تھا ۔ اس وقت دریا میں بہت زیادہ سیلاب تھا ۔ اترنے کی کوئی سبیل نہ تھی ۔ سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فوجیوں کو جمع کر کے کہا کہ میں دریا پار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں ۔ فوجیوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی رہنمائی فرمائے ۔ بسم اللہ کیجئے مشورہ کے بعد جب سب لوگ دریا پار کرنے کے لئے تیار ہوگئے تو حضرت سعد نے ان کو ایک ورد سکھایا کہ اسے پڑھتے ہوئے دریا پار کریں ۔ جو لوگ آج اولیاء کے وسیلہ اور صدقہ سے مصیبتوں سے نجات چاہتے ہیں ان کو اس ورد پر غور کرنا چاہیئے ، ورد کے الفاظ یہ ہیں :

نستعین باللہ، ونتوکل علیہ، حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ واللہ لینصرن اللہ ولیہ ولیظہرن دینہ۔ ولیھزمن عدوہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
یعنی ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں، اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اللہ ضرور اپنے نیک بندوں کی مدد کرے گا، اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا، اور دشمنوں کو شکست دیگا طاقت و قوت صرف اللہ کے ذریعہ مل سکتی ہے جو بلندی اور عظمت والا ہے۔

اس موقع پر غور و فکر اور تقابل کے لئے آریہ سماجی ہندوؤں کی کتابوں سے میں تین اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ امید کہ ناظرین ان عبارتوں پر غور فرمائیں گے اور مجھے معذور تصور فرمائیں گے۔

• بالیقین ایشور کی اپاسنا (عبادت) کرنے والے سب دکھوں سے آزاد ہو کر اس پرمیشور کو پاتے اور اس مشہور و معروف نجات اور عظمت و جلال کو حاصل کرتے ہیں جسے قدیم سادھیہ یعنی موکش کی تدبیر کرنے والے یا اس کی تدبیر سے فارغ البال عالموں نے حاصل کیا ہے۔''

(رگوید آدی بھاشیہ بھومکا ص ۱۲۲)

• '' یجروید کے اٹھارہویں ادھیائے میں ہدایت ہے کہ انسان پرمیشور کے لئے تمام مال واملاک نذر کردے۔ اس لئے ثابت ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز یعنی موکش سے لیکر کھانے اور پینے کی چیزوں تک سب کے لئے ایشور ہی سے التجا کرنی چاہیئے۔'' (ایضاص ۱۴۲)

• ستیارتھ پرکاش کے گیارہویں باب میں '' بتوں کے معجزے '' کی سرخی کے ضمن میں درج ذیل سوال وجواب مذکور ہے۔

'' سوال: دیکھو کاشی میں اورنگ زیب بادشاہ کو لاٹ بھیرو وغیرہ نے بڑے بڑے کرشمے دکھلائے۔ جب مسلمان ان کو توڑنے گئے اور جب ان پر توپ وغیرہ چلائی گئی تو ان میں سے بڑے بڑے بھنورے نکل آئے جن سے سب فوج گھبرا کر بھاگی۔''

'' جواب: یہ پتھر کا کوئی معجزہ نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہوگی کہ وہاں بھنوروں کے چھتے لگ رہے ہوں گے ان کا طبعی خاصہ ہی موذی پن ہے، جب کوئی ان کو چھیڑے تو وہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں، اور جو دودھ کی دھار دکھائی دیتی تھی وہ پجاری جی کی حکمت تھی (ستیارتھ پرکاش ص ۱۴۱)

قبر والے کسی کی پکار نہیں سنتے مدیر موصوف نے حادثہ میں محفوظ رہ جانے کی توجیہ غوث پاک کی قبر کی زیارت اور اس کی برکت سے کی ہے۔ دنیا میں وقوع پذیر کسی امر کو انسان جس چیز سے چاہے جوڑ سکتا ہے، اور عقیدہ کی کمزوری کے باعث کسی بھی چیز کو موثر مان سکتا ہے لیکن مرنے والوں کے متعلق قرآن کریم کا صاف اعلان یہ ہے۔

(ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ، وھم عن دعاءھم غافلون) اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا ایسے معبودوں کو پکارے جو قیامت تک اس کو جواب نہ دے سکیں، (جواب دنیا تو درکنار) وہ تو ان کے پکارنے سے ہی بے خبر ہیں۔

اس آیت میں صرف ان بتوں کا ذکر نہیں جن کو لوگ پکارتے تھے، بلکہ وہ اولیاء اللہ اور بزرگ بھی مراد ہیں جن کو لوگ پکارتے اور بلاتے تھے۔

ایک دوسری آیت میں مردوں کے سننے کی صاف طور پر تردید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

(انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین)

اے پیغمبر! تو مردوں کو نہیں سنا سکتا، اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں۔ (انوار التوحید ص ۲۰۷)

تصرف صرف اللہ کا ہے اہل بدعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں اور بزرگوں کو حسب حیثیت قدرت واختیار دے رکھا ہے۔ جس سے وہ مخلوق میں تصرف کرتے ہیں کچھ کا کچھ دکھاتے ہیں، دکھ، درد، رنج، غم، فقر، فاقہ، مرض، کرب، الم اور قحط کی حالتوں میں تصرف کرتے اور انہیں بدل دیتے ہیں۔ درود تاج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاء، وباء، قحط، مرض اور دکھ درد دور کرنے والا کہا گیا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ تصرف اولیاء اللہ کو اسلام کے اندر کوئی درجہ اور مقام حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے کاروبار مملکت اور نظام شہنشاہی میں کسی نبی، ولی، بزرگ اور شہید کو کچھ بھی تصرف واختیار نہیں دیا ہے، اس کا ارشاد ہے۔

قل من بیدہ ملکوت کل شئ وھو یجیر ولا یجار علیہ) اے پیغمبر! کہو کہ کون ہے جس کے ہاتھ

میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ جس کو چاہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سالہ زندگی میں ہر طرح کا دکھ جھیلا، مشرکوں کی اذیتیں برداشت کیں، وطن عزیز کو خیرباد کہنے پر مجبور کئے گئے۔ اور جنگ پر آپ کو مجبور ہونا پڑا۔ جس میں آپ کے جانثار صحابہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اگر آپ کو کائنات میں تصرف کی قوت حاصل ہوتی تو یقیناً آپ ان مصائب کو دور کر لیتے۔

"تقسیم ملک کے بعد مشرقی پنجاب میں چھ لاکھ مسلمانوں کا خون پانی سے ارزاں ہو گیا۔ چالیس ہزار عورتیں اغیار کے قبضہ میں چلی گئیں، مسجدیں ویران و برباد ہوئیں۔ اذانیں بند اور نمازیں ختم ہوئیں، فرمائیے ان چھ لاکھ شہید ہونیوالوں اور اسی لاکھ پاکستان میں مہاجرین کر آنے والوں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو اختیار و تصرف کے زور سے خونی انقلاب کا مقابلہ کرتا، دشمن کو قہر کی نظر سے دیکھ کر اس کا صفایا کر دیتا، ایک ہی ضرب نفس سے زمین کا تختہ الٹ کر رکھ دیتا؟ آخر اس زمین میں بزرگوں، ولیوں اور شہیدوں کے روضے، گنبد، مزاریں اور قبریں بھی ہیں۔ چلے، تھان، مکان اور قدم بھی ہیں۔ ان سب ولیوں شہیدوں اور بزرگوں کے اختیار اور تصرف پر کیا آبنی کہ روضوں اور مقبروں کے سامنے مسلمانوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے اور آہ مسلمان بے گناہ عورتوں کی عصمتیں بھی برباد ہوئیں اور آج تک ہزاروں کی تعداد میں مومن عورتیں اغیار کے تصرف اور قبضے میں ہیں۔ کیا کوئی زندہ یا قبر والا صاحب تصرف ایسا نہیں ہے جس کو غیرت آئے اور اپنے اختیار سے کام لیکر مسلمان عورتوں کو اغیار کے پنجۂ تغلب سے چھڑائے اور مسلمانوں کی بگڑی بنائے؟" (انوار التوحید ص ۲۲)

بقیہ: ندوۃ الطلبہ: نتائج مقابلہ:- اردو پہلی نشست: عبدالوہاب عالم ثالث اول، عبدالمجید ع ۳ دوم
محمد رفیق ع ۲، سوم
دوسری نشست: عبدالرؤف ع ۱ اول۔ عبدالحکیم ع ۲ دوم۔ احمد سعید ث ۲ سوم
عربی پہلی ": ابوالکلام ع ۲ اول۔ عبدالوہاب ع ۲ دوم، محمد قاسم ع ۳ سوم
عربی دوسری ": عبدالحکیم ث ۲۔ اول۔ عبدالرحمٰن ع ۱ دوم، عبدالمعین ع ۱ سوم
کامیاب طلباء کو انعامات خصوصی اور مشترکین کو تشجیعی انعامات دیئے گئے۔ جملہ کارروائی اساتذہ کرام کے زیر نگرانی انجام پذیر ہوئی۔ فقط والسلام عطاء اللہ احسان اللہ۔ سکریٹری ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس

ماہ شعبان اور مسلمان

مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی

ماہ شعبان کی فضیلت حدیثوں سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں بکثرت روزہ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں " وما رأيته في شهر اكثر منه صياماً في شعبان " کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان کے مہینہ میں جس قدر روزے رکھتے ہوئے دیکھا اس قدر نفلی روزے رکھتے ہوئے دوسرے مہینوں میں نہیں دیکھا (مرعاۃ المفاتیح ج۲ ص۲۶۶) نیز ایک دوسری حدیث ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصوم شهرين متتابعين الا شعبان و رمضان "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ماہ پے درپے روزے رکھتے ہوئے سوائے شعبان و رمضان کے نہیں دیکھا (تحفۃ الاحوذی ج۲ ص۵۱) دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شعبان کے مہینہ میں حضور کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی اس ماہ میں جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنا چاہیئے۔ لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف شعبان گذرنے کے بعد مسلمانوں کو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اذا بقي نصف شعبان فلا تصوموا " جب نصف شعبان باقی رہ جائے تو روزہ نہ رکھو (تحفہ ج۲ ص۵۱) آپ نے نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ آپؐ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق اور مہربان تھے۔ اور اسے مشقت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پس اگر کوئی شخص شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھے گا تو وہ کمزور ہو جائے گا اور ضعف اور کمزوری کیوجہ سے رمضان کے مہینہ کا حق ادا نہ کر سکے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص اتنا توانا و طاقتور ہو کہ اگر وہ نصف شعبان کے بعد روزہ رکھے تو رمضان مبارک کے حقوق کی ادائیگی میں اس سے کسی طرح کی کوئی تقصیر اور کوتاہی نہ ہو تو وہ نصف شعبان کے بعد بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

پندرہویں شعبان کے روزہ کے بارے میں جو حدیث ابن ماجہ میں حضرت علی سے مروی ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے اس دن اگر کوئی مسلمان شرعی روزہ سمجھ کر روزہ رکھے تو اس کا روزہ شرعی روزہ نہ ہوگا ۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا الخ شعبان کی پندرہویں شب کو قیام کرنا اور پندرہویں تاریخ کے دن کا روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات کو غروب آفتاب کے بعد آسمانِ دنیا پر جلوہ افروز ہو کر یہ آواز دیتا ہے کہ کوئی معافی چاہنے والا ہے جو مجھ سے معافی چاہے میں اس کو معاف کردوں، کوئی روزی کا خواستگار ہے کہ میں اسے روزی دوں، کوئی مصیبت زدہ ہے جو مجھ سے مصیبت دور کرنے کے لئے کہے تو میں اس کی مصیبت دور کردوں ۔ اسی طرح صبح صادق تک لگاتار پکارتا رہتا ہے ۔ یہ حدیث حد درجہ ضعیف اور کمزور ہے اس لئے کہ اس کا ایک راوی ابوبکر بن ابوسبرہ وضاع ہے ۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث گھڑ لیا کرتا تھا ۔ لہٰذا یہ حدیث قابل عمل نہیں ہے ۔ (مرعاۃ ص ۳۳۹/۲)

۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کا روزہ رکھنے کا جو شخص عادی ہو وہ پندرہویں شعبان کا روزہ رکھے تو کوئی مضائقہ نہیں اور میرے خیال میں جو شخص ایام بیض کا روزہ رکھنے کا خوگر نہیں ہے وہ اگر یہ روزہ رکھنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد ایک روزہ اور رکھے ورنہ روزہ نہ رکھے ۔

شب براءت کی فضیلت میں جو روایتیں آئی ہیں ۔ ان میں اکثر ضعیف ہیں لیکن کثرتِ طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے ان میں کچھ قوت پیدا ہو گئی ہے ۔ اور ان سے اس رات کی کچھ اصلیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے ۔ لہٰذا اگر مسلمان اس رات میں جاگ کر تہجد پڑھیں اور ذکر و اذکار و تلاوتِ کلام پاک میں مشغول ہوں اور اپنے لئے اللہ سے مغفرت، عافیت اور دونوں جہان کی بھلائی کے لئے دعا کریں تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی وقت بھی قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا و استغفار کرے اور قبر کی وحشت و تنہائی کا خیال کر کے اس سے عبرت حاصل کرلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ قبر کی زیارت کا مقصد شریعت نے یہ بتایا ہے کہ اس سے آخرت یاد آتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے ۔

مگر افسوس کہ آج مسلمانوں نے فرائض و واجبات کو تو یک قلم ترک کر دیا ہے رکتنے مسلمان ایسے ہیں جنھیں نہ تو نماز پنجگانہ سے کوئی سروکار ہے اور نہ رمضان کے روزے سے اور نہ دوسرے فرائض و واجبات سے جبکہ دونوں فریضہ اسلام کی اساس و بنیاد ہیں ان پر عمل کئے بغیر کوئی مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہے ۔

لیکن بعض مستحبات و مندوبات کو فرائض و واجبات کا درجہ دے دیا گیا ہے جیسا کہ آجکل عام مسلمانوں کا عمل ہے پندرہویں شعبان کی شب میں مسلمانوں نے قبرستان جانا اپنے اوپر فرض سمجھ لیا ہے۔ اس رات آپ مسلمانوں کو گروہ در گروہ، غول در غول خورد و کلاں قبرستان جاتے دیکھیں گے۔ جبکہ سال بھر میں ایک روزہ بھی ان میں سے کسی کو قبرستان جانے اور اپنے آباء و اجداد کی قبر پر ان کے لئے دعا و استغفار کرنے کی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ کسی صحیح روایت سے اس رات نبی کریم صلعم کا خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ قبرستان جانا ثابت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ کی جس روایت سے اس رات قبرستان جانے پر استدلال کیا جاتا ہے وہ روایت اولا تو ضعیف ہے اور دوسرے یہ کہ صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم اکثر و بیشتر مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں تشریف لے جایا کرتے اور اصحاب قبور کے لئے مغفرت اور رفع درجات کی دعا فرماتے تھے، اور جب جب آپ کی حضرت عائشہ کے پاس رہنے کی باری ہوتی تھی اس رات خصوصاً آپ ضرور بقیع جایا کرتے تھے۔ ایک روز آپ حضرت عائشہ کے پاس تھے اور اپنی عادت مبارکہ کے مطابق رات کو بقیع تشریف لے گئے، اتفاق سے یہ رات شب برأت تھی آپ تنہا تھے اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کو لیکر بقیع میں نہیں گئے تھے، جیسا کہ آجکل دستور ہے کہ مسلمان اپنے خاندان والوں کے ساتھ اس رات قبرستان جاتے ہیں۔ اس لئے اس روایت سے بھی اس رات قبرستان جانے کی کوئی اہمیت و خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق ہی بقیع جایا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بدعات و خرافات اس مہینہ میں مسلمان کرتے ہیں۔ مثلاً پندرہویں شعبان کی رات میں خصوصیت کے ساتھ فقراء و محتاجوں میں کھانا تقسیم کرنا۔ اس کا کوئی ثبوت کسی مرفوع یا موقوف یا ضعیف روایت سے نہیں ملتا

بہت سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس رات مردوں کی روحیں دنیا میں آتی ہیں لہذا وہ اس دن اپنے اپنے گھروں کی صفائی کرتے اور ان میں چونا کاری کرتے ہیں یہ عقیدہ بھی غلط ہے کیونکہ انسان کے مرجانے کے بعد پھر دوبارہ اس کی روح لوٹ کر دنیا میں نہیں آسکتی ہے اس کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کریم میں ہے " ومن وراۓهم برزخ الى يوم يبعثون " وہ لوگ مرنے کے بعد ایسے عالم (برزخ) میں ہیں کہ وہ دنیا میں پلٹ کر نہیں آسکتے۔ (برزخ اس عالم کو کہتے ہیں جو انسان پر اس کی موت اور قیامت

کے درمیان آتا ہے) یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمادیا کہ کوئی مرنے کے بعد پلٹ کر دنیا میں نہیں آسکتا اور نہ اس کی روح آسکتی ہے۔

مسلمان اس رات کو مسجدوں میں چراغاں کرتے اور بہت زیادہ روشنی کا اہتمام کرتے ہیں اپنے گھروں میں ضرورت سے بہت زیادہ چراغ جلاتے ہیں۔ یہ کفار کی مشابہت اور شاید ہندوؤں کی دیوالی کی نقل نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جو سراسر ناجائز اور بدعت ہے اور یہ بری رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی دوسرے ملکوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم (مشکوۃ ص۳۷۵) جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انھیں میں سے ہوتا ہے۔ ملا علی قاری (حنفی) لکھتے ہیں کہ اس رات میں چراغاں اور زیادہ روشنی کرنا قوم برامکہ کی ایجاد ہے۔ یہ لوگ اصل میں آتش پرست تھے۔ جب اسلام لائے تو انھوں نے یہ رسم بد اسلام میں داخل کر دی۔ تاکہ مسلمانوں کے ساتھ نماز میں آگ کو سجدہ کریں۔ شریعت میں اس رات چراغاں کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۵۳ مرعاۃ ج ۲ ص۲۳۹) مولانا عبدالحئی فرنگی الآثار المرفوعہ میں فرماتے ہیں کہ عام جاہلوں نے اس رات در رجب کی ستائیسویں اور شعبان کی پندرہویں کو گویا دو عیدیں بنا رکھی ہیں اور شعار اسلام سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ صریح بدعت ہے۔ اس میں چراغ اور روشنی کرنی بالکل خلاف سنت ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ کس طرح بدعتوں سے چپٹے ہوئے ہیں اور سنتوں کے متعلق پرواہ نہیں کرتے۔

اس مہینہ میں مسلمان اسقدر آتش بازی اور گڈے پٹاخے خصوصاً پندرہویں شب کو چھوڑتے ہیں کہ الاماں والحفیظ یہ رسم نہ صرف ایک گناہ بے لذت ہے۔ بلکہ اس کی دنیاوی تباہیاں ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ ایک طرف ان کا اپنے مال کو ضائع کرنا جو ایک بیجا اسراف ہے۔ اور دنیا میں مذموم و معیوب ہونے کے علاوہ ان پر ہر قسم کی بربادی کا دروازہ کھولتا ہے۔ قرآن کریم نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین" کہ اسراف اور فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اس میں جانی اور مالی نقصان کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں مسلمانوں کا جو روپیہ ہر سال آتش بازی پر صرف ہوتا ہے اس کا تخمینہ تقریباً دو لاکھ روپیہ ہے۔ آہ جس قوم کی اقتصادی زبوں حالی اس قدر نازک اور ناگفتہ بہ ہو اسکا اتنا روپیہ اس طرح فضول اور بیہودہ رسم میں ضائع ہو تو اس قوم کی زندگی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ اگر یہ گراں بہا رقم کسی تعمیری، ملی اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کی جاتی تو اس

قوم اور عوام الناس کو کتنا فائدہ پہنچتا ؟ اور اس سے مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا ایک حد تک کچھ مداوا ہو جاتا مگر افسوس کہ آج ایسا نہیں ہو رہا ہے اور نہ اس کی طرف کسی کو توجہ کرنے کی فرصت ہے ۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے اور انھیں اپنے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنیکی توفیق ارزانی بجی ۔

بچوں کو آتش بازی کے لئے پیسے دیئے جاتے ہیں جس سے ان کے اندر احکام الٰہی کی نافرمانی کی عادت ڈالی جاتی ہے اور ان کو بیہودہ رسم و رواج کا خوگر بنایا جاتا ہے ۔ جب کہ ان کے لئے شرعی حکم تھا کہ ابتدا سے ان کو علم و عمل کی تعلیم دی جائے اور انھیں اچھی عادتوں کا خوگر بنایا جائے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو بدعات و خرافات سے محفوظ رکھے ، توحید و سنت پر چلائے اور نیک عمل کرنے کی توفیق دے ۔ آمین ۔

مضمون نگار حضرات سے

ماہنامہ محدث کے قلمی معاونین سے گذارش ہے کہ اپنی نگارشات صاف خط میں کاغذ کے صرف ایک جانب تحریر فرمائیں ۔

نیز طویل تحریر کو مختلف عناوین کے تحت اس طرح تقسیم فرمادیں کہ ہر حصہ ایک مستقل مقالہ بن جائے اور ادارہ کو مضمون بالاقساط شائع کرنے کی زحمت نہ ہو ۔

(ادارہ تحریر)

روحِ انتخاب

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (النحل: ۹۴)

اپنی قسموں کو آپس میں فریب کرنے کا بہانا نہ بنایا کرو، ورنہ مضبوط ہونے کے بعد قدم اکھڑ جائیں گے۔ یعنی جن لوگوں سے تم نے عہد مضبوط کیا ہوگا، جب وہ تمہاری اس قسم کی بد دیانتی سنیں گے تو وہ بھی پھسل جائیں گے اور بوجہ اس کے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، تم کو دنیا ہی میں تکلیف پہونچے گی کہ تمہارا کوئی حمایتی نہ رہے گا اور آخرت میں بھی تم کو بڑا عذاب ہوگا۔ یعنی تم جو مسلمان ہو کر کوئی برا کام، بد دیانتی یا شرارت کر گذرو تو جن لوگوں کو اسلام کی اصل تعلیم اور مسلمانوں کے ذاتی افعال میں تمیز نہیں تمہارے برے کاموں کو دین ہی سمجھیں گے۔ اور ایسی بدعہدی کی وجہ سے اسلام سے نفرت کر جائیں گے اس کا وبال بھی تم پر ہوگا پس تم ایسے کاموں سے جن سے عوام میں اسلام سے نفرت پھیلے یا پھیلنے کا احتمال ہو، پرہیز کیا کرو۔

راقم کہتا ہے کہ ایام محرم میں تعزیہ بنانا بھی اس قسم سے ہے، کفار کے ذہن نشیں ہو رہا ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی ہی ہے جس کا یہ نمونہ ہے، تعزیوں کو تو ایسی شان و شوکت سے لے جانا کہ باجے گاجے آتش بازی، روشنی وغیرہ کے سب سامان موجود ہیں، ذوالجناح (دلدل) حضرت حسین کے آگے آگے ایسی طرز اور انداز سے رونا۔ اور اپنے آپکو زنجیروں اور مہلک چیزوں سے مارنا، خدا کی پناہ، ہر ایک شخص ان حرکات سے یہ سمجھتا ہے کہ اسلام یہی ہے تو ایسے اسلام میں داخل ہو کر کیا فائدہ، اسی لئے بعض علماء نے اس نکتہ کو سمجھا ہے ان کو چین نہیں آتی جب تک وہ تعزیہ کا رو نہ کرلیں، خدا رحم کرے اس شخص پر جو ایسے مفاسد کی بیخ کنی میں کوشش کرے یا مخالفت کرنے والوں کی امداد کرے۔ (تفسیر ثنائی ص ۳۳۶)

مثنوی جہاد

حکیم مومن خاں مومن دہلوی غالب کے معاصر اور اردو شاعری کے اساطین میں سے ہیں زبان و ادب کے حلقے میں وہ ایک عظیم شاعر کی حیثیت سے معروف ہیں لیکن ان کی زندگی کا یہ اہم پہلو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے کہ وہ تحریک شہیدین کے وابستگان میں تھے۔ سنت رسولؐ کے شیدائی اور بدعات کے سخت مخالف تھے۔ شہیدین کی تحریک جہاد کے موقع پر انھوں نے ایک "مثنوی جہاد" لکھی تھی جس میں نہایت خلوص سے شہادت کی آرزو کی ہے۔ اس مثنوی کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

پلا مجھکو ساقی شراب طہور
کہ اعضا رشکن ہے خمار فجور

کوئی جرعہ دے دیں فزا جام کا
کہ آجائے بس نشہ اسلام کا

برنگ مے ایمان کو آجائے جوش
نہ اپنا رہے اور نہ دنیا کا ہوش

عناد نہفتہ کو ظاہر کروں
دم تیغ سے قتل کافر کروں

پیے تشنہ کامی سبو در سبو
پیوں شوق سے ملحدوں کا لہو

یہی اب تو کچھ آگیا ہے خیال
کہ گردن کشوں کو کروں پائمال

بہت کوشش و جاں نثاری کروں
کہ شرع پیمبر کو جاری کروں

دکھا دوں بس انجام الحاد کا
نہ چھوڑوں کہیں نام الحاد کا

وہ حضرت طریق رسول خدا
کہ جو پیرو اس کا ہے سو پیشوا

زہے سید احمد قبول خدا
سر امتحان رسول خدا

خبردار ہو جاؤ اے اہل دل
کہ رحمت برستی ہے اب متصل

یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں
مری جاں فدا ہو تری راہ میں

میں گنج شہیداں میں مسرور ہوں
اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں

امام ضیاء الدین مقدسی صاحب المختارہ

۵۶۹ ۔ ۶۴۳ھ
۱۱۷۳ ۔ ۱۲۴۵ء

قسط ۶

مولانا محمد حنیف صاحب فیضی۔ جامعہ سلفیہ، بنارس

مختارہ سے متعلق اہل علم کے کارنامے (الف تتمہ) حافظ کبیر محدث شہیر محمد بن عبد اللہ بن احمد بن عبد اللہ بن ا[1] بن محمد ابراہیم متوفی ۷۸۹ھ نے مختارہ کی حدیثوں کا تکملہ لکھا ہے[1]

(ب) اطراف: حافظ ابن حجر نے مختارہ کی حدیثوں کے اطراف تالیف کئے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے[2]

(ج) **تحقیق و تخریج**: محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ مختارہ کی تحقیق و تصحیح اور اس کی حدیثوں کی تخریج کا کام انجام دے رہے ہیں اللہ کرے کہ جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ کر منظر عام پر آجائے۔

مختارہ کے قلمی نسخے (الف) یہ کتاب ظاہریہ لائبریری (دمشق) میں موجود ہے تفصیل حسب ذیل ہے: ۔

جلد اول یہ جلد خلفاء راشدین کے احادیث سے شروع ہو کر حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ کے احادیث پر ختم ہے۔ یہ نسخہ مؤلف کے بھتیجے احمد بن عبد الرحیم کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی کتابت سے وہ ۶۳۳ھ میں فارغ ہوئے

مختارہ کا نمونہ (الف) الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما یحب ربنا و یرضی و کما ینبغی لکرم وجہہ و عز جلالہ و صلی اللہ علی نبیہ محمدٍ المصطفیٰ و رسولہ المجتبیٰ و علی آلہ و صحبہ وسلم تسلیما۔ اما بعد فھذہ احادیث اخترتھا مما لیس فی البخاری و مسلم الا انی ربما ذکرت بعض ما اوردہ البخاری معلقا

---

[1] الفلاکۃ الجوھریۃ ۲/۱۳۴

[2] الرسالۃ المستطرفۃ ص۲۷

ودبما ذکرنا احادیث باسانید اجیاد لها علة فنذکر بیان علتها حتی لیعرف ذلک واسال اللہ تعالیٰ ان
فی ذلک خیرة لنا وللمسلمین بمنہ وکرمہ انہ علی ذلک قدیر وھو حسبنا ونعم الوکیل

(خطبۃ المؤلف فی بدایۃ الکتاب)

اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا حمد ہے جو زیادہ مقدار میں ہو۔ پاکیزہ ہو جس میں برکت دی گئی ہو۔ جو ہمارے رب کا محبوب ہو اور اس کے مکرم ذات اور معزز جلال کے مناسب ہو۔ اور درود وسلام ہو اس کے نبی محمد مصطفیٰ ومجتبیٰ پر اور ان کے آل پر۔ بعد حمد وصلاۃ وسلام کے یہ وہ حدیثیں ہیں جن کا میں نے ان حدیثوں سے انتخاب کیا ہے جو بخاری اور مسلم میں نہیں مگر کبھی بعض ان حدیثوں کو بھی ذکر کیا ہے جن کو امام بخاری اپنی صحیح میں معلقاً لے آئے ہیں اور کبھی ہم نے حدیثوں کو عمدہ سند سے ذکر کیا ہے مگر ان کے اندر کوئی علت بھی ہے تو ہم اس علت کو بیان کر دیتے ہیں تاکہ اس کی معرفت ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے میں سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کے اندر ہمارے اور مسلمانوں کے لئے اپنے احسان اور کرم سے بہتری پیدا کرے وہ اس پر قادر ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ (کتاب کے شروع میں مؤلف کا خطبہ)

۔ "مختارہ کے قلمی نسخے" سے متعلق

دوسری جلد: یہ پوری جلد مسند انس رضی اللہ عنہ میں ہے جو تیرہ اجزاء پر مشتمل ہے اس کا پہلا اور دوسرا جزء پہلی جلد کا آخر ہے۔ یہ نسخہ عمدہ ہے اور مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ حدیث ۲۴۳ (ق ا

تیسری جلد: یہ جلد ۵۱ تا ۶۲ اجزاء پر مشتمل ہے اس کی ابتداء مسند صعصعہ سے ہے اور انتہا مسند عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر ہے۔ جو عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کی روایت سے ہے اس سے پہلے والا ہی نسخہ ہے یعنی مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ مجموع ۸۶ (ق ۱ — ۲۹۶)

چوتھی جلد: یہ جلد ۶۳ تا ۷۵ اجزاء پر مشتمل ہے اس جلد کا اول اس کے ماقبل والی جلد (تیسری جلد) کا تتمہ اور اس کا آخر عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی پہلی حدیث ہے یہ بھی اس سے قبل والا ہے یعنی مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ عام ۳۲۵ ۹ (ق ۱ — ۱۶۴)

ساتواں جزء: یہ جزء مذکورہ بالا تمام اجزاء سے ترتیب میں مختلف ہے کیونکہ نہ تو مسانید پر مرتب ہے نہ ابواب پر، اور نہ ہی کسی دوسری قسم کی مفید ترتیب پر بلکہ فوائد کے طریقے پر ہے۔ اس میں ایک صحابی کی حدیث سے دوسرے صحابی کی حدیث کی جانب منتقل ہوتے ہیں۔ یہ نسخہ مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہے

دسواں جزء :- یہ بھی مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مجموع ۱۲ (ق ۹۷ - ۱۰۸)

الجزء ... من الاحادیث المختارۃ : یعنی مختارہ کا ایک اور جزء مذکورہ لائبریری میں موجود ہے جو مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے لیکن یہ پتہ نہیں کہ کون سا جزء ہے کیونکہ اصل میں اس کے نام کی جگہ بیاض ہے۔ مجموع ۱۲ (ق ۸۷ - ۹۵)[1]

نوٹ : ظاہریہ والے نسخے کی ابتدائی دو جلدوں کی فوٹو کاپی جامعہ ام القری (مکہ مکرمہ) کے مکتبۂ مخطوطات میں راقم کی نگاہ سے گذری ہیں۔ اس مضمون میں مختارہ کے حوالے سے جہاں کہیں کچھ لکھا گیا ہے اس سے مراد یہی فوٹو کاپی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جلد اوّل ، یہ جلد تین قسموں میں منقسم ہے۔

پہلی قسم :	رقم ۲۵۴۳	ص ۱ - ۱۷۸
دوسری قسم :	″ ۲۵۴۴	(ص ۱۷۹ - ۳۶۰)
تیسری قسم :	″ ۲۵۴۵	(ص ۳۶۱ - ۵۲۲)

ظاہریہ لائبریری (دمشق) میں اس جلد اول کا نمبر یہ ہے ۱۱۲۲

جلد ثانی : رقم: ۲۵۴۲ ، اوراق کی تعداد : ۲۵۲

ظاہریہ لائبریری (دمشق) میں اس دوسری جلد کا نمبر یہ ہے ۲۲۴۳

(ب) مختارہ کا قلمی نسخہ حافظ ابن کثیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کی لائبریری میں موجود ہے[2]

اسماء بنت عمیس امرأۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما :

"مختارہ کا نمونہ" سے متعلق (ب) اخبرنا ابوالحسن المؤید محمد بن علی الطوسی بقراءتی علیہ بنیسابور قلت : اخبرکم ابو محمد ھبۃ اللہ بن سھل بن عمر بن محمد بن الحسین المعروف بالسیدی قرأۃ علیہ وانت تسمع ، انبا ابو عثمان سعید بن محمد بن احمد البحیری انبا ابو علی زاھر بن احمد السرخسی ، انا ابو اسحاق ابراھیم بن عبدالصمد الھاشمی ببغداد ، ثنا ابو مصعب احمد بن ابی بکر الزھری المدینی ثنا

---

[1] فہرس الالبانی ص ۳۲۵ - ۳۲۷

[2] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۹۹

مالك بن انس عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابيه أن اسماء بنت عميس ولدت محمد بن ابي بكر بالبيداء فذكر ذلك ابو بكر لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مرها فلتغتسل ثم لتهل ۔

اخبرنا ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر بقراءتي عليه باصبهان قلت له: اخبركم محمود بن اسماعيل الصيرفي قراءة عليه وانت حاضر، أنا احمد بن محمد بن فاذشاه ح وقلت لشيخنا: اخبرتكم فاطمة بنت عبد الله قراءة عليها وانت تسمع انا محمد بن عبد الله بن ريذة قالا انا سليمن بن احمد الطبراني ثنا علي بن عبد العزيز ثنا القعنبي عن ملك عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابيه عن اسماء بنت عميس انها ولدت محمد بن ابي بكر بالبيداء فذكر ابو بكر لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: مرها فلتغتسل. رواه يوسف بن ابي المهاجر عن القاسم عن اسماء ۔

اخبرنا ابو المجد زاهر بن احمد بن حامد الثقفي باصبهان ان سعيد ابن ابي الرجاء الصيرفي والحسين بن عبد الملك الاديب اخبراهم قراءة عليهما انبا ابراهيم بن منصور انا محمد بن ابراهيم بن ابي عاصم، انبا احمد بن علي ابن المثنى، ثنا عبيد الله هو القواريري. ثنا عبد الرحمن بن مهدي عن مالك بن انس عن عبد الرحمن بن القاسم عن أبيه عن اسماء بنت عميس انها نفست بذي الحليفة فسأل ابو بكر النبي صلى الله عليه وسلم فقال: مرها فلتغتسل ولتهل رواه النسائي عن محمد بن سلمة والحارث بن مسكين عن ابن القاسم عن مالك ۔ ذكر الدارقطني الاختلاف فيه فقال: رواه مالك عن عبد الرحمن عن القاسم عن اسماء بنت عميس ومنهم من قال: عن مالك عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابيه ان اسماء بنت عميس: وعبد الله بن عمر عن عبد الرحمن ابن القاسم عن ابيه عن عائشة ۔ قال: واصحها عندي قول مالك ومن تابعه، قلت: اما رواية عائشة فرواها مسلم في صحيحه ويكون القاسم سمعه من عائشة ومن اسماء بنت عميس والله اعلم ۔ ولعل قائلا يقول: اذا كان قد صح عن عائشة فلم رويته قلنا: لم يذكر احد في روايته عائشة عن ابي بكر وانما هو من رواية عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم ۔ وحديث اسماء ذكر في روايته اسماء عن ابي بكر و قد رواه سعيد

ن المسیب عن اسماء۔

اخبرنا محمد بن احمد بن نصر الصیدلانی باصبہان ان محمود بن اسماعیل الصیرفی اخبرھم اہ قرأۃ علیہ وھو حاضر انا احمد بن محمد بن فاذشاہ انا سلیمان ابن احمد الطبرانی ثنا الحسن بن علی المعمری ثنا الحسن بن حماد الوراق. ثنا ابومعویۃ عن ابن جریج عن عبد الرحمن بن القاسم عن سعید بن المسیب عن اسماء بنت عمیس انھا نفست بمحمد بن ابی بکر بذی الحلیفۃ فسأل ابوبکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرہ ان یامرھا ان تغتسل وتھل

(مسند ابی بکر رضی اللہ عنہ)

مالک بن انس عبدالرحمن بن قاسم سے وہ اپنے والد قاسم سے روایت کرتے ہیں کہ اسماء بنت عمیس (ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ) نے مقام بیداء میں محمد بن ابی بکرؓ کو جنا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسماء کو حکم دے دیں کہ وہ غسل کرلیں، پھر احرام باندھ لیں۔

مالک عبدالرحمن بن قاسم سے وہ اپنے والد قاسم سے۔ وہ اسماء بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے محمد بن ابی بکرؓ کو مقام بیداء میں جنا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اسماء کو حکم دیدیں کہ وہ غسل کرلیں اس حدیث کو یوسف بن ابی المہاجر نے قاسم سے اور قاسم نے اسماء سے روایت کیا ہے۔

مالک بن انس عبدالرحمن بن قاسم سے، وہ اپنے والد قاسم سے وہ اسماء بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (محمد بن ابی بکرؓ کو) مقام ذوالحلیفہ میں جنا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اسماء کو حکم دیدیں کہ غسل کرلیں اور احرام باندھ لیں۔ اس حدیث کو نسائی نے محمد بن سلمہ اور حارث بن مسکین سے، ان دونوں نے ابن قاسم سے۔ ابن قاسم نے مالک سے روایت کیا ہے۔ امام دارقطنی نے اس میں اختلاف ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں (الف) اس حدیث کو مالک نے عبدالرحمن سے انھوں نے قاسم سے قاسم نے اسماء بنت عمیس سے روایت کیا ہے۔ (ب) اور بعض راویوں نے مالک سے روایت کیا ہے مالک نے عبدالرحمن بن قاسم سے، عبدالرحمن نے اپنے باپ قاسم سے قاسم نے کہا کہ اسماء بنت عمیس نے۔۔ یعنی قاسم نے اپنی طرف سے واقعہ کو بیان کیا) (ج) اور عبداللہ

بن عمر نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے باپ قاسم سے قاسم حضرت عائشہ رضؓ سے۔ اس کے بعد امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اختلافات میں زیادہ صحیح مالک اور ان کی متابعت کرنے والوں کا قول ہے (مولف یعنی ضیاءؒ مقدسی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ہو سکتا ہے کہ قاسم نے عائشہ اور اسماء بنت عمیسؓ دونوں سے یہ حدیث سنی ہو ۔ واللہ اعلم ۔

شاید کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح طور پر ثابت ہے تو آپ نے اسے کیوں روایت کیا ؟ تو ہم کہیں گے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں کسی نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں بلکہ وہ براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں ۔ اس حدیث کو سعید بن مسیب نے بھی اسماءؓ سے روایت کیا ہے ۔

ابن جریج عبدالرحمٰن بن قاسم سے ، وہ سعید بن مسیب سے وہ اسماء بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے محمد بن ابی بکرؓ کو مقام ذی الحلیفہ میں جنا ، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کی بابت) دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسماءؓ کو حکم دیں کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں ۔
(مسند ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے)

نوٹ : مولف نے ایک ہی حدیث کو چار سندوں سے ذکر کیا ہے ہر ہر سند کا مکمل ترجمہ طوالت سے خالی نہیں اس لئے بقدر ضرورت ہر ہر سند کے بعض حصوں کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے ۔

ختم شد

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ۔ آمین

ہماری مطبوعات

نام کتاب : عظمتِ رفتہ
مؤلف : ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری
کتابت وطباعت : عمدہ، ٹائٹل دیدہ زیب
قیمت : بیس روپے۔
صفحات : ایک سو ساٹھ۔
سائز : ۲۳×۳۶
ناشر : ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس

اس کتاب میں ہماری تہذیب کے ان پتوں کا ذکر ہے جو مرجھا چکے ہیں اور ان مسلم حکومتوں کے زوال کی داستان ہے جو بھیانک امراض میں مبتلا ہو کر صفحۂ ہستی سے نابود ہو گئیں۔ ان کی تاریخ ہمارے لئے دائمی طور پر عبرت وموعظت ہے (بعض اوقات میں ان اسلاف نے دشمنوں سے مداوا چاہا جس کے نتیجے میں انھیں زہر کی گولیاں نگلنی پڑیں۔ ش)

کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم حکمراں کو ہمیشہ اسلامی احکام کی پاسداری ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ خصوصاً اسلام کے کسی اہم فکر کی روگردانی سے احتراز انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ عباسیوں کی عظیم وسیع حکومت نے جہاد جیسے باعظمت حکم کو نظر انداز کر دیا اور اندرونی معاملات میں الجھ کر رہ گئی جو ان کی زوال اور پستی کا سب سے بڑا سبب بنا۔

حکومت کے بقاء وتحفظ کے لئے اسلام کے اصول، اس کی روح اور اسلامی حکومت کے اصول وضابطے سے واقفیت ضروری ہے۔ یہ تمام درس عبرت ہم اس کتاب کے مطالعہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

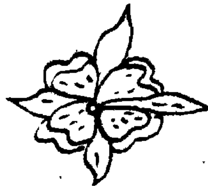
مصنف موصوف نے مدح وتعریف پر توجہ کے اسلوب کو چھوڑ کر تاریخ سے استفادہ پر زور دیا ہے اور درحقیقت یہی عنصر زیر تعارف کتاب کی تصنیف کا سبب ہے اور یہی اس کی غرض وغایت ہے۔

یہ کتاب چار فصلوں میں تقسیم کی گئی ہے، فصل اول: یورپ میں ہمارے زوال کی داستان
فصل دوم: مشرقی حکومتوں کا زوال، فصل سوم: مغربی حکومتوں کا زوال، فصل چہارم عصر جدید میں ہمارا زوال
اور پھر ہر فصل کے تحت ذیلی عنوانات بھی قائم کئے گئے ہیں۔ جن کی چند اہم سرخیاں درج ذیل ہیں
مثلاً قریش کی اولاد کا زوال۔ اندلس میں ہماری آخری شکست گاہ، غرناطہ کا زوال، بنو امیہ کی فاتح حکومت
کا زوال، ایران میں سامانیوں کا زوال۔ عباسیوں کے زوال کے اسباب۔ فاطمیوں کا زوال۔ صلاح الدین کی حکومت
کا زوال الجزائر میں خوارج کی حکومت کا زوال، مغرب میں رالطین کا سقوط، موحدین کا زوال۔ آخری اسلامی
خلافت کا زوال۔ اسلام دشمن عرب قومیت کا زوال۔

کتاب کے فاضل مصنف مصر کی ایک غیور اور مخلص شخصیت عالم دین محترم جناب ڈاکٹر عبد الحلیم صاحب ہیں
جو ریاض کی الامام محمد بن سعود یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ وتمدن کے محاضر اور لکچرر ہیں۔ جن کی تاریخ اور اس کے
مصادر پر عمیق نظر ہے۔ فاضل مولف نے اپنی اس کتاب میں نیس مسلم حکومتوں کی داستان زوال۔ اس کے
اسباب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان کی تحریر میں گہرائی اور گیرائی اور اسلوب دلکش ہوتا ہے آپ کے اندر امت
کی بالادستی اور اسے عروج تک پہونچانے کے لئے بے پناہ لگن ہے۔

اصلاً کتاب عربی زبان میں تھی جس کا ترجمہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) کے ریکٹر محترم جناب ڈاکٹر مقتدیٰ
حسن ازہری صاحب نے انجام فرمایا ہے جن کو فاضل مؤلف کی بعض دیگر عربی کتابوں کا اردو ترجمہ پیش کرنے کا
فخر اس سے پہلے بھی حاصل رہا ہے۔ جس کو اہل علم نے پسند فرمایا اور اسے قبول عام حاصل ہوا
ہمیں امید ہے یہ کتاب اہل علم کے مابین قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی اور اسے قبول عام حاصل ہوگا
اللہ تعالیٰ مؤلف ومترجم کو جزائے خیر سے نوازے آمین۔

(امتیاز احمد السلفی)



ماہنامہ **محدث** بنارس

شمارہ نمبر ۴	اپریل ۱۹۸۹ء رمضان ۱۴۰۹ھ	جلد نمبر ۷

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱/۱۸ جی ریوڑی تالاب

وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ: تیس روپے ۔ فی پرچہ تین روپے

ڈاکٹر عبدالرحمن الفریوائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ)

اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ روزہ اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ جس کا مقصد مذکورہ آیت میں دلوں میں تقوی وخشیت ایزدی کی پرورش وپرداخت بتایا گیا ہے۔ اس عمل کے ذریعہ فقراء ومساکین اور ضرورتمندوں کی معاشی بدحالی، مفلوک الحالی اور ان کی ضروریات زندگی کا احساس واندازہ ہوتا ہے۔ اور دل میں غربا پروری کے جذبات کا بیدار ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہے، صحیح حدیث میں اس عمل کو نوجوانوں کو خواہشات نفس پر بندش لگانے کے لئے ایک کامیاب نسخہ قرار دیا گیا ہے روزہ کے روحانی ومادی فوائد سے قطع نظر یہ ایک ایسی اہم عبادت ہے جس کو ارکان اسلام میں ایک اہم رکن کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کسی عذر شرعی کے بغیر اس کا ترک گناہ کبیرہ ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ پنجوقتہ نمازوں کی پابندی، جمعہ کی ادائیگی اور رمضان کے روزے۔ ان کے مابین سرزد ہونے والے صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہیں بشرطیکہ کبائر سے اجتناب کیا جاتا رہے۔

ایک دوسری متفق علیہ حدیث میں روزہ کو اسلام کے پانچ ارکان میں ایک رکن قرار دیا گیا ہے ایک دوسری حدیث میں لا الہ الا اللہ کی شہادت اور نماز و روزہ کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے۔

جس کے کسی رکن کے ترک کر دینے سے انسان کافر ہو جاتا ہے:

امام شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ترک صیام کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کے یہاں یہ معروف و مشہور بات ہے کہ بغیر مرض و سبب شرعی کے ماہ رمضان کے روزے کا تارک، زانی ٹیکس وصول کرنے والے اور شرابی سے زیادہ بدتر و بدقماش ہے۔ بلکہ وہ اس کے اسلام ہی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی اس بدعملی کو زندقہ و بے دینی کا نام دیتے ہیں۔ (الکبائر ص ۴۴)

ان گذارشات سے اس ماہ مقدس کے روزہ کی فرضیت و اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ جس کے پیش نظر اہل اسلام کو چاہیئے کہ وہ اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کی عبادات، ذکر و تلاوت، راہ خدا میں خرچ لوگوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری میں اپنے وقت کو خرچ کریں۔

افسوس کا مقام ہے کہ اسلامی عقائد اور بنیادی عبادات کے سلسلے میں آج کا مسلمان جس غفلت کا شکار ہے اسے عملی ارتداد کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔ دینی قدروں کی پامالی، شعائر اللہ کی بے حرمتی، مسلم معاشرہ پر دینی گرفت کا ڈھیلا ہو جانا وغیرہ امور کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے اب کسی جائزے کی ضرورت نہیں، بلکہ ہر آدمی اپنے گردو پیش کی مسلم آبادی و مساجد میں مسلمانوں کی حاضری پر غور کر کے ارکان اسلام سے تعلق کی شرح معلوم کرے۔ یہ اعداد و شمار بڑے ہوشربا ہیں۔ اور یہ قوم مسلم کی بڑی بھیانک تصویر پیش کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے دین سے تغافل اور خدا بیزاری کی نازیبا روش کو ترک کر کے اس ماہ مقدس میں اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لیں اور رحمت و مغفرت اور جہنم سے آزادی کے اس موسم بہار میں اللہ سے اپنا رشتہ جوڑلیں اور تعلق باللہ وتقویٰ و انابت کی اس راہ پر گامزن رہنے کا عزم کریں اپنی اصلاح و تربیت کے ساتھ اپنے اہل و عیال اور کنبہ و خاندان اور بستی و قریہ اور زیر اثر حلقہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کریں۔ قوا انفسکم واہلیکم نارا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے ماہ رمضان خیر و برکت کا باعث ہو جس میں ہم ایمان و عمل کی تجدید کریں اور راہ حق پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔

درس حدیث

ڈاکٹر عبدالرحمن الفریوائی

الصیام جنة. فلا یرفث، ولا یجهل. وان امرؤ قاتله او شاتمه فلیقل: انی صائم مرتین. والذی نفسی بیده لخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسك یترك طعامه وشرابه وشهوته من اجلی الصیام لی وانا اجزی به والحسنة بعشر امثالها۔

روزہ جہنم سے بچنے کیلئے ڈھال ہے۔ روزہ دار کو چاہیئے کہ روزہ کی حالت میں گندی باتوں اور جہالت کے کاموں سے پرہیز کرے اور اگر کوئی شخص اس سے جھگڑے اور گالی گلوج کرے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بڑھ کر ہے۔ وہ اپنا کھانا، اپنا پینا اپنی شہوت میرے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ نیکیوں کا بدلہ دس گنا ہے۔

رمضان کا مقدس و بابرکت مہینہ دنیائے انسانیت کیلئے اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل مہینہ ہے کہ اس کو رب العزت نے اپنی خصوصی عنایات و توجہات کیلئے خاص کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کے تین عشروں (دہائیوں) میں سے پہلا عشرہ (دہائی) ہے دوسرا مغفرت کا۔ تیسرا جہنم سے آزادی کا قرار دیا۔ اس ماہ میں غیر مرئی مخلوقات میں انسانوں کے دشمن نمبر ایک شیطانوں کو پابجولاں کر دیا جاتا ہے۔ انسان کو فجر سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت سے روک دیا جاتا ہے۔ ہر طرح کے فسق و فجور، یاوہ گوئی اور غیبت و چغلی پر قدغن لگادی جاتی ہے۔

دوسری طرف اس ماہ میں اللہ رب العزت نے اپنے لطف وکرم سے کارِ خیر پر ثواب کی شرح بہت زیادہ متعین کر دی ہے۔ اس ماہ کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر (شب قدر) کی فضیلت کا یہ عالم ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ایسے بہترین وسازگار ماحول میں عبادت کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ اس میں تزکیۂ نفس کے اسباب فراہم ہوتے ہیں، مواساۃ وترحم کے اس ماحول میں زکوٰۃ، خیرات وصدقات، شب وروز فرائض ونوافل کی ادائیگی تلاوت کلام پاک اور اس میں تدبر وغور وخوض اور دن میں اپنی خواہشات پر قدغن لگا کر متنوع روحانی ومادی فوائد کا حصول یعنی ذکر اللہ وتلاوت کلام پاک وصوم وصلوٰۃ سے دل ودماغ اور عقل کی تربیت، انفاق فی سبیل اللہ کر کے اخوت ومساوات ومواساۃ کی عادت کو جلا دینا۔ اپنی زبان اور شرمگاہ کو کنٹرول میں رکھ کر طبیعت واخلاق کو بالیدگی پہنچانا پورے مہینہ کی اس اخلاقی تربیت اور عملی تدبیر کے ذریعہ اس جنس زدہ معاشرے کی ہلاکت خیزیوں سے نبرد آزمائی کی صلاحیت کا پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے عظیم فوائد اور اس سے حاصل ہونے والے ایسے دور رس نتائج ہیں جن پر مزید غور وخوض کرنے سے اس ماہ مبارک کی اہمیت وافادیت پر ہمارا مزید ایمان بڑھ جاتا ہے۔

درحقیقت یہ ماہ مبارک اپنے جلو میں بیشمار اخروی ودنیوی فوائد لاتا ہے جس میں تعلیم وتربیت، عبادات وریاضت کا اہتمام ہوتا ہے۔

مذکورہ تصریحات کے پیش نظر ہمارے لئے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ روزہ کیوں اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے۔

جس کی فضیلت ومرتبت کا یہ عالم ہے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کے ہم مثل کوئی عبادت نہیں۔

اس کی اہمیت کے پیش نظر مندرجہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا بدلہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے گا یہی نہیں روزہ کی وجہ سے روزہ دار کے منہ سے جو بو پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ کے یہاں مشک سے زیادہ اچھی خوشبو ہے۔ جس کا ماحصل رب کی مرضی ہے۔ روزہ برے کاموں اور عذاب الٰہی سے بچاؤ اور ڈھال ہے۔ جب تک کہ اس کو غیبت کے ذریعہ توڑ نہ دیا جائے۔ اس لئے صائم کو مفسدات صیام اور ایسے

مور سے اجتناب کرنا چاہیئے جن سے اس کے ثواب کم ہو جانے کا خوف واندیشہ ہو۔ چنانچہ صائم کو فحش گوئی، فسق و فجور اور مباشرت سے روک دیا گیا ہے۔

اس اہم عبادت کے آداب وضوابط میں سے ایک ضابطہ یہ ہے کہ جاہلوں کے افعال وعادات قبیحہ جیسے چیخ و پکار، شور وغل، لڑائی جھگڑا، دنگا فساد اور فسق وفجور وغیرہ سے اجتناب کیا جائے۔ اس سلسلے میں اس کا موقف یہ ہو کہ وہ خاموش رہے اور مدمقابل سے کہدے کہ وہ روزہ سے ہے۔ جواب جاہلاں باشد خموشی۔

یوں تو سارے اعمال اللہ رب العزت کے لئے ہیں لیکن ان اعمال میں ریا کا شائبہ ہوتا ہے صرف روزہ ایک ایسا عمل ہے جس میں ریا کا شائبہ نہیں ہے اور جس میں جائز ومباح امور سے دن میں اجتناب وہی شخص کرے گا جو حقیقتاً اللہ رب العزت کی عبادت کرنا چاہتا ہے اس کے اس راست اقدام کا اور نیک نیتی کا علم صرف اللہ رب العزت کو ہے اس لئے اس نے اس کو اپنی خصوصی عنایت وتوجہ کا مرکز بنایا۔ ارشاد باری ہے۔ "انما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب"

اس میں "صابرون" سے اکثر لوگوں نے "صائمون" مراد لیا ہے چونکہ اس کا معاملہ اللہ رب العزت نے اپنے ذمہ خصوصی طور پر لیا ہے اس لئے وہ روزہ داروں کو اپنے بے پایاں الطاف وعنایات سے نوازے گا۔ اللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

یہ ایک ایسا بہترین موقع ہے جو ہر سال مسلمانوں کو عطا ہوتا ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس کی برکات سے اپنا دامن بھر لیں۔

یہاں اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ آج ہم اپنی بداعمالیوں کے سبب روزہ جیسی بے ریا عبادت کو ریا ونفاق کا لبادہ پہنائے ہوئے ہیں۔ اب تو اس مہینہ میں تیم سیاسی جماعتوں وتنظیموں کی طرف سے افطار پارٹی کا اہتمام اس پیمانے پر ہونا شروع ہوگیا ہے۔ کہ جیسے یہ بھی اقامت دین کا ایک جزو ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ دینی عبادات کو سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بازیچۂ اطفال نہ بنائیں۔ نیز اس مبارک ماہ میں افطار وسحر کے لئے غیر ضروری تیاری میں لگ کر روزہ کا مقصود اصلی نہ کھوئیں۔

آج کل اس ماہ میں افطار وسحر کے اہتمام میں جو توجہ صرف کی جا رہی ہے اس سے روزہ کے مقاصد مجروح ہوتے نظر آرہے ہیں۔ تراویح کا بیڑا تو عام مسلمانوں نے مروج اعداد پر اصرار کرکے غرق کیا (باقی ص۲۲ پر)

افتتاحیہ

صیامِ رمضان اور حصولِ تقویٰ

نفع بخش چیزوں کو اختیار کرنا اور مضر چیزوں سے پرہیز کرنا عام انسانی طبیعت کا تقاضہ ہے، اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ ہوش مند انسانوں کا ایک بڑا گروہ اسی طریقہ پر چلنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے اگرچہ ایسے انسانوں کی بھی کمی نہیں جو اپنی غیر محتاط طبیعت کے افتاد سے نافع اور ضار چیزوں کے اختیار میں تمیز نہیں کرتے اور اس کے نتیجہ میں تباہ ہو جاتے ہیں بلکہ اگر پورا خاندان یا کروڑوں افراد پر مشتمل پوری قوم یہی افتادِ طبع رکھتی ہو تو اپنی ہزار چمک دمک اور کرّوفر کے باوجود ہلاکت سے نہیں بچ پاتی، اسلامی شریعت میں جسے تقویٰ کہتے ہیں وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اسی محتاط روش کا نام ہے فرق صرف اتنا ہے کہ نافع اور ضار چیزوں میں امتیاز اور ان سے پرہیز اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات کے اجالے میں سیکھا جائے، اس لئے کہ انسان اپنی ہزار عقل و دانش کے باوجود ہمیشہ اللہ اور رسول کی عظیم ترین ہدایات کا محتاج رہے گا۔ دنیا اور آخرت دونوں میں نوعِ انسان کی حقیقی سعادت انھیں کی ہدایات کی اتباع میں ہے۔ بس تقویٰ ایک ایسے ایمانی وصف کا نام ہے جو انسان کو تمام مضر چیزوں سے پرہیز اور نافع چیزوں کے اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے اللہ اور رسول نے جنھیں نفع و ضرر کا نام دیا ہے خواہ یہ نفع و ضرر انسان کے جسم، روح، عقل، مال، اخلاق، عادات معاملات اور بیع و شرا رکسی سے بھی متعلق ہوں۔

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں صیام رمضان کا اصل مقصد اسی تقویٰ کا حصول بتایا ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

ے مومنو! تم پر صیام رمضان فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ اور اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ روزہ کے دنوں میں کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ چیزیں انسان کی فطری ضروریات ہیں اسی لئے اسلام نے گذشتہ اقوام کے طریقوں کے برخلاف رات میں ان کی تکمیل کی اجازت دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایک فرد ہو یا پوری قوم ان میں بگاڑ ان ہی تینوں ذرائع سے آتا ہے۔ لذتِ کام و دہن کے وافر ذرائع جب مہیا ہو جاتے ہیں تو محتاط الا دانش مند انسانوں کو بھی غیر محتاط اور اس کے نتیجہ میں تباہ و برباد ہوتے دیکھا جاتا ہے نیز شہوت نفس کی تکمیل کے لئے جائز حدود پر قناعت نہ کرکے جاگیروں، ریاستوں، نوابیوں اور بادشاہتوں کو اپنے ہاتھوں لٹانے اور اجاڑنے والے دانش مندوں کے احوال واقعی معروف تر ہیں۔ روئے زمین کی ساری نعمتیں اللہ نے انسانوں ہی کے لئے پیدا کی ہیں لیکن مشکل یہی ہے کہ انسان انھیں جائز اور محتاط حدوں میں رہ کر استعمال کرنا بھول جاتا ہے اور نتیجۃً خود اپنے ہاتھوں تباہ ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العٰلمین نے صیام رمضان کو فرض کرکے حلال چیزوں کو ایک مہینہ کے لئے دن میں حرام ٹھہرایا ہے تاکہ انسان ایمانی، روحانی اور ربانی تقویٰ سیکھے اپنے تمام جسمانی اور روحانی منافع حاصل کرے اور ہر طرح کے ضرر پہونچانے والے امور سے بچنے کی قوت پیدا کرے۔

کھانے پینے اور جماع سے رک جانا بجائے خود تقویٰ کی صفت پیدا کرنے کی زبردست عملی تربیت ہے کہ انسان انھیں چیزوں میں احتیاط کی روش چھوڑ کر بھیانک تباہی کے حوالہ ہو جاتا ہے اس کے علاوہ صفت تقویٰ کی نشو ونما کے لئے اسلام نے اور دوسری بہت سی تدابیر بتائی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ليس الصيام من الأكل والشرب انما الصيام من اللغو والرفث روزہ کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں بلکہ فی الواقع ہر طرح کے لغو اور برے کاموں سے باز آجانے کا نام روزہ ہے۔ یہ لغو اور برے کام انسان کے جسم کے لئے بھی مضر ہو سکتے ہیں اور اس کی روح کے لئے بھی اس لئے ان کے ہوتے ہوئے انسان اپنے اندر صحیح تقویٰ کا وصف پروان نہیں چڑھا سکتا گو وہ کھانا پینا اور جماع ترک کرکے بظاہر روزہ رکھتا ہو۔ بخاری کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في ان يدع طعامه وشرابه

جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے

بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کے روزہ

کا دن ہو تو کوئی بُری بات اپنی زبان پر نہ لائے نہ شور و غوغا کرے، اگر کوئی شخص اس سے بدکلامی یا لڑائی کرے تو صاف کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ، بدکلامی شور و غوغا اور جھگڑا لڑائی فتنہ و فساد کا منبع ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کوئی روزہ دار وصف تقویٰ کی نشو و نما صحیح طور پر اپنے دل کے اندر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح روزہ دار کو غیبت سے بھی روکا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے حرمت صوم کی ردا تار تار ہو جاتی ہے۔ اور صحیح کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے صیام رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید کی کثرت تلاوت کہ کلام اللہ سے اللہ کی قربت تلاش کرنا سب سے قریب ترین اور سب سے آسان ذریعہ ہے۔ ذکر و فکر تسبیح و تہلیل، قیام اللیل، شب زندہ داری کے ذریعے شب قدر کی تلاش جس مہینہ اور جس رات کی برکات ہیں سے تاریخ انسانی کا یہ عظیم ترین واقعہ بھی ہے کہ خاتم النبیین والرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا کلام نازل ہوا۔ کیا ان امور کی انجام دہی سے ایک طالب صادق مومن کو صفت تقویٰ کی عظیم قوت حاصل نہ ہوگی۔ اور پھر اعتکاف تو صیام رمضان میں نشو و ارتقاء تقویٰ کے صراط مستقیم کی آخری منزل ہے کہ ایک روزہ دار ساری دنیا کو چھوڑ کر اللہ کے گھر میں پناہ گزیں ہو جاتا ہے۔ اصل یہی ہے کہ روزہ دار مجسم نیکی بن جائے، شر کے مقابلہ میں سراپا خیر بن جائے تو صفت تقویٰ کی وہ عظیم الشان قوت اسے حاصل ہو جائے جو اسے ہر کار خیر پر آمادہ کرے اور ہر کار شر و ضرر سے اسے باز رکھے۔

جس طرح عام انسانوں میں غیر محتاط اور آزاد روش لوگ اپنی بد اعمالیوں کے ہاتھوں بربادی کی نذر ہو جاتے ہیں ملت اسلامیہ بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں، یہاں بہت سے عوام کالانعام بل ھم اضل فسق و فجور کے رسیا سرمایہ دار، مزار پرست اور ملنگ، گدی نشینان پیری، شاہان تکیہ دار، شکم پرست دنیادار علماء سوء اور ملحدان دانش کدہ جہالت کم و بیش ایک ہی صف میں نظر آئیں گے۔ صیام رمضان کے مبارک مہینہ میں یہ بدنصیب لوگ اپنے دوزخ شکم کے ایندھن مہیا کرنے سے باز نہیں آتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن مجید نے اعلان کیا ہے اولٰئک الذین طبع اللہ علیٰ قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولٰئک ھم الغافلون،، یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت کی سرمستیوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ کاش یہ اپنی بداعمالیوں سے نجات حاصل کرتے اور صیام رمضان کے ذریعہ وہ تقویٰ حاصل کرتے جو دنیا اور آخرت دونوں میں امت مسلمہ کو سعادت کی راہ دکھاتا ہے۔

وصف تقویٰ کی عظیم الشان قوت جب حاصل ہو جاتی ہے تو انسانی زندگی کے تمام میدانوں میں اس کی فتوحات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور باطل اپنی بے پناہ قوتوں کے ساتھ اس کے مقابل آکر پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے صیام رمضان کی بارہویں تاریخ ۲ھ میں تین سو تیرہ مسلمانان تقویٰ شعار کے ساتھ سامان حرب وضرب سے لیس ایک ہزار کا لشکر باطل مقام بدر پر ٹکرایا تھا۔ لیکن بھوک پیاس، عددی قلت و بے سروسامانی اور ہر طرح کی کمزوریوں کے باوجود اس گروہ اتقیاء نے لشکر باطل کے تمام بڑے بڑے سرداروں کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔ اگرچہ اس واقعہ اور ہمارے درمیان چودہ صدیوں کے طویل وعریض پردے حائل ہو چکے ہیں لیکن صیام رمضان کا تقویٰ پرور موسم بہار جب بھی آتا ہے تو باطل کے سر پر بجلی بن کر گرنے والی اس اولین گروہ اتقیاء کی تلواروں کی چمک اللہ اور رسول کے سچے تابعداروں کی آنکھوں میں سما کر دلوں کو حرارت سے بھر دیتی ہے۔ ارض فلسطین پر چالیس برس سے مسلسل باطل کے ہاتھوں ہر طرح کی ذلت وخواری جھیلنے والا مسلمان اور قضیۂ افغانستان میں آٹھ سال سے لاکھوں مسلمانوں کی جانی قربانی دینے کے باوجود اسحادیوں اور نصرانیوں کے جال میں بے تدبیر پرند کی طرح پھنسا ہوا افغان مسلمان اگر صیام رمضان کا تقویٰ ٹریننگ کورس پورا کر لیتا تو ہر ایک کا معرکہ ان شاء اللہ آج سے بہت پہلے سر ہو چکا ہوتا۔ کاش ہمارے ان بھائیوں کو غیروں کے مادی وسائل پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ پر توکل کا ہنر آجاتا انہیں تقویٰ کی وہ عظیم الشان قوت حاصل ہو جاتی جو مومنوں کا سب سے عظیم الشان ہتھیار ہے تو غزوہ رمضان غزوۂ بدر کی سی بشارت فتح آسمانی انہیں بھی سنائی دے جاتی۔

ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون۔

یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری نصرت فرمائی جبکہ تم سب کمزور تھے۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم شکر گذار بن سکو۔

رمضان المبارک کے فضائل و مقاصد

احادیث صحیحہ کی روشنی میں

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی حفظہ اللہ

روزے کی فرضیت پر عقلی دلائل اور فلسفیانہ حکمت و مصلحت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ رمضان
فضائل اور منافع احکام اور مسائل مختصر طور پر ذکر کر دیں جو صحیح احادیث اور مستند آثار و اقوال سے ثابت ہیں

اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی
روایۃ فتحت ابواب الجنۃ وغلقت ابواب
جہنم وسلسلت الشیاطین وفی روایۃ
فتحت ابواب الرحمۃ (صحیحین)

جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے
اور ایک روایت میں ہے کہ بہشت کے دروازے کھول دیئے
جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں
اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں اور دوسری روایت کے
مطابق رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ جنت یا آسمان یا رحمت کے دروازوں کا کھولنا اور اسی طرح دوزخ کے دروازوں کا
بند کرنا شیاطین کا زنجیروں میں جکڑ دیا جانا حقیقۃً ہے۔ مجاز اور کنایہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے
اور بعض علماء نے مجاز پر محمول کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آسمان کے دروازوں کا کھولنا نزول رحمت
سے کنایہ ہے اور جنت کے دروازوں کے کھولنے سے اچھے اور نیک کاموں کی توفیق دینی مراد ہے اور دوزخ کے
دروازوں کا بند کرنا کنایہ ہے روزہ داروں کا نفسانی خواہشوں کے دبانے کے باعث معاصی اور طغیانی سے
خلاصی پانے سے۔ اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں زیادہ تفصیل اور وضاحت سے بیان

فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا روزہ رکھنا ۔ راتوں میں قیام کرنا اور شیفتگان سنت نبویہ کا انوار الہی میں غوطہ زن
ان کی دعاؤں کا اثر دوسروں تک پہنچنا ان کے نور کا پرتو دوسرے مسلمانوں پر پڑنا ان کی برکتوں سے
کا مستفیض ہونا اور ہر مسلمان کا حسب توفیق و استعداد نیک اور اچھے عمل کرنا اور ہلاکت و تباہی میں ڈ
برائیوں سے بچنا گویا ان پر جنت کے دروازوں کا کھول دینا اور دوزخ کے دروازوں کا بند کر دینا ہے
چیزیں دوزخ سے بچا کر جنت میں لیجانے والی ہیں ۔ اسی طرح جب قوت بہیمیہ دبا دی گئی اور اس کا اثر ا
نہیں ہوا اور تمام مسلمان اچھے کاموں میں مشغول ہو گئے اور قوت ملکیہ کے آثار و اعمال کا ظہور ہوا تو سمجھ
برائیوں پر برانگیختہ کرنے والے نیک کاموں سے باز رکھنے والے شیاطین قید کر دیئے گئے ۔

من صام رمضان ایمانا واحتسابًا غفرله ما تقدم من ذنبه

جس نے رمضان کے روزے ایمان اور اجر
سے رکھے اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں

ہر چھوٹے بڑے شرعی کام اور عبادت کی صحت اور مقبولیت کے لئے اخلاص نیت شرط ہے اسی طر
میں اشارہ ہے ۔

کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنة بعشر امثالها الی سبع مائة ضعف قال الله تعالیٰ الا الصوم فانه لی وانا اجزی به ، یدع شهوته وطعامه من اجلی . للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه ولخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسك والصیام جنة . الحدیث

انسان کے ہر نیک عمل کا دس گن ثواب ملتا
اور یہ ثواب سات سو گنا تک بھی بڑھا دیا
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کا حکم ثواب کے بار
اس کا اجر و ثواب بے شمار ہے ۔ بندہ میرے ہی لئے
ہے ۔ میں ہی اسکا بدلہ دونگا ۔ وہ محض میری خاطر
چیزوں اور کھانے پینے کو چھوڑ دیتا ہے ۔ روزہ دار
ایک طبعی افطار کے وقت دوسری خوشی جب اس کو
حاصل ہوگا ۔ اس کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک م
بڑھ کر ہے اور روزہ برے کاموں اور عذاب الہی سے

افسوس ہے ایسے لوگوں پر جو اس بابرکت اور مقدس مہینہ کو لہو و لعب فسق و فجور عصیان و طغیان
بجائے غفلت اور بے پروائی میں گذار دیتے ہیں اور اس مبارک مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں کو

نش نہیں کرتے، کتنے مسلمان ہیں جو روزہ نہیں رکھتے اور اس سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے ونڈھتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو رمضان کا مہینہ دور کے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے وص کر لیتے ہیں اور رمضان میں سافر بن کر سارا مہینہ اسی سفر میں بغیر روزہ کے گذار دیتے ہیں۔ اگر کوئی پوچھ تا ہے تو سفر کا عذر پیش کر دیتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کو دھوکا دینے کے لئے بیماری اور سفر کے بہانے کام جائیں لر خالق عالم ظاہر اور باطن دل اور زبان کی حالتوں سے آگاہ ہے اس کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ بڑے ے شہروں میں جہاں مختلف قسم کے کارخانے اور ملیں ہیں اور کالجوں یونیورسٹیوں میں ہزاروں نوجوان ایسے ں گے جو روزے نہیں رکھتے اور روزے رکھنے والوں کے ساتھ تمسخر اور مخول کرتے ہیں۔ ایک وہ لوگ بھی سفر میں جہاد کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افطار کر دینے اور افطار کی رخصت واجازت کے بعد بھی روزہ چھوڑنے میں تردد کرتے تھے۔ اسلامی شعائر اور دینی فرائض سے محبت و شیفتگی اور ونفرت کے دونوں دور پر نظر ڈالئے کس قدر عبرت خیز ہے انہی فرائض وواجبات کی محبت و اتباع نے ان کو روج تک پہنچایا۔ اور آج ان کی تعمیل کو تضیع اوقات اور تکلیف مالا یطاق سمجھ کر ترقی سے مانع سمجھا جاتا ہے ں باوجود چھوڑ دینے کے اسی ذلت اور پستی غلامی وعبودیت میں گھرے ہوئے ہیں بلکہ بدترین اور دوسروں ظروں میں ذلیل انسان بنے ہوئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؀

زے کا ثمرہ اور مقصد | يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

سلمانو! جس طرح تم سے پہلی قوموں پر روزے فرض کئے گئے تھے اسی طرح تم پر بھی فرض کئے گئے۔

هْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ نْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ ، يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا ىٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ؀

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور جو ہدایت اور حق و باطل بز کی دلیل ہے پس جو اس مہینہ میں زندہ رہے وہ روزے رکھے جو بیمار یا مسافر ہو وہ ان کے بدلے

اور دنوں میں روزے رکھے خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا اور تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کرسکو اور تاکہ تم خدا کی ہدایت پر اس کی بڑائی کرو اور شکر ادا کرو۔

قرآن پاک نے روزہ کے حکم کے موقع پر ہم کو روزے کے تین نتیجے بتائے ہیں۔ اتقاء تکبیر شکر۔ انسانی کاموں کا حقیقی وجود ان کے نتیجوں اور ثمروں کا وجود ہے اگر نتیجہ اور ثمرہ ظاہر نہیں ہوا تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ کام بھی نہیں ہوا۔ اگر بیمار کو حکیم نے دوا دی لیکن جس فائدے کے لیئے دی تھی وہ فائدہ حاصل نہیں ہوا تو سمجھنا چاہیئے کہ حکیم نے دوا نہیں دی اور نہ بیمار نے دوا استعمال کی۔ اسی طرح روزہ کو بیمار روحانی علاج سمجھنا چاہیئے پس اگر روزہ سے روحانی شفا یعنی تقوی، تسبیح وتقدیس، تکبیر وتہلیل، حمد وثنا وغیرہ نہ حاصل ہو تو حقیقت میں وہ روزہ نہیں ہے بلکہ فاقہ ہے۔ اور ایسا روزہ دار فاقہ کش ہے جس کو بھوک پیاس کی تکلیف کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا خدا کے نزدیک ایسے روزہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

کم من صائم لیس من صیامہ الا الظمأ وکم من قائم لیس من قیامہ الا السھر (دارمی)

کتنے روزہ دار ہیں جن کو بجز تشنگی کچھ حاصل نہیں اور کتنے تہجد گزار ہیں جن کے تہجد سے بجز بیداری کچھ فائدہ نہیں۔

روزے کا پہلا ثمرہ اتقاء بتایا گیا ہے جس کے معنی اصطلاح شرع میں ہر قسم کی جسمانی نفسانی دنیاوی لذائذ اور خواہشات سے جسم اور روح کو محفوظ رکھنے کے ہیں اور یہی روزہ کی حقیقت ہے۔ جس کے ساتھ تکبیر حمد وثنا بھی ہونا چاہیئے ہم خیال کرتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب، نفسانی خواہش کی پیروی عصیان وطغیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر یاد رکھنا چاہیئے دل اور روح کا روزہ ضرور ٹوٹ جاتا ہے اور جب روح وقلب کا روزہ باقی نہیں رہا تو محض جسم کا روزہ بے سود اور غیر مفید ہے۔

الصائم فی عبادۃ من حین یصبح الی ان یمسی مالم یغتب فاذا اغتاب خرق صومہ (دیلمی) روزہ دار صبح سے شام تک خدا کی عبادت میں رہتا ہے جب تک کسی کی غیبت نہ کرے جب وہ غیبت کرتا ہے تو اپنے روزے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے برے اور بیہودہ کام لغو باتیں، سرکشی نفس، روزہ کے منافی نہیں ہیں لیکن یہ خیال جھوٹا اور غلط ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لیس الصیام من الاکل والشرب انما الصیام من اللغو والرفث (حاکم، بیہقی) روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے بلکہ

حقیقت میں برے اور لغو کام سے بچنے کا نام ہے۔

ہمارے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم جھوٹی باتوں اور برے عملوں کو روزہ کی صحت کیلئے مضر نہیں خیال کرتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ (بخاری وغیرہ) جو شخص روزے کی حالت میں بھی کذب و زور اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے لئے روزہ دار اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ روزہ دار حقیقت میں نیکی اور بھلائی کا مجسمہ ہوتا ہے۔ نہ تو کسی کی غیبت کرتا ہے نہ لغو اور بیہودہ عمل کرتا ہے نہ کذب و زور اور جہالت کے کاموں میں اپنے کو ملوث کرتا ہے نہ نفسانی خواہشات کی اتباع کرتا ہے بلکہ برائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیتا ہے۔ اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرؤ صائم (بخاری وغیرہ) تم میں سے جب کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بدگوئی کرے نہ شور وغل کرے اگر کوئی اس کو برا کہے یا اس سے آمادۂ پیکار ہو تو کہہ دے میں روزے سے ہوں۔

ماہ رمضان میں نیک کاموں کا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے

من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ ومن ادی فریضۃ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ جس شخص نے رمضان میں ایک نیک نفلی کام کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی چاہی تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک فرض ادا کیا اور جس نے ایک فرض ادا کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ماسوا رمضان میں ستر فریضے ادا کئے۔

معلوم ہوا کہ اس مقدس اور بابرکت مہینے میں ہر ایک نیک اور اچھے کام کا ثواب بہت زیادہ ملتا ہے خواہ نفلی ہو یا فرض۔ پس قرآن کی تلاوت، تسبیح و تقدیس، تکبیر و تہلیل، حمد و شکر، تراویح اور دوسرے نیک کاموں میں بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔ اس مبارک مہینے میں دل کھول کر صدقات و خیرات کرنا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت تیز و تند ہوا کی بھی زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ اسی لئے آپ نے اس مہینہ کو شہر المواساۃ (ایک دوسرے کی غمخواری اور مدد کرنے کا مہینہ) بتایا ہے۔ ہمارا اسلامی فرض دو ہے۔ ایک جسمانی اور ایک مالی۔ فریضہ مالی (زکوٰۃ) اگرچہ کسی وقت کے ساتھ محدود اور مخصوص نہیں ہے۔ مگر جب رمضان میں ایک فرض کی ادائیگی سے ستر فریضہ کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے تو ادائیگی زکوٰۃ (فریضہ مالی) کے لئے رمضان سے بڑھ کر دوسرا کونسا وقت ہوگا۔

تراویح یا تہجد یا قیام رمضان

تراویح یا تہجد یا قیام رمضان تینوں ایک چیز ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے آخر دہے کی تین راتوں میں ہمارے ساتھ (تراویح کی نماز قیام لیل) اس طرح پڑھائی۔ پہلی رات میں اول شب میں ادا کی یہاں تک کہ تہائی رات گذر گئی۔ اور دوسری رات میں نصف شب تک پڑھائی ہم نے بقیہ نصف شب بھی پڑھنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا جس نے امام کیساتھ قیام کیا اس نے پوری شب کا قیام کیا۔ تیسری رات میں آپ نے آخر شب میں گھر والوں کو جمع کیا۔ اور سب کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی۔ یہاں تک کہ ہم کو ڈر ہوا کہ سحری کا وقت ختم نہ ہو جائے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں ادا فرمایا ہے۔ اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک اپنے عمل کے ذریعہ بتا دیا۔ اب تہجد کے لئے کون سا وقت باقی رہا۔ پس تراویح اور تہجد کے ایک ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

"العرف الشذی" (تقریر ترمذی از مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی) میں ہے۔ لامناص من ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانیۃ ولم یثبت فی روایۃ من الروایات انہ علیہ السلام صلی التراویح والتہجد علیحدۃ فی رمضان الخ۔

یعنی اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھا۔ تراویح یا تہجد کا جماعت کے ساتھ یا تنہا مسجد میں یا گھر میں آخر رات میں پڑھنا افضل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون تراویح آخر رات میں پڑھنا جس میں تم سوتے ہو اول رات میں پڑھنے سے افضل ہے۔ مگر اس غفلت حیلہ سازی، بہانہ جوئی، عذر تراشی کے زمانہ میں مسجد میں اول رات میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کی جائے ورنہ اکثر لوگ اسے غافل ہو کر چھوڑ بیٹھیں گے اور کبھی پورے قرآن کی تلاوت تو درکنار اس کا سماع بھی نصیب نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تراویح باجماعت مسجد میں اول شب میں ہوا کرتی تھی۔ اور آپ نے بھی تینوں راتوں میں سے پہلی رات میں اول شب میں ادا فرمائی تھی۔

تعداد رکعات تراویح

تراویح کے بارے میں سلف کے مختلف اقوال ہیں۔ چالیس، چھتیس، چونتیس، اٹھائیس، چوبیس، اکیس، بیس، آٹھ، ان اقوال کو عینی وغیرہ نے بالتفصیل ذکر کیا ہے ان مختلف اقوال سے اس دعویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ بیس رکعت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اجماع ہو گیا تھا۔ ان اقوال مختلفہ میں پچھلا قول یعنی آٹھ رکعت اور وتر کو شامل کرکے کل گیارہ رکعت یہی صحیح ہے اور سنت کے مطابق ہے اس کے علاوہ کوئی قول سنت کے موافق نہیں ہے، ہاں کوئی آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے چاہے بیس پڑھے یا چوبیس یا اٹھائیس یا چونتیس یا چالیس یا چھتیس، آٹھ کے بعد سب تعداد برابر ہے، بیس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ یہ سنت عمری ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں کل گیارہ ہی رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

دلائل گیارہ رکعت تراویح مع وتر

(۱) عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ (صحیحین)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تراویح (تہجد) گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے

(۲) عن جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شھر رمضان ثمان رکعات والوتر

(رواہ الطبرانی محمد بن نصر و ابن خزیمۃ و ابن حبان) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان کے مہینہ میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی پھر وتر پڑھا۔

(۳) عن جابر انہ قال جاء ابی بن کعب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انہ کان منی اللیلۃ شیء قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بھن ثمان رکعات واوترت فکانت سنۃ الرضا ولم یقل شیئا (اخرجہ ابو یعلی قال الہیثمی فی مجمع الزوائد اسنادہ حسن)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھ سے رات ایک کام ہوگیا۔ فرمایا کیا ہوا؟ عرض کیا میرے گھر چند عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھتیں (یعنی زیادہ یاد نہیں) تمہارے

ساتھ نماز پڑھیں گی اور قرآن سنیں گی۔ پس میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور وتر ادا کیا۔ آپ خاموش رہے اور یہ سنت رضا ہو گئی۔

(۲) عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشر رکعۃ الحدیث (اخرجہ مالک فی الموطا و سعید بن منصور و ابوبکر بن ابی شیبۃ قال النیموی فی آثار السنن اسنادہ صحیح)

حضرت عمر بن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

بیس رکعت والی کوئی روایت اور اثر صحیح طور سے ثابت نہیں ہے۔ کما حققہ شیخنا فی شرح الترمذی و من جمع الیہ من شاء علامہ ابن الہمام حنفی اور مولانا عبدالحق دہلوی مولانا عبدالحی حنفی اور دیگر علمائے حنفیہ نے بھی بیس رکعت والی مرفوع روایت کو ضعیف بتایا ہے اور گیارہ رکعت کو سنت اور اصل قرار دیا ہے۔

بقیہ اعتکاف ص ـــ کا:

بلکہ عورت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے۔ یا تن تنہا بیٹھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول اللہ کے ساتھ آپ کی ایک مستحاضہ بیوی (بعض روایت کے مطابق ام سلمہ) اعتکاف میں بیٹھیں وہ خون کی سرخی اور زردی دیکھتی تھیں، بسا اوقات ہم ان کے نیچے طشت رکھ دیتے اور وہ نماز پڑھ رہی ہوتیں۔

اور فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں تا وفات اعتکاف فرماتے رہے پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورتیں اعتکاف کر سکتی ہیں لیکن یہ ان کے اولیاء (جیسے باپ، شوہر، سرپرست) کی اجازت پر موقوف ہے، نیز فتنہ سے محفوظ ہو، مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو۔ اس بارے میں بہت سے دلائل اور عام فقہی قاعدہ ہے یعنی (درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح۔ مصالح کے حصول پر مفاسد و خرابیوں کو دور کرنا اور مٹانا مقدم ہے۔ وصلی اللہ علی محمد النبی وآلہ وصحبہ وسلم۔

تحریر: علامہ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ ـــــــ ترجمہ:
محدثِ شام ـــــــ ابوالاشبال المدنی

قیام رمضان (تراویح)

رمضان المبارک میں قیام اللیل (تراویح) کی فضیلت سے متعلق
① **قیام رمضان کی فضیلت** دو حدیثیں آئی ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عزیمت کے ساتھ حکم دیئے بغیر قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔
" جس شخص نے ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام رمضان کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ "
آپ کی اسی عمل پر وفات ہو گئی۔ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں اور حضرت عمر کے ابتدائی عہد میں ایسا ہی ہوتا رہا[۱]

(۲) دوسری حدیث عمرو بن مرۃ الجہنی سے ہے کہ قبیلہ قضاعہ کے ایک آدمی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر یہ کہا کہ : اے اللہ کے رسول! اگر میں اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور پنجوقتہ نمازیں پڑھوں، ماہ رمضان میں روزہ رکھوں، تراویح پڑھوں وتر کو ادا کروں ایسی صورت میں میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کی ان امور پر وفات ہو جائے تو اس کا شمار صدیقین و شہداء میں ہوگا[۲]

۱۔ صحیح مسلم وغیرہ، حدیث کا مرفوع ٹکڑا صحیح بخاری میں آیا ہے اور اس کی تخریج "صحیح ابی داؤد" ۱۲۴۱ میں ہے۔
۲۔ صحیح ابن حبان و صحیح ابن خزیمہ میں بسند صحیح وارد ہے جیسا کہ میں صحیح ابن خزیمہ کے حاشیہ میں بیان کیا ہے (۱۲۰۰)

(۲) رمضان کی راتوں میں شب قدر سب سے افضل رات ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی
جس شخص نے ایمان و ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام کیا پھر وہ رات اسے مل گئی تو اس کے (اگلے اور پچھلے گ
معاف کردیئے جائیں گے [1]

(۳) راجح یہ ہے کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ یہی بات اکثر احادیث سے ثابت ہے۔ زر بن حبیش
کی حدیث میں ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بتایا گیا کہ: جس نے پورے سا
قیام کیا اس کو لیلۃ القدر مل جائے گی۔
تو میں نے ابی بن کعب کو یہ کہتے سنا کہ: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس ایک رات پ
تکیہ نہ کرلیں، معبود برحق ذات کی قسم وہ شب قدر رمضان میں ہے۔ واللہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کون سی ر
ہے۔ یہ وہ رات ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیام کا حکم دیا، یہ ۲۷ ویں شب ہے اس
علامت یہ ہے کہ ۲۷ ویں رات کی صبح سورج طلوع ہو تو اس میں کرنوں سے خالی سفیدی ہو۔

باجماعت نماز تراویح کی مشروعیت (۴) رمضان المبارک میں تراویح باجماعت مشروع ہے بلکہ نما
باجماعت تنہا پڑھنے سے افضل ہے اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے خود یہ جماعت قائم کی۔ اس کی فضیلت بیان فرمائی حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے کہ ہم نے رس
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے آخری مہینہ تک ہم لوگوں کے ساتھ نماز تراو
نہیں ادا فرمائی، جب سات دن باقی رہ گئے تو (پہلی رات میں) آپ نے ہم لوگوں کے ساتھ (اول شب میں
ثلث شب تک نماز تراویح پڑھی، دوسری شب میں آپ نے ہمارے ساتھ نماز نہیں ادا فرمائی، تیسری شـ
دوسری مرتبہ) نصف شب تک نماز پڑھی۔ میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ اگر آپ ہمارے ساتھ بقیہ شب بھی
تراویح پڑھتے تو بڑی اچھی بات ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے ساتھ تراویح پڑھی اس

[1] بخاری و مسلم وغیرہ بروایت ابوہریرہ، مسند احمد (۳۱۸) بروایت عبادہ بن الصامت، مذکورہ حدیث میں
توسین کی دونوں عبارتیں مسند احمد سے ہیں، پہلی عبارت صحیح مسلم میں بروایت ابوہریرہ
موجود ہے۔

پوری شب کے قیام کا ثواب حاصل کیا۔

چوتھی شب کو بھی آپ نے ہمارے ساتھ نماز تراویح نہیں ادا فرمائی جب پانچویں شب[1] آئی تو آپ نے اپنے اہل و عیال اور بیویوں اور دوسرے لوگوں کو جمع کیا اور سب کے ساتھ نماز تراویح اتنی دیر تک پڑھتے رہے کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ "فلاح" نہ فوت ہو جائے۔ میں نے کہا کہ فلاح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "سحری" پھر آپ نے بقیہ ایام رمضان میں ہم کو نماز تراویح نہیں پڑھائی[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت برابر کیوں نہ پڑھی؟

(۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ ایام رمضان میں باجماعت نماز تراویح اس واسطے نہیں پڑھی کہ رمضان میں کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے، اور مسلمان اس کی ادائیگی سے عاجز و درماندہ ہو جائیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی ایک حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے[3]

آپ کی وفات کے بعد شریعت کی تکمیل ہو گئی، اور یہ خوف جاتا رہا اس لئے تراویح باجماعت کے ترک کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ اور باجماعت نماز کی مشروعیت کا سابقہ حکم باقی رہا، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سنت کا احیاء کیا[4]

---

[1] حدیث میں تیسری رات ہے اس سے مراد ۲۷ویں رات ہے۔ اور راجح یہی ہے کہ یہی لیلۃ القدر ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آل اولاد اور ازواج مطہرات کو جمع کیا امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اسی مسئلہ کی تبویب فرمائی ہے (۳/۳۳۷)

[2] یہ حدیث صحیح ہے۔ اصحاب سنن (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) اور ابن خزیمہ (۲۲۰۶) وغیرہ نے اس کی تخریج فرمائی ہے "صلاۃ التراویح" ص ۱۶ - ۱۷) اور میں نے صحیح ابی داؤد (۱۲۴۵) میں بھی اس کی تخریج کی ہے صحیح ابن خزیمہ (۲۲۰۸) میں اس حدیث کا ایک شاہد بروایت ابی ہریرہ موجود ہے۔

[3] صحیح بخاری و مسلم وغیرہ حدیث کے سیاق اور تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "صلاۃ التراویح (۱۲ - ۱۴)

[4] صحیح بخاری وغیرہ حدیث کی تخریج اور علامہ ابن عبدالبر وغیرہ کے اقوال کے لئے ملاحظہ ہو صلاۃ التراویح (ص ۴۹ - ۵۲)

عورتوں کے لئے باجماعت نماز تراویح کی مشروعیت

(۶) حضرت ابوذر کی مذکورہ حدیث کے مطابق نماز تراویح میں عورتوں کی شرکت وحاضری مشروع ہے۔ بلکہ ان کے لئے الگ امام بنا دینا بھی جائز ومشروع ہے۔ حضرت عمرؓ سے یہ ثابت ہے کہ جب آپ نے لوگوں کو نماز تراویح باجماعت کے لئے جمع کیا تو ابی بن کعب کو مردوں کا امام بنایا۔ اور سلیمان بن ابی حثمہ کو عورتوں کا امام۔

عرفجہ الثقفی کہتے ہیں کہ حضرت علی رمضان میں لوگوں کو قیام اللیل کا حکم دیتے اور مردوں اور عورتوں کیلئے الگ الگ امام متعین فرماتے۔ اور میں عورتوں کا امام ہوتا تھا۔[۱]

میں کہتا ہوں کہ یہ ایسی صورت کے لئے ہے جبکہ مسجد وسیع وعریض ہو تاکہ ایک جماعت دوسری جماعت کے لئے تشویش کا باعث نہ بنے۔

رکعات تراویح کی تعداد

(۷) رکعات تراویح گیارہ رکعت ہے۔ اتباع سنت کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ اس سے زیادہ نماز نہ پڑھی جائے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ رکعات تراویح نہیں ادا فرمائیں حتی کہ آپ اپنے رب سے جا ملے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی رمضان کی نماز کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نماز (تراویح وتہجد) نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعتیں تو ایسی ادا فرماتے کہ جس کے طول اور حسن کے متعلق کچھ نہ پوچھو، پھر چار رکعتیں مزید پڑھتے۔ اس کے طول اور حسن کو بھی نہ پوچھو، پھر تین رکعتیں ادا فرماتے۔[۲]

(۸) ان رکعات میں کمی بھی ممکن ہے (حتی کہ صرف ایک ہی رکعت وتر پڑھ لے تو ایسا کر سکتا ہے۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی دونوں حدیثیں دال ہیں۔

---

۱ یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث کی تخریج سنن بیہقی میں ہے (۲/۴۹۴) پہلی حدیث مصنف عبدالرزاق (۴/ ۲۵۸ حدیث ۸۷۲۲) میں ہے۔ نیز دونوں حدیثوں کو امام محمد بن نصر المروزی نے اپنی کتاب قیام رمضان (ص ۹۳) میں نقل کیا ہے اور ہم نے جو مسئلہ یہاں ذکر کیا ہے اسکا پاس سے استدلال کیا ہے (ص ۹۵)۔ (۲) صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ نیز ملاحظہ صلاۃ التراویح (ص ۱۰) اور صحیح ابی داؤد (۱۲۱۲)

(۱) فعلی حدیث تو یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعت وتر ادا فرماتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ چار رکعتیں پڑھ کر تین وتر پڑھتے اور چھ پڑھ کر تین وتر پڑھتے، اور دس پڑھ کر تین وتر پڑھتے، اور سات رکعات سے کم پر آپ وتر نہیں پڑھتے تھے اور نہ تیرہ رکعات سے زیادہ پڑھتے تھے [1]

اور قولی حدیث میں ہے: ۔ وتر حق ہے، جو چاہے پانچ رکعت وتر پڑھے، اور جو چاہے تین رکعت، اور جو چاہے ایک ہی رکعت وتر پڑھ لے [2]

قیام اللیل میں قرأت

(۹) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان اور غیر رمضان کی راتوں میں نمازوں میں قرأت کی کوئی تحدید نہیں فرمائی ہے، کبھی آپ لمبی قرأت فرماتے اور کبھی مختصر، کبھی ہر رکعت میں سورہ مزمل (جو کہ بیس آیات پر مشتمل ہے) کے بقدر قرأت فرماتے، کبھی پچاس آیات کی مقدار پڑھتے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

جس شخص نے ایک رات میں سو آیت نماز میں پڑھی وہ غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا

جس شخص نے دو سو آیتیں رات کی نماز میں پڑھیں اس کا شمار قانتین اور مخلصین میں ہوگا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات حالت مرض میں سبع طوال یعنی سورہ بقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، راف، التوبہ پڑھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حذیفہ بن الیمان کی نماز کے واقعے میں مذکور ہے کہ آپ اسے رک رک کر اور ٹھہر ٹھہر کر ت فرماتے تھے [3]

---

[1] لکھتا ہوں کہ ان میں سے دو رکعتیں عشاء کے بعد کی سنتیں تھیں یا وہ دو خفیف رکعتیں ہیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد شروع فرماتے تھے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اسکو راجح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: صلاۃ التراویح ص ... ابوداؤد اور احمد وغیرہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس کی سند جید ہے جیسا کہ حافظ عراقی نے ... اسکی تصحیح فرمائی ہے نیز اسکی تخریج کیلئے ملاحظہ ہو صلاۃ التراویح ص ۹۹-۱۰۰ و صحیح ابوداؤد (۱۲۶۰)

[2] حدیث کو طحاوی اور حاکم نے روایت کیا ہے ... اسکی سند صحیح ہے جیسا کہ ان کی ایک جماعت نے اسکی تصریح کی ہے اس کا ایک شاہد بھی ہے ... جس کی تخریج میں نے اپنے رسالہ تراویح میں کر دی ہے (ص ۱۰۱-۱۰۲) فقرہ ۹ میں مذکور ساری احادیث صحیح ہیں ان کی تخریج کیلئے ملاحظہ ہو صفۃ الصلاۃ (ص ۱۱۷-۱۲۲)

صحیح ترین سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ابی بن کعب کو ماہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعات نماز تراویح پڑھانے کا حکم دیا تو حضرت ابی مئین یعنی سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے حتیٰ کہ مقتدی قیام کے طویل ہونے کے باعث لاٹھیوں کا اپنے کو ٹیک لیتے تھے اور اوائل فجر میں واپس لوٹتے ۔[1]

حضرت عمرؓ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ماہ رمضان میں قرا کو جمع کیا، اور سب سے تیز اور رواں پڑھنے والے قاری کو حکم دیا کہ وہ تیس آیتیں پڑھے اور درمیانی قرأت والے کو پچیس آیات پڑھنے کا حکم دیا، اور آہستہ آہستہ پڑھنے والے کو بیس آیات پڑھنے کا حکم دیا ۔[2]

مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں منفرد نماز تراویح پڑھنے والا چاہے جتنی لمبی قرأت کرنا چاہے کرے، اسی طرح سے ایسا آدمی جس کی لمبی قرأت پر لوگ موافقت کریں تو قرأت جتنی لمبی ہو، وہ افضل ہے لیکن پوری رات تک وہ لمبی قرأت والی نماز میں مشغول نہ ہو، البتہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کا یہی تقاضہ ہے ارشاد نبوی ہے: سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے ۔[3] آدمی اگر امام ہو تو ایسی صورت میں اتنی طویل قرأت کرے کہ مقتدی مشقت میں نہ پڑ جائیں ارشاد نبوی ہے۔

تم سے جب کوئی لوگوں کی امامت کرانے تو ہلکی نماز پڑھے، کیونکہ مقتدیوں میں ہر طرح کے بڑے کمزور بیمار (ضرورتمند) ہوتے ہیں، جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی لمبی نماز پڑھنی چاہے پڑھے ۔[4]

قیام اللیل (تراویح) کا وقت

(۱۰) تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد سے فجر تک ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز زیادہ کردی ہے اور وہ وتر (تراویح[5]) ہے، اس کو عشاء اور فجر کے مابین پڑھو ۔[6]

---

[1] موطا مالک، نیز ملاحظہ ہو صلاۃ التراویح (۵۲) ۔ [2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو صلاۃ التراویح (ص ۷۱) نیز اسکی روایت مصنف عبدالرزاق ۴/۲۶۱ حدیث (۷۷۳۱) اور سنن بیہقی ۲/۴۹۷ میں ہے [3] یہ صحیح مسلم اور سنن نسائی کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ صحیح بخاری و مسلم، تو سین کے بیچ والی عبارتیں صحیح مسلم سے ماخوذ ہیں۔ [5] صلاۃ اللیل کو وتر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسکی تعداد وتر یعنی طاق [6] یہ حدیث صحیح ہے، امام احمد وغیرہ نے ابو بصرہ سے اسے روایت کیا ہے، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۱۰۸ میں اسکی تخریج موجود ہے۔

۱۱- جو شخص تہجد (تراویح) آخری شب میں پڑھ سکتا ہو اس کے حق میں یہی زیادہ افضل و بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

جس شخص کو اس بات کا خوف و اندیشہ ہو کہ آخری شب میں نماز تراویح کیلئے بیدار نہ ہو سکے گا تو وہ اول شب میں نماز تراویح و وتر پڑھ لے، اور آخری شب میں قیام کی طمع رکھتا ہو تو اس کو آخری شب ہی میں پڑھنا چاہیئے، آخری شب کی نمازوں میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، یہ افضل ہے لہ

۱۲- اگر اول شب میں نماز تراویح باجماعت پڑھی ہو، اور آخری شب میں منفرد تو نماز باجماعت افضل ہے، اسلئے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا جیسا کہ مسئلہ نمبر کی حدیث مرفوع میں گذرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسی پر عمل تھا، عبدالرحمان بن عبدالقاری فرماتے ہیں کہ رمضان کی ایک رات کو میں حضرت عمر کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، تو لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ملے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا کوئی اپنے قبیلے و خاندان کے ساتھ، حضرت عمر نے جب یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ واللہ میری رائے تو یہ ہے کہ میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو بہتر صورت ہوگی، پھر آپ نے اس کا عزم مصمم کرلیا، اور ابی بن کعب کی اقتداء میں انھیں جمع کر دیا۔

آپ کے ساتھ دوبارہ میں دوسری شب مسجد آیا تو لوگ ایک قاری کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے، حضرت عمر نے یہ منظر دیکھ کر ارشاد فرمایا: نعم البدعۃ ھذہ۔ یہ نئی صورت کتنی اچھی ہے! لیکن آخر شب میں جب لوگ محو خواب ہوتے ہیں، اس میں تراویح پڑھنی اس اول شب میں تراویح پڑھنے سے افضل ہے جس میں وہ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں ٢ہ

زید بن وھب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود ماہ رمضان میں ہمیں نماز پڑھاتے تھے اور رات میں واپس ہوتے تھے ٣ہ

صلوٰۃ اللیل (تراویح) کی مختلف صورتیں

(۱۳) اس مسئلہ کو میں نے صلاۃ التراویح (ص ۱۰۱-۱۱۵) میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔ یہاں پر قارئین

لہ صحیح مسلم وغیرہ، اسکی تخریج سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۲۶۱۰) میں بھی ہے۔ ٢ہ صحیح بخاری وغیرہ، صلاۃ التراویح (ص ۴۸) میں بھی اسکی تخریج ہے۔ ٣ہ مصنف عبدالرزاق (۴/۲۶۷)، اس کی سند صحیح ہے، امام احمد سے جب یہ سوال کیا گیا کہ قیام اللیل یعنی تراویح کو آخر شب میں مؤخر کیا جائے تو آپ نے زید بن وھب اور عبدالرحمان القاری کے اقوال کی طرف اشارہ فرمایا، اور کہا کہ مؤخر نہیں کی جائے گی، مسلمانوں کی سنت اور ان کا طریقہ مجھے زیادہ پسند ہے (مسائل ابی داؤد ص ۶۲)۔

ے سامنے اس کو مختصراً ذکر کر رہا ہوں

(۱) پہلی صورت ۱۳ رکعتیں پہلے دو ہلکی رکعتوں سے اس کا افتتاح کرے، راجح یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں عشاء کی سنتیں ہیں، یا وہ مخصوص رکعتیں جن سے صلاۃ اللیل کی ابتداکی جائے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا پھر دو لمبی چوڑی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعت اس سے ہلکی، پھر دو پہلی چاروں سے ہلکی، پھر دو ان سے ہلکی، پھر دو ان سے ہلکی، پھر ایک رکعت وتر ادا کرے۔

۲۔ دوسری صورت: ۱۳ رکعتیں، آٹھ رکعات اس طرح پڑھے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، پھر پانچ رکعتیں ایک ساتھ پڑھے، اور آخری رکعت میں بیٹھے اور سلام پھیرے۔

۳۔ تیسری صورت: گیارہ رکعات، ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھے۔

۴۔ چوتھی صورت: گیارہ رکعات، چار چار رکعات ایک سلام کے ساتھ، پھر تین رکعتیں وتر۔

چار اور تین رکعتوں کی کیا صورت ہوگی، کیا دو رکعتوں کے بعد تشہد کرے یا نہ کرے، اس سلسلے میں کافی وشافی جواب نہیں ملتا، لیکن تین رکعتوں میں دو رکعت کے بعد بیٹھنا مشروع نہیں ہے۔

۵۔ پانچویں صورت: ۱۱ رکعات، آٹھ رکعتیں مسلسل پڑھ کر آخر میں تشہد کرے، اور درود وسلام پڑھنے کے بعد دوبارہ بغیر سلام پھیرے کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرے۔

یہ کل نو رکعتیں ہوئیں پھر دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرے۔

۶۔ چھٹی صورت: ۹ رکعات، چھٹی رکعت میں تشہد کرے اور درود وسلام پڑھ کر اٹھ جائے، پھر تین رکعتیں وتر پڑھ کر سلام پھیرے۔

مذکورہ بالا صورتیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، جن پر بعض صورتوں کا اضافہ بھی ممکن ہے، اور وہ اس طور پر کہ ہر صورت میں سے جتنی رکعات چاہے کم کر دے حتی کہ ایک ہی رکعت پر اکتفا کرے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو چاہے پانچ رکعات وتر پڑھے، اور جو چاہے تین رکعات، اور جو چاہے ایک ہی رکعت پڑھ لے (۱)۔ ملاحظہ ہو فقرہ

یہ پانچ اور تین رکعات اگر چاہے تو ایک قعدہ اور سلام کے ساتھ پڑھے جیسا کہ دوسری صورت میں مذکور ہے، اور اگر چاہے تو ہر دو رکعت پر سلام پھیر دے جیسے تیسری صورت میں ہے، اور یہی افضل ہے۔

جہاں تک پانچ اور تین رکعات میں ہر دو رکعت کے بعد بغیر سلام کے قعدۂ تشہد کرنے کی بات ہے تو اس کا ثبوت ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہیں ملتا، حالانکہ یہ صورت بھی اصلاً جائز ہے، لیکن یہاں یہ ملحوظ رہے

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعت وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی تعلیل یہ بیان کی ہے کہ :

ولا تشبھوا الصلوٰۃ المغرب[1] ۔ (وتر کو) مغرب کی نماز کے مشابہ نہ کرو ۔

ایسی صورت میں تین رکعت وتر پڑھنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس مشابہت سے دور رہے جس کی دو صورتیں ہیں ۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ طاق اور جفت پر سلام پھیر دے ، یہی بات زیادہ قوی اور افضل ہے[2]

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ طاق اور جفت کے مابین تشہد نہ کرے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رکعات وتر میں قرأت

(۱۴) تین رکعات والی وتر میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں (سبح اسم ربک الاعلیٰ) پڑھے اور دوسری رکعت میں (قل یا ایھا الکافرون) اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد) اس کے ساتھ کبھی کبھی (سورہ (قل اعوذ برب الفلق) اور سورہ (قل اعوذ برب الناس) ملالے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے وتر کی رکعت میں سورہ نساء کی سو آیتیں تلاوت فرمائیں[3]

دعاء قنوت اور اس کا مقام

(۱۰) قرأت سے فراغت کے بعد اور رکوع سے پہلے اس دعاء قنوت کو پڑھنا چاہیئے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت حسن بن علی کو سکھایا تھا ۔

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت

---

[1] طحاوی ، دارقطنی وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ صلاۃ التراویح (۹۹ و ۱۱۰)

[2] ایک رکعت وتر کو "بتیراء" جس حدیث میں کہا گیا ہے وہ بے اصل ہے ۔ بلکہ وہ خلاف سنت ہے حضرت ابن عمر ایک رکعت وتر پڑھتے تھے ۔ ایک آدمی نے آپ سے وتر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کو دو اور ایک رکعت کے درمیان فصل کا حکم دیا اس نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسے "بتیراء" کہیں گے ؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا ، کیا تم اللہ اور اس کے رسول کی سنت میں زیادتی کرو گے ، یہ اللہ اور اس کے رسول کی سنت ہے ۔ ابن خزیمہ نے اس اثر کو بسند صحیح نقل کیا ہے ۔ (۲/۱۰۷) [3] احمد اور نسائی نے اس کو بسند صحیح روایت کیا ہے

وبارك لي فيما اعطيت وقني شر ما قضيت فانك تقضي ولا يقضى عليك وانه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت لا منجا منك الا اليك [1]

(۱۶) اگر کوئی شخص رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ماہ رمضان کے نصف آخر میں کفار پر لعنت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام اور مسلمانوں کے لئے دعائے خیر کا اضافہ کرے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایسا کرنا ائمہ سے ثابت ہے۔ عبدالرحمن القاری کی مذکورہ حدیث کے آخر میں ہے کہ لوگ رمضان کے نصف آخر میں کفار پر لعنت ان الفاظ میں کرتے تھے۔

اللهم قاتل الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ولا يؤمنون بوعدك وخالف بين كلمتهم والق في قلوبهم الرعب والق عليهم رجزك وعذابك اله الحق۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام پڑھے اور مسلمانوں کے لئے مقدور بھر دعائے خیر کرے۔ پھر ان کے لئے استغفار کرے

عبدالرحمن القاری کا بیان ہے کہ کفار پر لعنت بھیجنے اور نبی پر صلوۃ وسلام پڑھنے اور مومنین ومومنات کے لئے دعائے استغفار کے بعد یہ کہے۔

اللهم اياك نعبد ولك نصلي ونسجد واليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ربنا ونخاف عذابك الجد ان عذابك لمن عاديت ملحق۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے [2]

وتر کے آخر میں کیا دعا پڑھے

(۱۷) وتر کے آخر میں سلام سے پہلے یا اس کے بعد مندرجہ ذیل دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔

اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك، وبمعافاتك من عقوبتك واعوذ بك منك لا احصي ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك [3]

---

[1] ابو داؤد اور نسائی وغیرہ نے اسے بسند صحیح روایت کیا ہے ملاحظہ ہو صفۃ الصلوٰۃ ص ۱۹۵، ۱۹۶

[2] صحیح ابن خزیمہ ۲/۱۵۵، ۱۵۶ احادیث نمبر ۱۱۰۰ - [3] صحیح ابن خزیمہ ۲/۱۵۵، ۱۵۶ رقم ۱۱۰۰

(۱۸) وتر سے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا تین بار آواز کھینچ کر پڑھے

سبحان الملك القدوس

تیسری مرتبہ ذرا آواز بلند کر دے[۱]

وتر کے بعد کی دو رکعتیں (۱۹) وتر کے بعد دو رکعت مزید پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے یہ ثابت ہے[۲] بلکہ آپ نے اس کے پڑھنے کا اپنی امت کو حکم بھی دیا ہے۔

" یہ سفر مشقت اور بوجھ ہے۔ جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو اسے چاہیئے کہ دو رکعت اور پڑھ لے اگر بیدار ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ یہی دونوں رکعتیں اس کے لئے کافی ہوں گی[۳]

(۲۰) وتر کے بعد کی ان دو سنتوں میں (اذا زلزلت الارض) اور (قل ھو اللہ احد) کا پڑھنا مسنون ہے[۴]

---

[۱] صحیح ابوداؤد (رقم ۱۲۰۰)

[۲] صحیح مسلم وغیرہ دیکھئے " التراویح " ص ۱۰۸ - ۱۰۹)

[۳] صحیح ابن خزیمہ (۲ / ۱۵۹)

[۴] صحیح ابن خزیمہ (رقم ۱۱۰۴ ، ۱۱۰۵) بروایت عائشہ وانس رض دیکھئے صفۃ الصلاۃ ص (۱۰۴)

بقیہ ہماری مطبوعات کا

انور شاہ کشمیری کا بھی بیان ہے۔ اس سلسلہ میں جو لوگ تفریق کے قائل ہیں ان کی تردید ہے۔

اس رسالہ کے آخری بحث میں بیس رکعت تراویح کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اور خود اجلہ علماء احناف کے اقوال سے ان دلائل کی تضعیف ہے۔ اسی طرح دیگر دلائل جو اس سلسلہ میں بڑے طمطراق کیساتھ ذکر کئے جاتے ہیں، ان سب کی قلعی اور نقاب کشائی اس رسالہ میں موجود ہے۔ دعا ہے کہ رب العزت رسالہ کو مفید بنائے۔ آمین!

تحریر: علامہ محمد ناصر الدین الالبانی
محدث شام
ترجمہ: ابوالاشبال المدنی

اعتکاف

اعتکاف کی مشروعیت ماہ رمضان وغیر رمضان میں اعتکاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من اعتکف یوما ابتغاء وجه الله تعالیٰ جعل الله بینه و بین النار ثلاث خنادق کل خندق ابعد مما بین الخافقین [1]

اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودگی کی خاطر ایک دن بھی کوئی اعتکاف میں بیٹھا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور عذاب جہنم کے مابین تین خندقوں کو حائل کر دے گا ایک خندق کا دوسری خندق سے فاصلہ بعد المشرقین سے بھی زیادہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شوال کے آخری عشرہ کا اعتکاف بھی ثابت ہے نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار آپ سے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں میں نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کی نذر مانی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو (فاوف بنذرک) صحیح بخاری)

رمضان میں اعتکاف کی اہمیت زیادہ ہے ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان کے دس دنوں کا اعتکاف فرماتے تھے۔ وفات کے سال آپ نے بیس دنوں کا اعتکاف کیا (صحیح بخاری)

رمضان میں اعتکاف سب سے افضل ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری عشرہ (دہے) میں وفات کے سال تک اعتکاف فرماتے رہے (صحیح بخاری)

---

(۱) اس کو طبرانی وغیرہ نے بسند حسن روایت کیا ہے جس کی تحقیق و تفصیل سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ میں ہے۔

شروطِ اعتکاف[1] اعتکاف صرف مسجد میں مشروع ہے ارشاد باری ہے:

ولا تباشروھن، وانتم عاکفون فی المساجد[2] (سورۃ البقرہ ۱۸۷) — تم مسجدوں میں اعتکاف کے دوران اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ معتکف کے حق میں سنت یہ ہے کہ اشد ضرورت کے علاوہ وہ باہر نہ نکلے ورنہ کسی مریض کی عیادت کرے نہ عورت کے قریب جائے۔ نہ اس سے مباشرت کرے اور صرف جماعت والی مسجد ہی میں اعتکاف جائز ہے۔ معتکف کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ روزہ سے ہو[3]

(۲) اعتکاف والی مسجد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جامع (مسجد) ہو (یعنی اس میں جمعہ ہوتا ہو تاکہ نماز جمعہ کے لئے اس سے نکلنے پر مجبور نہ ہو۔ اس لئے کہ اس پر جمعہ کے لئے جانا واجب ہے حضرت عائشہ کا قول گذرا ہے کہ جامع مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں اعتکاف نہیں ہوگا[4]

(۳) معتکف کیلئے سنت ہے کہ وہ روزہ سے ہو جیسا کہ حضرت عائشہ سے ابھی گذرا[5]

---

[1] یعنی ان سے جماع نہ کرو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ مباشرت۔ ملامسہ۔ مس جماع کو کہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو اور جس طرح چاہا کنایہ فرمایا (بیہقی نے سنن میں ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے رجال ثقات ہیں:

[2] امام بخاری نے مذکورہ مسئلہ پر استدلال اسی آیت سے کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آیت کی دلالت کی توجیہ یہ ہے کہ اگر اعتکاف مسجد کے علاوہ جگہ میں درست ہوتا تو مباشرت کی تحریم کی تخصیص مسجد کے ساتھ نہ ہوتی۔ اس لئے کہ بالاجماع جماع اعتکاف کے منافی عمل ہے۔ اس لئے مساجد کے ذکر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اعتکاف صرف مسجد ہی میں درست ہوگا۔

[3] امام بیہقی نے اسے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور ابو داؤد نے بسند حسن حضرت عائشہ کی آنے والی حدیث بھی ابو داود میں ہے۔

[4] بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے مکروہ چیز بدعت ہے اور گھروں میں واقع مساجد میں اعتکاف بدعت ہے۔ نمبر ۵ کا حاشیہ اگلے صفحہ ۳۲ پر

معتکف کیلئے مُباح اُمور

(۱) معتکف قضائے حاجت کے لئے باہر جا سکتا ہے، غسل اور بالوں میں کنگھی کے لئے سر بھی باہر نکال سکتا ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں رہتے ہوئے اپنا سر مبارک میری طرف نکالتے تھے اور میں اپنے کمرے میں ہوتی تو میں آپ کے سر میں کنگھی کرتی، (ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کے سر دھوتی) میرے گھر اور آپ کے درمیان صرف چوکھٹ حائل ہوتی اور میں حائضہ تھی، آپ اعتکاف کی حالت میں بغیر انسانی ضرورت کے گھر میں داخل نہ ہوتے تھے [۱]

(۲) معتکف اور غیر معتکف سب کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد میں وضو کریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم کا بیان ہے کہ آپؐ نے مسجد میں ہلکا وضوء فرمایا [۲]

(۳) معتکف مسجد کے پچھلے حصہ میں اعتکاف کے لئے چھوٹا خیمہ نصب کر سکتا ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو آپ کے لئے خیمہ [۳] نصب فرماتی تھیں [۴]

---

۵ امام ابن قیم الجوزیہ زاد المعاد میں رقمطراز ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے بغیر روزہ کے اعتکاف کیا ہو، بلکہ حضرت عائشہ کا فتویٰ ہے کہ بغیر روزہ کے اعتکاف ہے ہی نہیں۔ اللہ رب العزت نے اعتکاف کا تذکرہ روزہ کے بغیر نہیں کیا اور نہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر روزہ رکھے اعتکاف کیا۔ اس لئے جمہور سلف کا قول راجح ہے کہ روزہ اعتکاف میں شرط ہے۔ اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ترجیح دیا ہے۔

(زاد المعاد)

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ تصریحات پر یہ مرتب ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز وغیرہ کے لئے جانے والے کے لئے یہ مشروع نہیں ہے کہ وہ اس مدت کے لئے اعتکاف کی نیت کرے۔ اس کی تصریح شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے الاختیارات میں فرمائی ہے۔ [۱] صحیح بخاری ومسلم۔ ابن ابی شیبہ۔ احمد

[۲] بیہقی نے اپنی سنن میں بسند جید روایت کیا ہے، امام احمد (۵/۳۶۴) نے مختصراً صحیح سند کیساتھ روایت کیا ہے۔

[۳] حدیث میں "خباء" کا لفظ استعمال ہوا ہے، خباء اون سے بنے ہوئے عربوں کے ایک گھر کا نام ہے جس میں بال نہیں استعمال ہوتے اور یہ دو یا تین کھمبوں پر ہوتا ہے۔

[۴] صحیح بخاری۔

یتے تھے [1] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک
اعتکاف کیا جس کے دروازے[2] پر چٹائی لٹکی ہوئی تھی [3]
خیمہ میں اپنی چارپائی اور بستر بھی رکھ سکتا ہے حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ
اف کرتے تو توبہ والے کھمبے کے پاس آپ کیلئے بستر بچھایا جاتا۔ یا چارپائی رکھی جاتی [4]

سجد میں اعتکاف اور مسجد میں اپنے شوہر کی زیارت کی اباحت

ئز ہے کہ وہ اپنے شوہر کی حالت اعتکاف میں زیارت کرے اور شوہر مسجد کے دروازہ تک اس کو
رت صفیہ کا قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں معتکف
پ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئی۔ آپ کے پاس ازواج مطہرات موجود تھیں۔ میں نے آپ سے
ی، پھر واپس آنے کے لئے اٹھی تو آپ نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو تاکہ میں تمھارے ساتھ چلوں آپ
ے ہوئے (صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر اسامہ بن زید کے گھر کے پاس تھا) جب ام سلمہ کے دروازے
پاس پہونچے تو دو انصاری گذرے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو وہ تیز چل پڑے
ارک کر ، یہ صفیہ بنت حی ہیں ، ان دونوں نے کہا کہ : سبحان اللہ ! اے اللہ

ـرمایا : شیطان انسان کی رگوں میں خون کے ساتھ دوڑ رہا ہے مجھے اندیشہ ہوا
ان کے دل میں کوئی بری بات (یا چیز) ڈال دے [5]

۔ [2] حدیث میں قبہ ترکیہ) کے الفاظ ہیں جس سے مراد چھوٹا خیمہ ہے ۔ [3] مقصد یہ ہے کہ دروازے
ردیا جائے کہ اس میں کوئی دیکھ نہ سکے ۔ جیسا کہ سندی کہا ، زیادہ مناسب یہ کہنا ہوگا: تاکہ
کے سامنے سے گذرنے والوں میں نہ الجھے۔ اور اعتکاف کا مقصد دل جمعی حاصل ہو جیسا کہ علامہ ابن قیم
ل کے برعکس جو اعتکاف کی جگہ کو زیارت گاہ اور جائے گفتگو بنادیتے ہیں، یہ ان کا اعتکاف ہے اور اعتکاف
[4] تیسیح مسلم بروایت ابو سعید الخدری [5] ابن ماجہ اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے اس کی اسناد حسن کے درجہ قریب ہے

قسط ۲

مولانا محمد بشیر سہسوانی

ڈاکٹر حنیف نقوی — ریڈر شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس

کتاب کی بعض دوسری خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فاضل موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

ومن فضائل هذا الكتاب ومولفه علو ادبه في عباراته وتحاميه المبالغة في ذم المذموم ومدح الممدوح فهو لا يطري الامام المجدد الذي يدافع عنه ولا يهجو المتجرم يرد عليه هجوا شعريا يدخل في مفهوم السباب المذموم

: : :

: : :

: : :

اس کتاب اور اس کے مصنف کی خوبیوں کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مصنف نے اپنی عبارتوں میں علوے ادب کی شان ملحوظ رکھی ہے اور مذموم کی مذمت اور ممدوح کی مدح کے سلسلے میں مبالغے سے احتراز کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے نہ تو امام مجدد (شیخ عبدالوہاب نجدی) کی مدافعت کرتے ہوئے ان کی مدح میں بے جا مبالغے سے کام لیا ہے اور نہ مجرم (احمد بن زینی دحلان) کی تردید کرتے ہوئے ایسی شاعرانہ ہجو کی ہے جو سب و شتم کے حدود میں داخل ہو جائے۔

(۵) الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح :۔ یہ ایک مناظرے کی روداد ہے جو ربیع الاول ۱۳۰۹ھ (اکتوبر ۱۸۹۱ء) میں مولانا محمد بشیر اور مرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان ہوا تھا۔ مولانا موصوف نے مرزا صاحب کے جاری کردہ اشتہارات مورخہ ۲/ اکتوبر و ۶/ اکتوبر ۱۸۹۱ء کے جواب میں، محض بہ نظر نصرت دین و سنت و ازالۂ الحاد و بدعت اس مناظرے کے لئے ۲۰/ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو بھوپال سے دہلی پہنچے تھے۔ اس مناظرے کے سلسلے میں مرزا صاحب کی طرف سے جو شرائط عائد کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک اہم شرط یہ تھی کہ بحث تقریری نہیں تحریری ہوگی اور استدلال

صرف قرآن سے کیا جائے گا۔ چنانچہ جمعہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ (۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء) سے چہارشنبہ ۲۴ ربیع الاول (۲۸ اکتوبر) تک مسلسل چھ روز حیات و ممات مسیح کے موضوع پر طرفین سے سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ مرزا صاحب نے حسب عادت شروع میں آپ کو صرفی و نحوی مباحث اور دور از کار تاویلات میں الجھانا چاہا لیکن آپ کے دلائل کے سامنے ایک پیش نہ گئی تو خسر کی علالت کا بہانہ کرکے قیام گاہ سے اسٹیشن کی طرف راہ فرار اختیار کی اور پھر پلٹ کر نہ آئے۔ دو دن تک انتظار کرنے کے بعد مولانا محمد بشیر شنبہ، ۲۷ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ (۳۱ اکتوبر ۱۸۹۱ء) کو بھوپال واپس چلے گئے۔ بعد ازاں آپ نے اس سلسلے کی تمام تحریروں کو "الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح" کے نام سے کتابی صورت میں مرتب فرما دیا۔ یہ کتاب ۱۳۰۹ھ ہی میں مطبع انصاری دہلی میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ (۶) البرھان المحکم علی ان الضحایا الیٰ ہلال محرم: قیام بھوپال کے زمانے مولانا محمد بشیر نے ایام نحر کے تعیین کے سلسلے میں ایک فتویٰ تحریر فرمایا تھا جس میں آخر ماہ ذی الحجہ تک قربانی کے جواز کا ثبوت فراہم کیا گیا تھا۔ یہ فتویٰ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ (نومبر ۱۸۹۲ء) میں مطبع وحید المطابع، وارنگر، بنارس سے بطور اشتہار چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس اشتہار کے آخر میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ "اور زیادہ تحقیق اس مسئلے اور اس کے مالہا و علیہا کی بڑے رسالے میں جو طیار ہو کر عنقریب انشاء اللہ چھپنے والا ہے" .... اس بڑے رسالے "کی ترتیب و تصنیف کی غرض سے مولانا کافی شرعی و تحقیقی مواد یکجا کر لیا تھا۔ لیکن ابھی ترتیب کی نوبت نہ آئی تھی کہ آپ کو بھوپال سے ترک سکونت کرکے دہلی جانا پڑا۔ مولانا شاکر حسین نکہت سہسوانی کی تحریر کے مطابق دہلی میں یہ رسالہ آپ نے مکمل فرما لیا تھا صرف طباعت باقی تھی کہ انتقال فرمایا۔" اس کے بعد یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کا کیا حشر ہوا؟ شاکر حسین صاحب کے پاس اس کے بعض ابتدائی مسودات محفوظ تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس خیال سے کہ کہیں ان کا بھی وہی انجام نہ ہو جو اصل رسالے کا ہوا۔ انھیں بعض "افادات ضروریہ کے ساتھ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) میں کتابی صورت میں مرتب کر دیا اور اس رسالے کا نام "البرہان المحکم علی ان الضحایا الیٰ ہلال محرم" عرف "میعاد قربانی" رکھا۔ مسودات کی اس ترتیب و تہذیب کے دس برس بعد شیخ المحدثین علامہ حسین الیمانی کا مجموعہ فتاویٰ (نور العین فی فتاویٰ الشیخ حسین) مرتب کے سامنے آیا اور اس میں "اقامۃ الحجۃ فی الرد علی من ادعیٰ جواز الاضحیۃ الیٰ آخر ذی الحجۃ" کے عنوان سے مولانا محمد بشیر کے ۱۳۱۰ھ کے اشتہار کے جواب میں ایک مفصل فتویٰ نظر سے گذرا چونکہ مرتب

ان دونوں بزرگوں کے خوانِ فضل وکمال کے ریزہ چیں، ۱۴ اس لئے تکمیل بحث کی غرض سے انھوں نے ان دونوں تحریروں کا موازنہ کرکے اسے بھی بہ عنوان "تذئیل" رسالے کے آخر میں شامل کردیا۔ اس طرح ۱۳۶۳ھ (۱۹۴۴ء) میں اس رسالے نے آخری شکل اختیار کی ۱۵ "البرہان المحکم" کا یہ قلمی نسخہ محرر سطور کے پاس محفوظ ہے۔

(۷) القول المحمود فی رد جواز السود: یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو سود کے جواز کے سلسلے میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے دلائل کے رد میں لکھا گیا ہے۔ شمس العلماء موصوف نے "الحقوق والفرائض" (مطبوعہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء) کی دوسری جلد میں اس مسئلے میں جن شواہد سے استدلال کیا ہے۔ فاضل مصنف نے نصوص قطعیہ سے ان کی تردید کرکے یہ ثابت کردیا کہ سود کی جملہ اقسام حرام ہیں۔ جامعیت کے خیال سے اس موضوع سے متعلق مولوی سید عبدالصمد بلند شہری کے ایک رسالے کو بھی شاملِ بحث کرلیا گیا ہے۔ مولانا محمد بشیر کا یہ جوابی رسالہ پہلی بار ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں مطبع انصاری دہلی میں بہ اہتمام محمد عبدالعزیز چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے کم از کم دو ایڈیشن اور شائع ہوچکے ہیں۔ ان میں سے ایک جید برقی پریس، بلی ماران، دہلی سے اور دوسرا ناظر پرنٹنگ پریس، کراچی (پاکستان) سے شائع ہوا ہے۔ اول الذکر ایڈیشن کا سالِ طباعت ۱۳۵۸ھ (۱۹۳۹ء) ہے۔ ثانی الذکر پر سالِ اشاعت درج نہیں۔

(۸) البرہان العجاب علی فرضیۃ ام الکتاب: یہ قرأت فاتحہ خلف الامام سے متعلق مولانا مرحوم کی ایک جامع اور مبسوط تصنیف ہے جس میں اس بحث کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں روزانہ درس قرآن کے سلسلے میں آپ نے اس موضوع پر متواتر تین ماہ تک اپنے دلائل بیان فرمائے تھے ۱۶ اس کے بعد اس تقریر کو کتابی صورت میں قلمبند فرما دیا تھا۔ اس کی کتابت وطباعت کا کام مطبع محمدی دہلی میں غالباً مصنف کی زندگی ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ لیکن اس کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۹ء) میں ہوئی۔ "حیات المحدث شمس الحق واعمالہ" کے مصنف شیخ محمد عزیر السلفی نے مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی صدر المدرسین دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کے ذکر میں اسے "محاضرات شیخ العلامہ محمد بشیر السہسوانی" قرار دیتے ہوئے صاحب ترجمہ کو اس کا جامع وناشر قرار دیا ہے ۱۷۔ یہ بیان جزوی طور پر درست قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ خاتمہ کتاب کے تحت خود مولانا احمد اللہ نے یہ وضاحت کردی ہے کہ

یہ رسالہ قبل از وفات خود مولانا موصوف نے تالیف کر کے عنایت کیا تھا۔[۱] صرف طباعت و اشاعت مولانا احمد اللہ کی کوشش سے عمل میں آئی ہے۔

" البرہان العجاب" کی زبان اردو ہے۔ لیکن دعوے کے اثبات میں جو دلائل و براہین پیش کئے گئے ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ موجود نہیں۔ بہ اعتبار حجم یہ عربی عبارات کتاب کے تین چوتھائی حصے کو محیط ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے فاضل مصنف کے ایک شاگرد شیخ ابوسعید شرف الدین اعوان نے "کشف الحجاب عمافی البرہان العجاب" کے نام سے اس کا ترجمہ کر دیا تھا، جو غالباً شائع بھی ہو چکا ہے۔

(۹) السیف المسلول: مولانا عبدالحی حسنی نے "نزہتہ الخواطر" میں مولانا محمد بشیر کی تصانیف کے ذکر میں اس کتاب کا بھی نام لیا ہے۔ مزید تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔

(۱۰) رسالہ در اثبات بیعت مروجہ: اس کا ذکر بھی صرف " صاحب" نزہتہ الخواطر" نے کیا ہے۔

مولانا محمد بشیر علم و فضل کے ساتھ ساتھ صلاح و تقویٰ اور اتباع کتاب و سنت کے اعتبار سے بھی مستثنیات و مغتنمات میں شمار کئے جانے کے قابل تھے۔ حسن خلق کا یہ حال تھا کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے نظریاتی اختلاف کے باوجود دوستانہ مراسم تھے۔ چنانچہ جب بھی لکھنو تشریف لے جاتے تو انہی کے مہمان ہوتے بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں آپ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ دہلی میں میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے بعد علمی حلقوں میں آپ کی جو قدر و منزلت اور عزت و تکریم ہوئی وہ کسی شرح و بیان کی محتاج نہیں ابویحییٰ امام خان نوشہروی کا بیان ہے کہ "آپ جماعت اہلحدیث کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن پر جماعت علم اور تقویٰ سب کو ناز تھا"[۲] آپ کے استاد شیخ حسین الیمانی (متوفی جمادی الاول ۱۳۲۷ ہجری مطابق ۱۹۰۹ء) نے آپ کی وفات کی خبر پا کر صاحب "عون المعبود" مولانا شمس الحق (متوفی ربیع الاول ۱۳۲۹ھ) کو تحریر فرمایا تھا۔

" رحم اللہ اخانا العلامۃ محمد بشیر، فقد کان عالماً محققاً متمسکاً بالکتاب والسنۃ "

(اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی علامہ محمد بشیر کو اپنی رحمتوں سے نوازے، وہ عالم بھی تھے اور محقق بھی اور صرف کتاب و سنت ہی سے استدلال کرتے تھے) صاحب "نزہتہ الخواطر" نے جو توصیفی کلمات کے استعمال میں بہت محتاط معلوم ہوتے ہیں، آپ کے نام کے ساتھ "الشیخ فاضل" اور "علامہ و محدث" کا التزام کرتے

ہوئے لکھا ہے کہ "کان من کبار العلماء ورعاً صالحاً، تقیاً نقیاً مفرط الذکاء جید القریحۃ[سلیہ] دموصوف بلند پایہ علماء میں شمار کیے جاتے تھے، عابد وصالح متقی و پاکیزہ کردار، بغیر معمولی ذہن اور زبردست صلاحیتوں کے مالک تھے اعصر حاضر کے ایک اور فاضل علامہ سید رشید رضا مصری نے آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

کان الشیخ محمد بشیر السہسوانی	مولانا بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے صف
رحمہ اللہ تعالیٰ من فحول علماء	اوّل کے علماء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
الہند وکبار رجال الاحادیث	اور بلند پایہ محدثین میں سے تھے۔
فیہم ۔ ومن النظار الجامعین	وہ ان صاحب نظروں میں شمار کیے جاتے تھے، جو
بین العلوم الشرعیۃ والعقلیۃ	علوم دینیہ وعلوم عقلیہ دونوں کے جامع تھے۔ ان خوبیوں
مع العمل بالعلم والتقویٰ والصلاح[کلہ]	کے ساتھ عمل بالعلم، تقویٰ اور صلاح کے اوصاف سے بھی متصف تھے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے متعدد شاگردوں اور ارادت مندوں نے عربی اور اردو میں مرثیے اور قطعات لکھ کر اس حادثے پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ اس سلسلے کی جن مطبوعہ وغیر مطبوعہ نظموں تک ہماری رسائی ہو سکی ہے ان میں سے مولوی عبدالرحمٰن خطیب ساکن بجواکلاں ضلع گونڈہ کا اردو میں لکھا ہوا مرثیہ جو آپ کے فضائل علمی اور امتیازات خصوصی کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ سطور ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ؎

شور کیسا ہے یہ کیسا ہے فغاں — کس لئے مغموم ہیں اہل جہاں
کس لئے ٹکڑے ہوا جاتا ہے دل — آنسوؤں سے کیوں ہے یہ دریا رواں
وہ بہار اس کی کہاں جاتی رہی — کس لئے مرجھا گیا ہندوستاں
مردنی چھائی ہے کیوں ہر شخص پر؟ — درد دل میں ہے لبوں پر ہے فغاں
بزم عالم میں یہ ماتم کس کا ہے؟ — رو رہے ہیں کس کو یہ اہل زماں
دیکھ کر یہ غمکدہ حیرت میں تھا — کان میں آواز آئی ناگہاں
کیا تجھے ناداں! خبر اب تک نہیں — قصر جنت میں گیا فخر جہاں

علم کا جس کے جہاں میں شور تھا
جس کو کہتے تھے بشیر سہسوان
درد اٹھتا ہے جب آجاتی ہے یاد
اس کی موج علم اور طبع رواں
زہد کی اس کے نہیں کوئی مثال
علم اب ویسا رہا باقی کہاں
علم منطق میں مثال اس کی نہ تھی
علم حکمت میں وہ تھا شیخ زماں
تھا محدث اور مفسر اور فقیہ
تھا عدیم المثل بے ریب گماں
اس کی تھی تقریر میں تاثیر سحر
اور تھا تحریر میں دریا رواں
اس کی وہ تحقیق تھی ضرب المثل
مانتے تھے جس کو سب اہل جہاں
آتا سحباں بھی جو اس کے سامنے
بند ہو جاتی وہیں اس کی زباں
وہ مناظر تھا کہ اس کے سامنے
بند ہو جاتا ارسطو سے زماں
اس سے کھائی شیخ دجلاں نے شکست
اس سے بھاگا تھا مسیح قادیاں
باعمل عالم نظر آتا نہیں
ڈھونڈنے کے واسطے جائیں کہاں
ہم گنہگاروں کو روتا چھوڑ کر
ہو گیا خود ساکن باغ جناں
کیوں نہ گریاں ہوں میں نہ ہو دنیا سیاہ
کیوں نہ ہوئے نیل گوں یہ آسماں
فاضلوں میں کس لئے ماتم نہ ہو
عالموں میں کیوں نہ ہو شور فغاں
آفتاب علم اب باقی نہیں
تھا منور جس سے یہ ہندوستاں
کل تھے جس کے نور سے ہم مستفید
آج ہے وہ قبر کے اندر نہاں
کر دعا اللہ سے اب اے خطیب
ہاتھ اٹھا کر کہہ تو اے رب جہاں
اپنی رحمت میں چھپا لے تو انھیں
تھے جو بندے تیرے مخلص بے گماں

رحم کی تیرے نہیں ہے انتہا
تو ہے ستار گناہ عاصیاں

۱؎ تراجم علمائے حدیث ہند، جلد اول مطبوعہ ۵۶ ۱۳ھ ص ۲۵۴-۲۵۵۔ باقی صفحہ پر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳ کا ؎ ایضاً ص ۳۰۔
؎ البرہان المحکم علی ان الضحایا الی ہلال محرم (قلمی)، مقدمہ مرتب ص ۳۔
؎ اتمام الحجہ ملقب بہ المذہب الماثور ص ۳۳۸
؎ حیوٰۃ العلماء مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۹۲۲ء ص ۹۲
؎ صیانۃ الانسان (مطبوعہ مصر) مقدمہ مرتب ص ۳۰
؎ البرہان المحکم (قلمی) مقدمہ مرتب ص ۳۔
؎ ہفت روزہ "اہلحدیث" امرت سر، شمارہ ۲۶ مئی ۱۹۱۹ء و تراجم علمائے حدیث ہند" ج ۱ ص ۲۵۲
؎ حیات المحدث شمس الحق و اعمالہ" مطبوعہ بنارس، ۱۹۷۹ء ص ۲۶۹
؎ البرہان العجاب ص ۱۹۲
؎ تراجم علمائے حدیث ہند جلد اوّل ص ۲۵۵۔
؎ و ؎ نزہۃ الخواطر جلد ہشتم مطبوعہ ۱۹۷۰ ص ۱۵ و ۴۱۶
؎ صیانۃ الانسان، مطبوعہ مصر، مقدمہ مرتب ص ۳۰

بقیہ درس حدیث:

جس میں اٹھک بیٹھک کے علاوہ بظاہر کچھ نظر نہیں آتا، ختم قرآن و محراب سنانا بھی باقاعدہ رسم و رواج کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ نیز آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کی تلاش کے نام پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اہل بدعات کی مروجہ رجب و ربیع کی راتوں کے مشابہ ہے یا پھر ہندوؤں کی دیوالی کا نمونہ۔ فیا للعجب

اس لئے ہمیں رمضان کی روح اور اس کے تقاضوں کو سمجھنا چاہیئے اور اس بابرکت مہینہ میں رسم و رواج اور کام و دہن کے شوق کی تکمیل کے بجائے عبادت و ریاضت اور تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ارباب فکر و نظر اور خطباء حضرات کی صحیح رہنمائی اور توجہ سے امید ہے کہ لوگوں میں رمضان کا صحیح شعور پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ۔

شرعی اصول کا عموم

عبد الرقیب سلفی

اسلام پوری انسانیت کیلئے عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ تمام انبیاء کرام کے پیغام رسالت کو ختم کر دیا ہے۔ اور شرائع سابقہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ بذات خود اس امر کی مقتضی ہے کہ اسلامی شریعت ہر دور کے مشاکل اور مسائل کو محیط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دور میں جو وحی آسمانی آئی ہے اس میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ اس عظیم رسالت کے ذریعہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ اور یہ رسالت ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لوگوں کیلئے ہے۔ اور یہ ایسے اصول و مبادی پر مشتمل ہے جو زمان و مکان کی تبدیلی کی وجہ سے انسانی زندگی کے آگے کو بدل دیتے ہیں اور جو چیزیں زمان و مکان کے بدلنے سے نہیں بدلتی ہیں ان کے تفصیلی احکام پر مشتمل ہے قال تعالیٰ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" آج میں نے تم لوگوں کے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے، اور تم لوگوں کے لئے میں نے اسلام کو بطور دین اور ضابطہ حیات پسند کیا ہے۔ بخاری و مسلم کی طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ یہودیوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ لوگ اپنی کتاب قرآن میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم لوگ اس کے یوم نزول کو عید کا دن بنا لیتے، حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے تو ان لوگوں نے جواب دیا وہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" ہے

جب انسان غور و فکر کے ساتھ قرآن کے تشریعی قواعد اور کلی اصول پر نظر ڈالتا ہے، تو اس کو یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ اسلامی شریعت نے حیات انسانی کے تمام تقاضے کو اس طور سے پوری کر دی ہے کہ وہ ہر دور کے انسان کی ترقی اور عروج کی ضامن ہے۔ قال تعالیٰ "ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ" ہم نے تم پر جو کتاب نازل کی ہے وہ ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔ قرآن کے اکثر احکام مجمل ہیں، جو مقاصد تشریعیہ اور قواعد عامہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور ان قواعد و مقاصد کی

روشنی میں مجتہدین کے غور وفکر اور استنباط کا موقع چھوڑ دیا گیا ہے، اور قرآن نے صرف ان احکام کی تفصیل بیان کی ہے جن کی تفصیل ضروری تھی، اور اس تفصیل کی وجہ سے ان احکام کا مقام اختلاف ونزاع سے بلند ہوگیا ہے، جیسے عقائد وعبادات ہیں، یا ان احکام کی بنیاد ایسے اسباب پر ہے جو زمان ومکان کے بدلنے سے بدلتے نہیں ہیں۔ جیسے احکام میراث، محرمات نکاح، اور بعض جرائم کی سزائیں ہیں۔ اور یہ طریقہ دائمی شریعت کا لازمی اور ضروری عنصر ہے۔ شریعت اسلامیہ نے کلی قواعد اور عمومی مقاصد کو بیان کرکے اجتہاد کے ذریعہ احکام جزئیات کے استنباط پر ابھارا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ حادثات وواقعات کے احکام معلوم کئے جائیں، اسی طرح قرآن نے علماء اجتہاد واستنباط کو عظیم الشان بتایا ہے، اور بوقت ضرورت پیش آمدہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ قال تعالیٰ "یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" اے مومنو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے ارباب حل وعقد کی اطاعت کرو وقال تعالیٰ " ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم" اور اگر وہ لوگ اس کو رسول یا اپنے ارباب حل وعقد کے پاس لے جاتے تو جو لوگ صاحب استنباط ہیں وہ اس کو جانتے اور سمجھتے۔ وقال تعالیٰ: "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" اور اگر تم نہیں جانتے ہو، تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔

قرآن نے ان آیات کے ذریعہ، اور ان کی طرح دیگر آیات کے ذریعہ، معرفت احکام کے لئے اجتہاد کی دعوت دی ہے، اور اجتہاد پر ابھارا ہے، اور عوام کو اصحاب علم وفضل سے مسائل واحکام معلوم کرنے پر رغبت دلائی ہے۔

اجتہاد: علم الاصول میں جو مشہور ومعروف فقہی اور تشریعی مصادر ہیں، وہ کافی زرخیز اور سرسبز وشاداب ہیں جن کے سرچشمے کبھی خشک نہیں ہوں گے، اور یہ اسلامی شریعت واصول کے مطابق انسانی مقاصد خیر کو پورا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں، تشریع اسلام کے دو عظیم اصل کتاب اور سنت ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسرے مناسب اور متصور اصول بھی موجود ہیں جن میں نئے مسائل ومشاکل کے حل کیلئے ایک اصل اجتہاد ہے۔ اسلامی شریعت زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے، عقیدہ اور عالم الغیب سے اسکا تعلق، عبادتوں کی کیفیت اور اس کی تفصیل، تبادلۂ منفعت کے اصول، اجتماعی وسماجی زندگی کے ضروری امور، عائلی زندگی اور اس کی تعمیر وترقی کے اسباب واغراض، ازدواجی زندگی کی ضرورت وحاجت، معاشرت وولادت کے طریقے اور قاعدے، حکومت وسیاست کے معاملات اور اس کے اصول وفروع، حاکم ومحکوم کے تعلقات اور ان کے فرائض وواجبات، مالی، اقتصادی، انتظامی اور جنگ وامن کے اصول اور ان کے مسائل اور ان کو حل کرنے کی تدبیریں، بین الاقوامی تعلقات کی بنیادیں، اور انفرادی زندگی کے طریقے، الغرض انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی ایسا

گوشہ اور شعبہ نہیں ہے جس پر شریعت اسلام نے اپنی ضیاء فشانی نہ کی ہو، بلکہ قرآن و حدیث کے نصوص، اور فقہاء کے نصوص نے ان سب کو بیان کر دیا ہے، حلال و حرام، پاک و ناپاک، خیر و شر، اور درست و نادرست کے درمیان مکمل تمیز پیدا کر دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص جاں نثار صاحب علم اصحاب نے اپنے بعد پیدا ہونے والے ائمہ مسلمین کے لئے مسائل کے استنباط و استخراج کی راہ ہموار کر دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو قرآن و حدیث کے نصوص کی عدم موجودگی میں اجتہاد پر برقرار رکھا، اور آپ نے ان کی اس وجہ سے تعریف و تائید کی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن بھیجا، تو دریافت کیا کہ اگر کوئی معاملہ تمہارے پاس فیصلہ کے لئے آئیگا تو کیسے فیصلہ کرو گے، معاذ نے جواب دیا، قرآن کے مطابق فیصلہ کرونگا، آپ نے فرمایا اگر اس کا حکم قرآن میں موجود نہ ہو تو کیا کرو گے، معاذ نے جواب دیا تب سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا اگر اس حکم میری سنت میں بھی موجود نہ ہو تو کیا کرو گے، معاذ نے اس کا جواب دیا کہ میں اپنی عقل اور رائے سے اجتہاد کرونگا، اور اس میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا، معاذ کا بیان ہے یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر مارا، اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے اہل علم اصحاب نے نئے مسائل و مشاکل کو حل کرنے کیلئے اجتہاد سے کام لیا، حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں ابو موسی اشعری کی رہنمائی کرتے ہوئے ان کو لکھا تھا کہ اگر تمہارے سامنے ایسے معاملات آجائیں جو کتاب و سنت میں موجود نہیں ہیں، تو غور کرو، اور معاملات کو ایک دوسرے پر قیاس کرو، مثال کی معرفت حاصل کرو، اور ان میں جو عند اللہ زیادہ پسندیدہ اور حق و صواب سے زیادہ قریب ہوں، ان کا قصد کرو۔

شاطبی صاحب الموافقات نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی دو قسم ہے، اس کی ایک قسم یہ ہے کہ جو شرعی احکام نص، اجماع قیاس سے ثابت ہیں، ان کو جزئیات اور خارجی حادثات کے موافق بنایا جائے۔ اور اس قسم کا نام تحقیق المناط ہے۔ دوسری قسم کا نام تنقیح مناط یا تخریج مناط ہے یعنی احکام معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کرنا، ان سب کی مثالیں اصول کی کتابوں میں شرح بسط کے ساتھ مذکور اور موجود ہیں۔

تحقیق مناط یہ ہے کہ جو حکم نص یا اجماع سے ثابت ہو، اور کسی خاص معاملہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو، بلکہ اس کا حکم

عام ہو۔ القصہ قاعدہ کلیہ ہو جس پر عالم اجتہاد بہت سارے جزئیات کو منطبق کرسکتا ہو اسلئے کہ وہ انہیں اصل کی علت ثابت کرکے ان پر اصل کا حکم لاگو کرتا ہے۔ جیسے محرم آدمی اگر شکار کو قتل کردیتا ہے تو اس کا حکم قرآن سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ " یا ایھا الذین امنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم " اے مومنو! تم لوگ حالت احرام میں شکار کو قتل مت کرو، اور تم میں سے جو شخص قصداً اس کو قتل کرے گا، اس پر اس مقتول شکار کی جزا اسی کی مثل پالتو جانوروں میں سے ہے۔

یہ اس حکم پر نص ہے کہ اس کی جزا اسی کے مثل پالتو جانور ہے۔ اور یہ عام ہے۔ بہت سی قسموں کو شامل ہے، اور اس کی ہر نوع نعم کی مثیل ہے۔ لہٰذا مجتہد پر واجب ہے، کہ وہ مقتول شکار کی صفتوں پر غور وفکر کرکے، پالتو جانوروں کے ساتھ اس کا مقابلہ اور موازنہ کرے، اور جس پالتو جانور میں اس سے مشابہت زیادہ موجود ہو، اس کو اس کا بدل قرار دیدے۔

ہر آدمی پر ماں، باپ، اور بیوی بچے کے نفقات شرعی اور فقہی شروط کی موجودگی میں نص اور اجماع سے ثابت ہیں، قال تعالیٰ " الرجال قوامون علی النساء " مرد عورتوں کے حاکم اور ان کی ضروریات زندگی کے کفیل ہیں۔ وقال تعالیٰ " والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة وعلی المولود له رزقھن وکسوتھن بالمعروف " مائیں اپنے بچے کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اور بچے کے باپ پر دستور کے مطابق ان کا کھانا اور کپڑا واجب ہے۔ لیکن نفقہ کی مقدار واجب کی تحدید وتعیین منفق اور منفق علیہ کی حالت کے مطابق مجتہد کی نظر وفکر پر موقوف ہے، اسلئے کہ اختلاف حالات کے اعتبار سے مادی آمدنی اور معاشی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور اس کے بدلنے سے نفقہ میں بھی تبدیلی ہوتی ہے، اور اس کے لئے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

تنقیح المناط کی صورت یہ ہے کہ شارع حکم کی نسبت کسی سبب کی طرف کردیتا ہے اور اس سبب کیساتھ ایسے اوصاف ملے ہوتے ہیں جن کا حکم کے اندر کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا وجود وعدم دونوں برابر ہوتا ہے۔ اور مجتہد ان غیر معتبر اوصاف کو ساقط کرکے صرف سبب حکم کو باقی رکھتا ہے، جسکی وجہ سے حکم کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے۔ اور بہت سارے مسائل اس حکم کے تحت داخل ہوجاتے ہیں۔ جیسے ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا " ھلکت واھلکت " میں خود بھی ہلاک ہوا اور دوسرے کو بھی ہلاک کیا، آپ نے صورت حال دریافت کیا اور پوچھا بات کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے رمضان کے اندر روزہ کی حالت میں بیوی سے مجامعت کرلی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم غلام آزاد کرنے کی استطاعت رکھتے ہو؟

اس حکم کفارہ کے ساتھ متعدد صفتیں موجود ہیں۔ جیسے اعرابی، موطوءہ بیوی، خصوصیت رمضان، ماہ رمضان کی بے حرمتی اس حکم کے اندر پہلی اور دوسری صفت کو کوئی دخل نہیں ہے، اسلئے کہ اسلامی شریعت میں شخصیت کے اعتبار سے احکام کے اندر کوئی تفریق نہیں ہوتی ہے۔ اور زنا بہت ہی بڑی بات ہے، اس کے بعد صرف یہ صفت باقی رہ جاتی ہے کہ ایام رمضان میں جماع کی وجہ سے اس ماہ مبارک کی بے حرمتی ہوئی ہے۔ اور اب اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کے اندر روزہ کو توڑنے والی اور ختم کرنے والی چیزیں مثلاً کھانا، پینا شامل ہے یا نہیں، اس کے اندر علماء کا دو قول ہے۔

تخریج مناط یہ ہے کہ شارع بلا بیان علت و سبب حکم کسی حادثہ کی موجودگی میں صرف اس حادثہ کا حکم بیان کرے ایسی صورت میں مجتہد اپنی اجتہادی قوت و صلاحیت صرف کر کے اس حکم کی علت کو استنباط کرتا ہے، اور جب علت اس کو معلوم ہو جاتی ہے تو اس کو اس حکم کی بنیاد بنا دیتا ہے پھر یہ علت جس واقعے اور حادثے میں پائی جاتی ہے، اس پر وہ شارع کا منقول حکم نافذ کر دیتا ہے اور انہیں اسباب و وجوہ کی بنا پر علماء کے مابین اختلاف پیدا ہوا ہے جیسے ربا کی حدیث ہے "الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواءً بسواء يداً بيد، فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم، اذا كان يداً بيد" سونا سونے سے چاندی چاندی سے، گندم گندم سے، جَو جَو سے، کھجور کھجور سے، اور نمک نمک سے برابر سرابر دست بدست فروخت کرو اور جب یہ انواع مختلف ہو جائیں تو جیسے چاہو فروخت کرو جبکہ وہ دست بدست ہو۔

ان اشیاء کے اندر تفاضل حرام ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی علت محرمہ کو نہیں بتایا ہے اسلئے علماء کے مابین اس کی علت محرمہ میں اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ اس کی علت کیل و وزن ہے، اور ایک قول ہے کہ اس کی علت کیل مع الطعم ہے، اور نقدین کی علت محرمہ ثمنیت ہے، اور ایک قول کے مطابق اس کی علت نقدین کے اندر ثمنیت، اور غلے کے اندر ادخار و اقتیات ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی منقول ہیں۔

احوال جامعہ

"یہ ایک تربیت کدہ ہے مرکزی علوم کا"

اللہ تعالیٰ کا عظیم و بے پایاں فضل وکرم ہے کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) نے اپنی عمر کے تقریباً ۳۰ پچیس سال پورے کر لئے، یہ مدت تعلیمی اداروں کے لئے بہت زیادہ قابل ذکر نہیں، کیونکہ اسی ملک میں جماعت اہل حدیث کے ایسے ادارے موجود ہیں جنھوں نے پوری صدی کا سفر طے کیا ہے، اور آج بھی زندہ و مصروف عمل ہیں، لیکن جماعت اہل حدیث ہند کا مرکزی ادارہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت سے تعلیم وتصنیف کے میدان میں قابل ذکر خدمات انجام دینے کی حیثیت سے پچھلے ۲۵ برسوں میں جامعہ سلفیہ کو کچھ ایسی خصوصیتیں اور امتیازات حاصل ہوئے جن سے اس ادارہ کو علمی وجماعتی حلقوں میں غیر معمولی اعتبار واہمیت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ سلفی نسبت نام سے ملک میں متعدد ادارے قائم ہوگئے اور جو لوگ یہ نام اختیار نہ کر سکے انھوں نے اس ادارہ کو ایک مثالی درسگاہ کی حیثیت دی، اور منہج ومقصد میں اس کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی، جماعتی ادارہ کی اس مقبولیت پر ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ رب ذوالجلال ہمارے اعمال میں برکت اور نیتوں میں خلوص پیدا کرے۔

مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی سرپرستی میں قائم ہونے والے اس ادارہ کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اپنی تاسیس ہی کے وقت سے عالم اسلام کی معروف شخصیت، علم حدیث کے نامور عالم اور برصغیر میں جماعت کیلئے سرمایۂ افتخار ہستی شیخ الحدیث علامہ ابوالحسن عبیداللہ رحمانی حفظہ اللہ وتولاہ کی سربراہی کا اعزاز حاصل ہے۔ جامعہ کے آغاز ہی سے موصوف اس کے صدر اور مربی ورہنما ہیں، اور آپ ہی کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق ومدد اور اعیان جماعت کے تعاون سے اس ادارہ کے علمی سفر کا سلسلہ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت سے جامعہ کا تعمیری مرحلہ بڑی حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس شعبہ کی ضروریات ختم ہیں، بلکہ تاہنوز جامعہ سلفیہ میں چند بڑی بڑی تعمیرات باقی ہیں، جن کے لئے توجہ اور تعاون کی ضرورت ہے، اس لئے جامعہ کے سلسلہ میں کوئی ایسا تاثر کہ وہ تعمیری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکا ہے، صحیح اور

نیک نیتی پر نہیں کہا جا سکتا۔

دینی تعلیمی اداروں کے مابین مسابقت و منافست کے اس دور میں ہم جامعہ کی تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات کے تعارف کے لئے عبارت آرائی کی زحمت نہیں اٹھانا چاہتے۔ بلکہ ہمدردان جماعت سے گذارش کریں گے کہ وہ ملک میں اور ملک سے باہر جامعہ کی خدمات اور اس کے کاموں کے حجم و تاثیر کو خود معلوم کرنے کی کوشش کریں، تاکہ انہیں "کم و بیش" کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اسی طرح ہماری یہ توقع بھی ہے کہ بہتر کارکردگی کے لئے ہمارے مخلصین ہماری رہنمائی کریں گے۔

علمی میدان میں کسی مرکزی ادارہ کی ترقی کا مطلب دوسرے لفظوں میں مسائل اور ذمہ داریوں کا اضافہ ہے۔ اس لئے ادارہ کی ترقی کی بات سے جب ہمدردان جماعت کو مسرت و طمانیت حاصل ہو تو اسی کے ساتھ دلوں میں جوش اور ارادوں میں قوت بھی پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نئے مسائل اور نئی ذمہ داریوں کو خیر و خوبی سے انجام دیا جا سکے

اہل خیر سے گذارش

جامعہ کی ۳۲ سالہ زندگی میں ارباب جماعت نے جس طرح اس ادارہ کے ساتھ تعاون و ہمدردی کی ہے۔ اور ہمت و حوصلہ سے کام لیکر اس کو آگے بڑھایا ہے اس کے لئے ہم بیحد ممنون ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے معاونین کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور دین و دنیا میں ان کو اجر جزیل سے نوازے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا جامعہ کی مرکزیت کے تقاضے بھی مرکزی ہیں۔ اس لئے اہل خیر سے ہماری گذارش ہے کہ جامعہ سلفیہ کے حالات و ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھائیں اور رمضان کے مبارک مہینہ میں مالی حیثیت سے اس ادارہ کو اتنا مضبوط کر دیں کہ اپنے علمی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں اسے کسی طرح کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ اہل خیر کا جس قدر اخلاص و تعاون ادارہ کے ساتھ ہوگا اسی نسبت سے اس کی ترقی و کامیابی سامنے آئے گی۔

ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ مادی وسائل کی کمی کے باعث جامعہ ہر سال داخلہ کے امیدوار طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد کو (جو اکثر دو تہائی سے زیادہ ہوتی ہے) واپس کرنے پر مجبور رہتا ہے۔ اگر ملت و جماعت کے مخلص و مخیر اصحاب طلبہ کی کفالت کے شعبہ کو اپنے تعاون سے مزید مضبوط بنا دیں تو طلبہ کی ایک بڑی تعداد مایوسی سے بچ سکتی ہے۔

دارالیتامیٰ کا قیام

اقتصادی ناہمواری میں مبتلا والدین اور سرپرستوں کے لئے بچوں کی تعلیم کا مسئلہ بڑی الجھن کا سبب بنا رہتا ہے، یہ لوگ چاہتے ہوئے بھی اولاد کو مناسب تعلیم نہیں دلا پاتے اور جن بچوں کے سروں سے والدین کا یا کسی ایک کا سایہ اٹھ جاتا ہے تو ان کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ عام حالات میں ان کی تعلیم کا کوئی بندوبست ہی نہیں ہو پاتا۔

اس صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ کے ذمہ داروں نے دارالیتامیٰ کے قیام کا فیصلہ کیا ہے جو ان شاء اللہ شوال ۱۴۰۹ھ سے شروع ہو جائیگا۔ اس میں ایسے یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہوگا۔ جن کے متعلقین جامعہ میں ان بچوں کو رکھ کر زیور علم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی اپنے معاونین سے توقع ہے کہ وہ دارالیتامیٰ کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا لحاظ رکھتے ہوئے بیش از بیش تعاون پیش کریں گے۔ اور عند اللہ ماجور ہوں گے۔

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔

صوبائی جمعیۃ اہلحدیث بنگال کے سالانہ اجلاس کلکتہ میں مدیر محدث کی شرکت

۸ر ۹ مارچ بروز چہارشنبہ پنجشنبہ ۱۹۸۹ء کو صوبائی جمعیۃ اہلحدیث مغربی بنگال کا سالانہ اجلاس شہر کلکتہ میں جمعیۃ اہلحدیث کے زیر سرپرستی جناب حافظ عین الباری کے اہتمام میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں شرکت کے لئے ماہنامہ محدث بنارس کے مدیر جناب مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب نے کلکتہ کا سفر کیا، اجلاس کے [redacted] کے متعدد علاقوں میں اخوان جماعت سے ملاقاتیں کیں او[redacted] بھی گیا۔ موصوف مدیر جمیعہ و منیجر جامعہ سلفیہ بنارس واپس تشریف لائے۔

(ادارہ تحریر)

ماهنامہ

محدث

بنارس

شمارہ نمبر ۵ | مئی ۱۹۸۹ء شوال ۱۴۰۹ھ | جلد نمبر ۷

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب
وارانسی

بدلِ اشتراک

سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ تین روپے

اس شمارہ میں

درس قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا عبدالوہاب حجازی

رسالت محمدی کی ناشکری کا انجام

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ . وَلَا يَسْتَثْنُونَ
فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ، فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ،
فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ، أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ . فَانطَلَقُوا
وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ . أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ . وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ
قَادِرِينَ . فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ . قَالَ أَوْسَطُهُمْ
أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ . قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ، (سورۂ نون)

یقیناً ہم نے کفار مکہ کو اسی طرح آزمایا جس طرح باغ والوں کو آزمایا تھا ، جب انھوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح تک باغ کے پھل توڑلیں گے اور وہ انشاء اللہ بھی نہ کہتے تھے . تو ان کے سونے کے وقت تمہارے رب کی طرف سے اس باغ پر ایک آفت پھر گئی اور وہ کٹے کھیت کی طرح ہوگیا صبح ہوتے ہی انھوں نے باہم آوازیں دیں کہ پھل توڑنے ہیں تو باغ میں صبح تڑکے چلو . وہ چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تمہارے پاس کوئی مسکین نہ آنے پائے . وہ صبح ہی اپنی تدبیر پر قدرت کا خیال لیے تیزی سے پہونچے . جب انھوں نے باغ دیکھا تو بولے ہم یقیناً راہ بھول گئے ، نہیں بلکہ ہم سب محروم ہوگئے . ان میں جو اچھا تھا اس نے کہا ، کیا میں نے تم لوگوں سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی پاکی کیوں نہیں بیان کرتے ، سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے یقیناً ہمیں ظالم تھے "

مکہ اور عرب کے کافر محسن انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے وہ نہیں سمجھتے تھے کہ پیٹ کیلئے غذائیں اور پھل فروٹ مہیا کرنے والا اللہ عزوجل کی بھوک مٹانے کے لیے رسالت کی غذا مہیا کیا کرتا ہے . اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں ایک باغ کے مالکوں کی مثال بیان فرمائی ہے . جن کی ناشکری کے سبب باغ کو تباہ کرکے مالکوں کو مبتلائے عذاب کر دیا گیا تھا . اس مثال میں یہ درس دیا گیا ہے کہ جو منکرین رسالت محمدی کو تسلیم نہیں کرتے تباہی اور عذاب ان کا بھی مقدر ہے . آج تباہی اور عذاب بھی مقدر ہوسکتا ہے جو عملاً رسالت محمدی کو تسلیم نہیں کرتے

درس حدیث

ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفریوائی

ماہ شوال کے چھ روزے

من صام رمضان ثم اتبعه بست من شوال كان كصيام الدهر (صحیح مسلم)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے مدت العمر روزے رکھے۔

صیام رمضان اسلام کے بنیادی ارکان وفرائض میں سے ایک فریضہ ہے جس کی فضیلت سے متعلق بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں، ماہ رمضان کے بعد شوال کے مہینے میں اللہ رب العزت نے اپنے لطف وکرم سے مسلمانوں کو ایک اور بہترین موقع عنایت فرمایا اور اس کا ثواب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتا دیا۔

حدیث میں صیام دہر کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اگر انسان پوری زندگی باقاعدگی سے ماہ رمضان کے روزے، اور ماہ شعبان کے چھ روزے رکھتا رہے تو قانون الٰہی کے مطابق گویا وہ مدت العمر روزہ رکھتا ہے۔ یعنی اس کا ثواب حاصل کرتا ہے اس لئے کہ "الحسنة بعشر امثالها" نیکیوں کا ثواب دس گنا ہے والے قاعدہ کے مطابق ایک ماہ یعنی تیس دن کے روزوں کا ثواب دس ماہ یعنی ۳۰۰ دن کا ثواب ہوا۔ شوال کے چھ دن کا ثواب ساٹھ دن یعنی دو ماہ کا ہوا۔ اس طرح پورے سال کے روزوں کے ثواب کا مسلمان مستحق ہوا۔

اس مفہوم کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں موجود ہے سنن نسائی وغیرہ میں حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نیکی کا ثواب دس گنا مقرر فرمایا ہے۔ رمضان کا ایک ماہ دس ماہ کے

برابر، اور عیدالفطر [illegible] کے چھ روزے سال کے تتمہ وتکملہ ہوئے۔ صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ ماہ رمضان دس ماہ کے برابر ہوا۔ اور شوال کے چھ روزے دو ماہ کے برابر یہ سال بھر کا روزہ ہوا۔ اسی مفہوم کی حدیث ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے۔

مذکورہ صحیح وصریح حدیث اور اس کے شواہد کی روشنی میں ماہ شوال کے ان چھ روزوں کا رکھنا مستحب ومشروع ہے۔ ائمہ اسلام نے ان احادیث کو اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔ اور انھیں دلائل کی بناء پر اس کے استحباب کے قائل ہیں۔

امام شافعی، امام احمد، وامام داؤد ظاہری وغیرہ اس کے استحباب کے قائل ہیں۔ امام مالک وامام ابو حنیفہؒ سے اس کی کراہت منقول ہے لیکن کراہت کے قائلین کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے، جبکہ اس کے استحباب ومشروعیت کے قائلین کے پاس مذکورہ صحیح وصریح حدیث موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام علماء حنفیہ کے نزدیک یہ روزے مکروہ نہیں ہیں، اور ان کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ان روزوں کو عیدالفطر کے بعد مسلسل چھ دنوں میں یا بعد میں مسلسل رکھا جائے یا پورے مہینے میں کبھی بھی متفرق اوقات میں رکھا جائے۔ اس سلسلے میں کوئی واضح حکم ہمیں نہیں ملتا ہے۔ اس لئے حسب توفیق آدمی جیسے چاہے ان کو رکھ لے۔

البتہ بعض اہل علم نے اسے عید کے فوراً بعد اور مسلسل رکھنا افضل لکھا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا مختار مذہب یہ لکھا ہے کہ اسے اول مہینہ میں مسلسل رکھا جائے۔

عبداللہ بن المبارک ہی کا ایک قول یہ بھی ہے اگر اسے متفرق طور پر بھی رکھا جائے تو جائز ہے، امام نووی نے شوافع سے یہ نقل کیا ہے کہ عیدالفطر کے بعد ان چھ روزوں کا مسلسل رکھنا افضل ہے۔ اگر ان کو متفرق رکھ لے یا اواخر ماہ میں رکھ لے جائے تو متابعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی اس لئے کہ ماہ شوال میں چھ روزے رکھنے پر یہ صادق آتا ہے کہ اس نے ماہ رمضان کے بعد ان روزوں کو رکھ کر متابعت کی ہے۔

ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں شروع یا آخر شوال میں مسلسل یا متفرق رکھنے سے کوئی فرق نہیں آتا ہے، اس لئے کہ حدیث میں ان روزوں کے سلسلے میں کوئی قید نہیں وارد ہوئی ہے۔

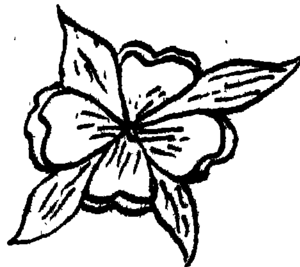
ہندوستان وپاکستان میں ان روزوں کو "شش عیدی" کہا جاتا ہے، اگر اس کا یہی مفہوم ہے

جو "شوال کے چھ روزوں" کا ہے تو بظاہر اس اصطلاح میں کوئی قباحت نہیں، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک بدعت کار فرما ہے اور وہ یہ کہ پچھلے زمانوں میں لوگ ان روزوں کے اختتام پر ۸ شوال کو باقاعدہ عید کی طرح مناتے تھے اور اس میں کھانے پینے کا اہتمام کرتے تھے۔ آج بھی شمالی ہندوستان میں سوئیوں کی حد تک اس کا اہتمام میں نے خود دیکھا ہے۔ تلاش بسیار کے بعد اس دن کو بطور عید منانے کے بدعت ہونے پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ایک تحریر مل گئی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عیدین اور ایام تشریق میں لوگوں کو کھلانا پلانا سنت ہے، اور یہ شعائر اسلام میں سے ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے اختیار کیا ہے ماہ رمضان میں فقراء و مساکین کو کھلانا پلانا بھی شریعت اسلام میں مسنون ہے۔

مشروع عیدوں اور تہواروں کے علاوہ دنوں کو عید و تہوار بنانا بدعت ہے جیسے ماہ ربیع الاول میں میلاد نبوی کی رات یا ماہ رجب کی بعض راتیں یا ۱۸ ویں ذی الحجہ یا رجب کا پہلا جمعہ یا آٹھ شوال جس کو جاہل "عید الابرار" کا نام دیتے ہیں یہ امور بدعات کے قبیل سے ہیں۔ سلف نے ان کو استحباب کی نظر سے نہیں دیکھا اور نہ اس کو منایا۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۲۹۸)

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شریعت پر عمل کی مزید توفیق دے، اور ہر طرح کے مشرکانہ اور بدعی اعمال سے بچائے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



افتتاحیہ

جمہوری کردار کی ایک روشن مثال

ہمارے ملک ہندوستان کا سیاسی نظام جمہوری ہے، دورِ جمہور کے اولین مدبرین نے کامل تجربات اور علم کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس وسیع ملک کے لئے جس میں مختلف نسل، تہذیب، زبان، مذہب، تاریخی پس منظر اور قدم قدم پہ مختلف جغرافیائی اور طبعی حدود و احوال رکھنے والے انسانوں کی کثرت ہے جمہوری نظام کے سوا کوئی اور نظام کارآمد نہیں ہو سکتا۔ یہ جمہوری نظام چالیس سال کے عرصہ سے اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ زندگی کے مختلف میدانوں میں مصروف عمل ہے۔ اس احساس کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ بہت سی جمہوریت مخالف قوتیں غیر تعمیری راستوں کی طرف جمہوری عمل کا رخ پھیرنے کے لئے اس کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں، تاہم اس حقیقت سے کسی فرد انسانی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جمہوریت کے تقاضے سب سے مقدم ہونے چاہئیں اور ان کے ساتھ ہی ہمیں اس اعتراف میں بھی کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیئے کہ اتنی لمبی مدت گزرنے کے باوجود یہ تقاضے پورے نہیں ہو سکے۔ پھر بھی الفاظ و نظریات کی حد تک ہمیشہ ذمہ داران نظام جمہوری کی یہ کوشش نظر آتی ہے کہ جمہوری تقاضوں کو پورا کیا جائے اس وسیع ملک میں جمہوریت کی صریح پامالی کی بہت سی مثالیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں اگرچہ اس کے ساتھ ہی کچھ مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جو خیرسگالی اور بیدار مغز قلب باہم سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان اور باہری دنیا کی سیاست عمومی طور پر اچھے کردار و اعمال کی حامل نہیں ہے جس کے نتیجہ میں عوام اور انسانی فلاح و بہبود کی تمام اعلیٰ اقدار کی پامالی ہوتی رہتی ہے۔ اور انسانی زندگی کی گتھیاں سلجھنے کے بجائے اور الجھتی جاتی ہیں اور نئے نئے مسائل اور مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مسلم سیاستدان اور لیڈران ایسے بہت کم ہیں جو اسلامی اقدار و اعمال کے حامل ہوں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ان کے وجود سے ملت اسلامیہ کی نمائندگی ہوتی ہے اور ان سے کچھ

فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ رفاہ عام اور خدمت خلق کا کام کرنے والے مسلم سیاست داں جب سیاسی میدان میں کامیاب ہوتے ہیں تو ایک طرف ان سے مسلمانوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف ملک کے جمہوری کردار میں رنگ بھرتا ہے۔ بنارس کا رپوریشن کے میئر شپ کیلئے جناب صالح انصاری صاحب کی کامیابی کو ہم اسی طرح کا ایک واقعہ کہہ سکتے ہیں۔

بنارس قدیم زمانہ سے ایک مذہبی، صنعتی اور تاریخی شہر رہا ہے۔ یہاں مختلف مذاہب، زبان اور تہذیب کے لوگ بستے ہیں۔ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کی وجہ سے جس طرح اس شہر کی خوبصورتی کا احساس ہوتا ہے ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی لگا رہتا ہے کہ کب تصادم کی صورت حال پیدا ہو جائے؛ مسلمانوں کے باہمی حالات ایسے ہیں کہ جن سے کسی مفید ملی اتحاد کا اشارہ نہیں ملتا، وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کے تعلیمی اور رفاہی ادارے بھی ہیں لیکن کسی سے ایسی نمائندگی نہیں ہوتی جسے مسلم اتحاد کا نام دیا جا سکے اس طرح کے احوال میں جناب صالح انصاری صاحب کی کامیابی قومی یکجہتی اور پر امن بقائے باہم کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ درحقیقت اس معاملہ میں بڑی حد تک کارپوریٹروں کا صحیح جذبۂ اتحاد و یکجہتی قابل تعریف ہے۔ ساتھ ہی یہ اعتراف مبنی برحقیقت ہے کہ جناب صالح انصاری صاحب کی شخصیت بنارس کے عوام میں یقیناً مقبول ہے۔ یہ ان کے رفاہی کاموں اور خدمات ہی کا اثر ہے کہ لوگوں نے انھیں اس اہم منصب کے لئے منتخب کیا ہے۔

جناب صالح صاحب کے خاندان کا ہمیشہ سے رفاہی کاموں سے تعلق رہا ہے اور اس وصف کیلئے وہ شہر بنارس میں اور اس سے باہر بھی شہرت رکھتا ہے۔ اس پس منظر میں اس عظیم ذمہ داری کے بعد جس طرح بنارس کے عام شہریوں کو تعلیمی اور رفاہی کاموں کا فائدہ ہوگا۔ اسی طرح محدود پیمانہ پر جمہوریت کے وہ اصول بھی اجاگر ہونگے جن کی ہندوستانی معاشرہ کو شدید ضرورت ہے۔

ہم ادارہ تحقیقات کی طرف سے جناب صالح انصاری صاحب کو اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ کے میئر شپ کا دور بنارس کی تاریخ میں مثالی دور رہیگا۔

جناب الحاج محمد صالح انصاری صاحب میئر کارپوریشن بنارس

کا مختصر تعارف

ابو جاوید سلفی

خانگی نشو ونما ۵ مئی ۱۹۳۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی. دس سال کی عمر میں والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، والد محترم محمد فاروق صاحبؒ نے تعلیم و تربیت پر مکمل توجہ مبذول کی. علمی ترقی اور سماجی خدمات میں وہ صالح صاحب کو نہایت نمایاں دیکھنا چاہتے تھے. ساتھ ہی دینی امور نماز روزہ کے لئے بڑی تاکید فرماتے تھے. ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ اپنی تمام اولاد کو خصوصا سالم صاحب کو، جو سب سے بڑے نیز سالم صاحب سے دس سال بڑے تھے، کھانے کے موقع پر اکٹھا فرماتے، مختلف قسم کی باتیں کرتے خاص طور سے صالح صاحب سے دینی امور، کاروبار خاندانی مسائل اور دیگر مسائل سے متعلق گفتگو فرماتے، آگے چل کر اس تربیت کا صالح صاحب کو بڑا فائدہ ہوا۔

اپنے خاندان کے متعلق موصوف کے والد محترم بڑے دیندار اور مذہبی تھے ساتھ ہی سماجی اور دنیاوی کاموں میں بھی دلچسپی لیتے تھے. اقربا کی ترقی کے بے حد خواہاں تھے چنانچہ جناب عبد العلیم عبد الحئی صاحب ان کے زمانہ میں میونسپلٹی کے ممبر بلکہ وائس چیئرمین منتخب ہو گئے تھے، وہ جناب عبید اللہ الحریری کو کارپوریٹر بنانا چاہتے تھے. لیکن یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ خاندان کے متعلق جناب صالح انصاری صاحب کا تاثر یہ ہے کہ:

"ہمارے خاندان کے لوگ بڑے دیندار ہیں لیکن میری رائے میں عموما خاندان کے لوگ سماجی امور سے شغف بہت کم رکھتے ہیں، گویا دنیا کے مسائل سے واسطہ نہیں، حالانکہ آخرت کو سنوارنے کے لئے دنیا کے ان کاموں کی انجام دہی بھی ضروری ہے۔"

تعلیم ابتداء میں آپ نے مدرسہ جامعہ رحمانیہ میں درجہ دوم تک تعلیم حاصل کی، ماسٹر عبد المجید صاحب جو ریاضی پڑھاتے تھے اور قاری احمد اللہ صاحب جو قرآت اور قرآن ناظرہ کے استاذ تھے آپ کے بڑے شفیق

اساتذہ میں سے تھے۔ مدرسہ رحمانیہ کے بعد جے نرائن ہائر سکنڈری اسکول میں آپ نے درجہ سوم کی تکمیل کی۔ مولانا عبدالمجید الحریری کی تحریک پر ۱۹۴۲ء میں آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں درجہ چہارم میں داخلہ لیا اور دو سال رہ کر درجہ پنجم پاس کیا۔ اس وقت جامعہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب تھے دو سال تک انھیں کی سرپرستی آپ کو حاصل رہی۔ پھر جب تقسیم پاکستان کا عمل شروع ہوا اور ۱۹۴۷ء میں فسادات کے ہنگامے شروع ہوئے تو آپ کو جامعہ چھوڑ کر بنارس آنا پڑا۔ سات مہینے کسی اسکول میں داخلہ لئے بغیر بعض اساتذہ کے تعاون سے گھر ہی پر تیاری کر کے ڈائرکٹ جے نرائن ہائر سکنڈری اسکول کے آٹھویں درجہ میں داخلہ لیا۔ اس کے بعد یوپی بورڈ سے ۱۹۴۹ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے علی گڈھ گئے۔ آپ کے والد محترم کی بڑی خواہش تھی کہ صالح صاحب ڈاکٹر بنیں اس لئے وہ سائنس کی تعلیم دلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے علی گڈھ میں سائنس کے مضامین لئے۔ وہاں انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد لکھنو میڈیکل کالج کے پری میڈیکل ٹسٹ میں بھی شریک ہوئے لیکن قسمت نے یاوری نہ کی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ موضوع صالح صاحب کی طبیعت سے میل نہیں کھاتا تھا لیکن والد کی خواہش تھی اس لئے اس میں شریک ہوگئے تھے۔ علی گڈھ میں آپ نے بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا۔ لیکن والد کی خرابی صحت کے سبب تعلیم آگے جاری نہ رہ سکی اور ان کا حکم ہوا کہ بنارس آکر کاروبار اور چھوٹے بھائیوں کی نگہداشت کی ذمہ داری سنبھالیں چنانچہ موصوف ۱۹۵۴ء میں بنارس آگئے۔

آپ نے کاروبار اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس وقت کام صرف مدراس میں ہوتا تھا۔ یہ آپ کے مزاج کے مطابق نہ تھا اس لئے رخ بدل کر اسے آپ نے بمبئی اور دلی وغیرہ میں بھی پھیلایا اور اس سلسلہ میں بنارس چوک میں اپنی دوکان اور آفس کھولا۔

سماجی مشاغل کاروباری مشاغل کے ساتھ موصوف بہت سے اداروں سے بھی منسلک رہے آپ یوپی ہینڈلوم کارپوریشن کے ڈائرکٹر منتخب کئے گئے۔ بنارس کی سماجی سوسائیٹیوں جیسے ایجوکیشنل سوسائٹی اور پبلک ویلفیر سوسائٹی کے صدر منتخب کئے گئے۔ اور تاہنوز ان کے صدر آپ ہی ہیں بڑی بازار بنارس میں ادارہ مطلع العلوم کے بھی آپ صدر ہیں۔ اس ادارہ کے ماتحت چلنے والے اسکول گلستاں (نرسری اسکول) اور بوستاں دا انگلش اسکول کے صدر بھی آپ ہی ہیں۔ رفاہِ عام اور خدمت

خلق سے متعلق جتنے بھی کام ہوتے ہیں موصوف ان میں لوگوں کے حسب منشا ضرور حصہ لیتے ہیں، آپ تقریباً نو سال سے اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے ڈائرکٹر ہیں۔ آپ ریڈکراس سوسائٹی آف انڈیا کے لائف ممبر ہیں، سنٹرل سلک بورڈ گورنمنٹ آف انڈیا کے بھی آپ ڈائرکٹر ہیں۔ نیز اکسپورٹ کریڈٹ گارنٹی کارپوریشن آف انڈیا کے بھی آپ ڈائرکٹر ہیں، آپ آل انڈیا مومن کانفرنس کے نائب صدر ہیں۔ والد کی تربیت ہی کا یہ اثر ہے کہ رفاہ عام اور خدمت خلق کے کاموں میں آپ نے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر آپ نے ضروری کاموں پر بھی خدمت خلق کو ترجیح دیتے ہیں۔

حج گڈول مشن جسے حکومت ہند حج کے زمانہ میں ہندوستانی حاجیوں کے انتظام اور حکومت سعودیہ سے خیر سگالی کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لئے بھیجتی ہے اس کے ممبر کی حیثیت سے ۱۹۸۰ء میں موصوف حج کے لئے تشریف لے گئے اور یہ موقع دوبارہ موصوف کو ۱۹۸۳ء میں بھی حاصل ہوا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ وفد میں دوبارہ انتخاب کسی خاص امتیاز و ترجیح ہی کی بنا پر ہوتا ہے۔ جبکہ موصوف نہ ممبر پارلیامنٹ ہیں اور نہ ہی کوئی حکومتی آفیسر۔ اس موقع پر مکہ مکرمہ میں آپ نے امام حرم شیخ محمد بن سبیل سے تبادلۂ خیالات کیا، موصوف نے آپ کو دعوت بھی دی تھی، جامعہ سلفیہ کی موتمر الدعوۃ والتعلیم میں شرکت کے لئے جب موصوف بنارس تشریف لائے تھے تو خاص طور سے آپ سے ملاقات کی تھی۔ سعودی گورنمنٹ کے اعلیٰ آفیسران سے سرکاری ملاقاتوں کے علاوہ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور دیگر بڑی شخصیات سے سماجی نوعیت کی بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

بیرونی سفر

آپ نے دنیا کے مختلف گوشوں کا بارہا سفر کیا ہے اس کے نتیجہ میں آپ کو یہ تجربہ حاصل ہوا کہ بنارس میں جو انتظام اور ترقی ہونی چاہیئے وہ یہاں نہیں ہو رہی ہے۔ کارپوریشن کے الکشن کا جب اعلان ہوا تو آپ کے احباب کا سخت اصرار ہوا کہ میئر کی ذمہ داری کے لئے آپ اپنی خدمات پیش کریں۔

آپ کے احباب درحقیقت آپ کو اس کا اہل سمجھتے تھے۔ ان کے اس احساس نے قطع نظر موصوف نے اس عظیم ذمہ داری کے لئے خود کو اس جذبہ کے ساتھ امیدوار بنایا کہ بنارس کی جو حیثیت ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے۔ اور اسے اس کی اصلی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے، یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے موصوف کو کامیاب فرمایا۔ اور ایسی عزت عطا فرمائی جس کی مثال اتر پردیش کی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ موصوف کے خود یہ الفاظ ہیں کہ:

میئر شپ کے متعلق آپ کے تاثرات

جہاں اللہ نے یہ اعزاز دیا ہے وہیں بہت بڑی ذمہ داری بھی دی ہے اور میں اس کی ذات میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ مجھے ان تمام

مشکلات کو حل کرنیکا ذریعہ اور وسیلہ بنائے گا کیونکہ وہی ہر چیز پر قادر ہے اور اسی کے حکم سے سارا کام اور ساری چیز وجود میں آتی ہے۔

جامعہ سلفیہ اور صالح صاحب موصوف کا جامعہ سلفیہ بنارس سے اس کی تاسیس ہی کے وقت سے تعلق رہا ہے جامعہ میں جس پیمانہ کی دینی تعلیم ہو رہی ہے وہ ہمیشہ اسے قابل ستائش گردانتے رہے۔ البتہ جامعہ سلفیہ کے مزید عروج و ترقی کے سلسلہ میں موصوف کے جذبات اور عزائم خود انھیں کے الفاظ میں اس طرح ہیں۔

ایک بات میں جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران سے عرض کرنا چاہوں گا کہ وہ اپنے یہاں کچھ ایسے مضامین کو بھی شامل کریں جس سے فارغ شدہ طلبار مستقبل میں ایک کامیاب صنعتی اور ٹیکنیکل زندگی گذار سکیں۔

تقریب تہنیت

مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء کو جامعہ سلفیہ کے دارالحدیث ہال میں شہر بنارس کے نومنتخب میئر جناب محمد صالح انصاری کے اعزاز میں ایک تہنیتی تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں شہر کے معززین اور جامعہ کے ذمہ داران، اساتذہ وطلبہ شریک تھے۔

اس طرح کے مواقع پر تقریب کا انعقاد معروف بات ہے، لیکن مذکورہ تقریب کو کئی لحاظ سے ایک مخصوص معنویت واہمیت حاصل ہے۔ بنارس شہر میں مسلم آبادی دیگر شہروں کی طرح اقلیت میں ہے، اور چونکہ یہ شہر برادران وطن کے لئے مذہبی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے یہاں پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے اندیشے اور خدشے زیادہ رہتے ہیں، کبھی کبھی چھوٹا سا معاملہ احساسات کی لو کو بہت بڑھا دیتا ہے، اور حالات کشیدہ ہوجاتے ہیں۔

شہر کی مسلم آبادی کے باہمی تعلقات بھی ایک طرح کے مستقل تناؤ اور کشاکش ہی کی عکاسی کرتے ہیں، مسلکوں اور جماعتوں میں بٹے ہوئے مسلمان چھوٹے بڑے ہر معاملہ میں مسلکی تشخص کیلئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ اور ہمہ گیر اتحاد وتعاون کے مناظر بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ مسلکی معاملات کے علاوہ عام انسانی برادری کی بہبود کے لئے جو کام انجام دیئے جاتے ہیں ان پر بھی مسلک کی چھاپ واضح رہتی ہے۔

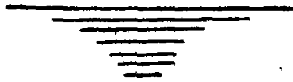
مذہب ومسلک کی بنیاد پر پائی جانے والی اس تشخص پسندی وتفرد دوستی کے باوجود اتحاد ویکجہتی کے مناظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام انسانیت کی فلاح وبہبود کے موضوع پر سوچنے والے ذہن اور طبقاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر دیکھنے والی نگاہیں بھی شہر میں موجود ہیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی طرح کا جذبہ شہر کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی روایت کے

شایانِ شان اور قلب و نظر کی وسعت کا ترجمان ہے ۔

انصاری صاحب کے میئر منتخب ہونے پر شہر کے عوام نے جس طرح مسرت واطمینان کے جذبات کا اظہار کیا اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی طبیعت میں فطری طور پر اتحاد وتعاون کی طرف جھکاؤ اور اس سے محبت موجود ہے ۔لیکن کسی وجہ سے خارجی حالات ایسے پیدا کر دیئے جاتے ہیں کہ انسان اپنی بہتری کی راہ سے کنارہ کش ہو کر تباہی وبربادی کی راہ پر چل پڑتا ہے ۔اور پھر عرصہ تک اس کو احساس نہیں ہوتا کہ اتحاد دشمنی کی جس آواز پر اس نے لبیک کہا ہے ۔اس میں انسانیت کا کتنا بڑا خسارہ ہے۔

محترم انصاری صاحب مدنپورہ کے جس خاندان کے چشم وچراغ ہیں اس کا جماعت وملت کے دینی کاموں سے گہرا تعلق ہے ۔اور یہی خاندان جامعہ سلفیہ کی سرپرستی وخدمت کا خوشگوار فریضہ انجام دے رہا ہے ۔ تحدیثِ نعمت اور اعتراف جمیل کے طور پر جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبدالوحید سلفی صاحب اور دیگر ذمہ داروں نے مذکورہ تہنیتی تقریب منعقد کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا ۔اور یہی داعیہ محدث کے صفحات میں اس واقعہ کی قلمبندی کا بھی ہے ، ورنہ آج کے دور میں حکومت وانتظامیہ کا کل پرزہ بن کر ایک مخلص مسلمان جن الجھنوں سے دوچار ہوتا ہے وہ مخفی نہیں ہیں ۔

ادارۂ محدث کی طرف سے محترم صالح صاحب کی بیمثال کامیابی پر ان کو پرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہوئے ہم ذیل میں پروگرام کے بعض مواد اور وہ تہنیتی نظم درج کر رہے ہیں جسے اردو کے ہر دلعزیز نامور اور کہنہ مشق شاعر جناب فضا ابن فیضی نے میئر صاحب کی خدمت میں نذر کیا ہے ۔"



سپاسنامہ

بخدمت عزت مآب الحاج محمد صالح انصاری صاحب

میئر وارانسی نگر مہاپالیکا۔ وارانسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنارس کا عظیم تاریخی شہر ملک میں اور ملک سے باہر بڑی اہمیت و شہرت کا حامل ہے اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ شہر کی اس حیثیت میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

قدرت کی فیاضیوں سے اس خطۂ زمین پر جو حسن و آراستگی نظر آرہی ہے اس کے ساتھ ہی یہاں انسانی فکر کی کاوشوں کے آثار بھی جلوہ گر ہیں۔ اس شہر کی قدامت کے دریچوں سے مذہب و سیاست، اقتصاد و ثقافت، فکر و فن کے شفاف چہرے بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔

شہر کی اس معنویت و دلکشی نے مرزا غالب و علی حزیں جیسے نامور شعراء کو اس کی مدح سرائی میں نغمہ سرا کیا اور ہر دور میں مختلف محاسن و کمالات کے پیکروں نے اسے زینت بخشی۔ جدید دور میں اس شہر کو خصوصیت کے ساتھ صنعت و ثقافت کے میدان میں امتیاز حاصل ہوا۔ چنانچہ یہاں متعدد تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں قائم ہوئیں اور ریشمی پارچہ بافی کی صنعت کو غیر معمولی عروج حاصل ہوا۔

شہر کی ان تاریخی عظمتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم اپنے معزز مہمان اور شہر کے میئر جناب محمد صالح انصاری کی بے مثال کامیابی پر نظر ڈالتے ہیں تو شہر کی عظمت کا احساس دوبالا ہو جاتا ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ شہر کو تعمیر و ترقی کی ایک خوشگوار منزل سے ہمکنار کریں گے۔

مہمان گرامی! اراکین انجمن جامعہ رحمانیہ مرکزی دارالعلوم کے اس وسیع ہال میں آپ کا پرخلوص استقبال کرتے ہوئے اور دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے بے پناہ مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اس تعلیمی ادارہ سے آپ

ہیں وسرپرستی کا ہے اور ہمیں اس نسبت پر فخر و اعتزاز ہے۔ آپ کی ذات اور آپ کے خاندان سے جس طرح ہر کے تعلیمی و رفاہی اداروں کو قوت و حوصلہ ملا ہے اس کی ہمارے دلوں میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ اور ہمیں ین ہے کہ شہر بنارس کے میئر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد آپ کی کرم گستری اور حسن معاملت سے پورا شہر مزید وسعت ساتھ فیضیاب ہوگا۔

مخدوم مکرم! بنارس کے شہریوں اور بالخصوص ممبران کارپوریشن نے آپ کو میئر منتخب کر کے جس دور رسی معاملہ فہمی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے لئے وہ لائق ستائش ہیں۔ ہمارے ملک کی طرح ہمارا یہ شہر بھی مختلف مذاہب و ہذیب کا سنگم ہے۔ یہاں کے باشندوں نے قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی مثال قائم کی ہے اور ہر دور میں ل انصاف اور اخوت و مساوات کے اصولوں کی حمایت کی ہے۔ مقام مسرت ہے کہ ان کی یہ روایت میئر کے خاب کے موقع پر بھی قائم رہی۔ اور شہر کی خدمت کے لئے انھوں نے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا جو نے کارناموں کے باعث پہلے ہی سے معروف اور ہر دلعزیز رہ چکی ہے۔

اہالیان بنارس کا یہ دانشمندانہ اقدام بلاشبہ ہندو مسلم اتحاد مذہبی رواداری اور جمہوریت نوازی یتی جاگتی تصویر ہے۔ میئر کے انتخاب کے موقع پر بعید نہ تھا کہ نسلی و مذہبی تعصب اور جارحانہ فرقہ پرستی باہمی منافرت کے جذبات کو ہوا دیکر شہر کی باہمی اخوت و اعتماد کی فضا کو مکدر کیا جائے۔ لیکن آپ کی ہر دلعزیز خصیت، دور رس نگاہ اور اصول پرستی نیز برادران وطن کی معاملہ فہمی و وسعت قلبی نے انتخاب قومی یکجہتی اور ہندو مسلم اتحاد و رواداری کی قابل فخر مثال بنا دیا اور ہمیں یقین ہے کہ آپ کے حسن عمل شہر کے لئے یہ ایک زندۂ جاوید مثال ہوگی۔

جناب عالی! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جو اعزاز حاصل ہوا ہے وہ دوسرے لفظوں میں ایک عظیم رواداری اور ساتھ ہی عوام کی خدمت کا سنہرا موقع ہے۔ جمہوریت کے اس دور میں نگاہیں ایسے مخلص و وشن ضمیر سربراہوں کی متلاشی ہیں جو عدل و انصاف کے اصول اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامی و پابند ہوں امید کرتے ہیں کہ یہ شہر اور اس کے باشندے آپ کی صالح قیادت کے زیر سایہ عدل و مساوات کے یح اصولوں سے آشنا ہوں گے۔ اور انھیں یہ اندازہ ہو سکے گا کہ انسانیت نوازی و غربا پروری کے آداب قاضے کیا ہیں۔

اسی طرح ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ آپ کی عظیم کامیابی پرجس طرح شہر کا ہر فرد مسرت و شادمانی کے جذبات سے سرشار ہو گیا تھا، اسی طرح آپ کے حسن انتظام و تدبیر سے ہر شخص شادکام و مطمئن ہو جائیگا اور ایک سرپرست و منتظم کی صحیح تصویر اس کے سامنے آجائے گی۔

معزز مہمان! اس عظیم تعلیمی ادارہ میں آپ کو استقبالیہ دیتے ہوئے ہمارے دل مسرت و انبساط کے جذبات سے لبریز ہیں، ہمیں پورے طور پر احساس ہے کہ ہم آپ کی شایان شان تکریم نہ کرسکیں گے، لیکن ساتھ ہی ہم سوچ رہے ہیں کہ آپ اپنے گھر اور اپنے ادارہ میں ہیں جہاں اظہار مودت و یگانگت کے لئے کسی طرح کے تصنع یا تکلف کی ضرورت نہیں، اس ادارہ کے تعلق سے آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقاصد کے حصول کے لئے اس کے وسائل کیا ہیں، ہم پر امید ہیں کہ حسب سابق اس ادارہ کو آپ کی سرپرستی و رہنمائی حاصل رہے گی۔

سپاسنامہ کے اختتام پر ہم آپ کو پرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور شکر گذار ہیں کہ اپنا قیمتی وقت دیکر آپ نے ہمیں سرفراز فرمایا اور جامعہ سلفیہ میں تشریف لائے۔ ساتھ ہی ہم مہمان خصوصی عالی جناب شیام لال یادو کے بھی شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اس پر مسرت و باوقار تقریب کو رونق بخشی۔ ہماری تمنا ہے کہ آپ کا اقبال ہمیشہ قائم رہے، اور شہر بنارس کے ساتھ ساتھ پورے ملک میں آپ کے حسن انتظام و جمہوریت نوازی کا چرچہ ہو، ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

تحریر: ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

پیش کش: اراکین انجمن جامعہ رحمانیہ و مرکزی دارالعلوم

مدنپورہ - بنارس - ۲۶ فروری ۱۹۸۹ء

عزت مآب محمد صالح انصاری صاحب کی جوابی تقریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عزت مآب شیام لال یادو جی! وزیر مملکت حکومت ہند، جناب مولانا عبدالوحید صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ، حضرات اساتذہ کرام جامعہ سلفیہ و جامعہ رحمانیہ، ممبران کارپوریشن، معزز حاضرین، عزیز طلبائے جامعہ سلفیہ و جامعہ رحمانیہ!

یہ سچ ہے کہ اس وقت میرے دل میں جو جذبات موجزن ہیں ان کو میں الفاظ کا جامہ پہنانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ اعزاز جو اس وقت مجھے دیا گیا ہے، اور جو کلمات خیر میرے متعلق کہے گئے ہیں اس سلسلے میں میں صرف اتنا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ان کا مستحق نہیں ہوں، بہرحال یہ آپ کی عزت افزائی ہے کہ آپ نے یاد کیا۔ اور میرے اعزاز میں اس اجتماع کا اہتمام کیا، اس پر میں آپ حضرات کا شکرگذار ہوں،

آپ نے سنا کہ میری ذات کا تعلق اس ادارے سے ہے، میں جامعہ رحمانیہ کا طالب علم ہوں، بچپن کی تعلیم و تربیت کا انسان پر بڑا اثر پڑتا ہے، اسی تربیت کدہ کا یہ فیض و احسان ہے کہ آج مجھے اس شہر کا میئر بنایا گیا۔ عوام نے ہمیں یہ اعزاز دیا تو کوئی ایسی بات دیکھی ہوگی کہ میرے سر پہ ذمہ داری ڈالی ہے۔ جہاں یہ ایک پروقار کرسی ہے۔ آپ نے یہ بھی سنا کہ یہ ایک بڑی ذمہ داری کی جگہ ہے، ایک مدت کے بعد نگر مہاپالیکا کا انتخاب عمل میں آیا۔ اٹھارہ سال کے اس طویل وقفے میں ایک پوری نسل بدل چکی ہے، نئی نسل کی امیدیں پہلے لوگوں کی امیدوں سے مختلف ہیں، ان کے اندر جوش زیادہ ہے۔ اور امیدیں بھی وہ ہم سے زیادہ رکھتے ہیں۔ وہ ممبران سے بھی زیادہ توقعات رکھتے ہیں۔

ہم سے شہر کے مسائل و مشکلات۔ سڑکیں، بجلی کا نظام۔ کالونیاں صفائی ستھرائی کے مسائل و پیچیدگیوں کا مطالبہ ہوگا، یہ ذمہ داریاں آسان نہیں ہیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ کارپوریشن کے افسروں کا ڈھنگ بھی بدل چکا ہے۔ عوام کے نمائندے جو وہاں آتے ہیں وہ عوام کی امیدوں کے مطابق ان سے کام لینا چاہتے

ہیں لیکن ان افسران کا مزاج مختلف ہے اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ آپ کا تعاون حاصل رہا تو عوام کے مسائل کے حل کرنے میں اور ان کو ان کا حق دلانے میں ہماری کوششیں بار آور ہوں گی۔ مسائل کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ میں ایک چھوٹی سی بات عرض کر رہا ہوں جو درحقیقت بڑی اہم ہے۔ بنارس شہر جہاں کی آبادی ہر سال بڑھ رہی ہے اور پچھلے اٹھارہ سالوں میں پانچ گنی ہو گئی ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارے شہر کا پھیلاؤ جتنا ہونا چاہیئے تھا، سڑکیں اور کالونیاں جتنی بہتر ہو سکتی تھیں ایسی نہ ہو سکیں۔ اس کا ذمہ داروں کو احساس ہونا چاہیئے۔ عوام تکالیف برداشت کرتے ہیں، اور اس کو ہنس کر سہہ لیتے ہیں مگر اپنے ملک سے محبت کے ناطے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے جو ملک کی تعمیر و ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ لیکن برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ کالونیز بڑھائی جائیں۔ اس اٹھارہ سال کی مدت میں کارپوریشن کے ادھیکاریوں نے بنارس ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے نام سے ایک الگ شعبہ بنا دیا ہے۔ مگر آپ کے میئر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے یہ سراسر ناانصافی ہے۔ یہ صرف بنارس ہی نہیں بلکہ سارے اتر پردیش کے عوام کی حق تلفی ہے۔ اس سے صرف افسران کو وہ طاقت مل گئی ہے کہ وہ من مانی کرتے رہتے ہیں۔

آپ کے ممبران کارپوریشن ناامید نہیں، وہ ان تمام حالات سے پوری طرح نپٹنے کیلئے اپنے آپ کو اہل سمجھتے ہیں۔ اس کو ہم سب مل کر سدھاریں گے۔ مشکلات و مسائل کا ذکر کر کے میں بری نہیں ہونا چاہتا۔ ہم سب خود کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اور تمام افراد کو اس کا حق دیتے ہیں کہ وہ میرا دامن پکڑیں۔ تمام ممبران کارپوریشن کا دامن پکڑیں یہ موقع ہے کہ ہمارے روشنی، پانی، صفائی کے مسائل حل ہوں۔

ہم سے جو کچھ اس سلسلے میں ہو گا ہم اس کو کریں گے۔ آپ کو ہم حق دیتے ہیں کہ آپ ہم سے باز پرس کریں ان کلمات کے ساتھ میں چند باتیں اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ کوئی بھی کام جب مل جل کر کیا جاتا ہے تو اس کی ایک ایسی طاقت ہو جاتی ہے کہ وہ روکے نہیں رکتی۔ میں بنارس کے رہنے والوں سے یہ کہوں گا کہ ہم لوگوں سے کسی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی یا چوک ہو تو آپ ہمیں خبردار کریں۔ اور کسی کام کے ہو جانے پر اتنا نہ سراہیں کہ ہمارا دماغ ہی خراب ہو جائے۔ البتہ ہمیں آپ پست ہمت نہ ہونے دیں تاکہ ہم اس شہر کیلئے کچھ کر سکیں ہمیں اس سلسلے میں آپ کے تعاون کی بہت ضرورت ہے۔

جامعہ سلفیہ نے میری عزت افزائی کی، میں آپ تمام حضرات اساتذہ و طلبا کا شکر گزار ہوں۔ شکریہ۔

عزت مآب جناب شیام لال یادو وزیر مملکت ہند کے تاثرات

محترم محمد صالح انصاری میئر شہر بنارس، جامعہ سلفیہ کے عہدیداران اور اساتذہ وطلباء، دوستو، حاضرین! یہ جلسہ میئر صاحب کے بارے میں منعقد کیا گیا ہے۔ میں بھی اپنے کو اس سے جوڑ رہا ہوں، خوشی ہے کہ ممبران نے محمد صالح انصاری صاحب کو اپنا میئر منتخب کیا۔ ان سے میرا تعلق میرے چناؤ سے ہوا۔ میں نے انھیں جیتا بالمجید خوش ہوا۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک اعلیٰ انسان ہیں، بڑے ہمدرد، ہر شخص کی خدمت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ ہمارے شہر کے عوام کی زندگی بہتر بنانے کی جو ذمہ داری نگر مہاپالیکا کی ہے۔ وہ اسے انجام دیں گے، شہر کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پھیلنے کی جگہ کی کمی سے مشکلات بہت ہیں، سڑک روشنی پانی کی قلت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

ممبر پارلیمنٹ منتخب ہونے کے بعد تجربہ ہوا کہ یہ سب کام ضروری ہیں۔ سرکار نگر کے ذمہ داروں کی مدد کرے گی۔ جب مہاپالیکا نہ تھی سارے اختیارات افسروں کے ہاتھ میں تھے، وہ توجہ نہیں دے سکے، موقع بھی نہیں تھا۔ مجھے امید کہ ہماری مشکلات پر آپ غور کریں گے۔ سرکار بھی مدد کرے گی، آپ کا بجٹ بنے گا تو اس کے سامنے یہ مسئلے آنے والے ہیں کہ کتنا بجٹ بنے۔ اور آمدنی کیسے ہو۔ اور ذمہ داری کیسے نبھائی جائے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کام مضبوطی سے کریں گے۔ شہری زندگی بہتر بنانے کے لئے یہ سب ضروری ہے سب کچھ سرکار تو نہیں دے سکتی۔ کام کے لئے وسائل اکٹھا کیجیے۔ تاکہ شہری زندگی بہتر ہو سکے، بلالحاظ پارٹی نگر مہاپالیکا کام کرے گی۔ مل جل کر کام کرنا ہے۔ ایسا پروجیکٹ بنانا ہے اور اسے گورنمنٹ کو بھی بھیجنا ہے۔ اگلے پنجسالہ میں گنگا کی صفائی کا منصوبہ ترتیب دیں۔ ہم نے اتر پردیش گورنمنٹ سے بھی کہا ہے کہ یہ ذمہ داری پالیکا کی ہے۔ اس نئے ماحول میں یہ پلان کیسے انجام دیا جائے گا۔ ہم اس پر وچار کریں گے، آپ عوام کے نمائندے ہیں، شہری زندگی، صنعت، روزگار سب کو دیکھنا ہے، کمی دور کرنا ہے۔ روز بروز مسئلے آتے رہتے ہیں ان پر بھی توجہ دینا چاہیئے، ہنر اور فن کامیابی حاصل کرنے میں ترقی ملے گی۔

میں جامعہ سلفیہ کا شکر گذار ہوں کہ اس نے ہمیں دعوت دی، عزت دی اور محمد صالح انصاری صاحب کو مبارکباد دی، بڑی خوشی کی بات ہے کہ میئر صاحب نے اس ذمہ داری کو بڑے وقار سے نبھانا شروع کر دیا ہے، وہ لوگوں سے ملنے اور مشکلات کو رفع کرنے میں بڑے زور و شور سے لگے ہیں، ہم دیکھیں گے کہ اس زندگی کو آپ کیسے بہتر بناتے ہیں۔ اس کے لئے جنتا کو ان کے کام میں ہاتھ بٹانا ہے، مجھے امید ہے کہ سب اس سے دلچسپی لیں گے، شکریہ۔

محترم مولانا عبدالوحید صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ کے تاثرات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، حاضرین جلسہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج اس پر مسرت تقریب کے موقع پر مجھے کچھ کہنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے۔ اس کی تعمیل کے لئے ایک عجیب کشمکش محسوس کر رہا ہوں، میں اس جامعہ میں کچھ کہنے کی حیثیت میں اپنے آپ کو نہیں پا رہا ہوں۔ یہاں کے در و دیوار اور اس ادارے کا وجود میری زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو جب کوئی ذمہ داری دی جاتی ہے تو فریضہ سمجھ کر امانت داری سے اسے ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے، انسان کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ اور شب و روز کو قربان کرنا پڑتا ہے، میں اپنے اندر اتنی طاقت نہیں محسوس کرتا کہ اس سلسلے میں کچھ کہہ سکوں،

اس تقریب کی مناسبت سے جو باتیں آنی چاہئیں وہ سپاسنامے میں، میئر صاحب کی نصیحتوں میں اور جناب شیام لال جی کے فرمودات میں آچکی ہیں۔ لہٰذا انھیں دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ میں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ یہ تقریب جس مناسبت سے منعقد ہوئی ہے، اور ہمیں جو موقع ملا ہے، اس کی بنیاد کیا ہے۔ بنارس شہر میں جب یہ موقع ملا کہ یہاں کے شہری اپنے مسائل کو حل کرنے کیلئے اپنی کوششوں سے کام لیں تو یہاں پر ایسا ماحول پیش آیا جس سے ہمارے جذبات مجروح ہوئے۔

لیکن شہر کی جنتا مبارکباد کے قابل ہے کہ اس نے یہ واضح کر دیا کہ بنارس جہاں پراچین زمانے سے مختلف دھرم کو ماننے والے آباد ہیں وہ اپنے دھرم کو بھولے نہیں ہیں۔ ان کے اندر مذہبی تعصب دائمی طور پر جگہ نہیں پا سکتا۔ آج ہمارے سامنے یہ فضا پیدا کی گئی ہے کہ ماحول کو خراب کیا جا رہا ہے، یہ ہمارے شہر کی روایت کے خلاف ہے میں شہریوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ہوش وحواس کو درست رکھیں اور شہر کی فضا کو مکدر نہ ہونے دیں۔ ایکتا محبت اور میل ملاپ کو ٹھیس نہ پہونچائیں۔ اگر اس بات پر توجہ دی گئی تو انشاء اللہ ہمیں آئندہ کامیابی حاصل ہوگی۔ بنارس کے شہری ہونے کے تعلق سے میں یہ عرض کروں گا کہ ہماری ذمہ داریاں ہمارے درمیان تقسیم ہیں۔ لیکن ایک شہری کی حیثیت سے ہم لوگ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ ہم سب آپس میں برابر ہیں۔ عہدے کی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے ہم سب کو کوشش کرنا چاہئے۔ کوئی شخص تمام ذمہ داریاں تنہا نہیں ادا کر سکتا۔

میئر کے انتخاب کے موقعہ پر عوام نے جو یکجہتی دکھلائی ہے اس کے پیش نظر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمارا قدم آگے ہی بڑھنا چاہئے، ہمیں کسی پروپیگنڈے کا اثر ہرگز نہ قبول کرنا چاہیئے، محترم وزیر مملکت نے شہریوں کی جن ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا لحاظ کرنا چاہیئے۔

اپنی بات کے اختتام پر میں جناب شیام لال یادو صاحب کا، محترم میئر صاحب کا، اپنے معزز مہمانوں کا، ممبران کارپوریشن کا۔ پریس والوں کا، اور جملہ حاضرین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نیز جن لوگوں نے اس تقریب کے انعقاد میں تعاون پیش کیا ہے ان سب کا بھی شکر گذار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ نگر مہا پالیکا کے ذمہ داران وکارکنان کو یہاں کے عوام کی خدمت کی توفیق ملے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہدیۂ تہنیت

(بنارس کارپوریشن کے الیکشن ۸۹ء (برائے میئر) میں جناب محمد صالح انصاری کی نصرت و کامیابی پر)

(فضا ابن فیضی)

نئی ہے بزم، مغنّی نیا ہے، ساز نیا
حدیثِ ناز نئی، قصۂ نیاز نیا
ملا ہے وقت کے محمود کو ایاز نیا

"ہوا میں نشہ ہے، خوشبو چمن کے پھولوں میں
بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں"

کہاں سے آئی یہ موجِ طرب، خدا جانے
کہ بے شراب بھی چھلکے ہوئے ہیں پیمانے
ہیں محوِ رقص، چراغوں سے دو پروانے

عجب ہے "صبح بنارس" کی جلوہ آرائی
شفق جبیں پہ سجائے "اودھ کی شام" آئی

سلگ رہی تھی کڑی دھوپ جن چٹانوں پر
اب ان چٹانوں پہ ہے چاندنی ضیا گستر
سمٹ کر آگئی قدموں میں خود ہی راہ گذر

سفر بھی ختم ہوا چھاؤں جب گھنیری ہوئی
خوشا "میئر" کے الکشن میں فتح تیری ہوئی

یہ فتح تحفۂ جاں، رخت دل کشائی ہے
ستارے توڑ کے، فرش زمیں پہ لائی ہے
بہت دلوں پہ یہ منزل قریب آئی ہے

جو خفتہ پا تھے، وہ رقصاں و فاتحانہ اٹھے
حیات جاگ اٹھی، صاحبِ زمانہ اٹھے

دل و نظر کی روایت، فسانے اور بھی تھے
شجر سے تا بہ شجر، آشیانے اور بھی تھے
حسیں غزال نظر کش نشانے اور بھی تھے

مری نظر نے، مگر انتخاب تجھ کو کیا
تو ایک غنچہ تھا، رشکِ گلاب تجھ کو کیا

مری نگاہ، مرا دل، مرا دماغ ہے تو
شرافت نسبی سے ہے اورا باغ ہے تو
کہ خانوادۂ فاروق کا چراغ ہے تو

خدا کا فضل ہے صالح تری ظفرمندی
وگرنہ سہل نہ تھی دشت کی چمن بندی

مری زمیں پہ تو اک آسماں ہے گویا
ثبات و عزم و عمل کی چٹان ہے گویا
تو قومی یکجہتی کا نشان ہے گویا

امیرِ شہر! تو امید گاہ ہے سب کی
متاعِ کوکب و خورشید و ماہ ہے سب کی

جو سب کی صبح ہے، وہ تیری شام ہے پیارے
مجھے خبر ہے، جو تیرا مقام ہے پیارے
ترا مشن تو فلاحِ عوام ہے پیارے

ہلاک سختی رنج و عذاب ہیں جو لوگ
تو، ان کا دوست ہے، خانہ خراب ہیں جو لوگ

تو اپنی ذات سے اک بزم، اک ادارہ ہے۔
خلوص و حسن و محبت کا گاہوارہ ہے
ترا وجود، نئی صبح کا ستارہ ہے۔

تری نظر میں بہاروں کے خواب پلتے ہیں
ترے چراغ سے، سب کے چراغ جلتے ہیں

زمانہ ساز بھی تو، زندگی ستیز بھی تو
نم بہار بھی تو، موج تند و تیز بھی تو
سکوں طراز بھی تو، انقلاب خیز بھی تو

کبھی تو دشت کی رونق، کبھی چمن میں ہے
ہزار رنگ سے۔ تو مری انجمن میں ہے

یہ رہ گذر بھی تری، قافلہ بھی تیرا ہے
یہ عکس بھی ہیں ترے، آئینہ بھی تیرا ہے
تو جامعہ کا ہے، اور جامعہ بھی تیرا ہے

نہ مدح کے، نہ ثنا کے نہ منقبت کے ہیں
قبول کر انھیں، یہ پھول تہنیت کے ہیں

وحید عصر ہوں، یا ازہری و رحمانی
ہر ایک فرد ہے غرق نشاط و سرشاری
نوید زندگی ارباب جامعہ کو ملی

یہ جشن شوق، یہ تقریب خیر مقدم کی
یہ فتح، جیسے ہو معراج ابن آدم کی

مرے افق پہ جو ہے، وہ سحر بھی تیرے نام
شعور حسن بھی، ذوق نظر بھی تیرے نام

یہ میرے حرف، یہ میرا ہنر بھی تیرے نام
مری دعا ہے، تو زندہ رہے ہزار برس بہار ساز رہے، تیری آرزو کا نفس

تلخ و شیریں

ابو اجود اعظمی

اقوام عالم کی ملکی سیاستوں اور وطنی پالیسیوں میں ان کے قائدوں اور سربراہوں کی جادوگری سے کوئی بڑا بھونچال یا نیا کھیل سامنے آتا ہے تو اس کے مرکزی کردار کا پس منظر بھی دنیا کی نگاہوں میں گھومنے لگتا ہے اور قیادت کی سحرکاری اور اس کے ماضی و حال کی تاریخ بھی آئینۂ ایام کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ملکی سطح پر جب کوئی انقلاب آتا ہے یا نئی مملکت کی تشکیل ہوتی ہے تو اس کے پیچھے قیادت ہی کی بازی گری کارفرما ہوتی ہے۔ فلسطین کا انقلاب ہو یا ایران کا، جرمنی کی تقسیم ہو یا ہندوستان کی، امریکہ کی یہودی جمہوریت ہو یا ماسکو کا اتحادی کمیونزم جو بھی مد و جزر ہے وہ قائدوں اور سربراہان قوم کے ذہنی و نظری تخیلات و تخلیقات کا عکس اور مظہر ہے۔ اسی سے قوم و ملت کی تقدیریں بدلتی اور الٹتی پلٹتی رہتی ہیں۔

اگر ہم اپنے وطن عزیز متحدہ ہندوستان کے ماضی و حال میں جھانک کر دیکھیں تو قیادت و سلطانی کی شعبدہ بازی اور قوموں کی بحرانی زندگی کا کھیل دیکھنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ابھی یہ حقیقت، قصۂ پارینہ نہیں ہوئی ہے کہ متحدہ ہندوستان پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک اپنی حکومت کا پرچم لہرایا ہے جس کو انگریزوں کے عیارانہ ذہن اور شاطرانہ دماغ نے سرنگوں کر کے اپنا استعماری پرچم اہل ہند کے سروں پر مسلط کر دیا اور مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ تاج و تخت کو استعماریت کی چادریں لپیٹ دیا۔ اس کے نتیجہ میں فاتح اور مفتوح کے درمیان رقابت کے بھڑکنے والے شعلوں نے مسلمانوں کا تمام متاع زیست جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہاں تک کہ پدرم سلطان بود کی یادداشت میں کالا پانی یا تختۂ دار کی مشق چند در چند ہو گئی۔

بدیسی آقاؤں کے وحشیانہ مظالم کی لرزہ خیز داستان اس وقت تک جاری رہی جب جنگ عظیم کے نتیجہ میں ان کا سدا روشن سورج مائل بہ غروب ہوا اور عالمی سیاست کے افق پر حریت و استقلال کا نیا چاند

ابھرنے لگا، آمریت اور استعماریت کی آہنی زنجیریں ٹوٹ ٹوٹ کر فضا میں بکھرنے لگیں۔ پھر وہ دن آیا کہ مغرب کا دمکتا سورج مشرق میں غروب ہونے پر مجبور ہو گیا، لیکن اپنی جھلسانے اور تڑپانے والی دھوپ اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ بلکہ وہ لیلائے آزادی کو قومی، نسلی اور مذہبی نفرتوں کی دھوپ میں تڑپتا دیکھنا چاہتا تھا۔ یہی دھوپ انتقام شکست کی یادگار کے طور پر باقی چھوڑی ہے جس میں آگ و خون کی گرم بازاری، حریت کا سکون درہم برہم کرتی رہتی ہے۔

محبان وطن کے دلوں میں آزادی کی دیوی، اخوت و وحدت کی جس سج دھج کے ساتھ دھڑک رہی تھی وہ خواب پریشاں کی طرح بکھر گئی، مادر ہند کے ٹکڑے ہو گئے، اس کے جانباز سپوت ان ٹکڑیوں کی صلیب پر لٹکا دئے گئے، قومی، مذہبی اور علاقائی نفرتوں اور عصبیتوں کا آتش فشاں پھٹ پڑا، صبح آزادی خون بار بادلوں کی اوٹ سے نمودار ہوئی اور دیکھتے دیکھتے انسانی خونوں سے وطن کے مقدس سرزمین لالہ زار بن گئی۔

مسلم قوم جو متحدہ ہندوستان کی حقیقی وارث تھی اور اس کی آزادی و بازیابی کے لئے صدیوں سے دار و رسن کو آفریں کہتے آرہی تھی۔ سفید قوم کی شاطرانہ جال میں اس طرح پھنسی کہ نہ جینے کا مزا رہا اور نہ مرنے کا سکون اس پرفریب جال کے ایک سرے پر پاکستان کا شیش محل دکھایا گیا جو ایسے دوآبے پر کھڑا کیا گیا تھا جس کا کوئی سنگم نہیں تھا۔ دوسرے سرے پر بھارت کی دیوی راج کر رہی ہے جو اس شیش محل کے خراج میں صرف خون مسلم کے نذرانے سے خوش رہتی ہے۔

تعجب ہے مسلم زعماء و قائدین کی سیاسی بصیرت، قائدانہ صلاحیت اور وطن پرستانہ جذبۂ حریت پر کہ جس متحدہ ہندوستان پر اپنی آٹھ سو سالہ حکومت کے نقوش خالدہ چھوڑے ہیں اور دو سو سال تک اس کی ایک ایک انچ زمین آزاد کرانے کے لیے استعماریت کے گورے ہاتھوں کو اپنے مقدس خون سے سرخ کرتے رہے ہیں اس کی ایک چھوٹی سی دوآبہ ٹکڑی کو بھکاری کی طرح اپنی جھولی میں لیکر خوش خوش بدیسی آقاؤں کے در سے بدر ہو گئے اس فقیرانہ اور غیر دانشمندانہ قیادت نے وطنی عصبیت اور قومی غیرت کو سرد خانے میں ڈال کر اپنے آباء و اجداد کی وسیع مملکت میں قومی و ملی خیانت کا ارتکاب کرنے کے ساتھ خون مسلم سے لکھی جانے والی تاریخ آزادی پر اپنے کفران نعمت اور قدر ناشناسی کی سیاہی پھیر دی ہے۔

بھیک کی جھولی میں ملا ہوا دوآبہ اس قیادت کی جغرافیہ دانی اور حدود مملکت کی مناسبتوں اور تقاضوں سے

آگہی پر بھی ماتم گسار ہے، جس شکل کے دونوں بازوؤں میں کوئی حد اوسط ہی نہ ہو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ کوئی منطقی ایسی شکل کا انتساب بھی اپنی طرف گوارا نہیں کرے گا چہ جائیکہ اس کو اپنا کارنامہ شمار کرے۔ یہ منفصل بازوؤں والی مملکت، پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے میں ابھری، علماء جغرافیہ اور دانشوران حدود مملکت کی نگاہیں ابھی اس کے خطوط و حدود اور مواقع و مقاطع کی قلمی لکیروں کا جائزہ لے ہی رہی تھیں کہ اس کا ایک بازو نسلی اور علاقائی عصبیت کے سیلاب میں بہہ گیا اور اس کا غیر منطقیانہ مشرقی حصہ دنیا کے نقشے سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔

یہ سانحہ غیر متوقع نہیں تھا۔ پاکستان کی آفرینش سے پہلے اس کی تخطیط و تمہیدی خاکہ بندی ہی نے اس کے علم برداروں اور قائدوں کی سیاسی اور ملکی قابلیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکتے ہوئے آگاہ کر دیا تھا۔

توا ے گرد تو ہم شوکت دریا چہ میدانی اسیر حلقہ لنگی وسعت صحرا چہ میدانی

اسلامی اسٹیٹ کے قیام اور مسلم قوم کے تحفظ کی علم بردار قیادت میں اس کی اپنی اسلامی غیرت اور مسلمانی اخوت کا حال یہ رہا کہ بھارتی مسلمانوں کو آگ و خون کے سمندر میں ڈھکیل کر اپنی کامیابی کا جشن منایا۔

یہاں یہ تلخ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ پاکستانی قیادت کی خشت اول قادیانیت، شیعیت اور بریلویت وغیرہ کے بھٹے میں پکی ہوئی اور مغربی تعلیم و تربیت اور تہذیب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، مذہبی تعلیمات اور اسلامی اقدار سے دور کا بھی رشتہ نہیں تھا، اسلام کی دہائی، "کلمۃ حق ارید بہا الباطل" کی کامیاب تشریح تھی جو محض قیادت کی ڈوبتی ناؤ کو بچانے کا سہارا اور حصول اقتدار کا زینہ تھی۔

مورثِ اعلیٰ کا یہ پرفریب مجرب نسخہ جب ورثہ کے ہاتھوں میں آیا تو انھوں نے سب سے پہلے اس کو اپنے اسی مورث ہی پر آزمانا شروع کیا، قائد اعظم کو مرض الموت کا دارو پلاتے پلاتے ٹھکانے لگایا، وزیر اعظم لیاقت علی خاں کو صدارتی اور گورنری ریوالور نے موت کا تلخ جام پینے پر مجبور کیا، پھر گردش ایام نے اقتدار کا پہیہ فوج کی آہنی بیڑیوں کی طرف گھمایا، صدارت، وزارت وغیرہ کی تمام بساط الٹ گئی، مارشل لا کی تیغ بے نیام ملک الموت بن کر سروں پر لہرانے لگی۔ فوجی مشین گنوں کی گھن گرج کے طویل لمحات میں مارشل لائی کنٹوپ ایک سر سے اچھل کر دوسرے سر پر اپنی شان کبریائی کی داد وصول کرتا رہا، یہاں تک کہ سلطانی مارشل لا کی پھانس پاکستان کی حلق میں اس کے مقدر کا کھیل سمجھ لیا گیا۔

پاکستان کی چالیس سالہ مدت حیات میں خصوصاً چوتھے دہے میں ایسا موڑ آیا تھا کہ علماء اسلام

اور اسلامی تنظیموں نے اگر ذرا بھی ایمانی جرأت اور خلوص عمل کا ثبوت دیا ہوتا اور اپنی باہمی رقابت اور گروہی عصبیت سے بلند ہو کر مارشل لائی قیادت کو اسلامی موقف کی صحیح سمت کی طرف موڑنے میں اپنی توانائی صرف کیا ہوتا تو اسلامی اسٹیٹ کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کی منزل کے قریب پہونچ گیا ہوتا۔ لیکن گروہی و جماعتی منافرتوں اور ذاتی مفاد و اقتدار کی بوالہوسیوں کا دھارا اسلامی غیرت اور ایمانی آبرو کی تمام قدروں کے ساتھ مرداز قیادت و امارت کو بھی بہالے گیا۔ اس ذلت آمیز اور شرمناک سانحہ نے اسلام کی غیور نگہوں کو جھکا کر فتنۂ زن سے ہم آغوش کر دیا۔ مسلم اقتدار کی تاریخی روایت کا قلعہ ایک نازنین کے نازک ہاتھوں نے تسخیر کر لیا۔ ما سبق قیادت میں اقتدار کا آنا جانا صرف سانپ کا کینچل بدلنا تھا۔ لیکن اب مسند اقتدار ایک حسین ناگن کا سہاگ ہے جو اگر اجڑ بھی جائے تو بھی مسلم ریاست کی تاریخ سے یہ ناگن گزیدہ صفحہ خارج نہیں ہو سکتا۔

نیز کمان سے نکل جانے کے بعد عورت کی سربراہی پر فتوے بازی اور اس پر اسلامی تعلیمات و روایات کی یورش بالکل غیر دانشمندانہ اور بے محل عمل ہے جب ایک خاتون اپنی زلفوں سے سماجی اور سیاسی افق پر سیاہ چادریں تان رہی تھی تو دینی غیرت اور شرعی شعور کس سرد خانے میں منجمد تھا؟ جس وقت یورپی تہذیب کی تخلیق ایک بے حجاب حسینہ حالات کے آئینے میں اپنے حسن قاتل کا جائزہ لے رہی تھی تو شان رجولیت اور حس مردمی کہاں سوئی ہوئی تھی؟ وقت اس قافلہ کا ساتھی نہیں ہوتا جو منزل تک پہنچنے سے پہلے راستہ بھٹک جائے یا گرد راہ میں گم ہو جائے۔ جس ملک کے معاشرہ اور سماج میں مغربی سفور و کفور کو آئینی چھوٹ ہو اگر وہاں چراغ خانہ اپنے حصار سے نکل کر انجمن کی شمع فروزاں بن جائے تو پروانے اس کے گرد منڈلائیں گے، اس میں جلیں گے اور فضا میں تعفن پیدا ہوگا۔

حالیہ انتخابات کے نتیجے میں دینی حلقے اپنی روسیاہی کے ردعمل میں شرعی فتادے اور اسلامی روایات کی جو دھندلی روشنی دکھا رہے ہیں وہ ان کی بیداری اور وقت شناسی کی دلیل نہیں ہے بلکہ دیرینہ نیند کا خمار ہے جو کہہ رہا ہے کہ ع ہیں ہنوز خواب میں جو جاگے ہیں خواب سے۔

اسلام کے نام پر وجود میں آنے والا پاکستان اپنی زندگی کی اکتالیس بہاریں آمریت اور رنگ اسلام جمہوریت کی دھوپ چھاؤں میں پوری کر چکا مگر تاہنوز اس پر کبھی وہ لمحہ نہیں آیا جس میں دستور سلطانی اور اصول اقتدار کو اسلامی موقف سے آشنا کرنے کا تخیل بھی ابھرا ہو۔ کرسی اقتدار پر شخصی تسلط اور بدنام زمانہ جمہوریت

کی سلطانی میں اسلام کی تعبیر ڈھونڈھنا اور جواز و عدم جواز کے دفتر کھول دنیا والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی طفلانہ حرکت ہے۔ اسلام کا غیور مزاج نہ آمرانہ جاہ و جلال کا متحمل ہے اور نہ امارت و اقتدار کی تشکیل میں ناقصات العقل والدین اور عوام الناس کی شمولیت پسند کرتا ہے، وہ اپنے نام لیواؤں سے صالح نظام شورائی کا مطالبہ کرتا ہے جس کے اساطین، اہل علم و فضل، اصحاب بصیرت و دیانت اور قوم کے مخلص ہوں، یہی نظام شورائی جس مرد خدا کو زمام اقتدار سونپے گا وہی اقتدار کا اہل اور امیر المومنین ہوگا، اس کے ہاتھ میں فاروقی ڈنڈا ہوگا جو حدود اللہ کا اجرا کرے گا۔ عدل و انصاف اور اسلام و مسلمان کی بقا و تحفظ اور بالادستی کی راہیں ہموار کرے گا۔ جاگیرداری و زمین داری کی قہاریت اور مزارعوں و بے سہاروں کا استحصال اسی ڈنڈے کا انتظار کر رہا ہے، جب تک اسلامی جھنڈے کے نیچے اسلامی ڈنڈا نہیں ہوگا اسلام کے سوداگروں اور زلف گرہ گیر کے اسیروں کو ہوش نہیں آئیگا۔

چارکتاباں عرش آں آئیاں پانچواں آیا ڈنڈا

اگر پاکستان کی مٹی میں اسلام کی کچھ نمی ہے اور اس کے باسیوں کی زندگی میں مذہبی، ایمانی اور دینی غیرت و حمیت کی کوئی چنگاری ہے تو شیش محل کے خرابات میں جام و مینا اور طاؤس و رباب کی ہوشربائیوں اور مدہوشیوں سے جست لگا کر شورائی نظام حکومت کی تحریک و تخلیق کیلئے یاران عشق کی داستان جام و سندان باختن کو زندہ کرنا ہوگا، اقتدار کے ہاتھوں میں درۂ فاروقی دینے کیلئے اپنے ہاتھوں کو شمشیر و سناں سنبھالنے کے لائق بنانا ہوگا۔ اسلام کی مقدس آبرو کو زندہ کرنے اور بے غیرت جمہوریت کے دست حنائی کا طلسم توڑنے کیلئے تیر و تفنگ سے آراستہ ہوکر جوہر مردانگی دکھانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے ؏ کار حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند

اسلام کے منہ پر یہ کتنا زبردست طمانچہ ہے کہ صدر ضیاء الحق کے شہید ہوتے ہی ان کی اسلامی پالیسیوں سے نجات پانے کا خوشیوں کا طوفانی سیلاب امنڈ پڑا حالانکہ صدر شہید کا اسلامی موقف ابھی ابتدائے عشق کی منزل سے آگے نہیں بڑھا تھا بلکہ اسلامی روایات و اقدار کی طرف ایک پیش رفت تھی، مگر ذوقِ اباحیت پر اتنی گراں گذر رہی تھی کہ اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور موج و مستی کے بازار گرم ہوگئے۔ انتخابات کے بعد سربراہ قانون کی نگاہ التفات نے قوانین عدلیہ و انتظامیہ کی دھجیاں اڑاتے ہوئے قاتلوں، چوروں، رہزنوں اور تمام پیشہ ور مجرموں کو جیل کی کال کوٹھریوں سے نکال کر آزادی و بے باکی کی بہشت میں آباد و شاد کر دیا۔

اسلام کے ساتھ یہ بھرپور اور مشفقانہ سلوک تمام عالم اسلامی اور دنیائے انسانیت و شرافت کے لئے کھلا ہوا

چیلنج ہے۔ وزارت کی کرسی پر بے پردہ خاتون کا تسلط ایمان سوزی اور اسلامی عفت کی غارت گری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس شرمناک سانحہ نے پچھلے تمام المیوں کا ریکارڈ توڑ کر اس بات کا ثبوت فراہم کیا ہے کہ پاکستان کا وجود آفریں اسلامی نعرہ بھی اب بے ضرورت اور قابل نفرت شئی ہے۔ موجودہ پاکستان اپنی اباحیت و مطلق العنانی کے فروغ میں ماضی کے زبانی اسلام اور دینی خول کا بھی اب محتاج نہیں رہا۔

جو مملکت ہر طرح کی محرومیوں اور شرمناک ناکامیوں کا سامان عبرت ہو اور تن ہمہ داغ داغ شد کا المناک منظر پیش کر رہی ہو اس کی کن کن محرومیوں اور اذیتوں پر آنسو بہایا جائے۔ صحت مند قیادت ہے نہ مدبرانہ سیاست، آبرومندانہ اصول فرماں روائی ہے نہ پائیدار دستور حکومت، اسلامی اخوت ہے نہ خون مسلم کی حرمت، احترام انسانیت ہے نہ انصاف و مساوات، مہاجر کی وطنیت ہے کہ جانی و مالی حفاظت، صالح معاشرہ ہے نہ پاکیزہ سماج، شائستہ تہذیب ہے نہ معیاری تمدن، افلاس و غربت کی غمگساری ہے نہ جاگیر داری کی حد بندی، قومی تشخص ہے نہ غیر شناسی کا وجدان، اخلاقی اقدار ہیں نہ اسلامی کردار ؎

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم　　همہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام حسرتناکیوں اور زبوں حالیوں کی تصویر صرف ایک جملے میں کھینچی تھی، انھوں نے آزاد کانفرنس لکھنؤ ۱۹۴۶ء میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان کے لئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کچھ اس طرح فرمایا تھا "پاکستان اپنا ہی ایک بازو ہے اس کو سنبھالنے کے لئے اچھے لوگوں کی ضرورت ہے، اس کو پوری ہونا چاہئے"

اس اندھیر نگری کے مقابلے میں بھارت کے چالیس سالہ لیل و نہار کا روشن توازن دیکھو، صبح آزادی سے آج تک پرشکوہ جمہوریت کی پائدار سلطانی چٹان کی طرح جامد و ثابت ہے، گردش دوراں کے جھٹکے اس کے سر سے گذرتے رہے مگر اس کے تسلسل کی کوئی کڑی کبھی ٹوٹی نہیں۔ اسی تاریخی جمہوریت کی شام و سحر میں اسلام کا نام بلند کرنے والے بندگان خدا پاکستان کی عظمت و شان کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔ اس کی عزت و وقار کو اپنی عزت و وقار کا مسئلہ بنائے ہوئے ہیں، اس کے تخلیق کردہ دو قومی نظریے کے تیر نیم کش کا شکار ہو رہے ہیں، پاکستان میں اسلام اور مہاجرین کی ذلت و بربادی کا اور بھارت میں اقلیت کشی کا دو گونہ عذاب جھیل رہے ہیں، پاکستانی بھائیوں کے لئے اپنے استحصال کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں، پھر بھی ان کی رگوں میں اسلامی غیرت اور دینی و ملی حمیت کے صالح خون کی گردش کسی مؤثر پر رکتی نہیں ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے مذہب، اپنی روایات، اپنے ملی شعائر و حرمات کے تحفظ سے غفلت کی نیند نہیں

ہوئے ہیں۔ ان کی راتیں کانٹوں پر بسر ہوتی ہیں۔ ان کے دن بقائے تشخص کی آزمائش میں گذرتے ہیں۔ قدم قدم آزمائش و ابتلا کا استقبال کرتے ہوئے جادۂ حق پر سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایمان کے رہزنوں اور اسلام کے سوداگروں کا کوئی ہتھیار ان کی ایمانی استقامت کو متزلزل نہیں کرتا۔ مخلص محب وطن کی طرح برصغیر کے ذرّے ذرّے سے پیمان محبت اور عہد وفا باندھے ہوئے کفر کی تاریک وادیوں میں ایمان کی شمع فروزاں کئے اجالے پھیلا رہے ہیں۔ ان کے حق میں نگاہیں صنم خانوں کی تیرہ و تار فضاؤں میں اسلام کی جھلک اور ایمان کا پرتو دیکھ رہی ہیں۔ ان کے دامن ایمان میں عقیدہ و عمل کی صداقتوں اور ملت و قومیت کی روایتوں و قدروں کا تاریخی خزانہ ہے۔ وہ گلشن پاکستان کے گل چینوں کی طرح اسلام کے نقاب اوڑھ کر اسلام کے در و دیوار میں نقب نہیں لگاتے بلکہ رنگ و نسل اور قوم و مذہب کی بوقلمونیوں میں ایمان افروز حق پرستی، خود اعتمادی اور خود شناسی کے کرشمے دکھا رہے ہیں۔

بھارت کی ایمانی غیرت اس کو للکار رہی ہے کہ نام نہاد گلشن اسلام کے عندلیبوں سے پوچھے کہ اسلامی نغموں کی چہکار کس موسم بہار کا انتظار کر رہی ہے؟ ان کی خوشنوائیاں اسلام کے کس شہر خموشاں کو جگا رہی ہیں؟ نرگس شہلا کب تک اپنی بے نوری پر روتی رہے گی؟ الیس منکم رجل رشید؟ برصغیر ہماری میراث اور ہمارا متحد وجود ہے اس کے لخت جگر پر کب تک اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بیوفائی اور رسوائی کی داستان دہرائی جاتی رہے گی؟ خارجی ملکوں میں ہم گدایان اسلام پر پاکستان کی بالادستی کا نیر کب تک چلتا رہے گا؟ کس سارٹیفکیٹ کی بنیاد پر ہمارا داخلی اور خارجی دائرۂ حیات تنگ کیا جاتا رہے گا؟ پیش کردہ پاکستان کے در و بام ہمارے خون اور ہمارے مال کی کتنی قربانیوں کو آماجگاہ بنتے رہیں گے؛ فهل انتم منتهون؟

ماضی و حال کی ساری شہادتیں چیخ رہی ہیں کہ اس سیہ شبی کی کوئی سحر نہیں ہے، اس لئے اسلام کے نام پر ہمارے وطن العزیز میں واپس کیا جائے، وہ ہماری امانت ہے، ہم اس کے حقیقی وارث ہیں، اس پر امراء اشرار کے تابعداروں اور انعامات العقل والدین کے غلاموں کا کوئی حق نہیں ہے، ان کی بے غیرتی و بے ضمیری نے ان کو اس منزل پر پہنچا دیا ہے کہ ان اللہ زمین کے اوپر محض ایک بوجھ ہے، اس کو جلد از جلد زمین کے اندر دفن ہونا ہی بہتر ہے، ہمارے سب سے بڑے حکم الحاکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان وحی ترجمان سے چودہ سو سال پہلے ہی فیصلہ فرما گئے ہیں۔ بطن الارض خیر لکم من ظهرها۔

***

اسلام کی صداقت اور اسکی انقلابی طاقت

از مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری

بانی اسلام حامل قرآن رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین عرب میں پیدا ہوئے اور آپ کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کا عرب میں ظہور ہوا، اس وقت اسلامی تحریک نے کس طرح انسانی ذہن کی تربیت کی اور ان میں کس طرح انقلاب پیدا کیا، اس کو سمجھنے کے لئے آپ یہ دیکھئے کہ ملک عرب میں اس وقت کیا کیا بگاڑ و فساد موجود تھا۔ اسلام نے ان خرابیوں کو کس کس طرح سے دور کیا۔

جب انسانی فطرت کا غور سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان مختلف قوتوں کا پیکر ہے اور ان میں تین قوتیں جو ہر حیات کا درجہ رکھتی ہیں یہ قوتیں اگر بگڑ جائیں تو انسانی معاشرہ تباہی کے غار میں پہونچ سکتا ہے اور یہ قوت اگر اعتدال پر رہے تو انسانیت اجاگر ہوتی چلی جاتی ہے۔ وہ تینوں قوتیں یہ ہیں:۔

۱ قوت بھیمیہ ۲ قوت سیاسیہ ۳ قوت ملکوتیہ۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو اس وقت یہ تینوں قوتیں یکسر بگڑ چکی تھیں۔

قوت بھیمیہ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) بقاء نوع (۲) بقاء شخص جس سے نسل انسانی قائم ہو یہ بقاء نوع ہے اور جس سے کسی خاص فرد کی بقاء ہو یہ بقاء شخص ہے۔ دونوں قسموں میں افراط و تفریط پیدا ہو گئی تھی۔

بقاء نوع میں افراط اس طرح آیا کہ شہوت رانوں اور بوالہوسوں نے ماں اور بہنوں کے ساتھ بھی یہ سلوک روا رکھا اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی شادی رچائی اور اس مقدس رشتہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر اس کی حرمت تقدس کو غلیظ بنا دیا جیسا کہ بہرام چوبیں جو چھٹی صدی عیسوی میں ایران کا حکمراں تھا اپنی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا

(۱) یزدگرد دوم جس نے کہ پانچویں صدی کے وسط میں حکومت کی ہے اس نے اپنی لڑکی کو زوجیت میں رکھا پھر اسے قتل کر دیا۔

اور بقاء نوع میں تفریط اس طرح آئی کہ لوگوں نے آلۂ تناسل کو قطع کر ڈالا اور کمر میں رسی لپیٹ کر جوگی، سنیاسی و بن باسی ہو گئے اور اس طرح زندگی سے راہ فرار اختیار کر کے زندگی کا حق ختم کر ڈالا۔

بقاء شخص میں افراط اس طرح آیا کہ دن بھر سینکڑوں بار شراب نوشی کا دور چلتا پھر بھی آسودہ نہ ہونے اور اپنی صحت اپنے ہاتھوں غارت کرتے رہتے اور ام الخبائث برائی میں لت پت رہتے۔ جوا اس کثرت سے کھیلا جاتا کہ گھر بار حتیٰ کہ عورت تک کو داؤں پر لگا دیتے اس طرح اپنی اقتصادی پوزیشن پر اپنے ہاتھوں کلہاڑا چلا رہے تھے مولانا حالی مرحوم نے اس روش کا کیا نقشہ کھینچا ہے۔

شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی   جوا ان کے دن رات کی دل لگی تھی

تفریط اس طرح آئی کہ تمام حلال وطیبات اور مرغوبات اشیاء کا ترک ہو گیا اور لوگ جنگلوں میں گذر اوقات کرنے لگے اور گھاس پات کھانے لگے، سادھو، سنیاسی اور تارک الدنیا ہو گئے اور اس طرح زندگی کی آسائشوں سے محروم رہ کر خدا کی نعمتوں کی ناقدری کرنے لگے بالفاظ دیگر کفران نعمت کے مرتکب ہو بیٹھے۔

قوت سیاسیہ یہ قوت بھی دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔

افراط اس میں اس طرح آیا کہ معمولی معمولی باتوں پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور صدہا قبیلے اس شعلے کی لپیٹ میں آجاتے اور نسلاً بعد نسل صدیوں سر پھٹول وخانہ جنگی کا سلسلہ جاری رہتا اس سیاسی انتشار اور انارکی کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب اپنی متحدہ قوت سے محروم ہو بیٹھے اور ان کی دفاعی طاقت کمزور سے کمزور تر ہو گئی۔ مولانا حالی مرحوم نے ان کی جنگ جوئی اور خانہ جنگی کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی   صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی   تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا واں
کرشمہ فقط ایک جہالت کا تھا واں

تفریط اس طرح آئی کہ یہ تعلیم رواج پانے لگی کہ مطلق مقابلہ نہ کرو اگر کوئی دلہنے گال پر طمانچہ مارے تو

بایاں گال بھی پیش کردو، اگر کوئی کرتا اتارے تو پاجامہ بھی ہبہ کردو۔ اگر کوئی ایک کوس بیکار لے جائے تو دو کوس چلے جاو۔ اس سے بھی صاف اور واضح ہدایت لوقا میں یہ موجود ہے کہ اگر ایک شہر کوئے لیں تو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلے جاؤ۔

اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ مقابلہ کی سکت ختم ہوگئی اور ایک فریق ظلم کی چکی میں پسنے لگا مگر تعلیم ناقابل قبول تھی، خود عیسائی ممالک نے بھی اس پر عمل نہیں کیا عیسائی بادشاہوں کی تمام لڑائیاں اور صلیبی جنگیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ انھوں نے بھی اسے قابل قبول نہیں سمجھا۔

الغرض یہ تفریط تھی اور یہ تعلیم اس وقت بھی غلط تھی اور آج بھی زمانہ بتلا رہا ہے کہ غلط ہے۔ اسلام نے درمیانی (اعتدال) راہ کھولی اور زندگی کو اعتدال و توانائی عطا کی اور یہ حکیمانہ درس دیا کہ:

جزاء سیئۃٍ سیئۃ بمثلها فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ (شوریٰ) یعنی ایک برائی کا بدلہ اس کی ایک مانند ایک برائی ہے جس نے معاف کردیا اور صلح و مصالحت کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ خدا اسے ضرور اجر سے نوازے گا .... سچ ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا ۔ اگر مرد احسن الیٰ من اساء

ایک واقعہ خلیفہ ہارون رشید کے پاس اس کا بیٹا روتا ہوا آیا کہ فلاں سپاہی کے بیٹے نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے درباریوں سے پوچھا کہ ایسے لڑکے کو کونسی سزا ملنی چاہئے؟ کسی نے کہا اس کو قتل کردیا جائے۔ کسی نے کہا اس کو ملک بدر کردیا جائے۔ اس پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا بیٹے تم نے سنا جو کچھ درباریوں نے کہا۔ لیکن قرآن کا حکم یہ ہے کہ ایک برائی کا بدلہ ایک برائی ہے لیکن اگر معاف کردیا جائے تو اور بہتر ہے اور اگر ایک گالی کے بجائے دو گالی دوگے تو زیادتی اور ظلم تمہاری طرف سے ثابت ہوگا اس لئے میری رائے ہے کہ اول تو معاف کردو اور اگر یہ حوصلہ نہیں ہے تو گالی کے بدلہ میں گالی تم بھی دیدو اور زیادتی نہ کرو۔

قوت ملکوتیہ یہ وہ قوت ہے جس سے خداشناسی حاصل ہوتی ہے۔ یہ طاقت بھی دو حصوں میں بٹ گئی اور اس میں بھی افراط و تفریط پیدا ہوگئی۔

افراط یہ آیا کہ انسان نے ہزاروں خدا بنا ڈالے۔ سینکڑوں بتوں مورتیوں کو دیوتا اور خدا قرار دیا اور اسلام کی دعوت توحید پر کہنے لگے اجعل الالھۃ الٰھا واحدا ان ھذا الشیٔ عجاب۔ یعنی وہ کہتے تھے کہ یہ تو عجیب

بات ہے کہ کئی خدا نہیں ہیں بس صرف ایک خدا ہے حالانکہ عجیب بات تو یہ تھی کہ کئی خداؤں کے سامنے انسان کا سر جھکے اور کئی ایک در پہ جبہ سائی کرتا پھرے اقبال مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدہ سے ملتی ہے آدمی کو نجات

بابا کبیر داس نے انسان کی اس کج فکری و بے عقلی پر ماتم کرتے ہوئے ایک طنزیہ شعر کہا تھا جسے پڑھ کر آج بھی فکر جگمگا اٹھتی ہے۔

دنیا ایسی باؤلی کہ پتھر پوجن جائے
گھر کی چکی کوئی نہ پوجے جس کا پیسا کھائے

حالانکہ نظام عالم کے لئے کئی خداؤں کا وجود عقلاً و نقلاً ہر اعتبار سے باطل ہے۔

تفریطاً اس میں اس طرح آئی کہ کوئی خدا نہیں۔ کوئی رب نہیں۔ دہریت کا دور دورہ تھا ایک ذرا سی سوئی ایک گز تاگا خود بخود وجود میں نہیں آسکتا۔ یہ میز و کرسی بھی آپ سے آپ پیدا نہیں ہوئی۔ تو یہ آسمان، یہ زمین یہ چاند یہ سورج یہ سیارے یہ ستارے اور یہ کھربوں اربوں کہکشائیں آپ سے آپ کیسے پیدا ہو جائیں گی یہ کیسی بے عقلی کی باتیں یہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ چاند جو دو لاکھ تیس ہزار میل کی بلندی پہ ہے اسے کس نے بنایا ؟ اور اتنی بلندی پر کیسے معلق کر دیا۔ اور یہ سورج ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل کی بلندی پر ہے لٹکا ہوا ہے اس طرح اچھال کر پھینک دیا کہ بس وہ وہیں رہ گیا، نہ اس سے اوپر جا سکتا ہے اور نہ نیچے آسکتا ہے۔ قصہ مختصر جب کوئی چیز اپنے آپ سے پیدا نہیں ہوئی تو یہ چاند و سورج و کہکشائیں آپ سے آپ یہ سب کیسے پیدا ہو جائیں گے ضرور ان کا کوئی خالق ہے وہ صرف خداوند کریم و رب قدیر ہے کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہیچ چیزے خود بخود نہ شد ہیچ آہن خود بخود آہن نہ شد

الغرض اہل عرب ان ساری قوتوں میں جو بگاڑ پیدا ہو گیا تھا ان میں اصلاح و انقلاب پیدا کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے فسادات کی گہری بنا فئی کرتے ہوئے ہر مرض کی دوا تجویز کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی اور ایسا انقلاب پیدا کیا کہ عرب جیسی جنگجو قوم کو اخلاق حسنہ کا پیکر اور خیر الامم کے لقب کا حقدار بنا دیا کسی نے کیا خوب لکھا ہے۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے کوئی دین دین محمد سا نہ پایا ہم نے

ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل　　　　تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

انقلاب احوال اسلامی تعلیمات وارشادات خداوندی کے ذریعہ آپ نے ایسا بہترین انقلاب فرمایا کہ انسان تو انسان فرشتے بھی قربان ہوجائیں حضور کی اصلاح و تربیت اور اسلامی تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ رانڈوں اور بیواؤں کا مال اڑانا جن کا شیوہ تھا وہ یتیموں کے غمخوار و ہمدرد بن گئے اور جو بتوں کے پجاری تھے وہ توحید کے واعظ بن گئے۔ جو کسی قانون کا احترام کرنا جانتے نہیں تھے وہ قوانین الہیہ کا سخت احترام و اہتمام کرنے لگے جو صنف نازک پر ظلم ڈھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو سے کھیلتے تھے وہ رحمدل اور ان کے محافظ بن گئے۔ اسلام سے پہلے وہ بالکل درندے اور وحشی تھے تمام بدیوں میں ملوث تھے۔ حالی مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ　　　　ہر ایک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا انکا زمانہ　　　　نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے　　　　درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

قوانین الہیہ کے احترام کے چند واقعات (۱) ایک بار ماعز اسلمیؓ سے زنا کا صدور ہوگیا تو حضور کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر عرض کیا طَهِّرْنِي يَا رَسُولَ اللهِ یعنی اے اللہ کے رسول مجھکو پاک کیجئے آپ نے ارشاد فرمایا وَيْلَكَ ارجع فاستغفر الله وَتب اليه تجھ پر افسوس ہے تو واپس جا اور اللہ سے مغفرت طلب کر۔ یہ لوٹ گئے مگر پھر پلٹ آئے پھر وہی عرض کرنے لگے۔ رسول خدا کی جانب سے وہی جواب ملتا رہا اس طرح چار بار آتے جاتے رہے آخر میں حضور نے پوچھا فیما اطھرك میں تم کو کس چیز سے پاک کروں۔ کہا زنا سے۔ اس پر حضور نے فرمایا لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ أَوْ غَمَزْتَ او نظرت صرف شاید بوس وکنار اور لمس و نظر کیا ہوگا کہا نہیں یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے۔ حضور نے فرمایا جنون تو نہیں ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ نہیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو شراب تو نہیں پی لی ہے کہ ہوش و حواس صحیح نہیں ہیں۔ ایک شخص نے منہ سونگھ کر بتایا شراب نہیں پی ہے۔ پھر پوچھا واقعی تم نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو کہا واقعۃً میں نے زنا کیا ہے۔ تب حضور نے حد جاری کرنے کا حکم فرمایا اور وہ سنگسار کردیئے گئے۔ (صحیح مسلم شریف)

اس طرح کے دوسرے واقعات بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ قوانین الہیہ کا احترام کرتے تھے کس طرح انہوں نے اپنے آپ کو حدود اللہ کے لئے پیش کردیا اور یہ اثر تھا اسلام کے انقلابی تعلیم و تزکیہ کا۔ ارشاد باری ہے۔

وحبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان

(الحجرات)

حکایت غامدیہ عہد رسالت میں ایک عورت زنا کی مرتکب ہو گئی احادیث میں اس کو امرأۃ غامدیہ سے یاد کیا گیا ہے زنا کے بعد ہی عورت خود سے حاضر ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو سنگسار کرنے سے تیرے پیٹ کا بچہ ضائع ہو جائے گا اس لئے وضع حمل کے بعد آؤ نہ تو کوئی ضمانت ہوئی نہ مچلکہ لکھا گیا سمن اور وارنٹ گرفتاری جاری کیا گیا۔ وضع حمل کے بعد وہ از خود حاضر ہوئیں آپ نے فرمایا ابھی بچہ دودھ پیتا ہے جب روٹی کھانے لگ جائے تب آنا۔ دو سال ایام رضاعت بھی گذر گئے تو پھر حاضر خدمت ہوئیں۔ اس بار بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا حضور نے فرمایا اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہوگا؟ جب ایک صحابی ذمہ دار ہو گئے تب وہ سنگسار کی گئیں۔ ان پر حد شرعی جاری ہوئی۔ (صحیح مسلم)

یہ تھا جرم کا احساس اور قانون الٰہی کا احترام۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دے کر انقلاب برپا کر دیا تھا خشیت الٰہی آپ کے متبعین کے قلوب میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ایسے ہی قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت کا واقعہ مسلم شریف میں بایں الفاظ مذکور ہے

ان امرأۃ من جهینة اتت النبی صلی الله علیه وسلم وهی حبلی من الزنا فقالت یا رسول الله اصبت حدا فاقمه علی فدعا نبی الله صلی الله علیه وسلم ولیها فقال احسن الیها فاذا وضعت فأتنی بها ففعل فامر بها النبی صلی الله علیه وسلم فشدت علیها ثیابها ثم امر بها فرجمت ثم صلی علیها (مسلم شریف)

یعنی قبیلہ جہینہ کی ایک عورت جس کا حمل زنا سے تھا رسول اکرم صلی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ اے رسول خدا میں حد کو پہونچ گئی ہوں میرے اوپر جاری فرمایئے تو آپ نے اس کے ولی کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو لے جاؤ جب بچہ جن دے تب لانا چنانچہ اس کے ولی نے ایسا ہی کیا۔ وضع حمل کے بعد اسے لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے رجم کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے کپڑے باندھ دیئے گئے تاکہ بے ستری نہ ہونے پائے پھر اسے سنگسار کر دیا گیا آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

احترام قانون اور اقرار جرم کا ایک اور واقعہ

حضرت علی کے دور خلافت میں کوفہ میں ایک بدوی نے ایک مسافر کو قتل کر ڈالا اور فرار ہو گیا اسی جنگل میں ایک قصاب گائے ذبح کر رہا تھا پولیس نے خون دیکھا اور قصاب کے ہاتھ میں چھری دیکھی تو قتل کے جرم میں قصاب کو گرفتار کرلیا۔ اور نوبت سولی دپھانسی تک پہونچی۔ عین پھانسی کے دن وہ بدوی حاضر ہوا اور اس نے اپنے جرم کا اقبال واعتراف کرلیا۔

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ر ۳)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اسلامی تعلیمات میں انقلاب اجالی کی کتنی زبردست طاقت تھی اور لوگوں میں قانون الہی کے احترام کا کس قدر عظیم جذبہ تھا۔

اسلام ان حقائق و صداقتوں کا نام ہے جن میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں ہے

آج کل روشن خیال۔ جدید تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ حضرات قرآن و حدیث کی اسلامی تعلیمات کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ زمانہ رسالت سے آگے بڑھ چکا ہے دنیا اب کافی ترقی کر چکی ہے سائنٹفک دور ہے۔ نئے حالات کے تحت نئی تعلیمات کی ضرورت ہے وہ کہتے ہیں کہ اسلام جو صدیوں کا پرانا ہو چکا ہے اب جدید تقاضوں اور نئے حالات کے تحت اسلامی تعلیمات کو بھی کچھ بدلنا چاہئے۔ اس کے پرسنل لاء میں کچھ ترمیم ہونی چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ پرانی عمارت گرا کر نئی عمارت بنائی جاتی ہے۔ قوانین بدل کر نئے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ تعزیرات و قوانین ملک وغیرہ بدلتے رہتے ہیں مگر اسلام کو کیا ہو گیا کہ وہی پرانے مسائل وہاں دہرائے جاتے ہیں جو دنیاوی ترقی میں مزاحم ہو رہے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے ایسے لوگوں کی ترجمانی میں طنزاً کہا ہے۔

ہر ایک چیز میں ان کے دین کے اونگے ۔۔۔ ہر ایک بات میں ان کے مذہب کے کچھ پھیر
یہ دنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں ۔۔۔ اٹھاؤ چلو تہ کرو اپنا بستر

ایسے دوستوں اور بھائیوں سے صرف یہ کہنا ہے کہ اسلام ابدی صداقتوں اور ازلی حقیقتوں کا نام ہے۔ حقیقت و صداقت بدلا نہیں کرتی اور یہ قاعدہ کلیہ غلط ہے کہ قدیم اس لئے قابل ترک ہے کہ وہ قدیم ہے اور جدید اس لئے قابل اخذ ہے کہ وہ جدید ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سچ ہمیشہ سچ رہے گا اور جھوٹ ہمیشہ جھوٹ۔ زمانہ خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے نیکی ہمیشہ نیکی کہلائے گی اور بدی ہمیشہ بدی کہلائے گی۔ بلا وجہ کسی کو طمانچہ

رسید کرنا ہمیشہ ظلم کہا جائے گا اور کسی ڈوبتے کو بچا لینا نیکی کہلائے گی۔ اس قسم کی حقیقتیں اور صداقتیں ہمیشہ یکساں رہیں گی ان میں تبدیلی غیر ممکن ہے۔

قوانین الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں۔ تکوینی و تشریعی۔ ان دونوں میں بھی کبھی رد و بدل کی ضرورت نہیں لاحق ہوگی۔ مثلاً دیکھئے پرانا قاعدہ ہے کہ آفتاب ہمیشہ مشرق سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ آگ ہمیشہ جلانے کا کام کرتی ہے اب بھی جلائے گی۔

اسی طرح تشریعی امور بھی ناقابل تبدل ہیں کسی زمانہ میں ان کے اندر رد و بدل کی ضرورت نہیں دوسرے تمام ناقص تعلیمات۔ غیر الہامی تصنیفات، غلط افکار و نظریات بدل دیے سکتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری خوبیاں ہمیشہ اچھی ہی رہیں گی۔ حق حق رہے گا اور باطل باطل۔

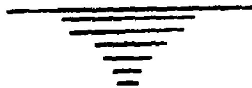
تغیر زمانہ۔ ان میں تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا مولانا ظفر نے کیا خوب لکھا ہے۔

چل دیئے بطلمیوس گم ہوئے مرقس مر گئے متی مٹ گئے لوقا

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

اصل یہ ہے کہ انسان کا کلام بدلا جا سکتا ہے۔ انسان کے کام ترمیم طلب ہو سکتے ہیں۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین واحکام بدلے جا سکتے ہیں نقص کا پایا جانا ممکن ہے مگر اللہ کا کلام اور اس کے احکام و قوانین میں کوئی نقص نہیں ان میں تبدیلی ناممکن ہے۔ اللہ کی ذات پاک اور حکیم و علیم ہے اس لئے اس کے احکام بھی غلطیوں سے پاک اور مبنی بر حکمت ہیں ان میں تغیر و تبدل سراسر غلط اور ظلم ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین



شیخ الاسلام ابن تیمیہ حیات اور کارنامے

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار الفریوائی
استاذ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

ترجمہ: ابن عبید اثری

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کی سیرت وحیات اور علمی واصلاحی کارناموں کے تعارف پر اب تک جو کام ہوا ہے وہ بہت وقیع ہے، اور مسلسل اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے جو صحیح اسلامی ثقافت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نیک فال ہے۔ جامعہ سلفیہ میں گذشتہ سال اس موضوع پر ایک علمی سمینار اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، انھیں علمی خدمات میں ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار الفریوائی کا پی ایچ ڈی کا رسالہ ہے جس پر موصوف کو مدینہ یونیورسٹی سے جمادی الآخرۃ ۱۴۰۸ھ میں ڈگری عطا کی گئی، رسالہ کا اصل موضوع تو "ابن تیمیہ اور علم حدیث" ہے لیکن موصوف نے پہلے باب میں شیخ الاسلام کی سیرت و حیات کے ان گوشوں پر قلم اٹھایا ہے جن کا تعلق حدیث وعلوم حدیث سے ہے، ان مباحث کی افادیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ اب تک اس موضوع پر جو کام ہوا ہے اور جس کا ایک جائزہ موصوف نے اس باب کی آٹھویں فصل میں لیا ہے اس میں موصوف کا یہ مقالہ اور اس کے باب اول کی مشتملات پر اس سے پہلے کوئی کام نہیں ہوا تھا۔ اس افادیت واہمیت کے پیش نظر اس کتاب کے پہلے باب کی یہ فصول جامعہ سلفیہ کے عربی مجلہ "صوت الجامعہ" میں شائع ہو رہی ہیں۔ نیز مستقل کتاب بھی مزید مباحث کے اضافہ کے ساتھ جامعہ ہی سے منظر عام پر آرہی ہے۔ قارئین محدث کی ضیافت طبع کے لئے ہم اس کو اردو میں منتقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

(ادارہ)

نام ونسب: امام ربانی، امام الائمہ، مفتی الامۃ، بحر العلوم، سید الحفاظ، شہسوار معانی والفاظ

یگانۂ روزگار، یکتائے زمانہ، شیخ الاسلام، علامۂ زماں، ترجمان القرآن، تاجدار زہاد، قامع بدعت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا پورا نام و نسب اس طرح ہے۔ تقی الدین ابو العباس احمد بن شیخ امام علامہ شہاب الدین ابو المحاسن عبد الحلیم بن شیخ امام علامہ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام بن ابو محمد عبد اللہ بن ابو القاسم خضر بن محمد بن خضر بن علی بن عبد اللہ بن تیمیہ حرانی نزیل دمشق۔ [۵]

ولادت اور نشوونما شیخ الاسلام ابن تیمیہ روز دوشنبہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو شہر حران میں پیدا ہوئے۔ اہل حران نے جب وہاں سے دمشق ہجرت کی تو آپ کے والد نے بھی اپنے خاندان کے ساتھ ۶۶۷ھ میں عباسی قلمرو کے ان خطوں پر تاتاریوں کے غلبہ کے وقت دمشق ہجرت فرمائی۔

کمسنی میں حصول علم بلاد اسلامیہ میں دستور تھا کہ سماع حدیث کے لئے اہل علم کی جو مجالس منعقد ہوتی تھیں ان میں چھوٹے بچوں کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔ غرض یہ ہوتی تھی کہ انھیں علم کی رغبت و محبت ہو، برکت حاصل ہو۔ اور حدیث کی سند عالی ہو جائے۔ شیخ الاسلام نے نہایت کمسنی میں حصول علم کی ابتداء کی۔ انھیں اس کے لئے اس بات سے تعاون حاصل ہوا کہ وہ حران اور دمشق میں معروف ایک علمی اور دینی خاندان کے فرد تھے۔ اور دمشق کا شہر بذات خود ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد کے سقوط اور اس پر

---

۵ ابن عبد الہادی: العقود الدریہ ص ۲۔ البرزانی نے بھی اپنی تاریخ میں شیخ الاسلام کا نسب اسی طرح ذکر کیا ہے جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ۱۴/ ۱۱۶ میں نقل کیا ہے۔

ابن تیمیہ نام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شیخ الاسلام کے دادا محمد بن خضر تیماء کے راستہ سے حج کے لئے نکلے، وہاں انھوں نے ایک بچی کو دیکھا، جب لوٹے تو دیکھا کہ ان کی اہلیہ کے یہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی ہے تو فرمایا:

اے تیمیہ اے تیمیہ، چنانچہ یہی ان کا لقب پڑ گیا۔

ابن النجار کے بیان کے مطابق ابن النجار کہتے ہیں۔ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ شیخ الاسلام کے دادا محمد کی والدہ کا نام تیمیہ تھا، یہ بڑی واعظہ تھیں، انھیں کی طرف وہ منسوب ہو کر اس نسبت سے معروف ہوئے (العقود الدریہ ص ۲)

تاتاریوں کے غلبہ کے بعد عظیم ترین اسلامی مراکز میں شمار کیا جاتا تھا۔

حران سے آنے کے بعد اپنے بھائیوں کے ساتھ ان کا اولین سماع حدیث شیخ ابن عبدالدائم سے ہوا۔ آپ نے ۶۶۷ھ میں ان سے جزء الحسن بن عرفہ کا سماع کیا۔

شب روز اپنے شیوخ سے تمام علوم وفنون میں اخذ وسماع میں مصروف ہو گئے ان شیوخ کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے، مختلف کتابوں کا مطالعہ اور ان کے مشکل مقامات کا حل اس پر مستزاد ہے۔ شیخ الاسلام نے فن حدیث کی طرف خاص توجہ کی۔ بے شمار کتابوں اور اجزاء حدیث کا سماع کیا۔ بہت سی کتابوں کا بذات خود مطالعہ کیا۔ اور بہت سے اجزاء اور سنن ابی داؤد کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا۔ فہم وذکاء اور تمام علوم کے استیعاب میں اپنے ہمعصر علماء سے ممتاز ہو گئے ابھی بیس سال سے کم ہی عمر تھی کہ فتوی اور تدریس کے اہل ہو گئے بلکہ بیس سال سے پہلے آپ نے فتوی دیا تھا۔

کثرت تحریر، سرعت حفظ، قوت فہم وادراک اور عدم نسیان کے لئے آپ پر اللہ کا فضل خاص تھا۔ حتی کہ بہت سے علماء کا قول ہے کہ: "إنه لم يكن يحفظ شيئا فينساه"، کوئی چیز حفظ کرنے کے بعد وہ بھولتے نہیں تھے حصول علم، سماع اور تالیف وتصنیف اور تحریر فتاوی کے ذریعہ افادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ آپ کا آخری سماع حدیث ۶۹۹ھ میں ہوا۔

شیخ الاسلام کتب حدیث کے بڑے حصہ کے حافظ تھے۔ اس سلسلہ میں فن حدیث کے ماہرین کی تمہارتوں کا ذکر بعد میں آرہا ہے۔ اس بارہ میں الجمع بین الصحیحین للحمیدی، پہلی کتاب ہے جسے آپ نے حفظ کیا تھا[1]

موصوف کے والد محترم کی وفات ۳۰ ذی الحجہ ۶۸۲ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی۔ والد کے بعد دارالحدیث السکریہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور یکم محرم الحرام ۶۸۳ھ میں تدریس کی ابتداء کی۔ آپ کی مجلس درس میں اس دور کے ائمہ کبار نہایت کثرت سے حاضر ہوئے جنھوں نے آپ کی غایت درجہ تعریف کی ہے۔ موصوف نے ابتدا درس "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے بارے میں دیا جسے شیخ تاج الدین الفزاری نے قلمبند کیا ہے۔

امام ذہبی نے فرمایا: شیخ تاج الدین الفزاری شیخ الاسلام کی عظمت شان کا غایت درجہ اظہار کیا کرتے تھے۔ دارالحدیث السکریہ میں ان کے درس کو انھوں نے اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا ہے۔ ابن ناصرالدین دمشقی کہتے ہیں: یہ درس شیخ تقی الدین کے والد کی موت کے بعد بروز دوشنبہ ۲ محرم ۶۸۳ھ

دارالحدیث السکریہ میں ہوا جو دمشق کے اندر قصاعین میں واقع تھا۔ یہاں شیخ تقی الدین اور ان کے والد اس سے پہلے سکونت رکھتے تھے۔

اس درس میں قاضی القضاۃ بہاء الدین یوسف بن قاضی محی الدین ابو الفضل یحییٰ بن الزکی، شیخ زین الدین ابو حفص عمر بن مکی عبد الصمد بن المرحل وکیل بیت المال صدر الدین ابن الوکیل کے والد اور شیخ الحنابلہ علامہ زین الدین ابو البرکات ابن المنجا تنوخی اور دوسری بڑی شخصیات حاضر ہوئی تھیں۔

یہ درس نہایت جامع تھا۔ اسے شیخ تاج الدین الفزاری نے کثرت فوائد کی بنا پر قلمبند کر لیا۔ جیسا کہ امام ذہبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ حاضرین مجلس نے انتہائی تعریف کی ہے۔ اس وقت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی عمر اکیس سال تھی۔[1]

پھر جامع اموی میں اپنے والد کی جگہ بیٹھے اور سالہا سال اپنے حافظہ کی بنیاد پر قرآن کریم کی تفسیر جاری رکھی۔ اسی جگہ پر ۶۹۰ھ میں بروز جمعہ چند صفات باری تعالیٰ کا ذکر کیا تو بعض مخالفین کھڑے ہو گئے اور آپ کو بیٹھنے سے روکنا چاہا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔

۶۹۲ھ میں فریضۂ حج ادا کیا اور ۶۹۴ھ میں علامہ شرف الدین ابو العباس احمد بن احمد بن نعمہ نے شیخ الاسلام کو افتاء کی اجازت دی اور اس پر فخر و مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ ابن تیمیہ کو افتاء کی اجازت میں نے دی ہے۔

اسی سال عساف نصرانی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے تو اس واقعہ کے نتیجہ میں شیخ الاسلام نے اپنی عظیم کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" تصنیف فرمائی جو اپنے موضوع پر اسلام کی تاریخ میں ایک بے مثال کتاب ہے۔

شعبان ۶۹۵ھ میں شیخ الاسلام نے "مدرسہ حنبلیہ" میں شیخ زین الدین ابن المنجا (ت ۶۹۵ھ) کی جگہ پر درس دیا۔

اسی سال آپ نے "العقیدۃ الواسطیۃ" تالیف فرمائی۔ ۷ ارشوال ۶۹۷ھ میں شیخ الاسلام نے جہاد کی موضوع پر درس دیا جو نہایت جامع تھا۔ اس میں آپ نے مجاہدین کے اجر عظیم کا ذکر بڑی اہمیت کیساتھ کیا تھا۔

---

[1] الرد الوافر (۴۶)، ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایۃ (۱۳ر۳۰۳) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۶۹۸ھ میں شیخ الاسلام نے اپنی گراں قدر کتاب "الفتوی الحمویہ" تالیف فرمائی یہ اہل حماۃ کے ایک استفسار کے جواب میں تحریر کی گئی۔

اس فتویٰ کے سبب سے شیخ الاسلام کے سامنے فقہار کی ایک جماعت کی طرف سے کچھ مشکلات کھڑی گئیں ان لوگوں نے چاہا کہ شیخ الاسلام کو قاضی جلال الدین حنفی کی مجلس میں حاضر کیا جائے۔ لیکن شیخ الاسلام تشریف نہیں لے گئے۔ امیر سیف الدین جاغان نے اس مسئلہ میں آپ کی مدد کی آخر کار تمام ہنگامہ پرور لوگ خاموش ہو گئے۔ پھر جمعہ کے روز ان لوگوں نے عقیدہ حمویہ کے سلسلہ میں مناقشہ کیا تو شیخ الاسلام نے اپنے مضبوط دلائل سے انھیں خاموش کر دیا۔ راہ حق میں یہ پہلی آزمائش تھی اور پھر اس کے بعد مشکلات کا سلسلہ شروع ہو گیا جو آخر تک ختم نہیں ہوا یہاں تک کہ آپ کی عمر ختم ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد شیخ الاسلام کے اندر اصول و فروع میں مذہب سلف کی تشریح اور فلاسفہ جہمیہ اور تمام اہل بدعت کے رد کیلئے ایک عجیب وغریب جوش پیدا ہوا۔ جس کے اوصاف اور خوبیوں کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تمام اقسام علوم میں ہم عصر علمار کے ساتھ نہایت عجیب مناظرات اور دقیق مباحثے کئے کہ ان کے بیان سے عبارت قاصر ہے۔

ربیع الآخر ۶۹۹ھ میں شیخ الاسلام سرکردہ شخصیات کے ساتھ تاتاریوں کے سلطان قازان کے پاس گئے جس نے سلمیتہ کے قریب وادی خزندار کے بعد دمشق پر چڑھائی کا عزم کر رکھا تھا۔ شیخ الاسلام نے اس سے نہایت پرزور اور سخت گفتگو فرمائی۔ یہ گفتگو عظیم مصالح سے لبریز تھی اور جس کے فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔

پھر شیخ الاسلام بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۰ ربیع الآخر تاتاری سلطان کے پاس تشریف لے گئے لیکن اس سے گفتگو کا اتفاق نہیں ہو سکا۔

رجب میں بولائی کے خیمہ گاہوں میں تشریف لے گئے اور قبجق کے ساتھ مسلمان قیدیوں کی رہائی کے مسئلہ پر گفتگو کی اور بہت سے اسیروں کو رہا کرا دیا۔ ۱۷ رجب جمعہ کو دمشق میں دوبارہ حاکم مصر کے نام پر خطبہ دیا گیا جبکہ دمشق اور دیگر بلاد شام میں قازان کے نام کا خطبہ دیا جانے لگا تھا۔

پھر شیخ الاسلام اور آپ کے ساتھیوں نے شراب خانوں کی جانب اپنی مجاہدانہ کارروائیوں کا رخ موڑا۔ شراب خانوں کے ظروف توڑ ڈالے اور شرابوں کو بہا دیا۔ فواحش کے اڈے ان شراب خانوں کے

چلانے والوں کی ایک جماعت کو سزا دی۔ اس کارروائی سے لوگوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

اسی سال ۲ شوال کو نائب سلطنت جمال الدین آقوشی الافرم نے دمشق کے لشکر کے ساتھ جرد اور کسروان کے پہاڑوں کا رخ کیا۔ شیخ الاسلام اس علاقہ کے باشندوں سے جہاد کے لئے نکلے آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد تھی یہاں کے باشندے نیتوں کے فساد عقائد کے بگاڑ اور کفر و ضلالت کے لئے معروف تھے۔

تاتاریوں نے جب عساکر اسلام کو شکست دی تو ان لوگوں نے عساکر پر حملہ کر دیا۔ انھیں لوٹا اور گھوڑے چھین لئے اور بہتوں کو قتل کر دیا۔

شیخ الاسلام جب اپنے لشکر کے ساتھ اس خطہ میں پہونچے تو ان کے سردار شیخ کے پاس آئے آپ نے ان سے توبہ لی اور انھیں راہ راست کی تعلیم دی، لشکر کا بہت سا مال انھوں نے واپس کرنے کا اقرار کیا شیخ نے ان کے اوپر بہت سا تاوان واجب قرار دیا جسے بیت المال میں داخل کرنا ان کے لئے ضروری تھا۔

۷۰۰ھ میں کثرت سے خبریں پھیلنے لگیں کہ تاتاری بلاد شام پر چڑھائی کرنے والے ہیں جس سے اہل شام خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ شیخ الاسلام نے ۲ صفر کو مسجد جامع میں اپنی مجلس کے اندر لوگوں کو جہاد پر ابھارا اور تاتاریوں سے جہاد کو واجب قرار دیا، اس سلسلہ میں وہ برابر مجلس منعقد کرتے رہے۔ بلاد شام میں منادی کرادی گئی کہ کوئی شخص بغیر تحریری اجازت کے سفر نہ کرے اس سے لوگ سفر کرنے سے باز آگئے۔

جمادی الاولیٰ کی ابتداء میں شیخ الاسلام مرج میں نائب شام سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور لوگوں کو ثابت قدمی کی تلقین کی اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی فتح و نصرت کا پیغام سنایا۔ پھر مصر تشریف لے گئے اور انھیں اس بات پر ابھارا کہ اگر اہل شام کو ضرورت پڑے تو اس کے لئے اپنے لشکر تیار رکھیں، اہل مصر سے شیخ نے فرمایا تھا اگر آپ لوگوں نے شام اور اس کے تحفظ سے اعراض کیا تو ہم اس کے لئے ایک سلطان کی تقرری کریں گے جو اس کی حفاظت کرے اور امن کے زمانہ میں اس کے رفاہ کے کام کرے۔

چنانچہ مصری لشکر کے شام پہونچنے پر لوگ حد سے زیادہ خوش ہوئے۔ شیخ الاسلام مصری سلطان، وزراء اور اعیان سلطنت سے مل کر دمشق واپس آگئے۔

شوال ۷۰۰ھ میں یہود خیبر کے متعلق ایک مجلس منعقد ہوئی اور ان کے اوپر دیگر یہود کی طرح جزیہ لازم قرار دیا گیا۔ اس پر ان لوگوں نے ایک تحریر پیش کی جس کے متعلق وہ اس دعوی کا اظہار کر رہے تھے کہ

یہ تحریر پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جس میں یہود خیبر سے جزیہ نہ لینے کی بات لکھی ہوئی ہے ۔ فقہاء جب اس سے واقف ہوئے تو ان پر واضح ہوگیا کہ یہ تحریر جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے ۔ شیخ الاسلام نے یہود خیبر سے اس تحریر کے متعلق گفتگو فرمائی ان کی غلطی کو آشکارا کیا ۔ اور ثابت کیا کہ یہ گھڑی ہوئی تحریر ہے ۔ تب انھیں جزیہ کی ادائیگی تسلیم کرنی پڑی ۔

اسی مہینہ میں حاسدوں کی ایک جماعت نے شیخ الاسلام کے خلاف ایک فتنہ انگیزی کی اور شکایت کی کہ یہ حدود و تعزیرات قائم کرتے ہیں اور بچوں کے سر منڈواتے ہیں ۔ شیخ الاسلام نے اس طرح کے لوگوں کے متعلق بھی واضح باتیں بیان فرمائیں اور ان کی غلطیوں کو واضح کیا ، پھر یہ فتنہ فرو ہوا ۔

موت العالِم موت العالَم

یہ خبر بڑے رنج والم کے ساتھ سنی جائیگی کہ یکم اپریل ۱۹۸۹ء مطابق ۲۳ شعبان ۱۴۰۹ھ بروز سنیچر صبح پونے دس بجے حضرت العلام مولانا عبدالواحد صاحب عمری کا اپنے وطن پرنام بٹ میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ نے اٹھاون سال تک جامعہ دارالسلام عمرآباد میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں ، اس مدت میں عرصۂ دراز تک جامعہ کے ناظم اعلیٰ کے فرائض بھی بحسن وخوبی انجام دیئے چالیس سال تک بخاری شریف کا درس دیا اور تقریباً اٹھاون سال تک پرنام بٹ کی اہلحدیث مسجد میں رمضان شریف میں تراویح کی نماز میں قرآن مجید سنایا اور اسی مسجد میں خطیب اور جہری نمازوں کے امام بھی تھے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے ۔ ناظرین سے نماز جنازۂ غائبانہ اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے ۔

غمزدہ : مولانا ظہیرالدین اثری رحمانی

حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام اوقات

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

وہ مقدس وجود جو بندۂ مسکین بنکر آیا اور بندہ بنکر رہا اور بندگی کی حالت میں گذر گیا۔ وہ جس کو اس غرض کے واسطے دنیا میں بھیجا گیا کہ زندگی کے راز لوگوں پر ظاہر کرے۔ وہ پاک وجود جس نے زندگی کے ہر لمحہ میں عبدیت اور معبودیت کے تعلق کو بتلایا، وہ جس نے کامل مصروفیت کے ساتھ حق وصداقت کی تبلیغ کی۔ وہ جس نے گم گشتگانِ راہِ ضلالت کو صراط مستقیم پر قائم کیا، وہ جس نے باطل کی تاریکیوں کو مٹا کر مشرق و مغرب کو نور حقانیت سے منور کیا، وہ جس نے اپنے اخلاق و اعمال کی پاکیزگی سے سرکشوں کو جھکایا، وہ جس نے اپنے اسوۂ حسنہ کو پیش کر کے ہر ایک کی چشم بصیرت کے آگے نقشہ ظاہر کیا۔

آؤ اس وجود مبارک کے نظام اوقات پر ایک نظر ڈالیں اور اس کے اسوۂ حسنہ پر عامل ہو کر "فی رسول اللہ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" کی منزل پر پہونچیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کا آغاز خدا کی عبادتوں کے اوقات سے ہوتا ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

فجر سے اشراق تک فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اشراق کی نماز تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت خانہ میں ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے۔

اشراق سے چاشت تک اشراق کی نماز سے فارغ ہو کر چاشت کے وقت تک خلق اللہ کی ہمدردی و خدمت میں مصروف رہتے اور اس کو بھی خدا کی عبادت سمجھتے۔ جیسے مریضوں کی عیادت اور غریب لوگوں کی خدمت؛ اسلام کی اشاعت، مسترشدین و طالبین کو ہدایت و فتوی پوچھنے والوں کو فتوی کا جواب دیتے۔ باہمی نزاعات کو دور فرماتے، معاملات کو فیصل فرماتے، پھر چاشت کی نماز ادا فرماتے۔

چاشت سے زوال تک چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ اہل و عیال کی خاطرداری اور تسلی فرماتے۔ اور اس میں بھی رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھتے۔ پھر کھانا تناول فرماتے اور کچھ دیر کے لئے استراحت فرماتے۔

جب آفتاب ڈھلتا تو آپ اٹھتے اور حوائج ضروری سے فارغ ہو کر غسل یا وضو فرماتے۔ اس کے بعد چار رکعت نماز زوال ایک سلام سے ادا فرماتے۔

ظہر سے عصر تک جب ظہر کی اذان ہوتی تو آپ مکان سے باہر تشریف لاتے اور ظہر کی نماز مسجد میں پڑھتے، پھر عصر کے وقت تک تعلیم و ہدایت، تبلیغ و اشاعت اور پند و نصیحت میں مصروف رہتے۔

عصر سے مغرب تک: عصر کی نماز پڑھکر آپ اذکار اور اشغال میں مصروف ہو جاتے، اور تسبیح و تحمید کرتے رہتے۔ اگر کوئی اہم مسئلہ پیش ہوتا تو کلام فرماتے۔

مغرب سے عشار تک مغرب کی نماز پڑھکر گھر تشریف لے جاتے۔ اہل و عیال کیساتھ موانست و محبت کرتے مہمانوں اور مسافروں کی خاطر تواضع فرماتے۔ جانوروں کے دانے اور چارپائے کی خبر لیتے۔ بے زبانوں کی بلوک پیاس کا انتظام فرماتے، اگر گھر میں کچھ مال موجود ہوتا تو مستحقین اور مساکین کو تقسیم فرماتے اس کے بعد استنجا وغیرہ سے فارغ ہو کر وضو کر کے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

عشار سے فجر تک: عشار کی نماز پڑھکر حضور اقدس گھر چار رکعت نماز پڑھتے، پھر کچھ دیر تکبیر و تحمید الٰہی بجالاتے۔ قرآن مجید کی سورہائے زمر، اسرار، حدید، حشر، صف، تغابن، جمعہ، اخلاص، فاتحہ، معوذتین وغیرہ میں سے کوئی سورت تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد استراحت فرماتے لیکن زیادہ غفلت نہ ہوتی تھی حضور کا قلب ہر لمحہ ذکر الٰہی کرتا رہتا تھا۔ پچھلی رات کو آپ ضرور بیدار ہو جاتے اور وضو کر کے تہجد میں مشغول ہو جاتے کبھی نو رکعت، کبھی گیارہ رکعت، کبھی تیرہ رکعت پڑھتے۔

کبھی کبھی اسقدر استغراق ہو جاتا کہ قیام کی وجہ سے پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا، رکوع میں بہت دیر ہو جاتی، کبھی سجدے میں بہت دیر تک پڑے رہتے۔

اس نظام کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چوبیس گھنٹے بسر ہوتے تھے، رات کے شروع حصہ میں سونا اور پچھلے حصہ میں بیدار ہونا خاص الخاص اصول تھا۔

حلقہ بگوشاں کو کافی وقت میسر ہے اطمینان حاصل ہے اگر وہ اس نظام نامۂ رسالت کا کماحقہ اتباع کریں تو درحقیقت ان کی خوش قسمتی قابل رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مومن کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

واللہ الہادی۔ حررہ نور محمد میانوی جہلمی (ہفتہ روزہ اہلحدیث، امرتسر ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء)

کتابت: اثری، بھدوہی

ماهنامہ

محدث

بنارس

شمارہ نمبر ۶	جون ۱۹۸۹ء ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ	جلد نمبر ۷

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب
وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ تیس روپئے فی پرچہ تین روپئے

اس شمارہ میں

کتابت اشرفی غازیپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآن

ابو ازھر بن امام مہدی المدنی

قال اللہ تعالیٰ :: فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ،

ترجمہ : اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ اپنے باہمی اختلاف میں آپ کا فیصلہ نہ مان لیں پھر آپ جو فیصلہ فرمادیں اس سے اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور اسے سر بسر تسلیم کرلیں ۔

یہ آیت کریمہ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے حضرت زبیر سے پتھریلی زمین کی ایک نہر کے بارے میں جس سے کھجور کے درختوں کو سیراب کیا جاتا تھا . جھگڑا کیا . انصاری نے کہا پانی آگے گذرنے دو (تم اپنے درخت ابھی سیراب نہ کرو) حضرت زبیر نے اس کو نہ مانا یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلے کیلئے حاضر ہوئے رسول اللہ نے حضرت زبیر سے فرمایا . اے زبیر ! (ضرورت کے مطابق اپنے درختوں کو سیراب کرے اور پھر پانی کو اپنے پڑوسی کے پاس جانے دے . اس پر انصاری کو غصہ آگیا . کہنے لگا . یا رسول اللہ یہ اس لئے کہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں (آپ ایسا فیصلہ کررہے ہیں .) یہ سن کر حضورؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا . پھر آپ نے فرمایا . زبیر ! تم (اپنے درختوں کو سیراب کرلو اور پھر پانی روک رکھو . تاکہ منڈیر بھر جائے (اتنا بھرنے کے بعد اس کیلئے پانی چھوڑ دو : حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے .

فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم الآیتہ . بخاری مع الفتح (۲۹۲/ ۳)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ماننا جس طریقے سے آپ کی زندگی میں فرض تھا آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کے تمام فرمودات وارشادات کا تسلیم کرنا ایمان کی علامت ہے . صحابہ کرام . محدثین عظام اور سلف صالح نے آپ کے تمام فیصلہ جات کو اپنی بے انتہا کاوشوں سے محفوظ کردیا ہے . لھذا اس آیت کریمہ اور

اس کی شان نزول کی روشنی میں ہر مومن کا دائرہ کار متعین ہو جاتا ہے کہ وہ ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے مسائل کا حل آپ کی احادیث میں تلاش کرے۔ آپ کے فیصلے کو ماننا اور تسلیم کرنا ہی ہمارے ایمان کیلئے کسوٹی ہے۔ اس کے بغیر ہمارا دعویٰ ایمان جھوٹا ہے۔

لیکن افسوس کہ آج کا مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور حکم سے آزاد ہو چکا ہے۔ عبادات اور عام دینی امور میں وہ اپنے خود ساختہ آقاؤں کے فیصلے سے راضی ہی نہیں بلکہ تمام امور میں انھیں کے اقوال و افعال اور ان کے نام پر رائج کئے گئے چھوٹے بڑے مسائل کو حرفِ آخر سمجھتا ہے ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بعض دعوے داران اسلام کے نزدیک ایک ایسا لاینحل معمہ بن چکا ہے جس کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا دین سے خروج کے مترادف ہے۔ تو دوسری جانب ایک جماعت کیلئے یہ نظام فرسودہ ہو چکا ہے۔ رسول رحمت کی کوئی بات اگر قبول کی جاتی ہے تو اس کا ان کے پیشواؤں کے قول کی موافقت کے بغیر قبول کرنا ممکن نہیں۔ الغرض تابع کو متبوع اور متبوع کو تابع کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ آجکا مسلمان یہ جانتا ہی نہیں کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اور تمام اختلافات کا فیصلہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں موجود ہے۔ اسی کی پیروی کر کے وہ دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور اس کو چھوڑ کر اسلام کے زمرے سے باہر اور دین محمدی سے بغاوت کا ارتکاب کر رہا ہے۔

ہم کیسے مسلمان ہیں کہ نہ ہمارے پاس کوئی شرعی عدالت ہے اور نہ ہی اس کے فقدان کا احساس ہے ہم تمام مقدمات میں غیروں کے فیصلہ سے راضی ہیں دینی امور میں خواہش نفس کی اتباع کرتے ہیں تو تمام دنیاوی معاملات میں غیروں کے خوشہ چیں ہیں ان تمام کے باوجود ہم سچے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں افسوس تو یہ ہے کہ ہم کو اس زیاں کا ذرہ برابر بھی احساس تک نہیں۔

ع کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

"وصلی اللہ علی النبی وسلم"

درس حدیث

ابو اسعد بن امام مہدی المدنی

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: سبعۃ یظلھم اللہ تعالیٰ فی ظلہ یوم لاظل الاظلہ۔ امام عادل۔ شاب نشأ فی عبادۃ اللہ، ورجل قلبہ معلق فی المساجد، ورجلان تحابا فی اللہ۔ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ ورجل دعتہ امرأۃ ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ، ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لاتعلم شمالہ ما تنفق یمینہ، ورجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائیگا کہ اس دن اس کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ منصف بادشاہ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھا ہوا جوان اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ اور دو ایسے شخص جنہوں نے صرف اللہ کیلئے آپس میں محبت کی اسی پر اکٹھا ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے اور ایسا آدمی جس کو با اثر اور خوبصورت عورت نے برائی کی دعوت دی تو اس نے جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایسا شخص جس نے اس طریقے سے چھپا کر صدقہ کیا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے جو کچھ دیا بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہوئی اور ایسا آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا چنانچہ اس کے آنکھوں سے آنسو بہ پڑا۔

اللہ تعالےٰ نے جن باتوں پر ایمان لانا ہمارے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ ان میں سے روز قیامت بھی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایمان بالآخرۃ کے بغیر انسان کامل مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ قیامت کی ہولناکی اور آخرت کا تصور اور اس کی سختی مومن کو نیکی پر ابھارتی ہے۔ برائیوں سے روکتی ہے۔ اسے راہ حق سے بھٹکنے نہیں دیتی۔ قیامت کے دن جبکہ ہر نفس کو اپنے جان کی پڑی ہوگی کوئی کسی کا پرسان

حال نہیں ہوگا، بھائی بھائی سے جدا ہوگا، باپ بیٹے سے بھاگے گا، بیوی شوہر سے بیزار ہوگی، کنبہ قبیلہ اور مال و دولت اور جاہ وحشمت کچھ کام نہیں آئے گا۔ ہر شخص اس دن کی سختی اور گرمی سے سراسیمہ ہوگا۔ انسان کی حالت اسقدر ابتر ہوگی۔ اتنا حواس باختہ ہوگا کہ دوسروں کو کون کہے اپنے تک کی خبر نہ ہوگی۔ لوگ پسینوں میں ڈوبے ہوئے ہوں گے جہاں نہ کوئی سایہ ہوگا اور نہ ہی سخت پیاس کے عالم میں پانی نصیب ہوگا۔

ایسے میں صرف اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوگا جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مذکورہ سات قسم کے بندوں کو نواز کر سرفراز فرمائے گا۔

اس حدیث پاک کی روشنی میں انسان قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اس دن کیلئے تیاری کرے تو اس کیلئے دنیا و آخرت کی فلاح وبہبود مقدر ہو جائے گی۔ اور روئے زمین سے تمام مظالم ختم ہو جائیں گے کبر ونخوت کا خاتمہ ہوگا۔ انسان انسان کی غلامی اور خوف سے آزاد ہو جائے گا۔ دین وایمان اور شعائر اسلام کی پامالی رک جائے گی۔ فساد کے اڈے ختم ہو جائیں گے۔ مے نوشی و رشوت ستانی اور سود بازاری کا خاتمہ ہوگا عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا۔ مسجدیں آباد ہو جائیں گی۔ جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہوگی۔ دغا، فریب، غبن، حسد، کینہ، خیانت وعداوت اور باہمی رسہ کشی آپسی اختلافات جو اکثر خواہشات نفسانی اور خود غرضی کے سبب پیدا ہوئے ہیں مٹ جائیں گے اور دنیا امن وامان اور صلح وآشتی ہمدردی وغمخواری کا گہوارہ بن جائے گی

یہی ایمان باللہ اور خوف روز جزا صحابہ کرام کی زندگی میں کارفرما تھی جس نے ان کی زندگی کی کایا پلٹ کردی، اور جو دنیا جہنم کدہ بنی ہوئی تھی سسکتی ہوئی انسانیت کے لئے جائے رحمت بن گئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام اچھے خصائل واعمال کی توفیق دے کہ جس کے سبب قیامت کے دن تیرے رحمتوں کے سایہ تلے جگہ پاسکیں۔ آمین۔

٭٭٭

افتتاحیہ

قرآنی توحید مساوات عوام وخواص کا ایک فطری ضابطہ ہے

ہمارے وجدان ہمارے ادراک وحواس ۔ اعضاء وجوارح ۔ زبان ودل اور روح کی شہادت ہے کہ قرآن حکیم اللہ رب العالمین کا کلام ہے وہ اپنے اس آخری کلام کے ذریعہ ہمارے جسم کی طرح ہماری روحوں کی پرورش قیامت تک فرماتا رہے گا ۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر اسی ایک اللہ کی حکمرانی ہے ۔ قرآن مجید کے احکام تعلیمات اگرچہ مختلف النوع ہیں لیکن آخری حقیقت کے طور پر سب کے سرے اللہ کی توحید سے جڑے ہوئے ہیں ۔ قرآن مجید میں اللہ کے اسماء ، صفات ۔ اقوال اور افعال کا ذکر ہے ۔ اس بات کی دعوت ہے کہ ایک اللہ کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے ۔ صراط مستقیم کی توضیح میں امر ونہی پر مبنی احکامات کا بیان ہے جن سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے ۔ مجازات کا بیان ہے کہ توحید پر چلنے والوں کو دنیا وآخرت دونوں میں اللہ کا انعام ملے گا اور توحید کی راہ پر نہ چلنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں برا بدلہ ملے گا ۔ معاد کا ذکر ہے جب کسب وعمل کے سارے سلسلے کٹ چکے ہوں گے اور انسانی اعمال کا بدلہ تنہا وہ اللہ دے گا جس کا اعلان ہے ۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ، حکومت صرف ایک اللہ کی ہے ۔ پس قرآنی توحید اس اعتقاد وعمل کا نام ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں ! اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت مطلقاً حرام ہے ۔ تمام امور میں اسی پر توکل کیا جائے ۔ اسی کے لئے محبت کی جائے ۔ اسی کیلئے عداوت کی جائے اور سارے اعمال اسی کے لئے انجام دیے جائیں ۔

قرآن حکیم میں توحید کا جو ضابطہ بیان کیا گیا ہے اس کا ایک دائمی عالمگیر اصول نہایت قابل غور ہے وہ یہ کہ اس اعتقاد و عمل کے لئے خواص و عوام کو یکساں طور پر مخاطب کیا گیا ہے اس کے لئے اونچ نیچ اور درجہ بندی کی راہ اختیار نہیں کی گئی، قرآن حکیم کے اس طریقۂ خطاب سے اتنی بات تو واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ ہر انسان اس قرآنی ضابطہ توحید کے یقین و اعتقاد اور اس پر عمل کی فطری صلاحیت رکھتا ہے ورنہ اللہ رب العلمین تمام انسانوں کو مخاطب کرنے کے بجائے صرف طبقۂ خواص کو مخاطب فرماتا۔ اس اصول کو جاننے کے لئے قرآن حکیم کی درج ذیل آیات پڑھئے ۔

والٰھکم اللہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم (۲ - ۱۶۳) اور تم سب کا اللہ ایک ہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برآء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تومنوا باللہ وحدہٗ (۶۰ - ممتحنہ) تم سب کے لئے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ ہے جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا ہم لوگ تم سے اور اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سب سے علٰحدہ ہیں۔ ہم تمھارا انکار کرتے ہیں ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا جب تک تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔ قرآن حکیم میں اس معنی کی آیات کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جن میں اعتقاد و عمل کے لئے بلا امتیاز خواص و عوام تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اور اس کی اصل یہی ہے کہ انسان اپنی حیات کے روز اول ہی سے اس توحید پر ایمان و عمل کی فطری صلاحیت رکھتا ہے چنانچہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی مومن اولاد و احفاد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب و اتباع اصحاب حضرت ابراہیم حضرت یوسف حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور ان تمام انبیاء کرام کے اصحاب ان کے تابعین اور تبع تابعین اور ان کی امتوں کے صلحاء و اتقیاء سب اسی اعتقاد و عمل کے پیکر تھے۔ اور امت محمدیہ کا ایک گروہ پورے تسلسل کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک دنیا کے ہر گوشہ میں موجود رہا ہے جس کے کروڑوں افراد بلا امتیاز خواص و عوام ایک اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک نہیں ٹھہراتے اور توحید کے اسی تقاضے کے مطابق عملی زندگی گذارتے ہیں، تاریخ انسانی کا یہ طویل تجربہ ہمیں قطعی شکل میں

یہ بتاتا ہے کہ ایک اللہ پر ایمان لانا اسے اپنی ذات وصفات میں یگانہ سمجھتے ہوئے کسی اور کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا اور اس کے تقاضے کے مطابق موحدانہ عملی زندگی گذارنا انسان کی فطرت ہے اور اس میں خواص وعوام کے درمیان حد بندی کرنا غیر فطری امر ہے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں فتنہ وفساد تباہی وبربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

ایک بات اور قابل غور ہے کہ اصول فطرت تمام کائنات خلقت کے لئے ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔ انواع خلقت کے لحاظ سے اس کی نوعیت میں فرق ہو سکتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی توحید کا یقین اور اس کے تقاضے پر عمل جہاں انسانی فطرت ہے وہیں پوری کائنات خلقت کی بھی یہی فطرت ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے انسان کے علاوہ دیگر اشیاء وانواع کائنات کے اسلام ان کی تسبیح تہلیل۔ ان کی نمازوں اور سجدوں کا ذکر پوری صراحت سے کیا ہے۔ اس معنی کی درج ذیل آیات پر غور کیجئے۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون (۳، آل عمران)
کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں حالانکہ آسمان وزمین کی ساری خلقت چار وناچار اسی کے تابع فرمان ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ تسبح لہ السموٰت السبع والارض ومن فیھن وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان حلیما غفورا (۴۴ الاسراء) ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں رہتے ہیں سب اسی ایک اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور تمام چیزیں اس کی تعریف وتسبیح بیان کرتی ہیں مگر تم لوگ ان کی تسبیح سمجھتے نہیں یقیناً وہ بڑا حلیم بڑا بخشنے والا ہے۔

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموٰت والارض والطیر صٰفٰت کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ واللہ علیم بما یفعلون (۴۱ النور) کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی ساری خلقت ایک ہی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور پرندے صفیں باندھے اسی کی تسبیح کرتے ہیں ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے، جو کچھ کرتے ہیں اللہ سب سے خوب باخبر ہے۔

الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب ومن یھن اللہ فما لہ من مکرم ان اللہ یفعل ما یشاء (۱۸ الحج)

(ترجمہ) کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمانوں اور زمین کی مخلوقات اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے انسان صرف ایک اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں پر ان کی بداعمالیوں کیوجہ سے عذاب لازم ہوگیا ہے۔ جسے اللہ ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ یقیناً اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ان آیات پر غور کیجئے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا پوری کائنات خلقت کا ضابطہ حیات ہے اور اس سے کوئی شئی باہر نہیں۔ یہاں یہ بات بھی نہایت قابل عبرت ہے کہ نطق وفکر سے عاری جملہ اشیاء کائنات بلا کسی امتیاز کے ضابطہ توحید پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن نطق وفکر کی عظیم نعمت سے بلا امتیاز خواص وعوام بہرہ ور انسان نے اس اعتقاد کے لئے خواص وعوام کے حدود کھینچ لئے ہیں اور یہ یقین کر رکھا ہے کہ ایک اللہ کی معرفت اور اس کے تقاضوں کی تکمیل عوام کے بس سے باہر ہے۔ جبکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جن انسانی معاشروں میں یہ غیر فطری حدبندیاں قائم ہیں وہاں کے معاشرے تضادات اعتقاد وعمل اجتماعی وانفرادی فساد وبگاڑ اور عبرتناک ہلاکت وتباہی سے معمور ہیں۔ برصغیر میں توحید سے متعلق ہندو قوم کے ہزاروں سال پرانے رویہ کے متعلق امام الہند علامہ ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن سے پہلے علوم وفنون کی طرح مذہبی عقائد میں بھی خاص وعام کا امتیاز ملحوظ رکھا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصور تو حقیقی ہے اور خواص کے لئے ہے۔ ایک تصور مجازی ہے اور عوام کے لئے ہے چنانچہ ہندوستان میں خداشناسی کے تین درجے قرار دیئے گئے۔ (۱) عوام کے لئے دیوتاؤں کی پرستش (۲) خواص کے لئے براہ راست خدا کی پرستش (۳) اخص الخواص کے لئے وحدۃ الوجود کا مشاہدہ۔ یہی حال فلاسفہ یونان کا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایک غیر مرئی اور غیر مجسم خدا کا تصور صرف اہل علم وحکمت ہی کر سکتے ہیں۔ عوام کے لئے اسی میں امن ہے کہ دیوتاؤں کی پرستش میں مشغول رہیں۔ لیکن قرآن نے حقیقت ومجاز یا خاص وعام کا کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ اس نے سب کو خدا پرستی کی ایک ہی راہ دکھائی اور سب کے لئے صفات الٰہی کا ایک ہی تصور پیش کر دیا۔ وہ حکماء وعرفاء سے لے کر جہال وعوام تک سب کو حقیقت کا ایک ہی جلوہ دکھاتا ہے۔ اور سب پر اعتقاد ایمان کا ایک ہی دروازہ کھولتا ہے۔ اس کا تصور جس طرح ایک حکیم وعارف کے لئے سرمایۂ تفکر ہے۔ اسی طرح ایک

چرواہے اور دہقان کے لئے سرمایۂ تسکین ۔ (ترجمان القرآن)

توحید کے معاملہ میں خواص وعوام کے درمیان اس حد بندی سے بیشمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں ہم ذیل میں چند خوفناک خرابیوں کا ذکر کرتے ہیں ۔

۱ ۔ اصنام اور مورتوں کی پوجا کرنے والے عوام ذہنی وفکری طور پر اتنی سطحیت کا شکار ہوجاتے ہیں کہ غیر عاقل اشیاء کائنات سے بھی گر جاتے ہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز غیر عاقل ہونے کے باوجود توحید پر قائم ہے ۔

۲ ۔ بت پرستی خود مقصد بن جاتی ہے ۔ اور اللہ اور عوام کے درمیان پردے حائل ہو جاتے ہیں ۔ اللہ کے حقوق کی مسلسل پامالی ہوتی ہے جسے وہ نہ دنیا میں معاف کرتا ہے اور نہ آخرت میں معاف کرے گا ۔

۳ ۔ بت پرستی کو مقصد و مذہب قرار دے لینے کے بعد اہل توحید سے عناد اور دشمنی کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں اور یہ نہایت غیر فطری جذبہ ہے جس کے نتائج ہمیشہ خراب نکلتے ہیں ۔

۴ ۔ بت پرستی کو مذہب بنا لینے کے بعد خواص کے درجہ تک پہونچنے اور توحید کی معرفت حاصل کرنے کی طلب مفقود ہو جاتی ہے اور تعلیم حاصل کر لینے بلکہ بڑی بڑی علمی ڈگریاں حاصل کر لینے کے باوجود لوگ نسلا بعد نسل عوام ہی کے طبقہ میں رہ جاتے ہیں ۔

۵ ۔ خواص اور اخص الخواص کے درجہ کے لوگوں کو بھی یہ طبقہ عوام اللہ اور بھگوان سمجھنے لگتا ہے اور ان کے مرنے کے بعد بت بنا کر ان کی پرستش کرنے لگتا ہے ۔ کیونکہ اس کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ وہ توحید کی معرفت حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے لئے بت پرستی ہی مناسب ہے ۔

۶ ۔ خواص اور اخص الخواص طبقہ کے لوگ توحید کی معرفت رکھنے کے باوجود اللہ کی ذات میں اس شرک کو روا رکھتے ہیں اور یہ نہایت غیر فطری امر ہے کہ آدمی ایک اللہ کی معرفت رکھے اس سے محبت رکھے اس کے احکام کی تابعداری کرے اور پھر اس کی یکتائی میں اپنے درجے کے لوگوں بلکہ اپنے کو بھی عوام کے ذریعہ شریک ٹھہرائے جانے کی اجازت بھی دیدے رب انھن اضللن کثیرا من الناس ۔ اے ہمارے رب یقیناً ان بتوں نے انسانوں کی بڑی تعداد کو سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا ہے ۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام
(اقبال)

حدیثِ رسول کا مقام اور مسلک اہلحدیث

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

حدیث رسول کا مقام

رسول کریم نے اپنے وصال کے وقت فرمایا: ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنتی (مشکوٰۃ) میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ اول کتاب اللہ دوم میری سنت (حدیث) یعنی دونوں چیزیں مشعل ہدایت ہیں جس کے ہاتھ میں یہ دونوں چیزیں ہونگی وہ گمراہ ہو ہی نہیں سکتے۔

ایک مرتبہ رسول کریم نے فرمایا نضر الله امرا سمع مناحدیثا فحفظه حتی یبلغه کما سمعه الخ (شرف اصحاب الحدیث ص ۱۷) یعنی خدا اسے ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے جو ہماری حدیث کو سن کر یاد کرے اور اسے پوری صحت کیساتھ دوسروں تک پہونچائے۔

اسی دعا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابوالعباس عرفی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

اهل الحديث عصابة الحق

فازوا بدعوة سيد الخلق

یعنی حدیث والے گروہ حق سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے سرور کائنات کی دعاؤں کی بدولت کامیابی حاصل کی ہے۔

۳۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں ما اعلم علی وجه الارض من الاعمال افضل من طلب الحديث لمن اراد به وجه الله۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

یعنی میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر حدیث کے طلبگاروں سے کوئی شخص بہتر ہو بشرطیکہ وہ اس سے خدا کی رضا جوئی چاہتا ہو۔

آنحضرت کے اقوال و افعال کا نام حدیث ہے حدیث نبی کریم کے اقوال و افعال و تقاریر کا نام ہے اس کے پڑھنے، سیکھنے اور عمل کرنے سے دونوں جہان کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں اس لئے قرآن کریم کے بعد حدیث شریف کا مقام ہے اور عامل بالحدیث کے بہت بلند درجات ہیں۔ علامہ ابو محمد ازدی مصری کیا خوب فرماتے ہیں۔

علم الحدیث له فضل و منقبة
نال العلاء به من کان معینا
ما حازه ناقص الا وکمله
او حازه عاطل الا به حلیا

(المؤتلف والمختلف ص ۱۳۶)

یعنی علم حدیث کی بڑی فضیلت ہے اور اس کی اعانت و مدد کرنے والا بلند مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے علم حدیث کو پڑھ کر ناقص ترین انسان کامل بن جاتا ہے اور بدصورت آدمی حسین و خوبصورت ہو جاتا ہے۔

مولانا خرم بلہوری نے حدیث نبوی کی شان کو خوب اجاگر کیا ہے۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار — مت دیکھ کسی کا قول و کردار
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے — یاں وہم و گمان کو دخل کیا ہے
ناحق تجھے کچھ اور ہوس ہے
قرآن و حدیث تجھکو بس ہے

آنحضور کے زمانہ میں خالص قرآن اور رسول اکرم کے ارشادات کی پیروی ہوتی تھی اس کے علاوہ کسی کے قول و قیاس اور کسی کے رائے کی اتباع و امتثال کا کوئی وسوسہ بھی نہ تھا۔ قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی قابل اتباع ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (نساء)

یعنی تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک اے نبی اپنی تنازعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر آپ کے فیصلہ سے دل میں ذرا بھی تنگی محسوس نہ کریں اور دل و جان سے پوری طرح تسلیم نہ کریں۔

نبی کریم کو اللہ تعالیٰ نے یہ منصب دیا تھا کہ آپ لوگوں کے معاملات و حادثات میں اپنا فیصلہ اپنے صوابدید سے کر دیا کریں چنانچہ ارشاد ہے "انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ" (نساء) یعنی اے نبی بیشک ہم نے یہ کتاب (قرآن) آپ کی طرف حق کے ساتھ اتاری ہے کہ آپ لوگوں کا اس کے موافق فیصلہ کریں جو آپ کو خدا دکھائے۔

۳ - تیسری جگہ ارشاد ہے: وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً (احزاب)
کسی ایماندار مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے کاموں میں کچھ اختیار باقی ہے اور جو کوئی اللہ و رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا بس وہ کھلا ہوا گمراہ ہوگا۔

۴ - ایک اور واضح ارشاد بھی سنئے قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین (آل عمران)
یعنی کہہ دو کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو پس اگر اس سے پھر جائیں تو جان رکھیں کہ بیشک خدا کافروں سے محبت نہیں کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (موطا امام مالکؒ)
یعنی میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم انھیں مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ وہ دونوں چیزیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت ہے۔

اہلحدیث کا نظریۂ اعتقاد

ان آیات کریمہ کے منشا کے مطابق اہلحدیث کتاب اللہ و سنت رسول کے ساتھ اپنا اعتصام و تمسک ضروری سمجھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن … پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن
گاہ از تذکار مسلم جاں نمودن مست فیض … گاہ در شوق بخاری جاں یتیم داشتن

جماعت اہلحدیث کے نزدیک کتاب و سنت کے نصوص ہی اصل مرجع و ماخذ ہیں اور یہی دونوں کتاب و ہدایت کے منبع و سرچشمہ ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کا انھیں دونوں پر تعامل رہا۔
خلافت راشدہ میں خلفائے عظام اس کتاب و سنت کا امتثال و اتباع کرتے تھے۔ جب بھی کسی امر

میں نزاع پیدا ہو تو حدیث رسول ہی سے اسکا فیصلہ ہوا اور حدیث نبوی کے ملتے ہی سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔ تابعین و تبع تابعین کے دور میں بھی اس کتاب و سنت کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور ہر معاملہ میں ان کو حجت مانا جاتا تھا۔ نبی کریم کے حلال و حرام کردہ چیزوں کو قیامت تک کیلئے حرام و حلال سمجھا گیا اور کتاب و سنت کو اصل الاصول سمجھا گیا۔

سلف کی طرح آج بھی ہم اہلحدیث حضرات فرمانِ خدا، فرمان رسول کے سامنے بے چون و چرا سر جھکانے والے ہیں کوئی شخص صرف ائمہ کے اقوال و آراء کو پیش نظر رکھے اور تاویل کرکے رسول اکرم کی حدیث کو موخر کرے تو اس شخص یا اس جماعت سے رسالت کی تنقیص سرزد ہوتی ہے۔ تمام ائمہ کے احکام و اقوال رد ہو سکتے ہیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول کوئی حکم رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اہلحدیث کی خاص خصوصیت ہے کہ حضور کے قول کو رد کرنے کیلئے کوئی بہانہ نہیں نکالتے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

امام مالک کا زریں مقولہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے منبر نبوی پر وعظ فرماتے ہوئے کہا کہ سب کے اقوال رد کئے جا سکتے ہیں اور قبول کئے جا سکتے ہیں اور جو سطابق ہوں گے وہ قبول کئے جائیں گے لیکن اگر کسی کا قول کبھی ترک نہیں کیا جا سکتا تو نبی اکرم کا قول ہی فرمایا:

الا صاحب ھذہ الشعنہ یعنی اس روضہ اطہر میں آرام فرمانے والے کی بات رد نہیں کی جا سکتی۔

اہلحدیث صرف حضورؐ کے حکم کے آگے گردن جھکانا جانتے ہیں کسی قسم کا چوں و چرا نہیں کرتے اور کوئی میخ نہیں نکالتے وہ بزبان حال و بزبان قال کہتے ہیں۔

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس میں یہ رسائی ہو
ادھر ہو حکم پیغمبر اُدھر گردن جھکائی ہو

تمام ائمہ دین و محدثین کے علوم کیلئے آنحضرت کا علم ہی منبع انوار ہے سب نے آنحضرت کی ذات بابرکات سے اکتساب فیض کیا ہے کسی نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

بابا کے یہاں سے کون لایا — جس نے پایا یہیں سے پایا
گو غوث و قطب مقتدیٰ ہے — وہ بھی اسی در کا گدا ہے

(۴) **مذہب اہلحدیث ایک کامل و مکمل مذہب ہے** مذہب اہلحدیث کوئی فرقہ نہیں ہے بلکہ اسلام کا مظہر عظیم اور ایک کامل و مکمل اسلام کی نمائندہ تحریک ہے۔ حدیث کا لفظ فرمانِ خدا فرمان رسول دونوں کیلئے یکساں آیا ہوا ہے ارشاد ہے واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا (تحریم) یعنی جبکہ نبی نے اپنی بعض بیویوں سے اپنی بات کو پوشیدہ رکھی۔

دیکھیے یہاں پر حضور کی بات کو حدیث کہا گیا ہے۔ اللہ نے کلام پاک کے لئے بھی لفظ حدیث کو استعمال فرمایا ہے ارشاد ہے فبای حدیث بعدہ یومنون یعنی (قرآن) کے بعد کس پر ایمان لاوینگے؟

دوسری جگہ ارشاد ہے اللہ نزل احسن الحدیث (زمر) یعنی خدا نے بہترین حدیث اتاری۔ (قرآن کریم مراد ہے)

ایک اور جگہ ارشاد ہے افمن هذا الحدیث تعجبون یعنی پس اس حدیث (قرآن) سے تم تعجب کرتے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ افبهذا الحدیث انتم مدهنون یعنی کیا پھر تم اس حدیث (قرآن) کے ساتھ سستی کرتے ہو،

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات میں کتاب اللہ حدیث رسول دونوں کے لئے لفظ حدیث استعمال ہوا ہے اللہ کا کلام بھی حدیث ہے اور قول رسول بھی اس لئے اہلحدیث کا معنی یہ ہوا کہ وہ شخص یا وہ جماعت جو کتاب اللہ سنت رسول اللہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ پس اہلحدیث وہ ہے جو احسن الحدیث (قرآن) اور فرمان رسول (حدیث) پر عمل کرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر اب تک صحابی تابعی و تبع تابعی۔ امام محدث جس قدر بھی گذرے ہیں سب دونوں پر عمل کرتے تھے اور اسی سے سب کے سب اصحاب الحدیث، اہل الحدیث اور اہل الاثر کہے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے عمل و اعتقاد کی بنیاد صرف قرآن و حدیث پر رکھی ہے۔

اہلحدیث کا امتیازی مذہب شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اہلحدیث کی اتباع کتاب و سنت کے پیش نظر کیا خوب لکھتے ہیں۔

ومن المعلوم لكل من له خبرة ان اهل الحديث من اعظم الناس بحثا عن اقوال النبي وطلب العلم بها وارغب الناس في اتباعها وابعد الناس عن اتباع الهوى فهم في اهل الاسلام كاهل الاسلام في اهل الملل

(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۷۹)

یعنی جس شخص کو کچھ بھی خبر ہے اسے معلوم ہے کہ اہلحدیث رسول اللہ کی حدیثوں کے سبب سے زیادہ تحقیقات کرنے والے ہیں اور علوم نبوت کے سب سے بڑے طلبگار ہیں اور احادیث نبویہ کی پیروی میں سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے ہیں۔

قیاس اور لوگوں کی خواہشات و آراء کی پیروی سے بہت زیادہ دور رہنے والے ہیں پس اہل حدیث اہل اسلام میں وہ امتیازی درجہ رکھتے ہیں جو خود اہل اسلام دیگر ادیان کے مقابلہ میں رکھتے ہیں۔ بلاشبہ علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک سچے اہلحدیث کا نہایت عمدہ فوٹو کھینچا ہے۔ معلوم ہوا کہ اہل حدیث تمام مذاہب کے درمیان ایک کامل و مکمل مذہب ہے۔ کسی نے خوب لکھا ہے۔

اهل الحديث هم اهل النبی و ان
لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

یعنی اہلحدیث دراصل اہل النبی ہیں اگرچہ اہلحدیث آپ کی ذات قدسی صفات کے ساتھ تو نہیں رہے لیکن آپ کے کلمات طیبہ کے ساتھی اور فدائی ہیں۔

امام شعرانی جو تمام ائمہ سنت کا احترام کرتے ہیں اور جن کو تمام مذاہب سے عقیدت ہے اور جس کے اظہار میں وہ بڑے ہی وسیع الظرف ہیں وہ اپنی کتاب "طبقات کبریٰ" میں امام شافعی کا مقولہ نقل کرتے ہیں

كان رضی الله عنه يقول اهل الحديث فی كل زمان كالصحابة فی زمانهم
واذا رأيت صاحب حديث فكانی رأيت احدا من اصحاب رسول الله صلى الله
عليه وسلم۔ (طبقات کبریٰ ص۵۷ بحوالہ تحریک آزادی فکر مولفہ مولانا محمد اسماعیل گجرانوالہ)

یعنی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہلحدیث ہر زمانہ میں ایسے ہیں جیسے کہ صحابہ اپنے زمانہ میں، جب میں کسی اہلحدیث کو دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو دیکھ لیا۔

امام شافعیؒ کے اس بیان سے جماعت اہلحدیث کی عظمت و جلالت خوب واضح ہوتی ہے۔

۳۔ ابوبکر بن عباس نے فرمایا "اهل الحديث فی اهل الاسلام كالاسلام فی سائر الاديان"۔ (خضری ص۵۶ بحوالہ تحریک آزادی فکر ص۲۲)

یعنی اہلحدیث اسلامی فرقوں میں اس طرح ممتاز ہیں جس طرح اسلام باقی تمام دینوں میں ممتاز و مکمل ہے

(۴) ابوالعباس بن شریح فرماتے ہیں اہل الحدیث اعظم درجة من الفقہاء یعنی اہلحدیث کا درجہ تمام فقہاء سے اونچا ہے (طبقات کبریٰ ص۲۲۲)۔

(۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اصحاب الحدیث وائمہ حدیث کی مدح میں فرماتے ہیں: فلیس الضلال والبغی فی طائفة من طوائف الامة اکثر منه فی الرافضة کما ان الهدی والرشاد لیس فی طائفة من طوائف الامة اکثر منه فی اهل الحدیث (منہاج السنة ج۲ ص۲۴۲)

یعنی سب سے زیادہ ضلالت وبغاوت روافض میں ہے اور سب سے زیادہ رشد وہدایت اور خیر و برکت اہلحدیث میں پائی جاتی ہے۔

۶۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب نقض المنطق میں جابجا اہلحدیث کی خوبیوں اور فراست و ذہانت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فقهاء الحدیث اخبر بالرسول من فقهاء غیرهم وصوفیتهم اتبع الرسول من صوفیة غیرهم وامراءهم احق بالسیاسة النبویة من غیرهم وعامتهم احق بموالات الرسول من غیرهم (نقض المنطق ص۸)

یعنی مسلک اہلحدیث کے فقہاء دوسرے مذاہب کے فقہاء سے حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں اسی طرح مسلک حدیث کے صوفی دوسرے مذاہب کے صوفیوں سے حضور کریم کے زیادہ تابعدار ہیں اور مسلک اہلحدیث کے امراء دوسرے مذاہب کے امراء کے مقابلہ میں سیاست نبوی سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں اور اہلحدیث عوام دوسرے مذاہب کے عوام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا زیادہ حق ادا کرتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ فقہاء حدیث واہلحدیث کے عقیدے وعمل کو سراہتے ہوئے جابجا والہانہ انداز سے ان کا ذکر فرماتے ہیں یہاں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ومن اهل السنة والجماعة مذهب قدیم معروف قبل ان یخلق الله ابا حنیفة ومالکا والشافعی واحمد فانه مذهب الصحابة الذین تلقوه عن نبیهم (منہاج السنة ص۲۵۶ ج۱)

یعنی اہل سنت والجماعت میں سے ایک مشہور ومعروف مذہب اہلحدیث کا ہے جو ائمہ اربعہ کی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھا جو صحابہ کے طریق پر مبنی تھا۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ولا ریب ان اهل الحديث اعلم الامة واخصها بعلم الرسول وعلم خاصة مثل خلفاء الراشدين وسائر العشرة المبشرة (نقض المنطق ص)

یعنی اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ پوری امت میں صرف اہلحدیث ہی رسول اکرم کے لائے ہوئے علم کے سب سے زیادہ جاننے والے اور اس میں سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے ہیں اسی طرح خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ کے حدیث وآثار کے سب سے زیادہ حافظ وجامع اہلحدیث ہی ہیں۔

اور اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں۔ اعلم الناس بالسابقين اتبعهم لهم هم اهل الحديث واهل السنة۔ یعنی طریق صحابہ کے سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ متبع اہل حدیث ہیں۔

(نقض المنطق ص۹۶)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر فرقے میں جو خوبی ہے وہ اہلحدیث میں موجود ہے اور امتیازی اوصاف ان سے نمایاں ہیں۔ ان کے مخالفین کو قیاس ورائے کلام وشعر، ذوق مکاشفہ وغیرہ جن جن چیزوں پر ناز ہے ان سب سے اہلحدیث نے مفید کام لیا ہے۔ ارشاد ملاحظہ ہو۔

وكل هذه الطرق لاهل الحديث صفوتها وخلاصتها فهم اكمل الناس عقلا واعدلهم قياسا واصوبهم رايا واسدهم كلاما واصحهم نظرا واهداهم استدلالا واقومهم جدلا واتمهم فراسة واصدقهم الهاما واحدهم بصرا ومكاشفة واصوبهم سمعا ومخاطبة واعظمهم وجدا وذوقا وهذا هو للمسلمين بالنسبة الى سائر الامم ولاهل السنة والحديث بالنسبة الى سائر الملل۔ (نقض المنطق ص)

تمام طریقوں میں اہل حدیث کا منتخب اور صاف ستھرا طریقہ ہے وہ عقل ودانائی میں کامل ترین ہیں۔

نذر ونیاز اور بزرگانِ دین کا وسیلہ

ایک بریلوی اخبار میں نذر و نیاز اور بزرگانِ دین کے وسیلے کی بابت کچھ فتوے شائع ہوئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ منت ماننے والا اولیائے کرام کا ذکر بطریق توسل کر رہا ہے۔ ایسی نذر بھی از روئے شریعتِ اسلامیہ جائز و صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا بھی لازم و ضروری ہے مثلاً یہ کہا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت داتا گنج بخش کے وسیلہ و طفیل سے میری مراد پوری کی اور مجھے کامیابی عطا فرمائی تو اس قدر نقد و جنس آپ کی درگاہ کے حاجت مندوں کو دونگی تو ایسی منت کے جائز و درست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا ۔
باقی رہا یہ سوال کہ نذر کس کے نام کی مانی جائے تو وہ ایک آسان فہم بات ہے ۔ نذر کے وقت یہ نیت کرنا کہ اے خدا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو ہم امام حسینؓ کے نام کی سبیل لگائیں گے یا فلاں چیز نظر کریں گے تو اس میں گناہ کی کیا بات ہے ؟

ہم بریلوی فتوی کے اصل الفاظ نقل کر رہے ہیں ۔!

اصل بات یہ ہے منت ماننا اور نذر و نیاز ، صرف ایک فعل نہیں ، ایک ذہنیت بھی ہے ۔ اس لئے اسے صرف الفاظ کی ترازو میں تول کر اس سے کام لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو اس کے پورے پس منظر اور محرکات سامنے رکھ کر دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیئے ۔ اس کے بغیر اس کا سمجھنا مشکل ہے ۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام سے پہلے کفار کے ہاں بھی نذر و نیاز کا سلسلہ جاری تھا ۔ جب اسلام آیا تو اس نے بھی اسے قبول کیا مگر بعینہٖ نہیں بلکہ مناسب اصلاح کے بعد ۔ اس لئے ہمیں پہلے اس امر کا جائزہ لینا چاہیئے کہ ایام جاہلیت میں اس کی کیا شکلیں تھیں اور اسلام نے آکر ان میں کون سی اصلاحات کیں اور اماماِن دین نے نصاب نذر و نیاز کے لئے کیا شرائط تشخیص کی ہیں ؟

حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے عہد کے سامیوں کا اعتقاد تھا کہ دنیا ارواح سے آئی پڑی ہے زیادہ خبیثہ اور طیبہ۔ خبیثہ کو نذر و نیاز قربانی اور چڑھاوے کے ذریعے خوش رکھتے تھے کہ کہیں دکھ نہ دیں (نینوی اور بابل کے کھنڈروں کے اکتشافات دانگلش مطبوعہ ۱۸۵۳ء)

" ریام نامی ہیکل میں چاند اور سورج کی مورتیں ہوتی تھیں اور یہ سب سے قدیم ہیکل ہے۔ یہ قبیلہ ہمدان میں واقع تھا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس عمارت پر قربانی کے خون کے نشانات دوسری صدی ہجری تک موجود تھے۔ کیونکہ لوگ اس پر قربانیاں چڑھایا کرتے تھے"۔ (یاقوت)

ذالخلصہ مکہ سے یمن کی جانب میں تقریباً سات منزل پر واقع تھا یہ یمن والوں کا مکہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس میں سفید مرمر کا بت تھا جس کے سر پر پھول بوٹے کاٹ کر ایک تاج سا بنا تھا۔ اس کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے۔ اس پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے اور اس پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے (یاقوت)

یہی کیفیت ہیکل فلس کی تھی۔ اس میں دو بت میاں بیوی کے تھے۔

الغرض ان بتوں کے لئے لوگ اپنی کمائی کا مخصوص حصہ نذر و نیاز کرتے تھے۔ (سیرت ابن اسحاق)

قرآن کریم میں یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں ہے کہ:

وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام نصيبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا (سورہ انعام)

خدا نے جو کھیتی اور جانور پیدا کئے۔ یہ لوگ خدا کا ایک حصہ خدا کے لئے کرتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کا ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کا ہے۔

حضر موت میں "سبا تھا" نامی ایک شہر تھا اس میں ساٹھ بت خانے تھے۔ یہاں کا سب سے بڑا کاروبار بخورات کی تجارت تھی جب تک "سبا تھا" کے دیوتاؤں کے لئے دسواں حصہ نہیں نکالا جاتا تھا اس کی خرید و فروخت ممنوع سمجھی جاتی تھی۔ (ارض القرآن)

بہت سی قومیں ستارہ پرست تھیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں اس کے لئے بڑے بڑے اونچے ستون اور ہیکل تھے لوگ اپنی اور اپنے بچوں اور مویشیوں کی صحت و عافیت کے لئے قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اولاد کو بعل نامی دیوتا کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے اور مولک نامی دیوتا کے نام پر تو کھیتی کاٹ کر اور اولاد کو ذبح کرکے چڑھاتے تھے۔

(ارض القرآن)

بعض بت خانوں کی چھتوں پر لوبان سلگائی جاتی تھی تاکہ دیوتاؤں کی رضامندی کی خوشبو ساری آبادی میں پھیل جائے۔

(ارض القرآن)

"عدنانی قبائل کے تین بڑے بت تھے" (ہبل، لات، عزیٰ)

"وہ ان پر چڑھاوے چڑھاتے، قربانیاں دیتے ان کی نذریں مانی جاتی تھیں۔ لوگ ان کی جاترے کو آتے تھے"

(ارض القرآن)

"چپ کا روزہ بھی رکھتے تھے، بچوں کو عبادت اور خدمتِ معبد کے لئے وقف کرنے کی منتیں بھی مانتے تھے"

(سورہ مریم اور آل عمران)

"کبھی نذر مانتے کہ دھوپ میں دن گذاروں گا۔ سایہ میں نہیں بیٹھوں گا۔ بات نہیں کروں گا۔ (بخاری)

کبھی پا پیادہ اور ننگے سر، کعبہ کی زیارت کی نذر مان لیتے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مرد اور ایک عورت نے ایسی منت مانی تھی۔ آپ نے ان کو اس سے منع فرمایا تھا" (ابوداؤد)

"ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے شفا دی تو میں بیت المقدس میں جاکر نماز پڑھوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس سے کہا: بیٹھ جائیے۔ یہاں پڑھ لیجئے۔ مسجد نبویؐ میں (مسلم)

"ان سب میں قدر مشترک جو نیت تھی وہ یہ تھی کہ یہ بزرگ ہم پر راضی رہیں۔ ان کی برکت سے ہماری بگڑی بنے اور ان کے طفیل ہماری حاجتیں پوری ہوں۔ کیونکہ ان بت خانوں میں جو بت ہوتے تھے وہ بزرگوں ہی کے نام پر بنائے جاتے تھے"۔ (حضرت ابن عباسؓ وغیرہ)

اسلام نے آکر سب سے پہلے یہ پردہ اٹھایا:

"نذریں اور منتیں ماننے سے واقعی کوئی بگڑی بن سکتی ہے یا نہیں، حاجتیں پوری ہوتی ہیں یا نہیں۔؟

اس کی بابت ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن النذر وقال

انہ لا یرد شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل۔ (بخاری وغیرہ عن ابن عمرؓ)

"سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا یہ تو کوئی بھی بلا نہیں ٹال سکتی، بس کنجوس سے کچھ نکالنے اور کھینچ لینے کا ایک بہانہ ہے۔

یعنی یہ بڑے مطلب کے لوگ ہوتے ہیں۔ محض خدا کی رضا پر کچھ دیتے نہیں، دینے کا عہد کرتے ہیں، پر پہلے پینے ہیں اس لئے اتفاق سے جو ہو جاتا ہے اس پر وہ دھر لئے جاتے ہیں کہ کام ہو جانے پر تم نے دینے کا عہد کیا تھا، سو وہ ہو گیا ہے اب دیجئے۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ :

نذر ایسی نہ ہو جس میں گناہ کا شائبہ ہو۔ اطاعت کی ہو۔

من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعصیہ فلا یعصہ (بخاری)

نذر سے غرض، حصولِ حاجات نہیں، بلکہ تقرب الی اللہ ہے چنانچہ حضور نے فرمایا :

لا نذر الا فیما ابتغی بہ وجہ اللہ تعالیٰ۔ (ابوداؤد)

" مسند احمد میں انما النذر ما ابتغی بہ وجہ اللہ آیا ہے یعنی نذر اور منت صرف وہ صحیح ہے جو محض اللہ کی رضا کے لئے مانی جائے "

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ حاجات کے لئے منتیں مانتے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے کہہ دیا کہ کل مالی رتاج الکعبۃ (ابوداؤد)

میرا سب مال کعبہ کے نام پر وقف ہے "

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔

" کعبہ تیرے مال سے بے نیاز ہے "

آیت : یُوفُونَ بالنذر " کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں۔

کانوا ینذرون طاعۃ اللہ من الصلوۃ والصیام والزکوٰۃ والحج والعمرۃ وما افترض علیھم فسماھم اللہ ابرارا (طبرانی بسند صحیح)

(یعنی صحابہؓ کی نذریں اور منتیں، عبادت اور اطاعت کی قسم سے ہوتی تھیں۔ مثلاً نماز روزہ، زکوٰۃ حج، عمرہ اور دوسری مفروضہ عبادات۔ اس لئے اللہ نے ان کا نام ابرار (نیک لوگ) رکھا ہے "

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ اصل مسنون نذریں صرف وہ ہیں جو صرف رضائے الٰہی اور تقرب الٰہی کیلئے ہوتی ہیں دوسری جو مرادیں پانے کے لئے مانتے ہیں، وہ بس بخیل اور کنجوس سے اگلوانے کا ایک بہانہ لاطائل

ہے اور وہ صرف اس لیے کہ چونکہ اس نے ایک زبان کی ہے ۔ اس لئے اسے اب پورا ہونا چاہیئے ۔ گویا کہ یہ نذر ہیں سزا ہیں جزا نہیں ہیں ۔

اگر کوئی صاحب ایسی نذر مانتے کہ میں فلاں مقام پر نذر دوں گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے یہ اطمینان فرما لیتے تھے کہ وہاں کسی شخصیت اور بت وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اگر نہ ہوتا تو فرماتے ، جاکر پوری کر دیجئے ۔ (ابوداؤد ثانی)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ لوگ جن مقابر اور شخصیتوں کے نام کی نذر مانتے ہیں وہ جائز نہیں ہیں ۔

دراصل بزرگوں کے نام کی جو نذریں ہوتی ہیں ، وہ شخصیت پرستی کا باعث بھی ہوتی ہیں اور غلط اعتقاد اور غلط رجحان کو بھی جنم دیتی ہیں ۔ اس لئے فلاں بزرگوں کے مقابر کے مجاوروں کو کھلانے یا کسی کے نام کی سبیلیں لگانا شرعاً صحیح نہیں ۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ :

نذر کا تعلق " عبادت مقصودہ " سے ہو اور شرع میں اس کی ہم جنس فرض اور واجب ہو :

الاصل ان النذر لا یصح الا بشروط احدها ان یکون الواجب من جنسه شرعا (فتاویٰ عالمگیری)

وکان من جنسه الواجب ای فرض وھو عبادة مقصودة . (تنویر الابصار متن در مختار)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسی نذر مانی جس کی جنس فرض نہیں ہے ، جیسے عیادت مریض ، تشییع جنازہ دخول مسجد وغیرہ تو یہ نذر لازم نہیں ہوگی ۔

ولم یلزم الناذر مالیس من جنسه فرض کعیادة مریض وتشییع جنازة ودخول مسجد (تنویر)

علامہ شامی اس کی شرح میں درر کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

المنذور اذا کان له اصل فی الفروض لزم الناذر کالصوم والصلوٰة والصدقة والاعتکاف ومالا اصل له فلا یلزم الناذر کعیادة المریض وتشییع الجنازة ودخول المسجد وبناء القنطرة والرباط والسقایة ونحوها هذا هو الاصل الکلی (علامہ شامی)

" یعنی اگر منت کی اصلیت فرائض ثابت میں موجود ہو تو پھر لازم ہوگی مثلاً روزہ ، نماز ، صدقہ اور اعتکاف وغیرہ ۔ اگر نہ ہو تو نہیں لازم ہوگی جیسے عیادت مریض تشییع جنازہ دخول مسجد ، پل بنانا ، سرائے بنانا اور سبیل بنانا بالعموم قاعدہ کلیہ ہے ۔ "

امام ابن نجیمؒ فرماتے ہیں اس کے لئے تین شرائط ہیں کہ:

۱۔ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔

۲۔ فرائض کی جنس سے ہو۔ اور

۳۔ عبادت مقصودہ ہو۔ (بحر الرائق)

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں جنس فرائض سے اس کا تعلق ہو۔ عبادت مقصودہ ہو۔ غیر مقصودہ نہ ہو مثلاً وضو، تکفین وغیرہ۔ وہ بجائے خود فرض نہ ہو کیونکہ جو فرض ہے اس کی نذر کے کیا معنی؟ وہ تو کرنے ہی ہوتے ہیں، گناہ کی بات نہ ہو اور مستحیل الوجود نہ ہو کہ اس کا کرنا ہی کارے دارد ہو۔" (فتاویٰ)

باقی رہا یہ حیلہ کہ "فلاں بزرگ کی درگاہ کے حاجتمندوں کو دی جائے گی" تو یہ مفت خوروں کو جنم دے گا۔ اس کے علاوہ کتابوں میں جن فقراء کو کھلانے کا ذکر کیا ہے ان سے مراد یہ مجاور اور اہل بدعت نہیں ہیں۔

ہمارے عہد کی خانقاہوں کے فقراء یہ لوگ تو دنیا کا رشتہ خدا سے کاٹ کر ان بزرگوں سے جوڑ رہے ہیں۔ بدعات کی تخلیق کرتے ہیں۔ بزرگوں کی پوجا کے آداب سکھاتے ہیں۔ ان کو تو یہاں سے بیک بینی و دوگوش پکڑ کر نکال باہر کرنا چاہیئے۔ چہ جائیکہ ان مہنتوں کو پالا پوسا بھی جائے۔

ان مہنتوں کی وجہ سے جو کچھ آجکل خانقاہوں پر ہو رہا ہے اس کے بارے میں ایک حنفی امام کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من العوام وما یوخذ من الزیت والشمع ونحوھا مما ینقل الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام ما ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی ھذہ الاعصار (در مختار)

یقین کیجئے: اکثر عوام جو نذر مردوں کے لئے دیتے ہیں۔ مثلاً تیل، چراغ اور دوسری اشیاء جو اولیائے کرام کی خانقاہوں کے لئے تقرب کی نیت سے لے جاتے ہیں۔ وہ بالاجماع باطل اور حرام ہیں اور لوگ اس میں بری طرح سے ہو چکے ہیں۔ خاص کر اس زمانہ میں۔"

علامہ شامی لکھتے ہیں:

لم تثبت فی الشرع جوازہ للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق لانہ حرام بل سحت ولا یجوز للخادم الشیخ الا ان یکون فقیرا۔ وایضا مکروہ تحریما ما لم یقصد الناذر التقرب

بقیہ ص ۳۳ پر

علامہ ڈاکٹر حافظ مولانا مصلح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی خدمات

وحید الزماں ۔ مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور

جامع المعقولات والمنقولات حضرت العلامہ حافظ مصلح الدینؒ ضلع اعظم گڈھ کے مشہور و معروف گاؤں چیرا میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے ۔ مولانا محترم بچپن سے ہی نہایت ذہین اور قوی الحافظہ تھے ۔ دس سال کی عمر میں ناظرہ حفظ قرآن ودیگر ابتدائی کتابوں کی تعلیم حاصل کی ۔

بعدہٗ اپنے دادا حضرت مولانا عبدالغفورؒ کے ہمراہ مدرسہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ آئے اور یہاں علوم وفنون کی تکمیل کی اور صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ایک جید عالم بنکر نکلے ۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے آپ کی ذہانت وفطانت قابل توجہ تھی جس کی بنا پر اراکین دارالعلوم احمدیہ سلفیہ نے آپ کو بحیثیت مدرس رکھ لیا مولانا محترم وہاں مسلسل پندرہ سال تک تدریسی فرائض حسن وخوبی کیساتھ انجام دیتے رہے ۔

۲۲ر جنوری ۱۹۴۳ء کو موصوف مدرسہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے عبداللہ پور تشریف لائے اور مستقل جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور میں تیس برسوں تک تدریسی وتبلیغی فرائض انجام دیئے گویا کہ زندگی عبداللہ پور میں گذاری ۔ ان کی تبحر علمی اور تدریسی صلاحیتوں کا سہرہ دور دراز تک ہونے لگا اور علم حدیث پر دسترس کے چرچے عام ہونے لگے ۔ اور اس پسماندہ ضلع کے ایک دیہات میں واقع جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور میں بھی نمایاں تبدیلی وترقی کے باب کھل گئے ۔ بہار و بنگال اور دور دراز علاقے کے سینکڑوں تشنگان علم کی پیاس بجھتی رہی ۔ ان کے تلامذہ میں ایسے طالبان علم بھی شامل ہوئے جو دوسرے مدارس سے سند فراغت لیکر آئے حتی کہ دورۂ حدیث بخاری کیلئے دیوبند، مئو، اور مدرسہ عالیہ کلکتہ وغیرہ بلند تعلیمی اداروں کے فارغین مولانا کے درس میں شامل ہوکر ان کی شاگردی کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ۔

چنانچہ ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد آج بھی ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تعلیمی اداروں و مدارس میں نمایاں طور پر تدریسی فرائض انجام دے رہی ہے ۔ اور مولانا مرحوم کے مشن تبلیغ دین کے لئے بھی سرگرم عمل ہیں ۔

مولانا موصوف ایک بے بدل عالم دین خدا آگاہ بزرگ اور مواخاۃ اسلامی کا گراں قدر نمونہ ہی نہ تھے بلکہ ذہانت وفطانت وسعت نگاہی اور محبت ومواساۃ کی خوبیوں سے پُر نادر شخصیتوں میں سے تھے ۔ مرحوم کو نہ صرف تعلیمی میدان ہی میں دستگاہ حاصل تھی بلکہ تقریر وخطابت کے میدان کے جادوگر اور اختصار نویسی کے بادشاہ تھے ۔

قومی وعلمی مسائل پر گہری نگاہ رکھتے تھے ۔ اور انھیں تبلیغی کاموں سے گہری دلچسپی تھی ان کا مشن تھا کہ امت مسلمہ تمام ملکی اختلافات اور فرقہ وگروہ بندیوں کے حصار سے نکل کر اسلام اور مسلمانوں کی دینی خدمات کیلئے ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو جائے اور اسلامی روایات کو تازہ کرے ۔ جس دلجمعی کے ساتھ مولانا نے بہار کے اس پسماندہ علاقہ کے دیہاتی ماحول میں زندگی گذاری یہ ان کی سادگی بے نفسی اور قناعت کی اعلیٰ مثال ہے ۔ اور اس کے پیچھے محض ان کا تبلیغی مشن تدریسی ذوق اور دینی خدمت کا جذبہ کارفرما تھا ۔

اس پسماندہ قبائلی علاقہ میں مسلمانوں کی عام حالت بر تر قبائیلیوں کے درمیان آباد ہے ۔ اکثریت غربت جاہل اور مذہب سے بیگانہ ہے ۔ حتیٰ کہ اکثر اپنے تشخص قومی و دینی بھی کھو چکے تھے ۔ عیسائی مشنری کا زور اور بدعتی ومعرفتی غیر متشرع پیروں کا استحصال جاری تھا ان کے اندر سے اسلام کی روح نکلتی جا رہی تھی حلال وحرام کی تمیز بھی ندارد ، نت نئے فتنے اٹھتے ۔ بنگال کی سرزمین سے بھی وقتاً فوقتاً اسلام دشمن تحریکیں اٹھتیں اور ادھر کا رخ کرلیتیں ۔ اس صورت حال نے مولانا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ۔ اور قوم کی اس زبوں حالی سے بے چین ہو اٹھے ۔ حالات پر گہری نظر ڈالی اور حق وصداقت کی طاقت کے ساتھ پوری مستعدی سے ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کا عزم کیا ۔ ملک کے تمام اسلامی تحریکوں اور تبلیغ سے متعلق کارکنوں نیز مدارس کے سربرآوردہ علماء کرام سے رابطہ قائم کیا ۔ علاقہ کی تمام برائیاں بغرض غیر رسوم اور اخلاقی خرابیوں کا سروے کیا تو حیرت انگیز واقعات سامنے آئے ۔ بدعقیدگی کا یہ عالم تھا کہ کہیں عیسائیت انھیں دام فریب میں مبتلا کر رہی تھی ۔ کہیں قادیانیت ان پر مسلط ہو رہی تھی اور کہیں معرفتی پیر اپنی پوری فتنہ سامانیوں کے ساتھ حاوی ہو کر انھیں مذہب سے بیگانہ بنا چکا تھا ۔ اور کفر والحاد اور زندقہ کے زہریلے ناگ اپنا پھن اٹھائے آزادانہ اپنا زہر دوسروں تک منتقل کرنے میں مصروف تھے ۔

مولانا موصوف نے اپنے تدبر بصیرت ، عمل پیہم اور جہد مسلسل سے ان فتنوں کا انسداد کیا چنانچہ عیسائیت

بدعت، قادیانیت اور اشتراکیت کے تمام فتنوں نے دم توڑ دیا۔

مولانا مرحوم نے اپنی فہم و بصیرت کو مہمیز دی اور جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور میں ایک شعبۂ تبلیغ قائم کی پھر تبلیغی لٹریچروں کی اشاعت مختلف زبانوں میں ہونے لگی۔ چھوٹے چھوٹے پمفلٹ لکھے اور عام کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے ذرا بھی غفلت ان فتنوں کے لئے پھر موقع فراہم کر سکتی ہے اس لئے مختصر کتابچے اور اشتہارات گھر گھر پہونچائے جائیں انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ملک کے ممتاز عالموں اور ماہرین تعلیم سے جلسوں میں تقریریں کروائیں جہاں ضرورت پڑی خود گئے اور ٹیمیں بنا بنا کر ان علاقوں کا دورہ شروع کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر محاذ پر نبرد آزما ئی کے آگے باطل ٹک نہ سکا اور فنا ہو گیا۔

مولانا اپنے تجربات کی روشنی میں اس مشن کو ملک گیر پیمانے پر جاری رکھنے کی خواہشوں کی تکمیل چاہتے تھے۔ لہذا اپنے اغراض و مقاصد اعلیٰ کے لئے انھوں نے جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبداللہ پور کو خیرباد کیا اور جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس تشریف لے گئے کہ وہاں پریس اور دیگر تمام سہولتیں میسر آئیں گی نیز اس مرکزی مقام سے مشن کو زبردست تقویت ملے گی اس مقصد کی تکمیل کے لئے آپ وسیع پیمانے پر دینی رسائل، کتابچے اور پرچے کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہی ہوئے تھے کہ مختصر سی علالت کے بعد انیس دسمبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۲ صفر ۱۴۰۱ھ بروز شنبہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ سچ کہا گیا ہے موت العالِم موت العالَم

آہ ایک بلند مرتبہ عالم، راسخ العقیدہ مومن، بلند عزائم سے پُر باحوصلہ مرد مجاہد و مبلغ دین حافظ قرآن اور علامۂ وقت ہمارے درمیان سے اٹھ گیا خانوادۂ اہلحدیث کے ماہ درخشاں اور آفتاب علم و حکمت کی تابانیوں سے پورا ملک محروم ہو گیا۔

مولانا کی وفات سے ہندوستان کے اہل علم و بصیرت کے درمیان جو خلا پیدا ہوا ہے وہ نہ صرف جماعت اہلحدیث کے لئے بلکہ پوری امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم ملی نقصان ہے اس خلا کو ابد تک محسوس کیا جاتا رہے گا۔

مولانا نہ صرف ایک جید عالم تھے بلکہ وہ مبلغ دین اور کتاب و سنت کے پابند باوضع، شریعت محمدی کے پیکر بھی تھے۔ بستر مرگ پر بھی اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں وہ اس سرائے فانی میں نہ رہے لیکن ان کے شاگردوں کی بھاری تعداد ان کی تبلیغی خدمات، لٹریچر اور پمفلٹ ان کی یاد دلاتے رہیں گے اور ان کے علمی کارنامے ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔

کسی قوم کے لئے اپنے اکابر کے مشن کو جاری و قائم رکھنا ہی سچا خراج عقیدت ہے اور ہمیں امید ہے کہ مولانا سے محبت رکھنے والے ان کے رفقاء، شاگردان عزیز اخوان اہلحدیث اس تبلیغی مشن کو جاری رکھیں گے۔

مولانا کا مشن جاری ہے اور ہم لوگ اس چراغ کو جلائے رکھنے کا عزم کر چکے ہیں۔ جن حضرات کو مولانا کے تبلیغی لٹریچروں کی ضرورت ہو وہ ذیل کے پتہ پر صرف ڈاک خرچ بھیج کر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جو مخیر حضرات رفاہ عام کے لئے اس کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں انھیں اس کے لئے کھلی اجازت ہے۔

اخیر میں ہم مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ خداوند قدوس اپنی قدرت کاملہ سے مولانا مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے اور مسلمانوں کی عظمت پارینہ کو لوٹا دے اور قوم ملت کو صبر و استقامت کے ساتھ تبلیغ دین کی توفیق عطا کر دے۔ اور ملک و ملت کیلئے سازگار فضا ہموار فرما دے آمین

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پتہ :- شعبۂ تبلیغ جامعہ اسلامیہ سلفیہ عبد اللہ پور، ڈاکخانہ اکلوئی۔ ضلع صاحب گنج (بہار)

اعلان

(۱) اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ زر تعاون اس ماہ پر ختم ہو رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ نے ماہنامہ محدث کو ابتک مفید پایا ہوگا۔ اگر آپ ہمیں اسی طرح خدمت کا موقع دینا چاہتے ہیں تو زر تعاون مبلغ ۳۰ روپے روانہ فرما کر خریداری کی تجدید کرالیں۔

(۲) نیز وہ خریدار حضرات جنکو ماہنامہ محدث موصول نہیں ہو پا رہا ہے وہ اپنا صحیح اور صاف پتہ تحریر کر کے دفتر محدث کو روانہ کر دیں۔ تاکہ ماہنامہ ان کو پہونچتا رہے۔

(دفتر محدث بنارس)

برِصغیر پاک و ہند کے چند تاریخی حقائق کے اصلی خدوخال

مولانا محمد اسلم سیف فیروزپوری (ماموں کانجن)

بریلویت کے اصلی خدوخال پاکستان میں ایک نئی تحریک چل نکلی ہے کہ قلم اور سینے کے زور سے تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر اپنے کھاتے میں ڈالا جائے اور لوگوں کو غلط تاثر دے کر تاریخی حقائق میں گمراہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کی انتہائی بھونڈی مثال ہمارے بریلوی بھائی پیش فرما رہے ہیں۔ بریلوی کوئی فقہی مکتبِ فکر یا دینی دبستان خیال نہیں بلکہ حنفیت کی ایک برگشتہ شاخ ہے۔ توحید و سنت میں ان کا مسلک و مشرب اسلام سے نہ صرف خاصا دور ہے بلکہ اس کی ضد ہے۔ توحید کا صاف ستھرا تصور ان کے یہاں شرک اور شرکیہ رسوم سے آلودہ ہو چکا ہے۔ سنت کے باب میں ان میں لاابالی پن نہ صرف گھر کر چکا ہے بلکہ سنت کے تمام امور میں بدعات کو غلبہ حاصل ہے۔ ہمارے بریلوی بھائیوں کے یہاں خالص توحید و سنت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ قصے، کہانیاں افسانہ طرازیاں، غلط سلط واقعات، جھوٹے خواب، من گھڑت کرامات، حقائق سے دور واقعات، سنسنی خیزی اور گپ نما انکشافات ان کے علم و فضل کی معراج ہے۔

فرنگی فارمولا انگریز بڑی ڈپلومیسی سے برصغیر پاک و ہند میں داخل ہوا اور اس نے رسوائے زمانہ اصول "پھوٹ ڈالو حکومت کرو" پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دھیرے دھیرے پورے برصغیر پر تسلط جما لیا۔ ۱۷۵۷ء پلاسی اور ۱۷۹۹ء سرنگاپٹم کے میدانوں میں اپنے جعفروں اور صادقوں کے ذریعے شیر مشرق سراج الدولہ اور شیر دکن ٹیپو سلطان کو شہید کر کے مشرقی ہند اور جنوبی ہند پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اپنے احسن اللہ خاؤں، الٰہی بخشوں میر رجب علیوں اور مرزا غلام مرتضاؤں کے ذریعے وسطی ہند اور شمالی ہند بھی مکمل طور پر ان کے قبضہ میں آگیا۔ ہزارہ کے خوانین کے ذریعے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ شیر بیشہ توحید شاہ اسماعیل شہیدؒ مولانا عبدالحی بڈھانویؒ* قافلہ سادات اور جماعتِ مجاہدین کو دھوکے سے جنرل شیر سنگھ کی قیادت میں سکھ فوجوں سے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو صحابہؓ کے مشن

* مولانا بڈھانوی اس معرکہ سے پہلے خیبر میں وفات پا چکے تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ (ع۔ ن)

کی علمبردار جماعت کو تہ تیغ کروا کر انگریز نے برصغیر کو غلام بنانے کا راستہ ہموار کر لیا۔ جماعت مجاہدین نے سرمقام پر انگریز اور اس کی معنوی اولاد سے ہمیشہ دو دو ہاتھ جاری رکھے۔ جب موقع ملا جماعت مجاہدین نے کبھی انگریز کو معاف نہیں کیا۔ شمالی کوہستانوں میں مراکز بنا کر وہ انگریز پر ہمیشہ کامیاب شب خون ڈالتے رہے۔ کوئی مصلحت، طمع یا لالچ، ان کے آڑے نہ آسکی۔ وہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر پوری استقامت، جرأت، مستعدی اور ہمت سے سالہا سال تک انگریز سے برسرپیکار رہے۔ اور اس حقیقت کا اظہار کتنی مسرت انگیز، کتنے فخر و مباہات کا باعث اور کس قدر حقائق پر مبنی تاریخی عظمت ہے کہ تحریک مجاہدین کلیۃً اہلحدیث کی تاریخ تھی۔

۱۸۵۷ء مسلمانان برصغیر کے لئے مصائب، مشکلات، پریشانیوں، فکرمندیوں، تباہیوں، بربادیوں اور قتل و غارت کا سال ہے۔ یہی وہ منحوس سال ہے جس میں ہندوستان بھر سے مسلمانوں کی کم و بیش ہزار سالہ بساط اقتدار لپیٹ کر رکھ دی گئی۔ اور مغلیہ خاندان کے اقتدار کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔ یہ سال مسلمانوں کے لئے المناکیوں اور مصائب کے پہاڑ لے کر آیا۔ اس بحرانی سال میں فرزندانِ اہلحدیث نے جنرل بخت خانؒ ایسے حریت مآب سپوتوں کی قیادت میں آزادی وطن کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ لیکن غدارانِ وطن اور غدارانِ ملت ان کی ناکامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ یاد رہے کہ جنرل بخت خاں بھی اہلحدیث کا مایہ ناز فرزند تھا۔ یہ بات کس قدر حقائق پر مبنی ہے کہ اہلحدیث کے علاوہ کسی فقہی مکتب فکر نے اہلحدیث کی طرح باجماعت انگریز کے ساتھ جہاد نہیں کیا۔ بلکہ اہلحدیثوں کو تہ تیغ کروانے کے لئے کئی نام نہاد مولویوں نے انگریز کو خوش کرنے اور اپنی چاندی بنانے کے لئے نہ صرف اہلحدیثوں کی مخبری کی بلکہ بڑی ظالمانہ اور جاہلانہ کتابیں لکھ کر اہلحدیث کے خلاف جلتی پر تیل کا کام کیا۔ بقول ڈاکٹر تاراچند برصغیر میں مسلمانوں میں اہلحدیث گروہ نے ملک کی آزادی کے لئے پانچ لاکھ انسانوں کی قربانی دی۔ اور بقول میاں محمد شفیع مرحوم انگریز نے دہلی شہر سے پانچ ہزار علماء کو شہید کیا۔ جن میں اکثریت اہلحدیث کی تھی۔

ایک زبردست حقیقت انگریز کے خلاف مسلح جہاد میں حنفیت کی بریلوی شاخ نے نہ صرف کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ انگریز کے مخالفوں کے خلاف ان کی تمام تر مساعی جاری رہیں۔ ہمارے بریلوی بھائی ہمیشہ انگریز کا آلہ کار بن کر اپنے دام کھرے کرتے رہے اور اہلحدیث ہمیشہ انگریز کا نشانہ ستم بنے رہے۔ ہمارے ان بھائیوں نے انگریز کو خوش کرنے کے لئے اہلحدیثوں کو وہابی کہہ کر بدنام کرنے کی شرمناک تحریک جاری کی۔ پٹنہ کیس، انبالہ کیس، کلکتہ کیس، فیروزپور ریم کیس، قاضی کوٹ اسلحہ کیس کہیں بھی ہمیں فرزندانِ اہلحدیث کے بغیر کوئی اور دکھائی

نہیں دیتا اہلحدیث حریت پسندوں کو عبور دریائے شور اور کالے پانیوں کی سزائیں دی گئیں۔ ان کی جائدادیں ضبط کی گئیں ان کے مکانات کو پیوند خاک کر کے ٹاون ہال بنائے گئے ان کو حبس دوام کی سزائیں دی گئیں۔ ان کو تختہ دار پر کھینچوایا گیا ان کی زبان بندیاں کی گئیں۔ ان کو ملک بدر کیا گیا۔ ان سے ہر چیز چھین لی گئی۔ لیکن اہلحدیث جیالے اتنے سخت جان، بہادر اولوالعزم اور مجاہد تھے کہ انگریز کی کوئی بھی قہرمانیت ان کو نہ ڈرا سکی نہ دبا سکی اور نہ راہ حق سے ہٹا سکی۔ وہ پوری پامردی سے سالہا سال انگریز کے خلاف ان کی پکار بلکہ للکار اور یلغار جاری رہی۔ اسی قافلۂ حریت کی حدی خوانی کا اعتراف انگریز محققین اور مورخین نے خود کیا ہے۔ آپ خوردبین لگا کر نظر دوڑائیں اس عظیم دعوت و عزیمت اور جہاد و غامیں کہیں کوئی بریلوی اور کوئی حنفی دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ حیرت ہے آپ ان تمام مجاہدانہ تگ و تاز اور بہادرانہ اولوالعزمیوں کو اہلحدیث کے کھاتے سے کھرچ کھرچ کر ان لوگوں کو جنگ آزادی کا ہیرو بنایا جا رہا ہے جو ہمیشہ انگریز کے نخچیر اور حکمرانوں کی زلف گرہ گیر کے اسیر رہے۔

ایک مشابہت | شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد اور تحریک تبلیغ توحید اور اشاعت سنت کے خلاف جس شخصیت نے خم ٹھوک کر اور سینہ تان کر مخالفت کی اسے مولوی فضل حق خیر آبادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مولوی فضل حق خیر آبادی وہی ذات شریف ہیں جنھوں نے شاہ اسماعیل شہیدؒ ان کے افکار و نظریات کے خلاف شدید الفاظ میں لکھا۔ مولوی فضل حق خیر آبادی نے انگریز کو خوش کرنے کے لئے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ انگریزوں کی حمایت میں مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر نا بڑ توڑ حملے کئے۔ مولانا شاہ شہیدؒ کی "یک روزی" ان کی بیفلوت کے جواب میں ہے۔¹

ایک مجاہد جو مولوی فضل حق کے ہم نام تھا۔ اس کی ولدیت بھی مولوی فضل حق کی ولدیت کے ہمنام تھی۔ وسطی ہند کا یہ مجاہد انگریز کے ہتھے نہ چڑھ سکا۔ مولوی فضل حق خیر آبادی کے کسی ذاتی دشمن نے انگریز سے مخبری کی کہ جس فضل حق کی تم تلاش میں ہو وہ یہی تو ہیں۔ چنانچہ اسی مشابہت کی وجہ سے مولوی فضل حق گرفتار کر لئے گئے اور ان کو کالے پانی کی سزا دی گئی۔ ہمارے بریلوی حنفیوں کا یہی سب سے

---

¹ یک روزی جہاد کے سلسلے میں نہیں مسئلہ امکان و امتناع نظیر کے مسئلے پر ہے (ع۔ ن)

بڑا جنگ آزادی کا کارنامہ ہے۔ حالانکہ اس کے علاوہ ان کی تاریخ میں انگریز کے خلاف کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا اور اس باب میں مولوی فضل حق خیرآبادی مرحوم بے چارہ بے گناہ اور بے قصور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی فضل حق خیرآبادی کے صاحبزادے مولوی عبدالحق خیرآبادی نے پریوی کونسل لندن میں اپنے بے قصور بے گناہ باپ کا کیس لڑا۔ اور دلائل و براہین سے انگریز کی عدالت میں اپنے اس استغاثہ کو پیش کیا۔ اور مولوی عبدالحق نے فرمایا کہ ہمارا وہ خاندان ہے جس نے پورے زور اور خلوص سے انگریز کی حمایت کی۔ ہمارا ہی وہ خاندان ہے جس نے انگریز کے مخالفین کی تکفیر کی۔ ہم ہمیشہ انگریز کے بہی خواہ اور مخلص خدمتگار رہے ہیں ہم نے ہی تحریک مجاہدین اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ اس کے بخیے ادھیڑے ہم آپ کے ازلی اور ابدی خیرخواہ، ہمدرد اور مخلص معاون اور نادار ہیں۔ انگریز کو اپنے مخلصین کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ میرا باپ بے گناہ ہے وہ ایک انگریز دشمن کے ہم نام ہونے کی وجہ سے ہمارے کسی دشمن کی مخبری پر دھر لیا گیا ہے۔ لہذا میرے باپ کی کالے پانیوں کی سزا کو منسوخ کیا جائے۔ اور میرے باپ کی رہائی کا پروانہ مجھے دیا جائے لہذا پریوی کونسل کے انگریز جج صاحبان نے اپنے اس مخلص حامی، مخلص وفادار اور ازلی و ابدی ذلہ خوار کے دلائل کو وزنی سمجھتے ہوئے مولوی فضل حق خیرآبادی کی رہائی کا پروانہ انہیں دے دیا گیا۔ مولوی عبدالحق اپنے باپ کی رہائی کا پروانہ لے کر واپس ہندوستان پہونچا اور کلکتہ سے کالے پانی کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو مولوی فضل حق خیرآبادی کی رسوائی پسند نہ تھی مولوی فضل حق اشتباہ اور مغالطہ کی وجہ سے گرفتار کیے گئے تھے۔ چونکہ مخلص حریت پسند مجاہدین میں خواہ اغیر مغالطے سے ہی شامل کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عظمت میں ان کو شامل رکھنے کے لئے ان کو موت کی وادی میں بھیج دیا۔ چنانچہ ادھر مولوی عبدالحق ان کی رہائی کا پروانہ لے کر انڈمان کے ساحل پر اترا ادھر مولوی فضل حق کا جنازہ آرہا تھا۔ اب اس واقعہ سے مولوی فضل حق خیرآبادی کی مجاہدانہ ننگ و ناز کا آپ اندازہ کرچکے ہوں گے۔ یہی وہ واقعہ جسے ہمارے بریلوی بھائی فخر سے بیان کرتے نہیں تھکتے۔ حالانکہ اس میں فخر سے زیادہ شرم کی بات ہے۔ "الثورۃ الہندیہ" ان کی تصنیف کا ترجمہ بغاوت ہند کے نام سے کیا گیا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ اور نہ ہی مولوی فضل حق کے قلب و ذہن میں انگریز کی مخالفت کا کوئی شمہ تھا بلکہ اس کا صحیح ترجمہ ہندوستانی انقلاب ہے۔ بس اتنی سی بات تھی جسے ہمارے بریلوی بھائیوں نے جنگِ آزادی کا افسانہ بنا دیا۔

دو شہر بانس بریلی (اتر پردیش (یوپی)) کا ایک شہر بلکہ ضلعی صدر مقام ہے۔ رائے بریلی صوبہ یوپی

کا ایک مرکزی شہر ہے ان دونوں شہروں سے ہماری ملی تاریخ نہیں ہے ان دونوں شہروں کے دو سپوتوں کا الگ الگ کردار ہے۔ الگ الگ ملی کارنامے ہیں۔ الگ الگ دینی تشخص ہے۔ الگ الگ دینی خدمات کے وسیع دائرے ہیں۔ اول الذکر شہر سے انگریز کی وفاداری، حمایت اور مسلمانوں کی تکفیر کی داستان وابستہ ہے۔ ثانی الذکر شہر سے حریت پسندی، دینی عظمت اور انگریز سے بھرپور عملی جہاد کی تاریخ کا گہرا تعلق ہے۔ بریلوی کوئی فقہی مکتب فکر نہیں اور نہ کوئی اسلامی مدرسۂ خیال ہے۔ نہ ہی بریلی کسی مقدس امام اور عظیم دینی شخصیت کا نام ہے۔ بانس بریلی ایک شہر ہے جس میں مسلم و غیر مسلم سب ہی رہائش پذیر ہیں حیرت ہے عشق رسول کے دعویدار ہمارے یہ بھائی اپنے کو محمدی یا مکی مدنی کہلانا کیوں پسند نہیں کرتے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے ان کے عشق رسولؐ کی الٹی گنگا کیوں بہتی ہے۔ اتنی فہم و فراست کے باوجود یہ الٹے بانس بریلی کو جا رہے ہیں۔



بقیہ نذر و نیاز اور بزرگان دین ص۲۷ کا:

الی اللہ تعالیٰ ویقطع النظر عن نذر الشیخ ویقصد صرفہ علی الفقراء (شامی)

مخلوق کیلئے نذر ماننا بالاجماع حرام ہے۔ شرع میں اس کا جواز ثابت نہیں۔ کیونکہ وہ حرام ہے بلکہ ایسا حرام ہے جو پلید بھی ہے بزرگ کے خادم کے لئے بھی یہ جائز نہیں۔ غریب ہو تو لے سکتا ہے۔ جب تک نذر دینے والا تقرب الی اللہ کا قصد نہ کرے۔ شیخ سے نظر ہٹا کر اور فقیروں پر خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ اس کا لینا مکروہ تحریمی ہے۔ الغرض ہمارے عہد میں نذر و نیاز نے عہد جاہلیت کی نذر و نیاز کی یاد تازہ کر دی ہے۔ پس اس سے بچئے۔

خدا ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(تنظیم اہلحدیث لاہور)

عورت کے چہرے کا پردہ؟

ہارون رشید صدیقی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد:

ارشاد ربانی ہے:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝" (النور: ۳۰، ۳۱)

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (اکثر) کھلا رہتا ہے۔ (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مذکورہ مواقع) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں، مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے حقیقی علاتی یا اخیافی) بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی، علاتی اور اخیافی) بہنوں کے

بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا اُن مردوں پر جو طفیلی کے طور پر رہتے ، ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو ، یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی نا واقف ہیں (مراد غیر مراہق ہوں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی ہو تو ہم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

...

ان آیات میں مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے آنے کی صورت میں نگاہ نیچی رکھنے کا حکم ہے ۔ ساتھ میں شرمگاہوں کی حفاظت کا بھی حکم ہے اور یہ دونوں حکم مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہیں ، غیر محرم پر بے تکلف نگاہ ڈالنے میں شیطان کو ورغلانے کا موقع ملتا ہے ، جس سے شرمگاہوں کے محفوظ نہ رہ سکنے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے ، اس لیے ضروری قرار دیا کہ ایک دوسرے سے نگاہ نیچی رکھیں ،، من ابصارھم ،، اور ،، من ابصارھن ،، میں اس بات کی گنجائش نکلتی ہے کہ ایک دوسرے پر بالکل نگاہ ڈالنا منع نہیں ہے ۔ اسی طرح ایک دوسرے پر نگاہ پڑجانا گناہ نہیں ہے ۔ سنن ابی داؤد میں حضرت بریدہ سے روایت نقل ہے ، جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ،، یا علی ! نظر پر نظر مت ڈالو ، پس پہلی نظر تم کو معاف ہے اور دوسری پر تم سے مواخذہ ہوگا ۔ (کتاب النکاح مفہوم حدیث) اور صحیح مسلم میں کتاب الادب میں حضرت جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت ہے کہ ،، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مجھے نگاہ پھیر لینے کا حکم دیا ۔ (مفہوم حدیث)

آیت مذکورہ میں عورتوں کی اپنی زینت چھپانے کا حکم بھی ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں کا ذکر بھی ، جن سے زینت چھپانا ضروری نہیں ۔ ان میں اول نمبر شوہر کا ہے ، جس سے تو زینت کیا کچھ بھی نہیں چھپانا ہے ۔ شوہر کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے کبھی بھی نکاح درست نہیں اور وہ ہیں ، اپنے والد ، شوہر کے والد (یعنی خسر) اپنے بیٹے ، شوہروں کے بیٹے (سوتیلے بیٹے) بھائی اور بھائیوں کے بیٹے ، بہنوں کے بیٹے ۔ اس کے بعد ایسے مرد کو بھی ان میں شامل کیا ہے جو گھر میں پل رہا ہے ، کچھ خدمات بھی انجام دے رہا ہے اور اس کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت نہیں ، ان بچوں کو بھی شامل کیا ہے جن کو عورتوں کے اعضاء مستورہ کا ابھی شعور نہیں ، مسلمان عورتوں کا بھی ان کے ساتھ ذکر کیا ہے ، جس سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم عورتوں سے پردہ ہے اس آیت میں تمام محرموں کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے ۔ دوسری آیت اور احادیث کی روشنی میں کچھ اور مرد ہیں جو

محرم ہیں اوران کے سامنے محدود زینت کا اظہار جائز ہے۔

سورہ نساء میں جن لوگوں سے نکاح حرام ہے ان میں دودھ کے رشتے کی ماں، دودھ شریک بہن، بیوی کی ماں، بھائی کی بیٹی، بہن کی بیٹی بھی ہیں لہذا وہ مرد جس کو دودھ پلایا، دودھ شریک بھائی، داماد، چچا اور ماموں بھی محرم ہوئے۔ دودھ کے رشتے سے جو جو لوگ حرام ہوئے، سب اس میں شامل ہوئے، اصول یعنی دادا، پردادا، نانا، پرنانا، فروع یعنی پوتے پرپوتے، نواسے پرنواسے سب اس میں شامل ہوئے یعنی ان سے پردہ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے اگر عورت بے ضرورت بھی سر، بانہیں، گلا وغیرہ کھول دے تو گنہ گار نہ ہوگی لیکن پستان، ناف، ران وغیرہ ان کے سامنے بھی کھولنا درست نہیں۔ البتہ شوہر سے کچھ بھی پردہ نہیں۔

ان مذکورہ لوگوں کے علاوہ سارے مرد غیر محرم ہیں، ان سے پردہ ہے، ان کے سامنے زینتوں کا ظاہر کرنا حرام ہے، لیکن آیت میں بعض زینتیں مستثنیٰ بھی ہیں، جن کے لیے " إلا ما ظهر منها " آیا ہے۔ یعنی تمام زینتوں کا غیر محرموں کے سامنے ظاہر کرنا حرام ہے، لیکن جو زینتیں ان زینتوں میں سے ظاہر رہتی ہیں یا ظاہر ہو جائیں، یا یوں سمجھیے کہ جن کے ظاہر کرنے کی بار بار ضرورت پڑا کرتی ہے، غیر محرموں کے سامنے بھی ان کے ظاہر کرنے یا ہونے میں حرج نہیں۔

ان مستثنیٰ زینتوں کے بارے میں شروع ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ جس کے اسباب میں سے ایک سبب تو یہ ہے کہ زینت کی تعریف اور " إلا ما ظهر منها " کی لغوی تفسیر بیان کرنے میں مختلف صورتوں کی گنجائش موجود ہے۔ نیز علماء نے جو معانی بیان کیے ہیں، ان کی تائید میں صحابہ کرام کے مختلف عمل بھی موجود اور قول بھی لہذا چاہیے کہ جس صاحب علم کی سمجھ میں جو تفسیر صحیح معلوم ہو اس پر عمل کرے اور دوسرے کے ایسے عمل کو جس کی گنجائش نکل سکتی ہو اس تحقیق کا لحاظ کرتے ہوئے باطل نہ قرار دے اور اس کو عنداللہ عاصی نہ سمجھے۔ اس تمہید کے بعد میں " إلا ما ظهر منها " کی وضاحت پیش کر رہا ہوں۔

" زاد المسیر فی علم التفسیر " میں اس کی تعیین میں سات قول نقل ہیں۔ دوسری تفاسیر جیسے تفسیر طبری، تفسیر درمنثور میں بھی یہ اقوال نقل ہیں، وہ اقوال یہ ہیں:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اس سے مراد:

۱۔ کپڑے، یا چادر جو سب سے اوپر اوڑھی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے دو قول نقل ہیں۔

۲ - ہتھیلی، انگوٹھی اور چہرہ۔

۳ - آنکھ کا سرمہ اور انگوٹھی

المسور بن مخرمہ سے نقل ہے:

۴ - انگوٹھی اور سرمہ

مجاہد کا کہنا ہے کہ اس سے مراد:

۵ - سرمہ، انگوٹھی اور خضاب (یعنی ہاتھ کی مہندی) ہے۔

حضرت حسن کا قول ہے:

۶ - انگوٹھی اور کنگن۔

حضرت ضحاک نے فرمایا کہ اس سے مراد:

۷ - چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔

ان ساتوں اقوال میں سے پہلے تین قول دو صحابی کے ہیں۔ ان ساتوں قولوں میں سے کسی بھی قول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قول (۱) پہلے قول کے سوا تمام اقوال کو شامل ہے۔ اس لیے کہ سرمہ آنکھ کے ساتھ ہے، جس کا تعلق چہرے سے ہے، اور خضاب (یعنی مہندی کی سرخی) ہتھیلی کے ساتھ نیز کنگن ہتھیلی سے قریب ہے۔

اس طرح سمٹ کر صرف دو قول رہے ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اور دوسرا حضرت عبداللہ بن عباس کا، لہٰذا ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ ان دونوں قولوں میں سے جس صحابی کا قول چاہے اختیار کرے۔

پس اگر عورت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے مطابق نامحرموں سے پورا جسم چھپائے، صرف اس کے کپڑے دکھائی دیں یا صرف اوپر والی چادر نظر آئے جیسا کہ بہت سے علماء اور عام مسلمانوں کے گھروں میں ہوتا چلا آرہا ہے، یا آج کل کے رواج کے مطابق جیسا کہ ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں ہے کہ عورتیں نقاب پہنتی ہیں اور اس سے پورا جسم چھپاتی ہیں، اس کا استعمال ہو تو پردہ کی یہ بہترین شکل ہے، جس میں نہ کسی قسم کا اندیشہ

یکسی حکم کی خلاف ورزی۔ حضرت عبداللہ بن عباس والے دونوں قولوں پر عمل بھی اس عمل میں شامل ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک بھی چہرہ اور ہتھیلی نامحرموں کے سامنے کھولنے کی رخصت ہے، نہ کہ حکم۔

لیکن اگر کوئی عورت نامحرم کے سامنے ضرورت سے یا بغیر کسی ضرورت کے چہرہ اور ہتھیلیاں ظاہر کرتی ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے مطابق آیت میں اس کی گنجائش ہے اور وہ گنہ گار نہ ہوگی۔ یعنی ان کے نزدیک آیت نامحرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلی کھول سکنے کی اجازت دیتی ہے۔

ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی احکام القرآن کی تیسری جلد میں "الا ما ظهر منها" کے تحت تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "وقال اصحابنا المراد الوجه والکفان" ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں، اس کے بعد جن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کو اختیار کیا ہے، اس پر کلام فرمایا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ یہاں زینت سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جس پر زینت کی جاتی ہے، اس لیے کہ زینت کی چیزیں اگر جسم سے علیحدہ ہوں تو ان کے دیکھنے میں کسی کو بھی اشکال نہیں۔

ابوبکر محمد بن العربی المالکی اپنی کتاب "احکام القرآن" میں "الا ما ظهر منها" کے تحت فرماتے ہیں: والصحیح انها من کل وجه هی التی فی الوجه والکفین، اور صحیح یہ ہے کہ وہ زینت ہر اعتبار سے وہی ہے جو چہرہ اور ہتھیلیوں میں ہے۔

یعنی ان کے نزدیک بھی چہرہ اور ہتھیلی کا اظہار غیر محرم کے سامنے جائز ہے۔

شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الشافعی اپنی مشہور کتاب "الاقناع" جلد چہارم ص ۲۴ میں فرماتے ہیں:

وینظر فی الحق الی جمیع (الوجه والکفین) ظهرا وبطنا لانهما مواضع مایظهر من الزینة المشار الیها فی قوله تعالیٰ: "ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک بھی آیت میں نامحرموں کے سامنے ہتھیلیاں اور چہرہ کھولنے کی اجازت ہے۔

احمد بن رشد القرطبی اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد" کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۱۱ پر فرماتے ہیں کہ عورت کے

جسم کا پردہ ہے اور سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے اور کہا کہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

حدیث میں بھی نامحرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلی کرسکنے کی گنجائش موجود ہے۔

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم درج کرتا ہوں۔ ان کی بڑی بہن جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہوئیں یعنی حضرت اسماء بنت ابوبکر ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے کپڑے باریک تھے، آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہوجائے تو جائز نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھے۔ (اپنی ہتھیلیوں اور چہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) سوا ان کے۔

علم حدیث کی زبان میں یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث بعض علماء کے یہاں مقبول ہے۔ احناف بھی مرسل حدیث کو حجت مانتے ہیں لیکن بعض علماء کے نزدیک مرسل حدیث کمزور ہے اور اس سے کوئی حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اور وہ ان کے نزدیک قابلِ حجت نہیں، لیکن یہ بات تو جمہور علماء کے نزدیک مسلم ہے کہ ایسی حدیث جس میں کچھ کمزوری ہے، اسی مضمون کی اگر دوسری معمولی کمزور حدیث ہے تو دونوں مل کر قابلِ قبول ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح دو مرسل حدیثیں اگر ان میں اور کوئی علت نہ ہو تو قابلِ قبول ہوجاتی ہیں، چنانچہ اس مرسل حدیث کی تائید میں دوسری حدیثیں موجود ہیں۔

امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! لڑکی کو جب حیض آنے لگے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نامحرموں کے سامنے گٹوں تک دونوں ہاتھ اور چہرہ کے سوا جسم کا اور کوئی حصہ کھولے۔ (مفہوم حدیث)

جلال الدین السیوطی نے الدر المنثور میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں اس مضمون کی دوسری ضعیف حدیث اسماء بنت عمیس سے نقل کی ہے۔

الہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسی مضمون کی حدیث طبرانی سے نقل کی ہے اور حدیث کو حسن بتایا ہے۔

احناف کی فقہ کی کتابوں میں بھی عورت کے چہرہ اور اس کی ہتھیلیوں کو پردہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

چنانچہ ہدایہ جلد اول باب شروط الصلاۃ میں ہے "وبدن الحرة کلها عورة الا وجهها وکفیها" (آزاد عورت کے پورے جسم کا پردہ ہے، سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔

امام طحاوی حنفی اپنی کتاب "شرح معانی آثار" کی تیسری جلد کے صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ۔

وقد قیل فی قول اللہ عزوجل "ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا" ان ذلک المستثنی ھو الوجہ والکفان،

فرمایا کہ اس آیت میں جو مستثنیٰ ہے یعنی جسے عورت نامحرم کے سامنے ظاہر کردے تو کوئی حرج نہیں، وہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔ اور پھر آگے فرمایا کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے، نیز فرمایا کہ امام ابوحنیفہ، ابویوسف اور محمد بن الحسن بھی یہی فرماتے ہیں۔

غرض کہ حنفی، مالکی، شافعی، تینوں مسلکوں میں نامحرم کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت ہے حدیث پر عمل کرنے والوں کے بڑے اہم ترجمان شیخ ناصرالدین البانی نے تو اس موضوع پر ایک کتاب ہی تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام ہے "حجاب المرأۃ المسلمۃ"۔ میں نے پہلے فل اسکیپ سائز کے بارہ صفحات کا مضمون لکھا تھا، اس کے بعد مجھے شیخ کی کتاب کا علم ہوا کتاب کا مطالعہ کیا اور اپنے مضمون میں بعض ترمیمات بھی کیں شیخ نے صفحہ ۲۴ پر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں غیر محرموں کے سامنے اپنی ہتھیلیاں اور چہرے کھولتی تھیں اور کہا کہ اس سلسلہ میں کئی احادیث ہیں ان میں سے جو اس وقت یاد ہیں ان کو نقل کرتا ہوا اس کے بعد آٹھ روایتیں نقل کیں۔ طوالت کے خوف سے میں ان کا ذکر نہیں کرتا، جس کا جی چاہے، ان کی کتاب میں دیکھ لے مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کی اجازت کے بعد ان حدیثوں کی کوئی تاویل ممکن نہیں، جن سے بعض صحابیات کا غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولنے کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر تک ثابت ہے۔

شیخ کے نزدیک بھی چہرہ کا پردہ جائز ہے اور اس کی دلیل میں متعدد روایات پیش کی ہیں، لیکن چہرہ کھولنا بھی جائز ثابت کیا ہے۔ البتہ حنبلی علماء نے متفقہ طور پر عورت کو چہرہ کے پردہ کا حکم دیا ہے اور آخر کے علماء بھی اس طرف گئے ہیں۔ چنانچہ معارف القرآن کی ساتویں جلد کے صفحہ ۲۲۰ پر مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں "مگر امام اعظم ابوحنیفہ نے عورت کے چہرے اور ہتھیلیاں کھولنے کی یہ وجہ نہیں دیا کہ چہرہ کھولنے کا فتنہ کا قائم مقام قرار دیدیں بلکہ حکم اس پر دائر رکھا کہ جہاں فتنہ یعنی عورت کی طرف قریب ہونے کے میلان کا خطرہ یا احتمال ہو وہاں ممنوع ہے اور جہاں احتمال نہ ہو جائز ہے، مگر اوپر معلوم ہو چکا کہ اس زمانہ میں

احتمال نہ ہو بالکل شاذ و نادر ہے ۔ اس لیے متاخرین فقہائے حنفیہ نے بھی بالآخر وہی حکم دے دیا جو ائمہ ثلاثہ نے دیا تھا کہ جوان عورت کے چہرے یا ہتھیلیوں کی طرف بھی نظر ممنوع ہے ۔

مجھے افسوس ہے کہ کتاب میں امام صاحب کا مذکورہ قول منقول نہیں جو اقوال درج ہیں وہ دوسروں کے ہیں اور ان میں بھی ہے کہ "شہوت کی نظر حرام ہے اور یہ بھی ہے کہ امرد پر بھی شہوت کی نظر حرام ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان قولوں سے نظر حرام ہوگی یا پردہ کا حکم ہو جائے گا ۔؟

بعض علماء نے چہرہ چھپانے کی دلیل میں سورہ احزاب کی یہ آیت بھی پیش کی ہے :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

(اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجیے کہ وہ اپنے اوپر چادر اوڑھ لیں، (لٹکالیں) اس سے جلد پہچان ہو جایا کرے گی اور ستائی نہ جائیں گی ۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔

" یدنین علیہن من جلابیبہن " اپنی جلبابوں (چادروں) میں سے کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکالیں ۔ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چہرہ پر لٹکالیں، یعنی چہرہ بند کرلیں ۔ لیکن جب چہرہ بند ہو جائے گا تو دیکھیں گی کیسے ؟ پھر تو چلنے میں دشواری ہوگی ۔ تو اس سلسلہ میں ایک روایت بیان کی ہے کہ اس طرح چہرہ بند کریں کہ بائیں آنکھ کھلی رہے ۔

تفسیر طبری میں ایک ایسی روایت بھی ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کی گئی ہے ۔ روایت میں ہے کہ : یاایھا النبی قل لازواجک و بناتک ونساء المومنین یدنین علیہن من جلابیبہن میں اللہ نے مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں ۔ تو سر کے اوپر سے اپنے چہروں کو چادروں سے ڈھک لیں اور صرف ایک آنکھ ظاہر کریں ۔

اس روایت کی سند طبری یوں نقل کرتے ہیں :

بیان کیا مجھ سے علی نے اور فرمایا انھوں نے کہ بیان کیا ہم سے ابو صالح نے اور فرمایا انھوں نے کہ بیان کیا مجھ سے معاویہ نے علی کا حوالہ دیتے ہوئے اور انھوں نے ابن عباس کا حوالہ دیتے ہوئے ۔

(یہ حوالہ دیتے ہوئے میں نے عن فلاں عن فلاں کا مفہوم ادا کیا ہے ۔)

تخریج صلوٰۃ الرسولؐ

یاد ش بخیر مارچ ۱۹۸۰ء میں دعوت وتعلیم کانفرنس کے موقع پر جامعہ سلفیہ نے اپنے ایک فارغ التحصیل اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے نوجوان فاضل ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی کی تصنیف "جہود مخلصۃ فی خدمۃ السنۃ المطہرۃ" شائع کی (جو اپنے موضوع پر کسی ہندوستانی مصنف کی منفرد تصنیف ہے) تو مرکز دیوبند سے یہ آواز سننے میں آئی (بروایت ایک دوست مقیم دہلی) کہ دارالعلوم دیوبند سے مذکورہ کتاب کا جواب شائع کیا جائے گا، جواب کی یہ بات اس وقت زیادہ عام نہ ہوسکی۔ لیکن چند برسوں کے بعد مطبوعات دارالعلوم دیوبند کی فہرست میں ایک کتاب "ہندوستان میں علم حدیث" کے نام سے نظر آنے لگی میں نے ابھی اس کتاب کو پڑھا نہیں ہے کہ اس کے مندرجات پر کچھ کہہ سکوں۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ معلوم نہیں دارالعلوم دیوبند کو جواب کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ منہج کی حد تک جو کچھ ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے بالکل صحیح ہے۔ یعنی یہ کہ ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کے علماء کے علاوہ جن لوگوں نے حدیث پر کچھ کام کیا ہے وہ حدیث کی خدمت کم اور اپنے مسلک وموقف کی خدمت زیادہ ہے۔

ہندوستان میں علم حدیث پر تقسیم سے پہلے اور اس کے بعد ایک دو کام اور ہوئے ہیں جن کا مجھے علم ہے اور بعض کام میری نظر سے بھی گذرے ہیں، میں کسی موقع پر ان کا تعارف پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت اہل حدیث کے علماء نے حدیث پر جو کام کیا ہے اس کی نوعیت کئی لحاظ سے منفرد ہے۔ اور شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان علماء ہی کا کام محدثین کے منہج اور ان کے مکتب فکر کا صحیح ترجمان ہے۔ کیونکہ انہوں نے حدیث کی سند اور متن پر کلام کے دوران اصول حدیث کی رعایت کی ہے اور ہر طرح کی بیجا تاویل وتوجیہ سے دامن بچایا ہے۔ نیز پیشگی کوئی رائے قائم کرکے الفاظ حدیث کو اس کا پابند کرنے کی کوشش نہیں کی ہے اسی طرح کسی مسلک کی تائید میں کبھی ضعیف وغیر معتبر احادیث کا سہارا نہیں لیا ہے۔

علماء اہل حدیث نے کتب حدیث ورجال پر جو کام کیا ہے اس کا اکثر حصہ مطبوع ہے اس کام کا دیگر علماء

کے کام سے اگر تقابل کیا جائے تو دونوں منہجوں کا فرق واضح طور پر محسوس ہوگا۔ اور ایک منصف شخص کو یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہ ہوگی کہ کس طبقہ کا رجحان کیا ہے۔

اہل حدیث علماء کی علمی دیانت کا ایک مظہر وہ تصانیف بھی ہیں جن میں خود اسی مسلک کے بعض علماء کے کاموں پر نقد و جرح کی گئی ہے۔ اور ان کی کتابوں میں موجود احادیث پر تحقیقی انداز سے صحت یا ضعف کا حکم لگایا گیا ہے۔

اس سلسلے کا ایک وقیع کام مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ کی معروف تصنیف صلوٰۃ الرسول کی محقق اشاعت ہے جسے دارالاشاعت اشرفیہ ضلع قصور نے پہلی مرتبہ جنوری ۱۹۸۹ء میں شائع کیا ہے۔ اس اشاعت کی تحقیق و تخریج کا کام مدینہ یونیورسٹی کے ایک فاضل شیخ عبدالرؤف بن عبدالحنان بن حکیم محمد اشرف سندھو نے انجام دیا ہے۔ نوجوان محقق نے ۱۳۵ ماخذ کے حوالہ سے صلوٰۃ الرسول کی بڑے سائز کے ۵۷۶ صفحات کی اشاعت کو بیحد مفید و معتبر بنا دیا ہے۔ شروع میں تقریباً چالیس صفحات کے اپنے مقدمہ میں فاضل محقق نے سبب تخریج پر روشنی ڈالی ہے" اور تخریج میں تفصیل و اطناب سے کام لینے کی توجیہ کی ہے۔ پھر ان خامیوں کی جانب اشارہ کیا ہے جو صلوٰۃ الرسول میں رہ گئی تھیں۔ اسی طرح ضعیف احادیث کی بھی نشاندہی کی ہے۔ محقق نے بعض فنی نقائص کی جانب بھی اشارہ کیا ہے جن کا ارتکاب احادیث کو نقل کرنے کے سلسلے میں تسامحاً ہو گیا ہے تخریج کے فوائد پر گفتگو کرتے ہوئے محقق نے کل پانچ فوائد کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد حدیث کے معاملہ میں چھان بین کی ضرورت اور صحابہ و ائمہ دین کی حدیث قبول کرنے میں احتیاط کا ذکر ہے۔ پھر ضعیف حدیث کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے کہ اس کے ضعف کی نشاندہی ضروری ہے۔ اور کسی بھی ضعیف حدیث کے سلسلہ میں بصیغۂ جزم یہ کہنا درست نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔

حاصل کلام بیان کرتے ہوئے محقق نے بیحد مفید بات لکھی ہے: "یہ وہ مسائل ہیں جن کا اہتمام کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اور کوئی ان کا اہتمام کرے یا نہ کرے مگر ہمیں اہلحدیث ہونے کے ناتے ان مسائل میں تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی وہ مسائل ہیں جن کو نظر انداز کر دینے یا ان میں تساہل برتنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی ضعیف احادیث رواج پا گئیں۔ بات صرف ضعیف روایات کے پھیلنے تک ہی محدود نہیں رہی۔ بلکہ ضعیف احادیث کی وجہ سے بعض صحیح احادیث متروک و مہجور ہو کر رہ گئیں۔

فاضل محقق کا یہ پہلا بڑا علمی کام ہے۔ وہ جماعت کے معروف عالم مولانا حکیم محمد اشرف سندھو کے پوتے

ں جنھوں نے پوری زندگی دعوت عمل بالکتاب والسنہ کی خدمت کی اور اپنی متعدد اہم تصانیف کے ذریعہ
ں مسلک کو مبرہن کیا۔ ان تصانیف میں ایک شیخ الکل میاں سید نذیر حسین کی سوانح کے موضوع پر اور ایک
یاس حنفیت کا جواب مقیاس حقیقت اور ایک تاریخ التقلید ہے جن کا موضوع اور اہمیت نام سے ظاہر ہے
یں یقین ہے کہ فاضل محقق نے جد امجدؒ کے مشن کی تکمیل ہی کے لئے تحقیقی کام کا آغاز فن حدیث سے کیا ہے اور
شاء اللہ آئندہ بھی اسی نوعیت کے علمی کارنامے انجام دیں گے۔ بڑی مسرت ہوتی ہے جب کوئی عالم حدیث کی
دمت کے لئے بے لوث و بے عصبیت کھڑا ہوتا ہے۔ اور کسی بھی غیر علمی و غیر تحقیقی پہلو کی رعایت کو ذہن میں نہیں
نا اسی طرح کے کام کو دوام ملتا ہے۔ اور اسی کی آج ضرورت ہے۔ اپنے اپنے مقصد اور اپنے اپنے رجحان و
فاد کیلئے قلم کو بہت موڑا اور گھسیٹا جاتا رہا ہے۔ اب کچھ مثالیں ایسی بھی سامنے آئیں جن سے علمی رجحان کی
ائندگی ہو۔ اور یہ پتہ چلے کہ قلمکار کا مقصد علم کی خدمت اور مسئلہ کی تحقیق ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ صلوٰۃ الرسول کے محقق ایڈیشن کو قبول عام عطا فرمائے۔ اور مولف
حقق کو اجر جزیل سے نوازے۔ اِنّہ سمیعٌ قریب۔

(مقتدیٰ حسن ازہری)

لفظ مکہ کے متعلق ایک اہم اعلان

حضرت مولانا محمد مسعود شمیم، مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

مکہ معظمہ مسلمانانِ عالم کے نزدیک مقدس ترین اور بابرکت مقام ہے۔ عرصہ سے اہل جمعیت اور دینی و اسلامی درد رکھنے والے باخبر مسلمانوں کے لئے یہ امر بے حد فکر و پریشانی اور قلبی اذیت کا باعث تھا کہ لندن وغیرہ شہروں میں لفظ مکہ کو ایسی جگہوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جو فسق و فجور اور فحاشی و بدکرداری کے اڈے تھے۔ اس کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ترکی اور لاطینی زبانوں میں بھی "مکہ" کو ہر زبان و ملک والے اپنے اپنے طریقے پر مختلف انداز و حروف میں لکھتے تھے۔ جو اس مبارک نام اور مقدس مقام کے منافی تھا اور اصلی تلفظ ہی بدل کر رہ گیا۔ ہند و پاک وغیرہ میں مکہ مکرمہ کو "MECCA" لکھا جاتا تھا جو اب منسوخ ہو گیا ہے۔ حکومتِ سعودیہ نے اس کا اعلان کیا ہے کہ اب لفظ "مکہ" کی سپلنگ بلا فرق و امتیاز دنیا کی تمام زبانوں میں "MAKKAH" لکھا جائے گا۔

سعودی حکومت کی وزارتِ اطلاعات و نشریات، وزارتِ خارجہ اور رابطہ عالم اسلامی نے اپنے اپنے ذریعے عالمی طور پر اس کا اعلان کیا ہے

ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے علاقوں میں ہر زبان کے اخبارات میں تصحیح کو شائع کریں اور خود بھی خط و کتابت میں پتہ لکھتے وقت مکہ معظمہ کی جدید انگریزی سپلنگ "MAKKAH" لکھیں جو تلفظ کے لحاظ سے بالکل درست ہے۔ یہ تاریخی معلومات بھی اہم ہیں کہ اب سے تقریباً ۵، ۶ سال قبل جنیوا میں جو عالمی جغرافیائی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں بھی لفظ "مکہ" کی یہی سپلنگ قرار دی گئی تھی

اب تمام پڑھے لکھے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی اس کو عام کریں۔ مرسلہ حاجی عبد الجلیل بنگلور

آہ! زہرا بتول رح

اولاد و اعزہ کی جدائی کے سانحہ سے ہر فرد بشر دوچار ہوتا ہے۔ اور اس تلخ گھونٹ کو اسے حلق سے اتارنا پڑتا ہے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی توفیق مل جاتی ہے ان کی روح زیادہ سکون پاتی ہے۔ اور جو لوگ صبر نہیں کر پاتے ان کا رنج و کرب زیادہ دیرپا ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ثواب کی امید نہیں رہتی۔ صبر کی اسلام میں جو اہمیت ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر مصیبت میں صبر کی توفیق بخشے۔

مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۸۹ء کو میری بڑی لڑکی زہرا بتول طویل علالت کے بعد اللہ کو پیاری ہوگئی اس کی شادی عزیزی وصی اللہ فیصل اعظمی (فاضل جامعہ ازہر) کے ساتھ دو سال قبل ہوئی تھی۔ شادی کے بعد ہی سے بیماری کا جو سلسلہ شروع ہوا اس کا اختتام موت سے ہوا۔

زہرا بتول نے ہائی اسکول سے ایم۔ اے تک کی تعلیم بنارس میں حاصل کی تھی۔ بنارس ہندو یونیورسٹی میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحان میں اس کے نتائج بڑے مسرت افزا رہے۔ اس نے نقاب کی پابندی کرتے ہوئے یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کی تھی۔ اس سلسلہ میں ماحول کی اجنبیت اور اپنی دشواری کا کبھی کبھی تذکرہ کرتی تھی جس سے گھر والوں کو بھی دکھ ہوتا تھا۔

یونیورسٹی سے فراغت کے بعد اس نے جامعہ رحمانیہ کے شعبۂ بنات میں تدریس کا کام شروع کیا، اور ۱۹۸۶ء تک اسی ادارہ سے وابستہ رہی۔ اسی کی نگرانی میں ادارہ کا پرائمری شعبہ ہائی اسکول تک پہنچا اور اب بھی خدمت میں مصروف ہے۔

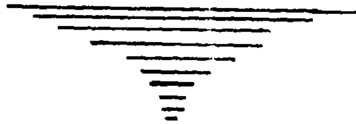
کم سخنی اور سلامتی طبع مرحومہ کا نمایاں وصف تھا۔ پیچیدہ اور مشکل مسائل میں بھی جھلاہٹ اور بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی۔ بیماری کے ایام میں یہ اوصاف زیادہ نمایاں طور پر محسوس کیے جاتے تھے

میں نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا تھا تو میری خواہش تھی کہ یہ لڑکی بھی اسی راہ میں علم و ادب کی خدمت سے وابستہ رہے لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ یہ سلسلہ زیادہ دنوں قائم رہے ۔

تدریس کی پوری مدت میں مرحومہ اپنی محنت ولگن کی وجہ سے طالبات کے درمیان عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھی گئی، محنت واخلاص کا اعتراف انتظامیہ نے بھی کیا ۔ تدریسی محنت کے بعض ثمرات اسے اپنی زندگی ہی میں دیکھنے کو مل گئے ۔ چنانچہ ادارہ سے فراغت حاصل کرنے والی بعض ذہین طالبات نے مرحومہ کی زندگی ہی میں تدریس کی ذمہ داری سنبھال لی تھی ۔

مرحومہ کی بیماری کے دوران مجھے جن اعزہ، بزرگوں اوراحباب کی ہمدردی وتعاون حاصل رہا ان سب کا تہہ دل سے شکرگذار ہوں ، اور وفات کے بعد جن مخلصین نے زبانی یا خطوط کے ذریعہ تعزیت پیش کی اور صبر کی تلقین کی ان کا بھی ممنون ہوں ۔ اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو خیر وعافیت سے نوازے ، ہر طرح کی الجھن و پریشانی سے محفوظ رکھے ۔ اور مرحومہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے آمین ۔

غمزدہ : مقتدیٰ حسن ازہری



شعبۂ تجوید و قرأت

ہمیں بیحد مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اس سال جامعہ سلفیہ میں تجوید و قرأت کا شعبہ قائم ہوگیا ہے۔ جس میں اس فن کی باقاعدہ دو سال تک تعلیم دینے کے بعد سند دی جائے گی۔ اس شعبہ کے لئے دو مستند اور مخلص اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاچکی ہیں۔ مذکورہ بالا شعبہ میں تجوید کی تعلیم کے خواہشمند حضرات سے گذارش ہے کہ وہ پہلی فرصت میں جامعہ سے رابطہ قائم کریں۔ واضح رہے کہ شعبہ میں داخلہ کی منظوری کے بعد نصاب کی تکمیل ضروری ہوگی۔

پتہ

دفتر جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس، ۲۲۱۰۱۰

محدث

شمارہ نمبر ۷	جولائی ۱۹۸۹ء ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ	جلد نمبر ۷

مدیر

عبدالوہاب حجازی

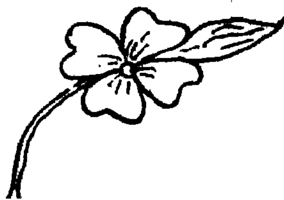
پتہ

دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب
وارانسی

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ تین روپے

اس شمارہ میں



کتاب و سنت کی روشنی میں

حج کا تعبدی پہلو

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (الیٰ) وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ

حج کے لئے چند مہینے مقرر ہیں (یعنی شوال، ذی القعدہ، اور عشرہ ذی الحجۃ) جو کوئی ان میں حج کو اپنے ذمہ لے وہ جماع نہ کرے۔ فسق نہ کرے، اور نہ حج میں (جدال) جھگڑا کرے۔

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے ذی الحجہ کے مخصوص و متعدد ایام ہیں۔ اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لئے عام مسلمانوں میں جو جوش و جذبہ اور ذوق و شوق پایا جاتا ہے۔ وہ دوسری عبادتوں میں کم نظر آتا ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے بعض مخصوص طرز فکر کے اہل قلم کے یہاں حج جیسی اہم عبادت اور مناسک کو عالمی اجتماع مؤتمر اور کانفرنس کا نام دیا جارہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے حج صرف ایک اہم عبادت اور فریضہ ہے اور اس کے مخصوص ایام، ایام ذکر و عبادت ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح حج کیا اگر مسلمان ان مناسک کے مطابق حج کرلیں تو یہ بہت بڑی کامیابی اور سرخروئی کی بات ہے۔

دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے حجاج کی دینی و اعتقادی اور ثقافتی زندگی کے جائزے کے بعد جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس اہم عبادت کے ایام کو ہر طرح کے شور و ہنگاموں سے دور رکھ کر ان کی اعتقادی و عملی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

ان ایام کے بارے میں مسلسل یہ تاثر دینا کہ یہ مسلمانوں کی عالمی مؤتمر ہے جس میں ان کے دینی و دنیاوی اور سیاسی و اقتصادی و معاشرتی امور پر غور و فکر کرنا نہایت ضروری ہے یہ فی الحقیقت اس اہم عبادت میں رخنہ اندازی ہے۔

اب تو صورت بایں جا رسید کہ جگہ جگہ حرمین شریفین میں اصلاحات کے مطالبوں پر مشتمل کانفرنسیں

اور موتمرات منعقد کی جا رہی ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر حرمین شریفین کے امن وامان کو تہ وبالا کر دینے کی دشمنان اسلام کی خطرناک سازش اور ان سازشوں اور فتنہ اندازیوں پر اصرار کے مناظر ومظاہر بھی دیکھنے میں آگئے۔

بات عالمی اسلامی موتمر سے چلی تھی جو مسلح کارروائی تک جا پہنچی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان ایام میں مسلمانوں کو ہر اس کام سے اجتناب کرنا چاہیئے جس سے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں رخنہ اندازی کا اندیشہ ہو۔

حج میں جدال سے منع کیا گیا ہے، عربی زبان میں جدال گفتگو اور مخاطبت ہی کا ایک نام ہے۔ اللہ رب العزت نے اس عورت کے جدل کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا قضیہ لے کر گئی تھی (حوار) یعنی گفتگو سے تعبیر کیا ہے اس کے باوجود فریضۂ حج کے دوران جدال سے منع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے موسم حج کو اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے عالمی کانفرنس اور موتمر کا نام دینا اور پھر بعد میں اس نام پر حرمین شریفین کے امن وامان کو برباد کرنے کی کوشش کرنا غیر اسلامی طرز فکر ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ساری دنیا کی اسلامی تنظیمیں اور باشعور اہل علم وفکر اس اہم عبادت کے موسم کو ہر طرح کے عبادت وریاضت کے منافی اعمال سے پاک کرنے کے اقدامات کریں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: خذوا عنی مناسککم پر عمل کرتے ہوئے حج کے صحیح مناسک کو خود سیکھیں اور اپنے حلقہ اثر کے حجاج کو سکھائیں اور توحید کے اعلان واقرار، اور شرک ومظاہر شرک سے اعلان برأت کے بعد دوبارہ شرک وبدعات سے اجتناب میں عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے انھیں دین کی بنیادی تعلیمات سکھائیں تاکہ حقیقی معنوں میں اس فریضہ سے سبکدوش ہونے والا امت کا یہ جم غفیر رب کی مغفرت کا مستحق ہو اور اپنے اپنے دیار میں موحد ومغفور واپس آئے اور توحید پر اس کی بقیہ زندگی گذرے اور اس پر اس کا خاتمہ ہو۔

ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار الفریوائی
استاذ حدیث جامعہ سلفیہ، بنارس

افتتاحیہ

آزاد ہندوستان اور مسلمانوں کی دینی تعلیم

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے خلاف صف آرائی میں ایسی ایسی جماعتیں شریک ہوگئیں جو اغراض و تاریخی پس منظر کے لحاظ سے کلی طور پر باہم مختلف تھیں اس سلسلہ میں یہودیت کا نصرانیت سے اور ان دونوں کا اشتراکیت وشیوعیت سے گٹھ جوڑ ہوا اور اپنے متضاد اصول ومقاصد کے باوجود اسلام کے مقابلہ میں متحدہ طور پر صف آرا ہوگئے اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنے اس اتحاد سے مسلمانوں کو بھاری نقصان پہونچایا۔ تاریخ کے اس حصہ پر جب نظر جاتی ہے تو قرآن کریم کے ارشاد کی معنویت ذہن میں ابھرتی ہے کہ: والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض "جن لوگوں نے کفر کا راستہ اپنایا ہے وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ومعاون ہیں"؛ کفر وشرک وہ قدر مشترک ہے جو ان میں پائی جاتی ہے۔ اور اس کے تحفظ کے لئے ہوا پرستوں نے اسلام کو نشانہ بنایا۔

آج کی متمدن دنیا میں ذہن سازی اور تعلیم کی بڑی اہمیت ہے۔ سامراجی طاقتیں ملک فتح کرنے کے بجائے ذہن وفکر کو اپنے رخ پر ڈھالتی ہیں۔ اس کے بعد وہ کام ان سے لیا جا سکتا ہے جو ملکی وفوجی تسلط اور غلبہ کے بعد بھی نہیں لیا جا سکتا ہے، اسی مفہوم کو لسان العصر اکبر الہ آبادی نے اس طرح باندھا ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا — افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور شاعر مشرق علامہ اقبال اس تصور کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں:

تعلیم کی تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو — ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

انگریزوں کے دور میں دینی تعلیمی اداروں کے بقا کے محرکات وعوامل آج سے بالکل مختلف تھے اور عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سامراجی حکومت ختم ہو جانے کے بعد ممکن ہے کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کا

مسئلہ کسی مناسب صورت میں حل ہو جائے اور دو مختلف نظام تعلیم (سرکاری وغیر سرکاری) کو برقرار رکھنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ لیکن ملک کی آزادی کے بعد کچھ ایسے نئے محرکات و عوامل پیدا ہو گئے جنھوں نے ان اداروں کی بقا اور تحفظ کو ضروری قرار دیا بلکہ حالات کا اندازہ رکھنے والوں نے یہ وضاحت کی کہ آزاد ہندوستان میں دینی تعلیم کے پرائیویٹ اداروں کا برقرار رکھنا غلام ہندوستان کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ ملک کی آزادی کے بعد جو تعلیمی پالیسی بھی اختیار کی گئی اس کی بلا واسطہ یا بالواسطہ زد مسلم دینی تعلیم پر پڑی، یہاں تک کہ عام طور پر یہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کو تہذیبی و ثقافتی کشمکش کا سامنا ہے جس میں کامیابی کے لئے اور اپنے ثقافتی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے انھیں اپنے طور پر بہت کچھ کرنا ضروری ہے۔

آزاد ہندوستان میں جو مسلمان موجود تھے انھوں نے آزادی کے ہنگاموں کے بعد اس کا عزم مصمم کر لیا کہ وہ ہندوستان میں پرسکون طور پر ایک معزز شہری بن کر رہیں گے۔ اسی لئے ناہموار حالات کے باوجود انھوں نے ملک کی مختلف سرگرمیوں میں حصہ لیا اور اپنی فکری و جسمانی صلاحیتوں سے ملک کی تعمیر نو میں ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ آزادی کی بیالیس سالہ مدت میں ان کے اس نوعیت کے کارنامے خاصی تعداد میں موجود ہیں، ملک کے دستور نے بھی اس نوعیت کے ان کے رجحان کا ساتھ دیا۔ اور غیر مسلم مفکرین اور رہنماؤں کے ایک طبقہ نے ہمیشہ اس امنگ و آرزو میں ان کا ساتھ دیا، چنانچہ مذہبی تعلیم کے لئے انھوں نے مختلف ادارے بنائے اور اپنے تہذیبی تحفظ کے لئے مختلف کوششیں کیں اور ساتھ ہی سیاسی و ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔

لیکن افسوس سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ تعمیر و ترقی کی ان کی تمنائیں بر نہ آسکیں اور ملک میں مختلف طبقوں کی طرف سے ایسا ماحول بنانے کی کوشش کی گئی جس میں معزز شہری کی حیثیت سے مسلمانوں کا زندہ رہنا مشکل ہو گیا۔ یہ صورت حال دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے اس لئے ملک کی مسلم آبادی جو دنیا کی مسلم آبادی میں نمایاں ہے، بے اطمینانی و مایوسی کا شکار ہوتی جا رہی ہے، مسلمانوں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ جان و مال کے تحفظ کا آیا۔ اس صورت حال کو مختلف وعدوں کے باوجود حکومت کے ذمہ دار اب تک بدل نہیں سکتے ہیں اور مسلمانوں میں وہ اطمینان و اعتماد بحال نہیں کر سکے ہیں جس کی ملک کی تعمیر و ترقی میں ضرورت ہوتی ہے۔ فسادات کا مسئلہ چونکہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے اس لئے ہم اس پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔

دوسرا مسئلہ جس کے سلسلہ میں مسلمانوں کی بے اطمینانی دن بدن بڑھتی جارہی ہے وہ بنیادی دینی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ ملک کے دستور کی رو سے مسلمانوں نے بجا طور پر یہ یقین کیا تھا کہ آزاد ہندستان میں انھیں اپنے مذہب اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کے تحفظ و ترقی کا پورا پورا اختیار و موقع حاصل رہے گا اور ملک کی دیگر مذہبی اکائیوں کی طرح وہ بھی ایک اکائی بن کر زندہ رہیں گے اور ساتھ ہی ساتھ ملک کی تعمیر و ترقی میں دوسرے لوگوں کے دوش بدوش آگے بڑھیں گے لیکن مختلف اوقات میں مختلف تعلیمی پروگراموں کے ذریعہ حکومت کی جو عملی پالیسی سامنے آئی اس کے پیش نظر مسلمانوں کی یہ یقین آگیا کہ دستور نے مذہبی و ثقافتی مسئلہ میں انھیں جو آزادی دے رکھی ہے اسے عملی طور پر نافذ کرنے میں ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ عارج و مانع ہے۔ شروع میں یہ چیز کچھ دھندلی رہی لیکن پھر بھی مسلمانوں نے اپنے مذہب و ثقافت سے محبت کی بنیاد پر اپنے محدود وسائل کے پیش نظر ایسی کچھ تدبیریں اختیار کیں جن سے وہ اپنے ثقافتی سرمایہ اور مذہبی ذہن کو محفوظ رکھ سکیں اور اس سلسلہ میں انھوں نے وسیع پیمانہ پر مذہبی تعلیم کے پرائیویٹ ادارے قائم کئے اور ان کے اخراجات کو اپنی جیب خاص سے دشواریاں اٹھا کر پورا کیا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ مسلم اقلیت کے سلسلہ میں حکومت کے ذمہ داروں کا نقطہ نظر عدل و انصاف اور رواداری پر مبنی نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ تعلیمی مسئلہ پر ایسی نئی الجھنیں مسلمانوں کے سامنے آئیں جن کی بنیاد پر انھیں یقین ہو گیا کہ جس طرح غلام ہندوستان میں مذہب و ثقافت کی جنگ قائم تھی اسی طرح آزاد ہندستان میں بھی انھیں اس میدان میں سخت جد و جہد اور منصوبہ بند اقدامات کی ضرورت ہے۔ جبری تعلیم، اردو کے سلسلہ میں حق تلفیاں، تاریخی شخصیتوں کے کردار میں توڑ مروڑ اور اس طرح کے متعدد واقعات سامنے آئے جن سے یہ واضح ہو گیا کہ ملک کی اقلیتوں میں سے ایک خاص اقلیت کو ان حملوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور اس کے مذہبی و ثقافتی تشخص کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے انھیں حالات کے پیش نظر دینی تعلیمی کونسل کی تشکیل عمل میں آئی جس نے بنیادی تعلیم کی حد تک اہم کردار ادا کیا اور اپنی کوششوں کے ذریعہ مکاتب کی سطح تک خاطر خواہ دینی تعلیم کے انتظام کو آسان بنا دیا۔ حکومت سے جن معاملوں کا تعلق تھا ان کو جد و جہد کے ذریعہ منوایا یا اس کی کوشش کی اور آج بھی یہ کونسل سرگرم عمل ہے۔

مسلمانوں کے دینی تعلیمی اداروں کو اب تک جو حقوق حاصل تھے ان کے پیش نظر مسلمان کسی نہ کسی حد تک مطمئن تھے اور یہ محسوس کر رہے تھے کہ اپنی کوششوں کے ذریعہ اپنے مذہب و ثقافت کا تحفظ کر لے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے دنوں قبل بعض ایسے نئے قوانین کا تذکرہ کیا گیا جن کی رو سے مسلمانوں کے دینی تعلیمی ادارے آزاد اور خودکفیل نہیں رہ سکیں گے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں مختلف جہتوں سے مختلف بندھنوں کے ذریعہ انھیں اس طرح باندھنے کی کوشش کی گئی کہ وہ ادارے اپنی مقصدیت و فعالیت کو مکمل طور پر کھو دیں اور مسلمانوں کے مذہبی و ثقافتی تشخص کو برقرار رکھنے کے سلسلہ میں کوئی کردار ادا نہ کر سکیں۔ ذمہ داران کی بعض وضاحتوں سے یہ اندازہ ضرور ہوا ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے حکومت فی الحال ایسا کوئی قانون ان کے اوپر نافذ نہیں کرنا چاہتی جس سے ان کی دینی تعلیمی آزادی میں کسی طرح کا خلل پیدا ہو۔ لیکن نام نہاد قومی صحافت میں اقلیتی تعلیمی اداروں کے تعلق سے جن خیالات و رجحانات کا ذکر آتا ہے اسی طرح آزادی کی تقریباً نصف صدی کی مدت میں مسلمانوں کے ساتھ جس طرح کا سلوک روا رکھا گیا ہے اس کے پیشِ نظر ہر باغیرت مسلمان کا یہ اندیشہ حق بجانب ہے کہ ہماری دینی و ثقافتی حیثیت پورے طور پر زد میں ہے اور کسی بھی وقت مسلم تعلیمی اداروں کو حکومت اپنی گرفت میں لے سکتی ہے۔

ہمارا فرض

اس صورت حال کے پیش نظر مسلم زعماء و قائدین، علماء دین نیز عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ صورت حال کا صحیح طور پر اندازہ کریں اور اپنے محدود وسائل کو بصیرت اور منصوبہ بندی و نیک نیتی کے ساتھ کام میں لے ئیں اور وقت کا جہاد سمجھتے ہوئے مذہبی و ثقافتی آزادی کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں قلت و کثرت کی منطق س طرح کے تاریخی موڑ پر کام نہیں آتی، صرف اخلاص اور نیک نیتی سے کی گئی جد و جہد ہی کسی قوم کو اس کی بقا ر تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے۔ مذہبی و ثقافتی تشخص و تحفظ کے سلسلہ میں بات کرتے ہوئے یہ پہلو ذہن میں لھنا ضروری ہے کہ مذہب اسلام کے اپنے سرمایہ کو مسلمان ہندوستان میں اور کسی بھی دوسرے ملک میں اسوقت ب برقرار نہیں رکھ سکتا جب تک اسے اپنے مذہب سے صحیح تعلق و محبت اور اس پر پورے طور پر عمل پیرا ہونے یح جذبہ نہ ہو۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ موجودہ کشمکش میں برادران وطن سے آگے بڑھنے کا پاکیزہ جذبہ ضرور

رکھتا ہے لیکن عمل میدان میں جس اخلاص وبصیرت اور پیہم جدوجہد کی ضرورت ہے اس سے اس کا دامن خالی ہے صدر اول کے مسلمانوں نے صبر آزما اور کٹھن حالات میں اپنے مذہب اور ثقافت کو باقی رکھنے کے لئے صرف زبانی باتوں اور ذہنی تجاویز اور منصوبوں سے کام نہیں لیا تھا۔ بلکہ ان کے پاس دینی تعلیمات پر عمل کی ایسی قوت اور جذبہ تھا جس نے ان کے ہر اقدام کو کامیابی سے ہمکنار کیا، اور دین وعلم کی امانت کا تحفظ کرنے میں وہ پورے طور پر کامیاب ہوئے۔ ہم اسوقت جس تہذیبی ٹکراؤ کا سامنا کر رہے ہیں اس میں دین کے تحفظ کے لئے ہمارے اندر قربانی کا جذبہ ہونا چاہیے اور ہر فرد کو اپنے گھر اور خاندان کی حد تک دینی تعلیم کی اس طرح پابندی کرنی چاہیے کہ مخالفین کی کوششوں کے باوجود کوئی بھی مسلمان بچہ دین کی بنیادی تعلیمات اور اس کے ضروری احکام سے ناواقف نہ رہے۔

دینی تعلیم کے تحفظ کی اہمیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ملک کی تمام مسلم جماعتیں اور ان کے مختلف طبقات متحدہ طور پر مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں کے مقابلہ کی کوشش کریں اور اس کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم بنائیں لیکن اگر کسی وجہ سے ہمہ گیر اتحاد اور متفقہ منصوبہ نہ بن سکے تو بھی مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ جن اکائیوں میں وہ بٹے ہوئے ہیں ان کے اپنے دائرۂ کار میں وہ کوشش کریں اور اپنے مذہبی وثقافتی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے لئے جن اقدامات کی ضرورت ہے انھیں عمل میں لے آئیں، کیونکہ انتظار کا وقت ختم ہو چکا اور آزمائش کا مرحلہ ملت کے سامنے ہے۔

جامعہ سلفیہ کے وفد کی بنارس واپسی

جامعہ کی مختلف تعلیمی وثقافتی ضرورتوں کے پیش نظر رمضان المبارک میں ایک وفد سعودی عرب کے دورے پر گیا، یہ وفد ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار الفریوائی استاذ جامعہ، اور مولوی عبد اللہ سعود رکن مجلس منتظمہ پر مشتمل تھا، جامعہ کے ناظم اعلیٰ مولانا عبد الوحید صاحب سلفی حفظہ اللہ کی ہدایت کے مطابق وفد نے مکۃ المکرمہ، مدینہ منورہ اور ریاض کا دورہ کیا، اور وہاں پر علماء ومشائخ کیساتھ تعلیمی ودعوتی مسائل، اور خصوصیت کے ساتھ نصاب تعلیم کے موضوع پر تبادلۂ خیال کیا، وفد نے واپسی پر جامعہ کے ذمہ داران وارکین کو دورے کی رپورٹ پیش کی جس پر سب لوگوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔

(ادارہ)

حج کا مہینہ

مولانا سید داؤد غزنوی ؒ

واذ بوّانا لابراھیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئًا وطھر بیتی للطائفین و
القائمین والرکع السجود واذّن فی الناس بالحج یاتوک رجالًا وعلی کل ضامر
یأتین من کل فج عمیق (الی) فھو خیر لہ عند ربہ (الحج ع ۴)

آیت کا ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کی اور حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کسی چیز کو شریک خدائی نہ کرنا اور ہمارے اس گھر کو طواف اعتکاف اور نماز پڑھنے والوں کیلئے پاک وصاف رکھنا لوگوں میں حج کا اعلان کرو پھر دیکھو کہ لوگ تمہاری دعوت پر کس طرح دوڑے چلے آئیں گے۔ ان میں سے کچھ تو پیادے اور کچھ ہر طرح کی دبلی سواریوں پر (جو دور دراز سے آئی ہوں گی) سوار ہوں گے تاکہ اپنے فائدوں کیلئے بھی موجود ہوں اور خدا نے جو مویشی چارپائے ان کو دی ہیں خاص دنوں میں ان کی قربانی کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں۔ لوگو! قربانی کے گوشت سے آپ بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ لوگوں کو بھی کھلاؤ۔ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ قربانی کے بعد اپنا میل کچیل (جو احرام کے دنوں میں بدن پر جم گیا ہو) اتار دیں اور خدا کے پرانے گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کریں یہ اور اس کے علاوہ جو شخص قابل احترام چیزوں کی تعظیم کریگا تو اس کے پروردگار کے یہاں اس کے حق میں بہتر ہے۔

فضائل عشرۂ اولیٰ

اسی لئے اس مہینے کے پہلے عشرے کو جس میں یہ مقدس فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ سال کے باقی ایام پر فضیلت دی گئی اور ان ایام میں عمل صالح کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی محبوب قرار دیا۔

ابن عباسؓ سے بخاری اور ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مامن ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ من ھذہ الایام قالوا یا رسول اللہ ولا الجھاد فی سبیل اللہ .. ... الا رجل خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع من ذلک بشیٔ (بخاری ترمذی)

اللہ تعالی کے نزدیک عمل صالح کو جو محبوبیت اور مقبولیت اس دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور کسی روز میں وہ حاصل نہیں ہوتی صحابہ نے عرض کیا، حضور! کیا اللہ کے راستے میں جہاد کو بھی اسقدر محبوب نہیں ہوتا. آپ نے فرمایا ہاں جہاد کو بھی یہ محبوبیت حاصل نہیں ہوتی سوائے اس شخص کے جو اپنی جان ومال کی حقیر متاع کو اللہ کے راستہ میں لیکر نکلا ہو اور اس نے دونوں چیزوں کو اُسکے راستے میں قربان کر دیا ہو.

∴ ∴ ∴

∴ ∴ ∴

سعید بن جبیر کے واسطے سے ابن عباسؓ کی روایت جسے بیہقی نے نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ فاکثروا فیھن من التھلیل والتکبیر و ذکر اللہ وان صیام یوم واحد منھا یعدل بصیام سنۃ والعمل فیھن یضاعف بسبع مأۃ ضعف ان دنوں میں " اللہ اکبر" اور " لا الہ الا اللہ" اور ذکر الہی خوب کثرت سے کرو ان دنوں میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے . ایک عمل صالح کا ثواب سات سو اعمال حسنہ کے برابر ہے.

اور امام بخاریؒ نے ابن عباس سے ان آیات کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ " اذکروا اللہ فی ایام معلومات (یاد کرو اللہ کو معلوم اور متعین دنوں میں) سے مراد یہی ذی الحجہ کے دس دن مراد ہیں اور " اذکروا اللہ فی ایام معدودات" (یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں) سے مراد ایام تشریق ہیں اور ابوہریرہ اور ابن عمر کا عمل بھی نقل کیا ہے کہ :

یخرجان الی السوق فی الایام العشر ویکبر الناس بتکبیرھا

دونوں بازار کی طرف تشریف لائے تو تکبیر کہتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تکبیر کہتے .

غرض ان دس دنوں میں اللہ تعالی کی عبادت: تکبیر وتہلیل اور ذکر الہی کی خاص فضیلت اور مقبولیت حاصل ہے . اسی واسطے اکثر اہل علم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ دس دن سال بھر کے دنوں سے افضل اور رمضان کی آخری دس راتیں سال بھر کی راتوں سے افضل اور جس طرح رمضان کی آخری دس راتوں میں لیلۃ القدر کو خاص فضیلت حاصل ہے اسی طرح ان دس دنوں میں عرفہ کے دن کو خاص شرف حاصل ہے پس عرفہ کے دن کو سال بھر کے تمام دنوں پر اور لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر اور جمعہ کے دن کو ہفتہ کے دنوں میں افضلیت حاصل ہے . اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ فلاں کام میں سال کے افضل دنوں میں کروں گا یا سال کے سب سے زیادہ فضیلت والے

دن میں کروں گا، تو اسے علی الترتیب پہلی حالت میں اس مہینہ کے پہلے دن میں اور دوسری صورت میں عرفہ کے دن اور تیسری صورت میں جمعہ کے دن اس کام کو کرکرا اپنی نذر پوری کرنی چاہیئے۔ اور علی ہذا القیاس سال کی افضل رات یا راتوں کی نذریں بھی روزہ رمضان کی آخری دس راتوں میں دوسری صورت میں اور لیلۃ القدر میں پہلی صورت میں کرنی چاہیئے۔

اگرچہ تمام اعمال صالح کیلئے ان دنوں میں خاص فضیلت ہے لیکن روزے کا ذکر خاص طور پر آیا ہے جیسا کہ بیہقی کی حدیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بھی ابوداؤد اور نسائی میں بعض ازواج مطہرات کی روایت سے ثابت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم تسع ذی الحجۃ یوم عاشوراء کہ آپ ذی الحجہ کے پہلے نو دن کے اور عاشوراء کے دن کے روزے رکھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس کے متعلق صرف حضرت عائشہ کی ایک روایت قابل غور ہے جیسے مسلم، ابوداؤد، اور ترمذی نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا "میں نے کبھی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دس دنوں میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا"

حضرت عائشہ کا آپ کو روزہ رکھتے نہ دیکھنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور نے روزہ نہ رکھا ہو بہت ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ حضرت عائشہ کو اس کا علم نہ ہوا اور بعض ازواج مطہرات کو علم ہو گیا اور کسی واقعہ کے متعلق بعض کو علم ہونا اور بعض کو نہ ہونا کوئی بعید از قیاس چیز نہیں کیونکہ بعض صحیح روایات میں اس عشرہ میں اعمال صالحہ کی بالعموم اور بالخصوص روزوں کی فضیلت بیان کی ہے اور عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی مزید فضیلت بھی کئی ایک روایات سے ثابت ہے چنانچہ ابوہریرہؓ سے مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ

صوم یوم عرفۃ یکفر سنتین ماضیۃ ومستقبلۃ وصوم یوم عاشوراء یکفر سنۃ ماضیۃ عرفہ کے دن کا روزہ ماضی اور مستقبل کے دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور عاشوراء کے دن کا روزہ ماضی کے ایک سال کا کفارہ ہوتا ہے۔

یہاں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ عرفہ کا روزہ بھی ان لوگوں کیلئے افضل اور مستحب ہے جو عرفات میں نہ ہوں کیونکہ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نہی عن صوم یوم عرفۃ بعرفۃ عرفہ کا روزہ عرفہ

میں رکھنے سے منع فرمایا (ابوداؤد)

امام شوکانیؒ اس پر فرماتے ہیں کہ عرفہ کے دن اور اسی طرح عید کے روزہ اور ایام تشریق میں روزہ رکھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ عرفہ کا دن حجاج کیلئے خاص طور پر دعاء اور ذکر الہٰی کا دن ہوتا ہے مبادا کہ ضعف کی وجہ سے دعاء و ذکر الہٰی میں سست پڑجائیں اور عید کا دن ذکر الہٰی اور کھانے پینے کے دن ہیں۔

نویں تاریخ (یوم عرفہ) کو روزہ رکھنے کے متعلق علماء کا اگرچہ اختلاف ہے لیکن حدیث اپنے مضمون پر بالکل صاف ہے اور اس مسئلہ میں عبداللہ بن عمر نے جواب دیا ہے وہ کس قدر پیارا جواب ہے اور ان کے متبع سنت ہونے کا کس قدر روشن ثبوت ہے۔

ممنوعات جو شخص قربانی دینا چاہے اس کے لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اپنے بال اور ناخن وغیرہ نہ کٹوا لیکن سنت کو لوگوں نے بھلا دیا جس طرح اور بہت سی سنتیں متروک ہوگئی ہیں اس طرح یہ بھی مسلمان نے چھوڑ دی۔ لوگوں نے اس حدیث کو بھلا دیا اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا مجھے خود ام سلمہ زوجۂ مطہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من كان له ذبح يذبحه فاذا اهل هلال ذی الحجة فلا يأخذن من شعره ولا من اظفاره شيئا حتى يضحي (مسلم)

جو شخص قربانی دینا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ ذی الحجہ کے چاند کے طلوع ہو جانے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ لے۔

اس حدیث کے بناء پر امام احمد، اسحاق اور داؤد ظاہری قربانی دینے والے کیلئے قربانی کرنے تک حجامت وغیرہ حرام سمجھتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرام تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی ضرور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کیلئے رسی بنایا کرتی جس سے آپؐ اس کے گلے میں قلادہ ڈالتے اور آپ ان قربانیوں کو مکہ مکرمہ بھیج دیتے اور " ولا يحرم عليه شئ احله الله له حتى ينحر هديه " آپ پر کوئی ایسی چیز حرام نہیں ہو جاتی تھی جس کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کر رکھا تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قربانی کا مکہ مکرمہ بھیج یہاں پر ارادہ قربانی سے زیادہ اہم ہے اس لئے جن احادیث میں ناخن کٹوانے اور بالوں کی حجامت بنوانے سے منع فرمایا ہے اس کو کراہیت تنزیہی پر محمول کرنا چاہیئے۔ بہرحال جس آزادی سے بلا کسی قسم کی کراہیت کے آجکل بر سر بازار لوگ حجامت بنواتے رہتے ہیں یہ تو کسی طرح قابل تعریف چیز نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ سعید بن مسیب اپنے وقت کے لوگوں پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہیں جبکہ معاملہ اس سے آگے نہیں بڑھا تھا لیکن آج ترک سنت کی جو حالت ہے وہ معاملہ کہیں کا کہیں جا پہونچا ہے اور مصیبت زیادہ عام اور اشد ہو چکی ہے اسکو دیکھتے تو نہیں معلوم ان کی کیا حالت ہوتی؟ حق کی غربت سنت کی بے کسی اور مظلومی کو دیکھ کر بے اختیار دل سے یہ آواز نکلتی ہے۔ اللهم انصر دينك وارفع اعلام سنة رسولك وامحق آثار البدعة والشرك۔

قربانی کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت لیکن احادیث کے دیکھنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مدینہ منورہ رہے قربانی کرتے رہے اور دوسرے مسلمان بھی قربانی کرتے رہے کسی حدیث سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ آپ نے قربانی کا وجوباً حکم دیا ہو۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا (ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون) نبی علیہ السلام نے قربانی دی اور مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے۔ سائل نے جواب ناکافی سمجھ کر وجوب وغیرہ کا لفظ نہ دیکھ کر پھر وہی سوال کیا اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تم سمجھتے نہیں کہ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ حضور نے بھی قربانی دی اور عام مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے مقصد عبداللہ ابن عمر کا یہ تھا کہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں آپ نے حکم دیا ہو صرف آپکا عمل ثابت ہے کہ آپ نے ہمیشہ قربانی دی،

امام ترمذی ابن عمرؓ کا قول اولاً نقل کر کے فرماتے ہیں۔ والعمل على هذا عند اهل العلم ان الاضحية سنة من سنن النبي صلى الله عليه وسلم۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

لوگو! ہر گھر پر ہر سال میں ایک قربانی ہے"

لیکن اس حدیث کے راویوں میں عامر ابو رملہ مجہول راوی ہے اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ ہر گھر کی طرف سے ایک قربانی کافی ہوگی نہ کہ ہر شخص کی طرف سے ایک قربانی اور اسکی تائید ابو ایوب انصاری کی روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ عطاء بن یسار نے حضرت ابو ایوب انصاری سے دریافت کیا کہ آپ کے زمانے میں قربانی کس طرح دی جاتی تھی انھوں نے کہا۔ کہ ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دیتا اور خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تا آنکہ لوگوں نے اس میں فخر و ریا شروع کردی۔ یعنی

زت سے قربانی دینے لگ گئے یہی قول امام احمد، اسحاق اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اس حدیث سے "اذا خلت العشر فاراد احدکم ان یضحی" الحدیث جس کو ہم گذشتہ صفحات میں بھی نقل کر چکے ہیں۔ بھی ستدلال کیا ہے کہ قربانی واجب نہیں کیونکہ اس میں قربانی کو ارادے پر معلق کیا ہے اور وجوب ارادہ کے منافی ہوتا ہے اس طرح ابن ماجہ کی دوسری حدیث جس میں عبداللہ بن عیاش منکر الحدیث راوی ہے بھی قابل استدلال نہیں اسکے لفاظ یہ ہیں۔ "من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا" جس کی گنجائش ہو اور پھر قربانی نہ دے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

عبداللہ بن عیاش کو ابوداؤد، نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ منکر الحدیث اور غلط روایت کرنے والا ہے جیسا کہ علامہ سندھی نے حاشیہ ابن ماجہ میں اور حافظ صاحب نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے امام مسلم نے اس سے روایت متابعات اور شواہد میں کی ہے۔ اس لئے اس سے توثیق نہیں ہوسکتی حافظ صاحب نے فتح الباری میں اس روایت کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک یہ مرفوع ثابت نہیں بلکہ موقوف ہے اور صحابہ سے مختلف آثار اس مسئلہ میں مروی ہیں اور ابوبکر، عمر، ابومسعود انصاری عبداللہ بن عباس سے یہی منقول ہے کہ قربانی سنت ہے۔ اس لئے اکثر محدثین کا اس مسئلہ میں یہی فتوی ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے کیونکہ آپ نے ہمیشہ قربانی دی۔

امام احمد کے نزدیک قربانی کی قیمت شمار کر کے غرباء مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے لیکن قربانی افضل ہے۔

قربانی کی فضیلت

اس عمل کی محبوبیت اور فضیلت ذکر کرتے ہوئے آپ نے یہ فرمایا

ماعمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اهراق دم	قربانی کے دن کوئی عمل اللہ کے نزدیک خون گرانے سے زیادہ محبوب نہیں۔

اور جیسا کہ عام طور پر زبان زد عام ہے کہ قیامت کے دن پل صراط پر قربانی کے جانور سواری کا کام دیں گے اس لئے قربانی کے جانور خوب موٹے تازے ہونے چاہئیں بالکل غلط ہے اس کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں مل سکتا۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس مضمون کی ایک حدیث ذکر کر کے بحوالہ ابن الصلاح لکھا ہے کہ یہ حدیث

جہاں تک ہمیں علم ہے ثابت نہیں اور اس کا کوئی اصل نہیں۔

بہترین قربانی

اس میں شک نہیں کہ موٹی تازی قربانی کو آپ پسند کرتے جیسا کہ حافظؒ نے تلخیص میں یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ احب الضحایا الی اللہ اعلاھا اسمنھا خدا کو سب سے زیادہ محبوب قربانی موٹی تازی اور بلند قامت یا عمدہ قسم کی۔

اور بعض علماء نے تو آیت " ومن یعظم شعائر اللہ کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ قربانی موٹی اور عمدہ ہو امام بخاری نے بھی " البدن " کی تفسیر میں ایسا ہی ایک قول مجاہد کا نقل کیا ہے۔

ایک حدیث ترمذی اور غالباً سنن ابی داؤد میں بھی ہے کہ " خیر الاضحیۃ الکبش، بہترین قربانی دنبہ ہے یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن آپ کا عمل یہی رہا جیسا کہ اکثر اہل سنن نے حضرت انس کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ :۔

ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین اقرنین املحین ذبحھما بیدہ وسمی وکبر، آپ نے دو دنبوں کی قربانی کی دونوں سینگ والے اور چت کبرے تھے۔ دونوں کو آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا۔

اور حضرت علیؓ سے ترمذی میں ایک روایت ہے کہ آپ ہمیشہ دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک اپنے لئے۔ کسی کے سوال کے جواب میں آپ نے کہا " مجھکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس جانور کی قربانی دی تھی وہ دنبہ ہی تھا۔ اس لئے اکثر علماء نے کہا ہے کہ بہترین قربانی دنبہ ہے۔

قربانی کے مثبت اور منفی اوصاف

بھیڑ یا دنبہ کی قربانی کی جائے تو کم از کم ایک سال کا ہونا چاہیئے بکری کم از کم دو سال کی، گائے تین سال کی اور اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ جس قدر مثبت اوصاف ہونے چاہیئں ان کو ہم " بہترین قربانی " کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

اور کسی ایسے جانور کی قربانی نہ دی جائے جس کی ایک بھی آنکھ ضائع ہو چکی ہو۔ یا ایسی لنگڑی جس کا لنگڑا پن ظاہر اور نمایاں ہوں۔ اور چلنے پر اچھی طرح قدرت نہ رکھتی ہو۔ یا ایسی کمزور جس کی ہڈیوں کا گودا ضائع

ہو چکا ہو۔ یا ایسی بیمار جو کھانے پینے چرنے چگنے سے رہ گئی ہو۔ یا جس کا سینگ بالکل ٹوٹ گیا ہو یا جس کا کان سارے کا سارا کٹ گیا ہو۔

اور دوسری روایت حضرت علیؓ نے ان الفاظ کیساتھ بیان کی ہے۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ سینگ
يضحي باعضب القرن والاذن (ترمذی) — یا کان کے کٹے جانور کی قربانی کی جائے۔

اس روایت میں جو لفظ اعضب ہے اس کے متعلق قتادہ نے سعید بن مسیب سے دریافت کیا کہ اس لفظ سے کیا مراد ہے تو انھوں نے فرمایا۔

العضب ما بلغ النصف ! جس کا کان یا سینگ نصف یا نصف سے زائد کٹ جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ معمولی عیب قربانی میں نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ اور پہلی حدیث کے الفاظ میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ " بیّن " یعنی جس میں یہ نقائص (مذکورہ بالا) واضح ہوں اسی لئے اکثر محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ معمولی نقص یا عیب والے جانور کی قربانی جائز ہے۔ اور اگر قربانی کیلئے جانور خرید لیا جائے بعد میں کسی وجہ سے اس کو نقصان پہنچ جائے تو اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دنبہ قربانی کیلئے خریدا۔ ایک بھیڑیئے نے حملہ کر کے ایک چکی کاٹ لی۔ اس واقعہ کی پیش کرکے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتوی طلب کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اس کی قربانی کرلو۔

ذبح کرنا ذبح کس جگہ کیا جائے اور کس طرح کیا جائے؟ پہلے سوال کا جواب عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے مل سکتا ہے جیسے ابوداؤد نے سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد عیدگاہ میں ہی قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے۔

لیکن جہاں تک عام روایات سے پتہ چلتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بالعموم عیدگاہ میں ذبح نہیں کیا کرتے تھے۔ اور اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام داؤد نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے۔

" باب الامام يذبح بالمصلى " کہ امام عیدگاہ میں ذبح کرے۔ تو معلوم ہوا کہ امام کے لئے افضل ہے کہ وہ نماز کے بعد عیدگاہ میں ہی ذبح کرے اور لوگ اپنی اپنی قربانیوں کو ذبح کریں اور یہی مسئلہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے اور یہی امام مالک سے نقل کیا ہے اور ابن وہب کے واسطے سے امام مالک کا یہ

یہ قول بھی ذکر کیا ہے۔ آپ اس لئے عیدگاہ میں ذبح کرتے تاکہ آپ سب سے پہلے کریں اور لوگوں میں اعلان ہوجائے کہ قربانی کا وقت شروع ہوگیا۔

قربانی کی دعاء

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض علی ملۃ ابراھیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین، لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین۔ اللھم منک ولک بسم اللہ اللہ اکبر۔ میں نے اپنے منہ کو اس ذات پاک کی طرف متوجہ کیا جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور ایسی حالت میں متوجہ ہوتا ہوں کہ میں تمام ادیان سے منہ پھیر کر دین ابراہیمی پر قائم ہوں اور شرک سے بیزار ہوں، میری نماز، قربانی، زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے اور اسی کا مجھکو حکم ملا ہے اور میں اپنے خدا کا فرمان بردار غلام ہوں یا اللہ! یہ جانور تیرا ہی دیا ہوا ہے اور تیرے ہی نام پر اس کو ذبح کرتا ہوں۔ اس کے بعد "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کرے۔

قربانی کے جانور: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی، عقیقہ ہمیشہ انھیں آٹھ قسم کے جانوروں میں سے کیا ہے جن کی تفصیل سورہ انعام میں موجود ہے۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ استنباط پیش کیا ہے جو انھوں نے مندرجہ ذیل آیات سے کیا ہے سورہ حج میں ایک جگہ فرمایا ہے:۔

" ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (۲۲ - ۵۴) اور ہر ایک امت کیلئے ہم نے قربانی قرار دی تاکہ خدا نے جو ان کو مویشی چارپائے دے رکھے ہیں قربانی کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں، اس آیت میں یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانوروں کے لئے لفظ "بھیمۃ الانعام" بولا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے سورہ حج کے رکوع تین میں فرمایا علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر"، خدا کا نام لیں ان چارپایہ مویشیوں پر جو خدا نے ان کو دے رکھے ہیں۔ لوگو! قربانی کے گوشت سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج

بھی کھلاؤ۔

اس آیت سے بہ کمال وضوح یہ ثابت ہوا کہ قربانی کے جانور وہی ہیں جس کے لئے قرآن مجید میں بھیمۃ الانعام لفظ بولا جاتا ہے۔

اب قرآن مجید ہی سے اس لفظ کی تشریح تلاش کرتے ہیں تو سورہ انعام رکوع ۱۷ سے اسکی تشریح معلوم ہوتی ہے

ومن الانعام حمولۃ وفرشا، کلوا مما رزقکم اللہ، (وقال) ثمانیۃ ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین (وقال) ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین۔

خدا نے یہ چارپائے نر و مادہ آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں۔ (بعض اونٹ کیطرح، بوجھ اٹھانے والے اور بعض بھیڑ بکری کی طرح) زمین سے لگے ہوئے۔ لوگو! خدا نے جو تم کو روزی دی ہے اس میں سے بے تامل کھاؤ پھر فرمایا خدا نے یہ چارپائے آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں اور بھیڑوں میں سے نر و مادہ، دو بکریوں میں سے نر و مادہ، پھر فرمایا۔

دو اونٹوں میں سے نر و مادہ، دو گائے کی قسم میں سے نر و مادہ، لفظ "بھیمۃ الانعام" کی اس قرآنی تشریح کے بعد واضح ہوگیا کہ قربانی انھیں آٹھ قسم کے جانوروں سے ذبح کی جانی چاہیئے حضرت علیؓ کے اس اسی اور اسی تفسیر کی بنا پر حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں اور دوسرے محدثین نے یہ لکھا ہے وھی مختصۃ بالازواج الثمانیۃ المذکورۃ فی الانعام، (کہ قربانی عقیقہ وغیرہ انھیں آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ نے اونٹ، گائے، دنبہ اور بکری کی قربانی دی ہے گائے کی قربانی آپ نے ازواج مطہرات کی طرف سے دی تھی۔ اور اونٹ بکری و دنبہ کی قربانی آپ نے اپنی طرف سے مختلف اوقات میں کی صحابہ کرام سے بھی انہی جانوروں کی قربانی ثابت ہے۔

قربانی میں شرکت

متعدد حضرات اگر مشترکہ طور پر قربانی دینا چاہیں تو جائز ہے اور متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن یہ مسئلہ کسی قدر تشریح طلب ہے۔

گائے اور اونٹ کے متعلق تو صریح احادیث سے ثابت ہے کہ متعدد اشخاص کیطرف سے قربانی دی جاسکتی ہے ایک گائے میں سات شامل ہوسکتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اونٹ کے متعلق دونوں حدیثیں ذکر کی ہیں لیکن سات

والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ایک روایت ابن عباسؓ کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید قرباں دوران سفر ہی آگئی۔ تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوگئے اس کو ترمذیؒ نے حسن غریب یعنی نادر سند کی حدیث کہا ہے۔ دوسری حدیث جابرؓ کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ حدیبیہ میں اونٹ کی اور گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی دی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور صحیح کہا ہے یعنی اعلیٰ پایہ کی حدیث ہے۔ اس حدیث کی تائید اور بھی بہت سی احادیث سے ہوتی ہے مثلاً مسلم میں ہے۔

اشترکنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحج والعمرۃ کل سبعۃ منا فی بدنۃ فقال رجل لجابر ایشترك فی البقرۃ ما یشترك فی الجزر فقال ما ھی الا من البدن

حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہم فی اونٹ سات آدمی شامل ہوئے۔ ایک شخص نے جابرؓ سے دریافت کیا۔ کیا گائے میں بھی سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں تو جابرؓ نے کہا کہ گائے بھی اسی کے حکم میں ہے۔

توصیح یہی ہے کہ گائے اور اونٹ میں سات سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔ اور یہی مسلک جمہور محدثین کا ہے اور امام ترمذیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کا بالعموم اور ائمہ دین مثلاً سفیان ثوریؒ، ابن المبارکؒ۔ شافعیؒ۔ احمد اور اسحاقؒ کا اسی پر عمل رہا اور اسی کی تائید مسلم شریف کی روایات سے ہوتی ہے۔

بکری کی قربانی میں ایک سے زائد شریک ہوسکتے ہیں یا ایک سے زیادہ کی طرف سے بکری کی قربانی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں حنفیہ اور محدثین میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک بکری صرف ایک ہی شخص کیطرف سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔ جس کیلئے حضرت عائشہؓ کی حدیث بہترین دلیل ہوسکتی ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے ایک دنبہ ذبح کیا اور لٹاتے ہوئے کہا: اللھم تقبل من محمد وآل محمد" یا اللہ تو اس کو محمد اور آل محمد کیطرف سے قبول فرما" اور حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں مستدرک حاکم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ الواحدۃ عن جمیع اھلہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کی تمام گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتے۔

اور دوسری حدیث ابن ابی شیبہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبے ذبح کئے۔ فقال عند الاول عن محمد وآل محمد وعند الثانی عمن آمن بی وصدقنی من امتی۔ پہلے پر آپ نے کہا یہ محمد اور

آل محمد کی طرف سے ہے۔ دوسرے پر کہا یہ ہر اس شخص کی طرف سے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ ہم سات آدمیوں کی ایک پارٹی تھی۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سب ایک درہم آپس میں ملاکر ایک بکری خرید لیں۔ چنانچہ ہم نے اسی طرح سات درہم جمع کرکے ایک بکری خرید لی۔ پھر آپ کے فرمانے کے مطابق ایک شخص نے ایک پاؤں دوسرے نے دوسرا پاؤں اور ایک نے ایک ہاتھ اور دوسرے نے دوسرا ہاتھ اور ایک نے ایک سینگ اور دوسرے نے دوسرا سینگ بکری کا پکڑا اور ساتویں نے ذبح کیا۔ اور ہم سب نے تکبیر پڑھی۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

" ابو الاشد اسلمی عن ابیہ عن جدہ قال کنت سابع سبعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فامرنا نجمع لکل رجل منا درھما فاشترینا اضحیۃ بسبع الدراھم وامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ رجل ۔۔۔ الی قولہ وذبحھا السابع ۔۔۔ جمیعا "

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین کے آخر میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

نزل ھؤلاء النفر منزلۃ اھل البیت الواحد فی اجزاء الشاۃ عنھم لانھم کانوا رفقۃ واحدۃ اس جماعت کو آپ نے ایک گھر والوں کی طرح سمجھ کر فتوی دیا کہ ایک بکری ان سب کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ سب رفیق اور ایک ساتھ رہنے والے ہیں۔

اور ایک حدیث حضرت ابو ایوب انصاری کی ہے جسکو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ " کان الرجل یضحی بالشاۃ عنہ وعن اھل بیتہ " یعنی (ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا۔

ان تمام روایات کے ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ طحاویؒ نے حنفیت کی حمایت کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا یا منسوخ ہوگیا۔ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور بھی صحابہ نے ایسا کیا اور حضرت ابو ایوب انصاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دیر تک ایسا ہی ہوتا رہا کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کی طرف سے اور اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا، " حتی تباھی الناس "، (پھر ایک یہ وقت آیا کہ لوگوں نے اس میں فخر شروع کردیا)

جب اور صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ اور آپ کے بعد بھی لوگ اس پر عمل کرتے رہے۔ پھر یہ کہنا کہ یہ خاصہ

نبی کریمؐ کا ہے یا یہ منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ صحیح ہے۔ لیکن طحاوی بھی مجبور بلکہ معذور ہیں۔ کیونکہ تقلید کی وجہ سے حمایت مذہب کی جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان کے ہوتے ہوئے وہ یہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔ اور اس قسم کے مریض عشق کی تڑپ اور بیقراری کا آخری مظاہرہ ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ پس کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کو منسوخ کہکر ٹال دیا جاتا ہے۔ اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کو خاصہ نبی کریمؐ کہکر اپنے آپ کو بچا لیا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پر لطف وہی جگہ ہوتی ہے جہاں ایک ہی حدیث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ منسوخ ہے یا نبی کریمؐ کا خاصہ ہے۔ اور یہ بیچارگی اور سراسیمگی کا فی الحقیقت نہایت قابل رحم منظر ہوتا ہے بہر حال اس مسئلہ میں جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔۔۔ صحیح اور مطابق حدیث نبوی اور تعامل صحابہ کے یہی ہے کہ ایک بکری کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے کافی ہے سو وہ چاہے کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔

قربانی میت کی طرف سے حضرت علیؓ کی حدیث پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ ہمیشہ دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے۔ اور ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ (ترمذی، ابوداؤد)۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، سو اسکی تعمیل میں قربانی دیتا ہوں۔

چونکہ اس حدیث کے بعض راویوں پر جرح ہے اس لئے بعض ائمہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ عبداللہ بن مبارک کا قول امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک تو قربانی میت کیطرف سے جائز نہیں لیکن صدقہ جائز ہے اور اگر قربانی کرے بھی تو اس میں سے کچھ نہ کھائے بلکہ سارے کا سارا صدقہ کر دے لیکن کسی حدیث سے ایسا ثابت نہیں ترمذی کی حدیث میں اگرچہ ایک راوی پر جرح ہے لیکن یہ تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ایک قربانی تمام امت کی طرف سے دیتے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں تو امت میں زندہ اور مردہ سب شامل ہیں جو آپ کے سامنے فوت ہو چکے تھے وہ بھی اور جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ اور یہ حدیث مسلم، دارمی، ابوداؤد، ابن ماجہ احمد اور حاکم وغیرہ سب نے روایت کی ہے اور متعدد صحابہ سے مروی ہے لیکن کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ جو قربانی آپ امت کی طرف سے دیتے وہ ساری کی ساری صدقہ کر دیتے تھے اور اس میں سے آپ یا آپ کے گھر والے کچھ نہ کھاتے تھے بلکہ مسند امام احمد کے الفاظ تو بہت زیادہ صاف ہیں اس میں تو یہ ہے:

فیطعمھما جمیعا المساکین ویاکل ھو واھلہ منھما (عن ابی رافع) کہ آپ دونوں قربانیوں میں سے مساکین

کو بھی کھلاتے اور آپ اور آپ کے گھر والے سب ان دونوں میں سے کھاتے۔

اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ میت کیطرف سے قربانی دی جاسکتی ہے اور اس میں سے کچھ صدقہ کرنا اور کچھ کھالینا جائز ہے۔

قربانی کا بیچنا اور تبادلہ کرنا قربانی کے لئے کسی جانور کو متعین کر لینے کے بعد اسکا فروخت کرنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت بنانے والے قصاب کو اجرت میں قربانی کا گوشت اجرت میں دینا منع فرمایا تو جب قربانی کا گوشت اجرت میں دینا منع ہے تو اس کا فروخت کرنا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ اور مسند امام احمد میں ہے کہ :۔

عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک نہایت عمدہ جانور بھیڑ بکری کی قسم سے مکہ مکرمہ بھیجنے کا ارادہ کیا اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا فقال انی اھدیت نجیبا فابیعھا واشتری بثمنھا بدنا ؟ قال لا انحرھا کہ میں اس کو بیچ کر اونٹ خرید لوں ! آپ نے فرمایا نہیں اسی کو ذبح کرو۔

تو معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور ایک مرتبہ متعین کر لینے کے بعد فروخت کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ اس فروخت کرنے سے اسکا مقصد اس سے بہتر جنس خرید کر قربانی کرنا ہو۔ کیونکہ جس جانور کو ایک دفعہ اللہ کے نام پر خرید لیا یا اللہ کے نام پر ذبح کرنیکا ارادہ کر لیا ہو پھر اسکو اس عزت سے محروم کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہوسکتا اور اس کی تائید میں حضرت عائشہ کی حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کو صاحب تلخیص نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے دو جانور قربانی کیلئے متعین کئے۔ لیکن وہ دونوں گم ہو گئے۔

فبعث ابن الزبیر الیھا ھدیین فنحرتھما ثم عاد الضالان فنحرتھما وقالت ھذہ سنۃ الھدی (تلخیص) ابن الزبیر نے دو اور جانور قربانی کیلئے بھیج دیئے حضرت عائشہ نے ان کو ذبح کیا، اس کے بعد وہ گمشدہ جانور مل گئے تو ان کو بھی حضرت عائشہ نے ذبح کر ڈالا اور فرمایا کہ یہی سنت قربانی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جب جانور کو قربانی کیلئے ایک دفعہ متعین کر دیا جائے کسی حالت میں بھی نیت زائل نہیں ہوسکتی اسی بناء پر قربانی کیلئے متعین شدہ جانوروں کا تبادلہ بھی جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت علی فرماتے ہیں :۔

من عین اضحیۃ فلا یستبدل بھا (تلخیص) جس نے اپنی قربانی کا جانور متعین کر لیا پھر اس سے کسی کا تبادلہ نہ کرے۔ یہ روایت اگرچہ ان الفاظ میں بسند ثابت نہیں۔ لیکن حافظ صاحب تلخیص میں فرماتے ہیں کہ اسی مضمون

کی دوسری صحیح روایت ثابت ہے کہ حضرت علی سے قربانی کے جانوروں کے تبادلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔
اَوَعینتمو ھا للاضحیۃ فقال نعم فکرھہ ' کیا تم نے اس جانور کو قربانی کیلئے متعین کر دیا ہے۔ سائل نے کہا جی ہاں۔ پس آپ نے اسکو مکروہ سمجھا۔

قربانی کا وقت

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص نماز سے پہلے ذبح کرے تو وہ قربانی شمار نہ ہوگی۔ براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من ذبح قبل الصلوٰۃ فانما یذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ واصاب سنۃ المسلمین (بخاری) جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا اس نے اپنے (کھانے پینے) کیلئے ذبح کیا اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کیا اس نے اپنی قربانی پورے طور پر ادا کر دی اور مسلمانوں کے طریقے کے مطابق عمل پیرا ہوا۔

لیکن قربانی کے آخری وقت کے متعلق بہت سا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک عید کا روز اور تین روز اس کے بعد میں یعنی چار دن۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے ایک قول میں قربانی کے تین دن ہیں۔ بعض کے نزدیک صرف ایک دن۔ اور بعض کے نزدیک عید کے دن سے آخری مہینہ ذی الحجۃ تک۔ ان چاروں اقوال میں سے تیسرا قول تو صریح آیت" لیذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام،، کے خلاف ہے اور کوئی آیت اس مضمون کی نہیں ہے کہ صرف عید کا دن قربانی کا دن ہے یا یہ کہ قربانی کا دن ایک ہی ہے۔

چوتھا قول بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی مرفوع اور صحیح حدیث اس بارے میں ثابت نہیں ہے۔ مراسیل ابی داؤد میں ایک مرسل روایت ہے لیکن مرسل روایت محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ مرفوع حدیث کے خلاف ہو۔ حافظ صاحب فتح الباری میں ابوامامہ کی روایت امام احمد کے واسطے سے ذکر کرتے ہیں۔ کان المسلمون یشتری احدھم الاضحیۃ فیسمنھا ویذبحھا فی اخر ذی الحجۃ قال احمد ھذا حدیث عجیب مسلمان قربانی کے جانور خرید لیتے اور اس کو خوب موٹا تازہ کرتے اور ذی الحجہ کے آخر میں اس کو ذبح کرتے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عجیب قسم کی ہے۔

بہرحال اس روایت سے بھی مراسیل ابی داؤد کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ یہ مرسل بھی نہیں ہے بلکہ یحی بن سعید کا قول ہے۔ دوسرا قول صحیح حدیث کے مطابق ہے یعنی عید کے بعد تین دن تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ یہی قول

جمہور اہل علم کا ہے حافظ صاحب فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وحجۃ الجمہور حدیث جبیر بن مطعم رفعہ فجاج منی منحر وفی کل ایام التشریق ذبح اخرجہ احمد لکن فی سندہ انقطاع ووصلہ الدارقطنی ورجالہ ثقات۔ جمہور کی دلیل جبیر بن مطعم کی مرفوع حدیث ہے کہ تمام ایام تشریق میں ذبح ہو سکتا ہے۔ امام احمد نے اسکو روایت کیا ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ دارقطنی نے اس کو متصل بیان کیا ہے۔ اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

ایام تشریق کے متعلق کسی کو اختلاف ہی نہیں کہ وہ عید کے بعد تین دن تک ہیں یعنی ۱۳ ذی الحجہ تک اور دارقطنی نے اس کو دو طریقے سے بیان کیا ہے حافظ ابن حجر نے دارقطنی کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔

اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں جبیر بن مطعم کے علاوہ جابر سے بھی یہی حدیث اسامہ بن زید کے واسطے سے نقل کی ہے۔ جو ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہیں اور اس کے علاوہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق کو "ایام اکل وشرب" کھانے پینے کے دن فرمایا اور اسی لئے ان ایام میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ اور جب عید کے بعد کے تین دن ان سب احکام میں ایک حیثیت رکھتے ہوں یعنی یہی دن ایام منی اور ایام رمی اور ایام تشریق ہیں ان میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ذبح قربانی کیلئے ایک دن ۱۳ تیرہویں تاریخ مستثنیٰ کردیا جائے؟

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور حضرت علی کا بھی ایک قول نقل کیا ہے کہ :۔

ایام النحر یوم الاضحی وثلاثۃ ایام بعدہ۔ قربانی کے دن عید کے روز اور تین دن اس کے بعد۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی قول اہل بصرہ کے امام حسن کا اور امام اہل مکہ عطاء ابن ابی رباح اور امام شام اوزاعی اور امام فقہاء اہل الحدیث شافعی کا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کتاب الاختیارات میں فرماتے ہیں۔

وآخر وقت ذبح الاضحیۃ آخر ایام التشریق وھو مذھب الشافعی واحد القولین فی مذھب احمد قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کا آخری دن ہے اور یہی امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ص۵۹ جلد ۳ میں اور حافظ ابن کثیر تفسیر کی دوسری جلد ص۵۳ میں اسی مسلک کی تائید کی ہے اور اس کو تمام اقوال میں راجح بتلایا ہے۔ پہلا قول یعنی صرف تین دن قربانی جائز کہنے والوں کی دلیل موطا امام مالک کی روایت عبداللہ بن عمر سے ہے فرماتے ہیں۔

الاضحیٰ یومان بعد یوم الاضحیٰ - کہ عید کے دن کے سوا دو دن اور قربانی کے ہیں ۔

چونکہ یہ مرفوع حدیث نہیں اس لئے پہلی مرفوع اور صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں اسکو پیش نہیں کیا جا سکتا ۔

رات کے وقت ذبح کرنا بعض اہل علم نے قرآن مجید کے لفظ " فی ایام معلومات " (معلوم اور معین دن میں) سے یہ استدلال کیا ہے ۔ رات کے وقت قربانی جائز نہیں ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ قرآن مجید میں " ایام " کا لفظ رات اور دن دونوں کیلئے آیا ہے ۔ جیسا کہ فرمایا فتمتعوا فی داركم ثلاثة ایام " اس لئے سوائے امام مالک کے اور اکثر ائمہ دین کے نزدیک رات کے وقت قربانی کرنا جائز ہے ۔ ابن عباس کی ایک حدیث طبرانی میں ہے کہ " رات کے وقت آپ نے ذبح کرنے سے منع فرمایا " لیکن یہ حدیث سخت ضعیف ہے ۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں ایک روایت بیہقی کی نقل کی ہے ۔

نہی عن جداد وحصاد اللیل والاضحی باللیل ۔ رات کے وقت کھیت کاٹنے اور کھجور کا درخت کاٹنے اور قربانی کرنے سے منع فرمایا ۔

لیکن اس کی سند کا حال کچھ معلوم نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہی تحریمی نہیں کیونکہ رات کے وقت کھیت کاٹنے سے اس لئے اغلبا منع کیا ہے کہ کہیں ۔ ۔ ۔ تکلیف نہ دے اور کھجور رات کے وقت کاٹنے سے سائلین اور فقراء محروم رہ جانے کا خطرہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسباب محرمات نہیں ہو سکتے ۔ زیادہ سے زیادہ نہی تنزیہی ہو گی ۔

اپنے ہاتھ سے ذبح کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں عام طور پر اپنے ہاتھ سے قربانی کے جانور خود ذبح کرتے اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے ۶۳ اونٹ خود ذبح کئے اور ۳۷ اونٹ حضرت علی نے ذبح کئے کیونکہ آپ نے سو اونٹ کی قربانی دی تھی تو معلوم ہوا کہ قربانی دینے والے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے اور یہی افضل ہے اور کسی کی طرف سے وکالتاً ذبح کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت علی نے کیا ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی عورتوں کی طرف سے گائے کی قربانی حجۃ الوداع کے موقع پر دی تھی ۔ اگر کوئی شخص خود اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کر سکتا تو اسے اسوقت حاضر رہنا چاہیئے اور یہ مستحب ہے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ صاحب نے لکھا ہے ۔ اس میں حضرت عائشہ سے بھی اگرچہ ایک روایت ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو حکم دیدیا کرتے تھے کہ وہ اپنی قربانی کے جانوروں کے ذبح کے وقت نزدیک رہیں ۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے ۔ ہاں ابو موسیٰ اشعری سے امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ "

امر ابو موسیٰ الاشعری بناتہ ان یضحین بایدیھن ۔ ابو موسیٰ اشعری نے اپنی لڑکیوں کو حکم دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کریں ۔

مسند حاکم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو بھی حکم دیا ۔ قومی یا فاطمۃ الی اضحیتک ۔ فاشھدیھا ۔ اے فاطمہ ! اپنی قربانی کیطرف جاکر کھڑی ہو جاؤ اور اس کے پاس حاضر رہو ۔

زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس حدیث کو تین سندوں سے ذکر کیا ہے ۔ مسند بزار کی حدیث کو سب پر ترجیح دی ہے

بہر حال ان سب روایات سے یہی معلوم ہوا کہ بہتر تو یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور اگر دوسرے سے ذبح کرائے تو بہتر ہے اور افضل ہے کہ خود پاس کھڑا ہو ۔

اور ابو موسیٰ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عورتیں بھی ذبح کر سکتی ہیں اور کوئی نص شرعی اس کے خلاف نہیں ۔

اگر قربانی کا جانور خریدنے یا متعین کر لینے کے بعد بچہ جنے تو اسکو بھی ذبح کرنا ہوگا ۔

حاملہ کی قربانی تلخیص میں حضرت علی کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کی اونٹنی اور اس کا ایک بچہ لئے جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا لا تشرب من لبنھا الا ما فضل عن ولدھا یعنی اس کا دودھ صرف اتنا ہی پی سکتے ہو جس قدر اس کے بچے سے بچ جائے ۔ اور مسند ابی حاتم میں یہ لفظ بھی ہے ۔

فاذا کان یوم النحر فانحرھا ھی وولدھا عن سبعۃ قربانی کے دن اس کو اور اس کے بچے کو سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرو ۔ اگر ذبح کرنے کے بعد مردہ بچہ برآمد ہو تو سوائے امام ابو حنیفہ کے اکثر صحابہ تابعین وائمہ دین کے نزدیک یہ بغیر ذبح کئے جائز اور حلال ہے ۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ ہم بعض گائے اونٹنی یا بکری ذبح کرتے ہیں تو اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو کیا ہم اسے کھا لیا کریں یا پھینک دیا کریں ۔ آپ نے فرمایا ۔ کلوہ ان شئتم فان ذکاتہ ذکاۃ امہ ۔ اگر جی چاہے تو بیشک کھاؤ اس کی ماں کا ذبح کر لینا اس کے لئے بھی کافی ہے زیلعی نے تخریج ہدایہ میں آٹھ دس کے قریب اسی مضمون کی حدیثیں نقل کی ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض پر جرح کی ہے لیکن بعض صحیح بھی ہیں اور انھوں نے بھی اس مشکل کو محسوس کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول اس مسئلہ میں صحیح احادیث کے خلاف ہے اسی لئے تمام احادیث کے آخر میں ابن المنذر کا قول نقل کیا ہے ۔ کسی صحابی نہ کسی تابعی اور نہ کسی اور عالم کا یہ قول ہے کہ پیٹ سے نکلا ہوا بچہ ذبح کیا جائے سوائے ابو حنیفہؒ کے ۔ الخ
جلد ۲ ص ۲۶۵

علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

بنارس کی سرسید سوسائٹی کے اراکین کی طرف سے ہر سال یوم سرسید منایا جاتا ہے۔ جس میں ملت اسلامیہ کی بہبود وترقی سے متعلق کسی ایک موضوع پر علماء ومفکرین ملت اپنے مقالے اور تاثرات پیش کرتے ہیں۔ سرسید یا کسی اور عظیم شخصیت کا دن منانا غیر اسلامی روایت ہے۔ مسلمانوں کو اس سے پرہیز ضروری ہے۔ البتہ اس طرح کی تقریبات کے ساتھ کسی مذاکرہ یا کانفرنس وغیرہ کا جو حصہ مربوط رہتا ہے وہ مفید ہے، اس لئے اس کو کسی دوسرے عنوان سے باقی رکھنا چاہیئے۔

۷ دسمبر ۸۶ء کو حسب دستور مذکورہ سوسائٹی نے جو یوم سرسید منایا تھا اس میں مذاکرہ کا عنوان یہ تھا:- "علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب"

اس عنوان پر خاکسار کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی گئی تھی۔ بعض مجبوریوں کی بنا پر یہ میں مذکورہ مجلس میں خود تو شریک نہ ہو سکا لیکن جو مقالہ تیار کیا تھا اسے محدث کے ایڈیٹر محترم عبدالوہاب حجازی صاحب نے پڑھ کر سنایا اور پروگرام کی دونوں نشستوں میں شریک رہے۔ افادۂ عام کے خیال سے موصوف کے شکریہ کے ساتھ مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس موضوع پر مزید گفتگو کی گنجائش بلکہ ضرورت ہے۔ لہٰذا ادارۂ محدث بھی سوسائٹی کی طرح اہل قلم کو اظہار خیال کی دعوت دیتا ہے۔ اور امید رکھتا ہے کہ موضوع کے دائرہ میں اختصار کے ساتھ اپنی نگارشات ارسال فرمائیں گے۔ یہ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ سوسائٹی کی مجلس میں بعض لوگوں نے موضوع سے ہٹ کر ملت کے کسی ایک طبقہ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی تھی بلکہ بعض جرأت مند تو منصوص احکام شریعت پر اعتراض کر بیٹھے تھے۔ یہ رویہ کسی علمی مجلس کے وقار کے خلاف اور غیر مفید ہے۔ ملت کے زوال کی ذمہ داری اپنے آپ کو بچا کر دوسروں پر ڈالنا غیر منطقی بات ہے ہر شخص کو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس زوال کی کس قدر ذمہ داری ہمارا اوپر آسکتی ہے۔ احتساب کی اسی روش سے اصلاح ہو سکتی ہے دوسروں کو چلی کٹی سنا کر نہیں۔"

تمہید اصولی بات تو یہی ہے کہ انسانی آبادی کا ہر فرد اپنے عمل کا ذمہ دار اور اس کا جوابدہ ہے لیکن دنیا میں کچھ مسائل و معاملات ایسے بھی ہیں جن کا تعلق پوری قوم یا معاشرہ سے ہے۔ ان امور کی انجام دہی خواہ بعض افراد ہی کے ذریعہ ہو لیکن ان کے اچھے یا برے اثرات سے پوری قوم کا متاثر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے ایسے امور کے تقاضوں کو پورا کرنے اور ان کے مضرات و عواقب کا جائزہ لینے کے لئے ہمیشہ اجتماعی غور و فکر اور متحدہ اقدام کی ضرورت ہے تاکہ مختلف ذہنی صلاحیتوں کی مدد سے ان مسائل کا خاطر خواہ حل سوچا جائے اور ان پر اجتماعی روح کے ساتھ افراد کے نہیں بلکہ پوری ملت کے مفاد کیلئے عمل کیا جائے۔

اجتماعی توجہ کے محتاج مسائل میں تعلیم کا مسئلہ بیحد اہم بلکہ شاید سب سے زیادہ اہم ہے۔ خصوصاً ہندوستان کی مسلم اقلیت کے لئے جو سامراجی عہد ہی میں مختلف اسباب کی بنا پر تعلیمی میدان میں پیچھے رہ گئی۔ اور بعد کے دور میں بھی اب تک اسے اس پسماندگی کو دور کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

سرسید سوسائٹی کے جن مخلص دردمندان ملت نے اس موضوع پر مذاکرہ کا اہتمام کیا ہے وہ لائق صد مبارکباد ہیں۔ اس موضوع پر اگر اسی طرح توجہ دی گئی ہوتی اور مسلمانوں کے خفتہ جذبات کو بیدار کرنے کے لئے ہر جگہ کوشش کی گئی ہوتی تو یقیناً صورت حال آج سے مختلف ہوتی۔ جو وقت گذر چکا اس پر افسوس سے کوئی فائدہ نہیں، لیکن دھیان رکھنا ضروری ہے کہ باقی وقت بھی غفلت میں نہ گذر جائے۔

سابقہ سطور میں میں نے بعض مسائل کی اجتماعیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی توضیح کے لئے یہ بھی عرض کروں کہ تعلیم و سیاست کے میدان سے متعلق بعض مسائل تو ایسے ہیں کہ ان کی اجتماعیت کئی نسلوں تک کو محیط ہوا کرتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے اثرات کا جائزہ لیجیے تو اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

آج ہم مسلمانوں کے علمی زوال کا جائزہ لینے جمع ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس زوال کا تعلق صرف موجودہ مسلم نسل سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی جڑیں ماضی میں بہت دور تک پھیلی ہوئی ملیں گی، مختلف ادوار میں جو غلطیاں ہوتی رہی ہیں ان کا ایک اثر علمی زوال کی صورت میں اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے یقیناً ہمیں وسیع غور و فکر اور متحدہ پیہم کوشش کی ضرورت ہے۔ اور مجھے قوی امید ہے کہ بنارس کے اس تاریخی شہر میں سرسید سوسائٹی کے مخلص اراکین موضوع کی اہمیت کا اندازہ

رتے ہوئے اس زوال کو دور کرنے کے لئے کسی بھی طرح کی محنت و قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔ راہ خدا میں کوشش کرنے والوں کی مدد کا وعدہ قرآن کریم میں واضح الفاظ میں موجود ہے۔

موضوع پر نظر علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال کی بات تشریح طلب ہے کیونکہ اسلامی تاریخ کا ایک بڑا دور ایسا ہے جس میں مسلمانوں نے ادبی و سائنسی علوم[1] میں نہ صرف یہ کہ ترقی کی بلکہ ان علوم میں فائدانہ کردار ادا کیا، اور تہذیب و ثقافت کے میدان میں دوسری قوموں کی رہنمائی کی، متعدد نئے علوم سے دنیا کو روشناس کر دیا، اور اپنے دور کے موجودہ علمی سرمایہ کے تحفظ کے ساتھ ہی اس میں گرانقدر اضافہ بھی کیا۔

مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطی کے اختتام تک مسلمانوں کو ادب، سائنس دونوں میدانوں میں کمال حاصل تھا، مسلم علماء کی جو تاریخ اور ان کی تصنیفات کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے دینی و شرعی علوم پر توجہ کے ساتھ ہی سائنس کے شعبوں میں کمال پیدا کیا، اور اپنی ذہنی کاوش سے علم کی تمام شاخوں کو پروان چڑھایا، مسلمانوں کی اس حیثیت کا اعتراف غیر مسلموں کی تحریروں میں بھی موجود ہے۔

قرون وسطی کے بعد جدید دور میں مسلمانوں کی علمی تاریخ پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم قوم اس مرحلہ میں سائنس و ٹکنالوجی میں دیگر قوموں اور بالخصوص مغربی اقوام سے پیچھے ہے، اور اس پسماندگی کا سلسلہ اب تک جاری ہے لیکن یہاں ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اس دور انحطاط میں بھی مسلمانوں نے اپنے دینی و ادبی علوم کی سرپرستی کی اور ان کو آگے بڑھایا۔ اس کے لئے انھوں نے مکاتب و مدارس قائم کئے۔ اور ان کو چلانے کے لئے فنڈ فراہم کئے دینی و ادبی علوم پر توجہ کا یہ سلسلہ ہر دور میں جاری رہا۔ اور اس باب میں مسلمانوں کی خدمات بڑی عظیم الشان

---

[1] سائنس کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے عام طور پر علم کی وہ شاخ مراد ہوتی ہے جس میں تجربہ مشاہدہ اور پرکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے علوم طبیعیہ بھی کہتے ہیں۔ ان علوم میں فزکس، کیمسٹری، زولوجی باٹنی، جیالوجی، میتھمیٹکس اور فلکیات داخل ہیں، ہندسہ، طب، زراعت، صیدلہ اور بیطرہ وغیرہ علوم کے تطبیقی اجزاء ہیں۔

ہیں مسلمان جب حاکم تھے تو حکومت کی سرپرستی میں ، اور جب محکوم ہو گئے تو انفرادی کوششوں کے نتیجہ میں یہ سلسلہ جاری رہا اور آج تک جاری ہے ، لہذا دینی و ادبی علوم کی حد تک مسلمانوں کے زوال کی بات صحیح نہ ہوگی بلکہ اسے سائنس کے علوم کی حد تک محدود کرنا ہوگا ، اسی طرح مختلف ملکوں کے اعتبار سے بھی اس حکم میں تعمیم و تخصیص کی ضرورت پیش آئے گی ، کیونکہ سیاسی حالات کے اختلاف کی وجہ سے سائنسی علوم پر توجہ کا حال بھی بدلتا رہا ہے برصغیر کے مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں وہ یقیناً عرب دنیا کے مسلمانوں سے مختلف ہیں ۔ اسی طرح افریقی ممالک کے مسلمانوں کا حال سب سے الگ ہے ۔

زوال کا ذمہ دار کون ؟

صنعت یا علم کے کسی شعبہ میں جب مسلمانوں کے زوال اور پسماندگی کی بات کی جاتی ہے تو عام طور پر ذہن اسلام اور اس کے احکام و آداب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ۔ اور کچھ لوگ اس زوال کے اسباب پیروان اسلام سے ہٹ کر اسلام میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ کچھ لوگ اسی مقصد کے لئے اس موضوع کو اٹھاتے ہیں ، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند جملے اس نقطہ پر بھی عرض کر دوں لیکن اس سے پہلے ایک نظر ان احکام پر ڈالنی مناسب ہے جو کسی پوری قوم یا کسی پورے ملک پر مجموعی حیثیت سے کسی استثناء کے بغیر لگا دیئے جاتے ہیں ۔ مثلاً جرمن قوم ایسی ہے ، چینی قوم ویسی ہے ، اور عرب ممالک کا یہ حال ہے ، شمالی امریکہ کا وہ حال ہے اور لاطینی امریکہ میں ایسا ہوتا ہے وغیرہ ۔ اس طرح کے عمومی احکام کی تصدیق بعض مثالوں سے یقیناً ہو جائے گی ، لیکن کلی یا اکثریتی طور پر اس طرح کے عمومی احکام کی تصدیق ممکن نہیں ، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید ترقیاتی دور سے پہلے آمد و رفت کے ذرائع میسر نہ تھے ، لہذا قوموں کا باہمی ربط اور مختلف میدانوں میں ان کا لین دین اتنے وسیع پیمانے پر عمل میں نہیں آتا تھا جتنا آج ہے ، اور مختلف قومیں جب ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتی تھیں تو ان کے محاسن و معائب بھی محدود دائرہ میں سکڑے رہتے تھے ۔ اور ایسی حالت میں عمومی احکام بڑی حد تک ثابت ہوتے تھے لیکن آج دنیا سمٹ کر ایک ملک یا شہر کی طرح ہو گئی ہے ۔ وسائل نقل و حمل کی سہولت و ترقی کے باعث ایک آدمی مختصر وقت میں ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم جاتا ہے ، آمد و رفت کی اس سہولت کے نتیجہ میں تجارتی ، ثقافتی اور سیاحتی مقاصد سے سفر کرنیوا

کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح اضطراری یا اختیاری اسباب کی بنا پر انسانوں کی ایک معتد بہ تعداد ایک ملک سے منتقل ہو کر دوسرے ملک میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اطوار و عادات اور اخلاق و خصائل کا ایک قوم سے دوسری قوم اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی جانب منتقل ہونا کتنا آسان ہو چکا ہے۔ اور ایسی صورت میں کسی ملک یا قوم پر کوئی عام حکم لگاتے ہوئے گہرے تتبع اور غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ حکم اور اس سے مستنبط نتیجہ دونوں صحیح ہو سکیں۔

اسی طرح اس طریقہ تلاش و استقراء پر توجہ بھی ضروری ہے جس کے سہارے اس طرح کے احکام صادر کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ناقص استقراء کی بنیاد پر لگائے جانیوالے احکام ہمیشہ ناقص اور غلط ہوتے ہیں۔ آجکل شماریا سروے کا یہ جو طریقہ رائج ہے کہ کسی خاص رقبہ کا شمار کرنے کے بعد اسی پر قیاس کر کے بقیہ حصوں پر حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اس کی واقعات سے تائید نہیں ہوتی۔ اور بہت سی مثالیں ایسی سامنے آتی ہیں جو اس حکم کے خلاف ہوتی ہیں۔ میری اس توضیح کا ہرگز یہ مدعا نہیں کہ مسلمانوں پر علوم و فنون کے میدان میں زوال کا جو حکم لگا ہے وہ غلط ہے۔ بلکہ میں اس پہلو کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مسلم قوم دنیا کے وسیع و عریض رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے، ہر جگہ کے جغرافیائی، سیاسی اور سماجی حالات کی بنیاد پر اس کا ایک مخصوص پس منظر اور تنزل و ترقی کے احوال میں ایک متعین حصہ ہے، لہذا مسلم قوم پر بحیثیت قوم کوئی حکم لگاتے ہوئے دقت نظر اور تامل کی ضرورت ہے۔

اس طویل۔ اور ممکن ہے بیجا، تمہید کے بعد اب میں اصل نقطہ پر آنا چاہتا ہوں مسلمانوں پر جب بحیثیت قوم علم کے میدان میں زوال پذیر ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے تو اسلامی تاریخ اور ترقی و تنزل کے عوامل و محرکات سے ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زوال، نعوذ باللہ دین اسلام کی کسی کمی یا کوتاہی سے پیدا ہوا ہے۔ اسلام کے متعدد سیاسی و سماجی احکام سے متعلق اس طرح کے تبصرے اور بالخصوص اس دور میں اپنوں اور غیروں سے اکثر سننے میں آتے ہیں، اس لئے اس نقطہ پر ٹھنڈے دل سے دماغ اور وسعت ظرف و نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے اسلام کی مایۂ ناز کتاب قرآن کریم پر نظر ڈالئے۔ اس مقدس کتاب کا جو حصہ سب سے پہلے نازل ہوا اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو پڑھنے کا حکم فرمایا گیا ہے

اور اسی حصہ میں انسان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلم کے ذریعہ اس کی تعلیم کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں جہاں تخلیق آدمؑ کا ذکر ہے وہاں نعمت علم سے انہیں سرفراز کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ فیلسوف یا فلسفی کا معنی "محب حکمت" بتایا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "معلم حکمت" کے لقب سے متعارف کرایا ہے: (ویعلمھم الکتاب والحکمۃ)

بلاشبہ جن علوم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسلامی شریعت کے احکام سے واقفیت حاصل ہو ان کی اہمیت و ضرورت ہر مسلمان کے لئے بہت زیادہ بلکہ ہر چیز پر مقدم ہے، قرآن کریم ہماری رہنمائی اسی جانب کرتا ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں بہت بڑی تعداد میں ایسی آیتیں بھی موجود ہیں جن میں عمومی طور پر علم سیکھنے اور کائنات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اشیاء کے حقائق و ماہیات کا سراغ حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ آسمان و زمین، ان کے مابین موجود بیشمار مخلوقات، مثلاً چاند سورج، ستارے، سمندر، دریا، پہاڑ، معدنیات درخت، ان کے پھل، انواع واقسام کے جانور اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کا ذکر اس کثرت سے ہوا ہے کہ پڑھنے والا ان کی اہمیت کو سمجھنے اور ان پر غور کرنے پر مجبور ہے۔ اور اس کا راستہ بلاشبہ وہی علوم ہیں جنھیں ہم آج سائنس کے نام سے جانتے ہیں[1]۔ مرد وعورت کے اتصال سے بچہ کی پیدائش ہمارے لئے روزمرہ کی بات ہے اس لئے ہم شکم مادر میں نو ماہ تک بچہ کی نشوونما اور تدریجی ارتقاء پر غور نہیں کرتے اور اگر غور بھی کریں تو ان دقیق مراحل کا ادراک نہیں کر سکتے جن سے اس تکوینی مرحلہ میں بچہ گذرتا ہے، کیونکہ ہم طب سے واقف نہیں ہیں لیکن قرآن کریم نے جس بلاغت سے اس مرحلہ کا بیان آج سے چودہ سو سال پہلے کیا ہے اسے پڑھکر آج کے ماہر اطباء و ڈاکٹر حیران ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کو اسی آیت پر غور کرنے کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی ہے۔

قرآن کریم سے متعلق ان اشارات سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مختلف علوم و فنون سے متعلق اسلا

---

[1] بعض آیتوں میں بصراحت وارد ہے کہ زمین و آسمان کی گوناگوں مخلوقات تمہارے لئے مسخر کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تسخیر سے فائدہ اٹھانے کیلئے انسان کو ان اشیاء کی حقیقت اور فوائد و اثرات کو سمجھنا ہوگا۔

مؤلف کیلئے ہے ۔ اور سائنس کے ذریعہ کس طرح ہم اسلام کے مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کے اصولوں کو لوگوں کے دلوں میں اتار سکتے ہیں ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احادیث شریفہ کے مطالعہ سے بھی ہمیں علماء کی حمایت ،علم کی نشرواشاعت اور اس راہ میں تحقیق و جستجو کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے ۔ احادیث نبویہ میں تہذیب و تمدن اور سیاست و ثقافت سے متعلق جو رہنمائی موجود ہے ان کے جاننے اور ان پر عمل کرنے کا تصور مختلف علوم وفنون سے واقفیت کے بغیر مشکل ہے ۔

علم کے ساتھ اسلام کے اس رویہ کے نتیجہ میں مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں علم کی خدمت کی۔ اس سے خود بھی مستفید ہوئے اور دوسروں کو بھی مستفید ہونے کے مواقع فراہم کئے ۔ دینی و ادبی علوم کے سلسلہ میں ان کے کارناموں کا حال سب کو معلوم ہے ۔ اور سائنس کے میدان میں ان کی خدمات کی جانب ہم آگے اشارہ کریں گے۔ یہاں نتیجہ کے طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم کے ساتھ اسلام کا رویہ بیحد قابل فخر رہا ہے ۔ اور مسلمانوں نے اس کی رہنمائی کے بعد مختلف علوم وفنون کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے ۔ اس لئے اس طرح کا کوئی تصور بے بنیاد ہے کہ علمی میدان میں مسلمانوں کے موجودہ زوال میں ان کے مذہب کا کوئی دخل ہے ۔

مسلمانوں کی علمی خدمات

عباسی دور کو علوم وفنون کی وسعت و ترقی کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کا عہد زریں کہا جاتا ہے ۔ خلیفہ ہارون رشید نے اپنی دوراندیشی اور علم پروری سے ایسے اقدامات کئے جن سے اس دور کا مزاج علمی بن گیا ، اور مختلف شعبوں کے ماہر علماء نے زبردست علمی خدمت انجام دی ۔

ہارون کے بعد اس کا بیٹا مامون علمی تحریک کی تقویت و ترقی میں بیحد سرگرم ثابت ہوا ۔ اس کی کوششوں سے ایک طرف قدیم علوم کا سرمایہ محفوظ ہو گیا ۔ اور دوسری طرف جدید علمی ترقی کے لئے بنیاد استوار ہوئی ۔

سائنس کے میدان میں مسلم محققین کی خدمات کا آغاز تو اموی دور ہی سے ہو چکا تھا ۔ لیکن عباسی دور میں اس تحریک کو نمایاں قوت ملی ۔ یونان و ہند کی کتابوں کے ترجمہ سے سائنسی علوم کو رواج حاصل ہوا ، اور لوگ اس جانب متوجہ ہوئے ۔ اس دور کے عرب سائنسدانوں میں سے کندی ، جابر بن حیان ، ابن ہیثم ، خوارزمی ،

ابن سینا، ابن زہر، ابن بطلان، بیرونی، رازی اور ابن نفیس وغیرہ کی کتابیں اٹھارہویں صدی کے اوائل تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت سے معروف تھیں۔ ان کتابوں کا متعدد دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا اور لوگ اب تک ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔

سائنس کے علوم کا تذکرہ آتا ہے تو ذہن لازمی طور پر "اخوان الصفا" کی جماعت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس جماعت کو مسلم دینی حلقوں کا اعتماد و وثوق تو حاصل نہ ہو سکا لیکن سائنس کی مختلف شاخوں پر اس جماعت نے اپنے رسائل ہیں، جن کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ اپنے دور کے اہم سائنسی نظریات و تجربات پر بحث کی ہے ان رسائل کی حیثیت ایک طرح کے انسائیکلوپیڈیا کی ہے جن میں الہیات، طبیعیات، ریاضیات اور منطق کے مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

یہ جماعت چوتھی صدی ہجری میں بصرہ میں قائم ہوئی تھی، اور اس کی ایک شاخ بغداد میں بھی تھی۔ بعض مصنفین نے اس جماعت کو "علمی جمعیۃ" یعنی سائنس سوسائٹی کا لقب دیا ہے، جس کے ممبران نے اپنے دور تک کی علمی ترقی کو اپنے رسائل کے ذریعہ بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا فرض انجام دیا۔

عباسی دور کی علمی و سائنسی ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے بغداد کے بیت الحکمۃ اور قاہرہ کے دار الحکمۃ کا ذکر ضروری ہے۔

بیت الحکمۃ کا قیام ہارون رشید کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا، اور مامون کے دور میں اس کی سرگرمیاں اوج کمال کو پہنچ گئی تھیں۔ علوم و فنون کے اس مرکز میں مختلف زبانوں سے عربی میں ترجمہ کا مستقل شعبہ موجود تھا جس میں بڑی تیزی اور تسلسل سے کام ہوتا تھا۔ اس علمی مرکز میں طب، ہندسہ، فلسفہ اور حکمت پر پوری توجہ مرکوز تھی علماء کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ان کے لئے باقاعدہ وظائف مقرر تھے۔ اس عظیم علمی ادارہ نے دیگر زبانوں کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے کے سلسلہ میں انتہائی اہم خدمت انجام دی۔

قاہرہ میں حاکم بامر اللہ نے ۳۹۵ھ میں دار الحکمۃ کے نام سے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں مورخین کے بیان کے مطابق کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ کہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

دار الحکمۃ میں علماء، فقہاء اور اطباء کا اجتماع ہوتا تھا۔ اس میں خود بادشاہ بھی شریک ہوتا تھا، علماء کو عطیات سے نوازا جاتا تھا اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

مقریزی کے بیان کے مطابق دارالحکمۃ میں مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے لئے چالیس مخزن تھے۔ اور ہر مخزن میں تقریباً اٹھارہ ہزار کتابوں کی گنجائش تھی۔

دارالحکمۃ قاہرہ اور بیت الحکمۃ بغداد اس دور کے نامور علماء کی طب، فلکیات، کیمسٹری، نباتیات، ریاضیات اور دیگر لغوی و ادبی علوم و فنون میں گرانقدر تخلیقات کے امین و محافظ تھے۔ اگر یہ دونوں کتب خانے دشمنان اسلام کی دستبرد سے محفوظ رہ جاتے تو جدید دور کی علمی ترقی کے علمبردار اہل یورپ کے بجائے مسلمان ہوتے۔

موجودہ مسلم عرب دنیا اور سائنس

عنوان میں "علوم و فنون میں مسلمانوں کے زوال" کی جو بات کہی گئی ہے اس میں، جیسا کہ میں نے عرض کیا بعض ملکوں اور قوموں کے اعتبار سے تخصیص یا تقسیم کرنا ہوگی۔ کیونکہ جہاں پر مسلمان کسی مسلم حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں ان کے حالات و مسائل الگ ہیں۔ اور جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں کے مسائل کچھ اور ہیں۔ پاکستان بنگلہ دیش اور عرب ممالک میں مسلمانوں کے جو تعلیمی مسائل اور دشواریاں ہیں وہ یقیناً ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے مختلف ہیں، خواہ پسماندگی و زوال کا حال تینوں علاقوں میں یکساں ہو، چونکہ تعمیر نو کے مرحلہ میں برصغیر اور عرب دنیا کے مسلمانوں کے مسائل و مشکلات بڑی حد تک یکساں ہیں، اور ممکن ہے کہ عرب مسلمانوں کے تجربہ میں ہمارے لئے کچھ فائدہ ہو، اس لئے یہاں عرب دنیا میں سائنس کی تعلیم پر توجہ کے سلسلہ میں مختصر طور پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس تذکرہ میں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ بعض عرب ملکوں میں نصرانی یا یہودی اقلیت بھی موجود ہے۔ اور لبنان میں مسلمانوں اور نصرانیوں کا ۵۵ اور ۴۵ فیصد کا تناسب ہے۔

عرب یونیورسٹیوں میں جب سائنس کی تعلیم کا آغاز ہوا تو انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا۔ اس کے سوا کوئی اور صورت بھی نہ تھی، کیونکہ تمام علوم انگریزی یا فرانسیسی زبان میں تھے اور عربی میں ان کو منتقل کرنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ سائنس کے مبادی کی تعلیم البتہ عربی میں ہوتی تھی۔

جب سائنس کی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا احساس زیادہ ہوا تو عرب دنیا میں تعلیم کے ذمہ داروں نے سوچا کہ عربی زبان کی اس کمی کو دور کرنے اور موجودہ دور کے علمی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جدید علوم

کو عربی زبان میں منتقل کرنا ضروری ہے۔ عباسی دور میں مختلف یونانی، ہندی وغیرہ علوم کے عربی ترجمہ کی مثال ان کے سامنے تھی، لہذا انھوں نے کوشش کا آغاز کیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اور بڑی حد تک علوم کے ترجمے عربی میں ہوگئے ہیں۔ اور عربی زبان ہی کے ذریعہ سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس کے بعد یہ مرحلہ باقی رہتا ہے کہ اس زبان کے جاننے اور سمجھنے والے بنیادی طور پر اس میں تحقیق و تجربہ کے کام کو آگے بڑھائیں اور سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں فائدانہ کردار ادا کریں۔ یہ منزل ابھی بہت دور ہے لیکن نقطۂ نظر کے اظہار کے موقع پر اس کا ذکر نامناسب نہیں۔

تقریباً ۶۰ سال پیشتر دمشق یونیورسٹی میں میڈیکل کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس وقت سے اب تک اس پر عربی زبان ذریعۂ تعلیم ہے۔ عرب یونیورسٹیوں میں دمشق یونیورسٹی کو اس باب میں سبقت حاصل ہے۔

۱۹۲۵ء میں مصر یونیورسٹی (اب قاہرہ یونیورسٹی) قائم ہوئی۔ اس کے کالجوں میں طب، سائنس کے کالج بھی تھے۔ ان میں ذریعۂ تعلیم انگریزی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں وزیر تعلیم ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے یونیورسٹی کے ذمہ داروں کی توجہ اس قانون کی طرف مبذول کرائی کہ عربی زبان ذریعۂ تعلیم ہوگی۔

پھر قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ سائنس کے چند اساتذہ نے سائنسی اصطلاحات کے عربی ترجمہ کا کام شروع کیا اور بعض دیگر اساتذہ نے بعض مضامین کی عربی زبان میں تعلیم شروع کی۔ اس طرح مختلف شعبوں نے اپنے اپنے مضامین سے متعلق کئی سو اصطلاحات کا عربی ترجمہ مکمل کر لیا۔ اصطلاحات کے عربی ترجمہ کا کام اسی وقت سے جاری ہے۔

تیونس کی راجدھانی میں عربی زبان کی اکیڈمی قائم ہوئی اس نے بھی علمی اصطلاحات کو عربی میں منتقل کرنے کے سلسلہ میں زبردست خدمت انجام دی۔ اور اس طرح دسیوں ہزار اصطلاحات کا ترجمہ مکمل ہوگیا

عرب دنیا کی سائنس پر توجہ کا ایک مظہر سائنس کانفرنسیں بھی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کانفرنس ۱۹۵۳ء میں پہلی عرب سائنس کانفرنس کے نام سے منعقد ہوئی۔ جس نے اصطلاحات کی تعریب کے سلسلہ میں مخصوص توجہ مبذول کی۔ ۱۹۵۵ء میں قاہرہ میں دوسری سائنس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس نے کئی ہزار اصطلاحات پر مشتمل ایک فہرست تیار کی جس میں سائنسی اصطلاحات کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کر کے ان کا عربی ترجمہ سامنے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ کی تیسری کانفرنس ۱۹۵۶ء میں بیروت میں ہوا

چوتھی کانفرنس ۱۹۶۱ء میں قاہرہ میں منعقد ہوئی۔ پانچویں کانفرنس جب بغداد میں ۱۹۶۶ء منعقد ہوئی اس وقت تک عربی زبان میں ترجمہ شدہ اصطلاحات کی تعداد بیس ہزار تک پہونچ چکی تھی۔

اصطلاحات کے عربی ترجمہ کی ذمہ داری بعد میں مصر کی سائنسی تحقیق سے متعلق وزارت نے اپنے ذ لی اور اس کی کوششوں سے اصطلاحات کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۶۹ء میں چھٹی سائنس کانفرنس دمشق میں منعقد ہوئی اور اس نے اس میدان میں مفید کوشش کی۔ اصطلاحات کے ترجمہ کے سلسلہ میں مختلف سیمینار بھی منعقد ہوئے جن سے اس کام کی افادیت بہت زیادہ ہوگئی۔

بعض تنظیموں اور افراد نے اصطلاحات کے ترجمہ کی راہ میں نمایاں خدمت انجام دی۔ مصر کی مسلح افواج کی طرف سے فنی اصطلاحات پر مشتمل جو ڈکشنری شائع ہوئی اس میں ریاضیات طبیعیات، برقیات، ہوابازی، جہاز رانی اور ہندسہ وغیرہ سے متعلق تقریباً ۵۰ ہزار اصطلاحات ہیں اسی طرح عرب لیگ کی نگرانی میں جو عسکری ڈکشنری شائع ہوئی ہے اس میں تقریباً اسی ہزار اصطلاحات ہیں۔

ترجمہ سے متعلق ایک تجویز سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں دنیا کی ترقی بیحد تیز رفتار ہے۔ سالانہ لاکھوں کی تعداد میں جدید تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں کی تقریباً چالیس زندہ زبانوں میں مختلف کتابیں رسائل اور مجلات شائع ہوتے ہیں، اختراعات و ایجادات کی دنیا اس کے علاوہ ہے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر سائنس کے ایک عرب محقق ڈاکٹر عبد الحلیم منتصر نے عرب لیگ سے عرب ملکوں کے ماہر و ممتاز علماء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دینے کی سفارش کی ہے جس کی بعض ذمہ داریاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ ترجمہ کا کام منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جائے۔

۲۔ ایک متفقہ سائنس ڈکشنری تیار کی جائے

۳۔ سالانہ تقریباً سو کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جائے۔

۴۔ انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانوں میں موجود کتابوں، رسائل اور مجلات کا برابر جائزہ لیا جائے اور ان کی ضروری اصطلاحات کا عربی ترجمہ کیا جائے۔

زوال کے اسباب علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی نشاندہی اس موضوع پر لکھنے والے اپنے اپنے نقطۂ نظر اور رجحان کی بنا پر کرتے ہیں، سب لوگوں کا اسباب کی تعداد اور نوعیت و ترتیب پر متفق ہونا ضروری نہیں۔

لیکن یہ امر ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب ہم اس دور میں مسلم قوم کے علوم وفنون میں زوال کی بات کہتے ہیں تو اس سے قطعی طور پر ایسے علوم وفنون مراد ہوتے ہیں جن کو مدنی، عصری یا دنیوی علوم کا نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جہاں تک شرعی علوم اور عربی زبان وادب کا تعلق ہے تو اس میں مسلمانوں پر زوال کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بلکہ ان علوم کی بہتر سے بہتر سرپرستی مسلمانوں ہی نے کی ہے۔ اور اس دور میں انھیں معراج ترقی پر پہنچا دیا ہے۔ شرعی علوم اور عربی ادب وغیرہ پر اس وقت عرب یونیورسٹیوں میں جو کام ہوا ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی ترقی کے موجودہ اصول ومزاج کو سمجھ کر مسلمانوں نے شرعی علوم کو آگے بڑھایا ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اسباب کی تعیین وتحدید بھارت کی مسلم اقلیت کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ پوری دنیا کے مسلمانوں پر ان کا انطباق ضروری نہیں کہ صحیح ہو، البتہ کچھ اسباب مشترک ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سیاسی حالات کی تبدیلی

اسباب زوال میں میں نے پہلے نمبر پر سیاسی حالات کی تبدیلی کو اس لئے رکھا ہے کہ اس کا تعلق اقتدار اور قوت تنفیذ سے ہوتا ہے۔ اور کسی اچھائی یا برائی کا سرچشمہ تلاش کرتے ہوئے عام ذہن پہلے اقتدار اور خارجی حالات ہی کی طرف جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں کسی معاملہ کی ذمہ داری اپنے آپ پر آنے کے بجائے دوسرے لوگوں پر آتی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا دور حکومت طویل تھا، ان کا اقتدار انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہوا جو یورپ سے ایک نئی مادی تہذیب اور سائنس کے نئے علوم کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت دیگر اقوام کی بہ نسبت زیادہ خوشگوار نہ تھی کیونکہ مسلمانوں

انھیں سیاسی و مذہبی دونوں حیثیتوں سے ٹھکرا دیا تھا۔ خود انگریز بھی مسلمانوں کے معاملہ میں اندیشوں میں مبتلا تھے کیونکہ انھیں علم تھا کہ اسی قوم کو زیر کرنے کے بعد انھیں اقتدار و حکومت ملی ہے۔

تعلقات کی ناہمواری اور شکوک و شبہات بلکہ عداوت و عناد کی اس فضا میں فطری طور پر مسلمانوں نے اپنے آپ کو اس تعلیمی نظام اور مقاصد سے الگ رکھا جن کی سرپرستی اور نظم و ضبط کے مالک انگریز تھے دوسری طرف عصری علوم کی پالیسی کچھ اس انداز سے مرتب کی گئی تھی جس سے مسلمانوں کے مذہب اور ان کی تاریخ و تہذیب پر برے اثرات کا اندیشہ تھا۔ اس لئے مجموعی طور پر مسلمانوں نے سائنس کے علوم کو سیکھنے کی جانب زیادہ توجہ مبذول نہ کی۔ البتہ جب ان کے شبہات دور ہو گئے اور دینی تحفظ کے کچھ وسائل میسر ہو گئے تو مسلمانوں کے رویہ میں کچھ تبدیلی آئی۔

یہ حالت آزادی سے پہلے کی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا تو فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجہ میں مسلمانوں پر پھر مایوسی طاری ہو گئی اور وہ اپنے مستقبل کی تعمیر کے سلسلہ میں زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ ان کا جو با ہوش اور فکرمند تھے انھیں بجا طور پر توقع تھی کہ تھوڑے دنوں کے بعد جب صورت حال بہتر ہو جائے گی آزاد ہندوستان میں ملت اسلامیہ کو بھی اپنی تعمیر و ترقی کے لئے تگ و دو کا موقع ملے گا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ بڑھتا رہا۔ امتیازی سلوک اور مذہبی تعصب کی کچھ ایسی مثالیں بھی سامنے آئیں جن کی بنا پر مسلمان اس اعتماد و وثوق سے محروم ہوتے چلے گئے جن کی تعمیر نو کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ آزادی کے بعد حکومت کی نوعیت بدل گئی، لیکن بے اعتمادی اور شکوک و شبہات کی وہ فضا ختم نہ ہو سکی۔ جس کا سامنا مسلمانوں کو انگریزوں کے دور میں کرنا پڑا تھا۔ عہد غلامی کے مقابلہ میں اس دور میں مسلمانوں نے تعلیمی میدان میں کچھ زیادہ کوشش کی۔ لیکن نتائج حوصلہ افزا نہیں رہے۔ مسلمان حاکم سے محکوم بنے۔ اور اس صورت میں جب انھیں ان کی محنت کا ثمرہ پورے طور پر نہ ملا تو فطری طور پر ان کے اندر مایوسی اور تعطل پیدا ہو گیا لیکن تعلیمی میدان میں جو کوششیں مسلمانوں کی طرف سے کی جا رہی ہیں ان کے پیش نظر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ موجودہ تعلیمی زوال کی عمر انشاء اللہ طویل نہ ہوگی۔

۲۔ محنت سے گریز

تعلیمی زوال کا ایک بنیادی سبب محنت و مشقت سے گریز ہے۔ مختلف سیاسی و سماجی وجوہ

مسلم قوم کے اندر تن آسانی و آرام طلبی پیدا ہو گئی ہے ۔ جیسا کہ قوموں کے دورِ زوال میں ہوتا ہے ۔ اس علت کی وجہ سے مسلمان تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے میدانوں میں بھی پسماندگی کا شکار ہیں ۔

علم کی تحصیل ، خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی ، ایک بیحد محنت طلب اور صبر آزما فریضہ ہے ۔ اس میدان میں آرزو یا تمنا سے کام نہیں چل سکتا ۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان اس راہ میں اپنی عزیز ترین چیزوں کو قربان کر دے ۔ عربی کے ایک مقولہ میں کہا گیا ہے کہ علم کی راہ میں جب تک اپنا سب کچھ خرچ نہ کرو گے علم کا کچھ حصہ نہ پا سکو گے ۔

ملتِ اسلامیہ کے موجودہ حالات کا دیگر معاصر اقوام کے ساتھ تقابل کر کے اگر جائزہ لیا جائے تو حقیقت بڑی تلخ صورت میں سامنے آتی ہے ۔ محنت و مشقت اور ذہنی کاوشوں کے میدان میں مسلمان دوسروں سے پیچھے ہیں ۔ ان کی دلچسپیاں غیر مفید کاموں سے وابستہ ہیں ۔ لیکن علم کے میدان میں تگ و دو سے انھیں گریز ہے ۔ اور اس صورت حال کا لازمی نتیجہ ہمارے سامنے ہے ۔ اسی ملک میں دوسرے لوگ اپنی محنت و مشقت کے نتیجہ میں تعلیمی میدان میں آگے بڑھ گئے جبکہ مسلمان ہاتھ پیر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے ۔

۳ ۔ علم کی اہمیت کا احساس نہیں

اسلام نے علم کو مسلمانوں کا فریضہ قرار دیا ہے ۔ اور مختلف اسلوب و انداز سے اس کو سیکھنے کی تلقین کی ہے ۔ مضمون کے شروع میں ہم نے اس طرح کی بعض چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے ، لیکن موجودہ مسلمان علم کی اس برتری اور فضیلت سے غافل ہے ۔ اسی لئے اس راہ میں جد و جہد سے اسے گریز ہے ۔ اسلام نے علم کو زندگی میں کامیابی و ترقی کا زینہ قرار دیا ہے ۔ لیکن مسلمان اسے یہ درجہ دینے کو تیار نہیں ۔

اسلامی تاریخ ہمارے سامنے ہے ، ہر دور میں مسلمانوں نے علم پر توجہ دی ۔ اور اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی عزیز ترین چیزوں کو قربان کیا ۔ کیونکہ انھیں علم کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ تھا ۔ لیکن آج کا مسلمان علم سے بے نیاز نظر آتا ہے ۔ اس کے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ علم کے بغیر عزت و وقار حاصل نہیں ہوتا ۔ اور نہ زندگی کے میدان میں انسان کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود اس کی توجہ علم کی جانب مبذول نہیں ہوتی ۔ اگر اس کے دل میں علم کا صحیح احساس ہو جائے تو یقیناً اس کے موقف

ین تبدیلی ہوگی اور وہ علم کے لئے اپنی کوشش میں اضافہ کرے گا۔

۴ - دین سے بیگانگی

موضوع کا تعلق مسلمانوں کے زوال سے ہے۔ اس لئے لازمی طور پر اسلام کے ساتھ تعلق اور اس سے بے تعلقی کا موضوع زیر بحث آئے گا۔ مسلمان حقیقت میں وہی ہوگا جو اسلام کے احکام کا پابند اور کتاب و سنت کی پیش کی ہوئی شریعت کے مسئلہ میں باغیرت و باحمیت ہو، کیونکہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام عمل کا دین ہے۔ گروہ بندی اور حسب و نسب کی بنیاد پر اس مذہب کے ساتھ انتساب و تعلق کا دعوی بے قیمت ہے۔ اسلام کے مطابق عمل نہ ہو اور انسان اپنے آپ کو مسلمان سمجھے تو اس خوش فہمی کا فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

قرآن و حدیث کی بہت سی عبارتوں اور اسلامی تاریخ کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح طور پر اسلام کی پابندی سے دین و دنیا کے مسائل و معاملات کا حل پیدا ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ بغیر حرکت و کوشش مسائل حل ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ توکل کی غلط تفسیر میں کہا جاتا ہے۔ یا بعض لوگ صرف تعبدی پہلو پر زور دیکر بقیہ پہلوؤں کو نظر انداز کرنیکا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ مدعا یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالی پر بھروسہ کرکے اخلاص نیت کے ساتھ اس کی شریعت پر عمل کرتا ہے، اور کامیابی و ناکامیابی کے معاملہ کو اللہ تعالی ہی کے حوالہ کردیتا ہے۔ نیز اس کی حاکمیت و تصرف پر پورا بھروسہ کرتا ہے تو اسے معاملات کو سمجھنے کی بصیرت، کاموں کا انجام دینے کا حوصلہ اور اچھے برے نتائج کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوجاتی۔ پھر کسی میدان میں اگر کبھی ناکامی بھی ہوئی تو وہ از سر نو اپنی کوشش کا آغاز کرتا ہے اور کامیابی کے حصول تک اپنی تگ و دو جاری رکھتا ہے۔

دنیا میں عمل کے بغیر عزت و کامیابی نہیں، لیکن ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالی کے ساتھ تعلقات کی استواری کے بغیر کسی بھی طرح کی عزت و کامیابی کی کوئی حقیقت نہیں۔ دین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کی نوعیت آج پیچیدہ ہو رہی ہے۔ مسلمانوں میں صرف شرک و بدعت نہیں بلکہ الحاد و لادینی کے امراض بھی نمایاں ہیں، پھر یہ توقع کس طرح کی جاسکتی ہے کہ اسلام کے ذریعہ ہمیں کسی طرح کی سربلندی مل سکتی ہے۔ یہود کا یہ تصور تھا

کہ محض یہودی مذہب کی طرف نسبت سے انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مل جائیگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح فرما دیا کہ یہ تصور بالکل بے بنیاد اور گمراہی کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلام کی طرف زبانی نسبت کو کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام نے جزا و سزا کے جس عادلانہ نظام کو پیش کیا ہے اس میں اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں کہ صحیح عمل کے بغیر مسلمانوں کا کوئی مسئلہ حل ہو۔ جہاں مسلمانوں کو خیر امت کے لقب سے نوازا گیا ہے وہاں پر صاف الفاظ میں اخرجت للناس اور تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر" کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس لقب کے مستحق اسی وقت بن سکیں گے جب وہ لوگوں کی فلاح وبہبود کو سامنے رکھیں اور بھلائی کا حکم دیں۔ نیز برائی سے روکیں۔ اسی طرح راہ یابی و ہدایت کو ان لوگوں کے لئے آسان بنایا گیا ہے جو راہ یابی و کامیابی کے لئے تگ و دو اور کوشش کرتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والوں کے لئے اس دنیا میں کوئی مقام نہیں۔

ملت کے مفکرین و مصلحین اس پہلو کی جانب بارہا توجہ دلا چکے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں جسے میں آپ کے سامنے بطور انکشاف پیش کر رہا ہوں۔ سرسید، شبلی، حالی، اقبال، اکبر اور دوسرے بہت سے زعماء و مصلحین کی تحریریں دیکھئے، ہر جگہ اس امر کی اہمیت دی گئی ہے کہ اسلام کی پابندی کے بغیر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا تصور بے معنی ہے۔ لیکن اس تلخ حقیقت کو کیا کیا جائے کہ مسلمان عملی زوال کے جس مقام پر پہلے تھا وہیں اب بھی ہے یا کچھ اور آگے ہی بڑھا ہے۔ جزئی طور پر کچھ اصلاح کے بھی آثار ہیں لیکن عام حالت وہی ہے جس کا ذکر ہم نے کیا ہے۔

۵۔ علوم کی بے بنیاد تقسیم

دینی احکام کی معرفت و واقفیت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو کچھ علوم ایسے ہیں جن سے شریعت کے احکام کا علم ہوتا ہے۔ اور کچھ علوم اس معرفت کے لئے وسیلہ و ذریعہ بنتے ہیں۔ لیکن کچھ علوم ایسے بھی ہیں جن کا شرعی احکام کی واقفیت سے کوئی تعلق نہیں۔

ایسے علوم جن سے شرعی احکام کی واقفیت ہو یا وہ اس واقفیت کا ذریعہ بنیں، ہر مسلمان کی نظر میں اہم ہیں۔ اور ان کا سیکھنا مذہبی فریضہ ہے۔ لیکن ان کے علاوہ دیگر علوم بھی جن سے ملت

کی بقا میں مدد ملے اور ان کے ذریعہ دین کی دعوت کو پھیلانے میں سہولت پیدا ہو مسلمانوں کے لئے ضروری ہیں۔ تہذیب و تمدن کے میدان میں دیگر قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو جن علوم سے سیادت و برتری حاصل ہو ان پر توجہ بھی مذہبی فریضہ ہے تاکہ اس میدان میں مسلمانوں کو پسماندگی و محتاجی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں وہ محتاج و دست نگر نہ بن جائیں۔

علم کی یہ باضابطہ تقسیم و درجہ بندی تھی، اور اسی کے مطابق صدیوں تک مسلمانوں کا عمل اور کوشش تھی لیکن معلوم نہیں پچھلی صدیوں میں کہاں سے ان کے اندر علم کی دینی و دنیوی تقسیم کی بات آگئی۔ اور پھر دونوں قسموں کے سلسلہ میں ان کے الگ الگ رویے متعین ہو گئے۔

شرعی علوم کو دینی اور بقیہ علوم کو غیر دینی کہا گیا، اور اس تقسیم کی روشنی میں اول الذکر پر توجہ دی گئی اور دوسری قسم کو ناقابل اعتناء قرار دیا گیا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں چونکہ سامراج نے ان علوم کو پھیلا کر اسلامی تہذیب و شریعت کو زک دینے کا مقصد سامنے رکھا اس لئے مسلمانوں نے ان علوم سے مزید دوری اختیار کر لی۔ اور یہ تصور نہ کر سکے کہ یہ علوم اصلاً اور بنیادی طور پر خود مسلم علماء و محققین کی توجہ کا مرکز رہ چکے ہیں۔ اور ان سے مسلم معاشرہ کی اہم ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

شرعی احکام کی واقفیت کا مسئلہ ہر دور کے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے تفسیر، حدیث اور عقیدہ وغیرہ کے علوم کی اہمیت ہے، لیکن اسی کے ساتھ ایک مسلم معاشرہ کو انجینیروں، ڈاکٹروں اور شہری ملازمتوں کے آفیسران کی بھی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کی مختلف مصلحتیں وجود پذیر ہوں اور ان کی جان و مال و مذہب کا تحفظ ہو سکے۔ اس طرح کے حالات میں سائنس کے علوم پر توجہ اور ان کو سیکھنا ایک اہم دینی فریضہ ہوگا۔ جس کی تکمیل کی صورت میں بندہ کو عند اللہ اجر ملے گا۔

عہدِ غلامی میں سامراج دشمنی میں مسلمانوں نے یہ غور نہیں کیا کہ یہ تقسیم اسلامی مزاج سے ہم آہنگ نہیں نہ ہمارے اسلاف کے رویہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ انھوں نے اس تقسیم کو قبول کر کے سائنسی علوم سے دوری اختیار کر لی۔ اور دوسرے اس میں آگے بڑھتے رہے۔ حالانکہ فرض یہ تھا کہ باقاعدہ افراد کو تقسیم کر کے دونوں شعبوں پر توجہ دی جاتی۔ اور سائنس کے میدان میں پسماندگی کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی۔ اس مسئلہ کو خراب کرنے یا الجھانے میں کسی طبقہ کی کوتاہ نظری، کسی طبقہ کے غلو اور کسی طبقہ کی ضد و عناد کا دخل رہا۔ لیکن اب

وقت گذر چکا ہے ۔ اس لئے اس داستان کو دہرانے یا کریدنے سے فائدہ نہیں ۔ لیکن مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شرعی علوم کے ساتھ ساتھ ایسے تمام علوم وفنون کا مقابلہ ضروری ہے جن کے ذریعہ تہذیبی دوڑ میں دوسری قوموں کا مقابلہ کیا جائے ، اور جن سے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ میں مدد مل سکے ۔

۶ - باہمی اتحاد و تعاون کا فقدان

مسلمانوں کے دینی تعلیمی ادارے مسلک و جماعت کی بنیاد پر قائم ہیں ۔ اور نصاب تعلیم وغیرہ میں بڑی حد تک ہر مدرسہ اسی مسلکی روح و مزاج کا پابند ہے ۔ ایسی صورت میں دینی مدارس کے مابین کسی بین جماعتی اتحاد و تعاون کا تصور دشوار اور دینی تعلیم کے میدان میں کسی سوچے سمجھے متحدہ منصوبہ کو نافذ کرنا مشکل نظر آتا ہے ۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ کسی ایک جماعت و مسلک کے اداروں کے مابین بھی ایسی تنظیم یا اتحاد نظر نہیں آتا جس کی ضرورت ہے ایک ہی مقام پر مختلف چھوٹے بڑے ادارے اس طرح قائم ہیں کہ ان کی ضرورت وافادیت محل نظر ہے ۔ کیونکہ ہر مدرسہ کا دائرۂ عمل اور اغراض و مقاصد تقریباً یکساں ہیں ، اگر ان میں منصوبہ بندی اور تعاون ہوتا تو متعدد اداروں کے بجائے کسی ایک یا دو ادارے سے مختصر بجٹ میں وہی فوائد حاصل ہوتے جنھیں کئی ایک مدرسوں کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کیجاتی ہے ۔

فقہی مسلک کی اشاعت و تعصب دینی مدارس کے مابین وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی و تعاون کی راہ میں حائل نظر آتا ہے ۔ لیکن مدنی و عصری علوم کے سلسلہ میں اس طرح کی کوئی رکاوٹ یقیناً موجود نہیں ہے ، پھر بھی مسلمان عصری علوم کی تحصیل و تدریس کی راہ میں متحد نہیں ہو پاتے ، کہیں مسلکی اختلاف رکاوٹ ہے ، کہیں ذات برادری کے محرکات ہیں اور کہیں اقتدار و بالادستی کی تمنائیں اور اسطرح عصری علوم کے میدان میں مسلمان منصوبہ بندی و تعاون کی برکتوں سے محروم ہیں ۔

تعجب انگیز امر یہ ہے کہ تجارت و کاروبار کے معاملہ میں ایک مسلک سے تعلق رکھنے والا انسان دوسرے مسلک کے لوگوں بلکہ دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ کھلے طور پر تعاون کرتا ہے اور ساتھ مل کر دونوں طرح کے لوگ کسب معاش کرتے ہیں ۔ لیکن دینی یا عصری تعلیم کے میدان میں ان کے مابین تعاون نہیں ہو پاتا ۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ تعلیمی میدان میں باہمی تعاون کی اہمیت وافادیت سے مسلمان غافل ہے

میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ دینی تعلیم کی تنظیم واشاعت کی حد تک ہندوستانی مسلمانوں کی کارگذاری اطمینان بخش ہے البتہ سائنس کے علوم میں وہ پیچھے ہیں۔ اس پسماندگی کو دور کرنے کے لئے اگر ایسا کیا جاتا کہ ضرورت کے مطابق قوم دونوں طرح کے اداروں پر توجہ دیتی۔ اور دینی اداروں کی طرح ایک مستقل مالی فنڈ عصری تعلیمی اداروں کے لئے بھی مخصوص کیا جاتا تو صورت حال اتنی ناگفتہ بہ نہ ہوتی۔ عرب ملکوں میں چونکہ فنڈ کی فراہمی کا مسئلہ حل ہے اس لئے وہاں پر عصری علوم کے میدان میں کوششوں کا سلسلہ جاری ہے اور اس کے اچھے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس چونکہ عصری علوم کے لئے کوئی فنڈ نہیں، اور مسلمان اہل خیر ان علوم پر خرچ کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے اس لئے عصری تعلیم میں مسلمانوں کی پسماندگی ختم نہیں ہو پارہی ہے۔

تعاون واتحاد کے سلسلہ میں یہ بات بھی اہم ہے کہ ملت کے دو اہم تعلیم یافتہ طبقوں کے مابین نیا ولۂ خیال ومشاورت نہیں ہے۔ ایک طبقہ علماء دین کا، اور دوسرا عصری علوم کے ماہرین کا۔ امت کی فکری تربیت ورہنمائی انھیں دونوں طبقوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور امت انھیں کی جانب رجوع کرتی ہے۔ مگر دونوں طبقے ایک دوسرے کے احساسات وخیالات سے بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ اگر یہ دونوں طبقے باہمی مشورہ سے امت کی رہنمائی کرتے اور اسے تعلیمی میدان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے تو عین متوقع تھا کہ ملت عصری علوم کی جانب بھی توجہ کرتی اور دینی علوم کی طرح اس میداں میں بھی آگے بڑھتی۔

۷۔ طلباء کی تعلیم میں کمزوری

مسلمانوں کے سلسلہ میں ایک شکایت یہ ہے کہ وہ سائنس کی تعلیم کی طرف متوجہ نہیں۔ مسلم طلبہ یا تو تعلیم ہی نہیں حاصل کرتے یا ادبی علوم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح سائنس کے علوم میں ان کی پسماندگی بڑھتی جارہی ہے۔

یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے، مسلمانوں کا رجحان عصری علوم کی طرف کم ہے۔ اور سائنس کی طرف اور بھی کم ہے۔ لیکن مشاہدہ یہ بھی ہے کہ جو مسلم طلبہ سائنس کی تعلیم سے منسلک ہیں ان کے نتائج بڑی حد تک مایوس کن ہیں۔ محنت کی کمی، ماحول کی ناہمواری اور ماہرین علوم سائنس کی طرف سے مشق ورہنمائی کی عدم فراہمی کے باعث مسلم طلبہ سائنس کی تعلیم میں اچھے نمبرات حاصل نہیں کرپاتے۔ ضرورت ہے کہ جو مسلم طلبہ سائنس کی تعلیم سے وابستہ ہیں ان کے تفوق وبرتری کے وسائل پر

بھی غور کیا جائے ۔ تاکہ اس میدان میں وہ دوسروں سے پیچھے نہ رہیں ۔ مصر کے دوران قیام میں مجھے وہاں کی نصرانی اقلیت کے متعلق یہ بات معلوم ہوئی کہ نصرانی طلبہ کی مدد اور کوچنگ کے لئے وہاں کے گرجوں میں باقاعدہ تعلیم کا انتظام ہے ، جو طلبہ اسکول ، کالج اور یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں انھیں باقاعدہ اس بات کا موقع دیا جاتا ہے کہ گرجوں کے مدارس و مراکز میں آکر ماہر اساتذہ کی رہنمائی حاصل کریں ، اور جن مضامین میں کمزوری محسوس کرتے ہیں ان کو دوبارہ پڑھیں ۔ اس نظام کا باقاعدہ فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بہت کم نصرانی طلبہ اپنے مضمون میں کمزور رہتے ہیں ۔

ملت کے ماہر اساتذہ اور سائنس کے مدرسین اگر اس پہلو کی جانب توجہ مبذول فرمائیں اور مسلم طلبہ کی تربیت و کوچنگ کے لئے کوئی عمدہ نظام قائم کریں تو یقیناً موجودہ پسماندگی کو دور کرنے میں مدد ملے گی اور سائنس کی تعلیم سے منسلک طلبہ کا مستقبل تابناک ہو جائے گا ۔

ڈاکٹر عبداللہ قادری استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی

جامعہ میں تشریف آوری

۱۰ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ کو محترم ڈاکٹر قادری صاحب بنارس تشریف لائے ، موصوف کا یہ سفر دعوت و تبلیغ سے متعلق اپنی تحقیقی کتاب کی تیاری سے متعلق تھا ، موصوف نے دعوت و تبلیغ کی حکمت وافادیت سے متعلق کل ۱۸ سوالات پہلے سے مرتب فرمالیا تھا ، جن کے جوابات انھیں علمائے اسلام سے مطلوب تھے ، اس کے علاوہ ۱۵ سوالات ہندو مذہب اور اس سے متعلق دیگر مذاہب و نظریات سے تھے ۔

اساتذہ جامعہ سلفیہ کی ایک ہنگامی اجتماع میں موصوف کی منشا کے مطابق مذکورہ سوالات پر غور و فکر کے بعد مختصر جواب تیار کیا گیا جسے موصوف اپنے ساتھ لے گئے ۔ موصوف نے جامعہ کے مختلف شعبوں کو دیکھا اور جامعہ کی کارگذاری پر اپنی مسرت کا اظہار کیا ۔

(ادارہ)

فکرِ شاعر اور امرِ واقعہ

شاعری کا فن تعبیر و تاثیر کے لحاظ سے بیحد ممتاز ہے ، اگر تعمیری جذبہ اور صحیح نیت کے ساتھ اس سے کام لیا جائے تو بڑے سے فوائد مرتب ہو سکتے ہیں ، اور اگر اسے تخریب کا ذریعہ بنایا جائے تو اسکی ہلاکت آفرینیاں حد و حساب سے باہر نکل سکتی ہیں ۔ پچھلے کسی وقت میں دہلی کے ایک ماہنامہ میں ایک نظم شائع ہوئی تھی ، ہر چند کہ شان ورود قدیم بتائی گئی ، اور موجودہ وقت میں اس کی اشاعت کو " انتخاب کی غلطی " سے تعبیر کیا گیا ، پھر بھی پڑھنے والوں کو اس سے جماعتی ترقی کے بہت سے رخ نظر آئے ، اور جماعت کے بعض " خادموں " کی پوزیشن صاف کرنے کا بہانہ میسر ہوا ۔ اس نظم کے درج ذیل شعر پر :

یہ قائدین نے قحط الرجال کا شوشہ

بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لئے

اداریہ بھی لکھا اور اپنی دانست میں تمام جماعتی امراض کی ایسی نشاندہی کر دی کہ اس موضوع پر کسی طرح کی تشنگی کا شکوہ جاتا رہا ۔

" قحط الرجال " کی اضافی ترکیب میں شاید افراد کی کسی خاص نوعیت کے فقدان کا شکوہ پایا جاتا تھا ، لیکن شاعر نے اسے عام مفہوم میں لیکر " زیبِ داستاں کے لئے قائدین کا شوشہ " قرار دیا ہے ۔

اس ترکیب کو قائدین اگر زیبِ داستاں ہی کے لئے استعمال کرتے اور دہراتے ہیں تو بلاشبہ یہ ان کی غلطی یا جماعت سے عدمِ اخلاص ہے ، لیکن تعجب ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل بھی جماعت کے

بزرگوں کی جانب سے اس طرح کی بات کہی گئی ہے۔ معلوم نہیں شاعرا سے بھی "شوشۂ زیب داستاں" قرار دیں یا امر واقعہ کا اظہار ؟

نمونہ کے طور پر دو تحریریں مع تاریخ پیش خدمت ہیں :

۷ رمحرم ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۵ رجون ۱۹۳۰ء کے اخبار محمدی دہلی ص ۳ پر مولانا قاضی محمد سلیمان پٹیالوی کی خبر وفات کے ضمن میں تحریر ہے :

" دل رو رہا ہے اور مولانا کی پاکیزہ بیانی خوش اخلاقی رہ رہ کر یاد آ رہی ہے ، اہلحدیثوں کو اس قحط الرجال کے زمانے میں یہ زبردست صدمہ پہونچا ہے ۔ تہ دل سے دعا ہے کہ اس بحر علم کو بحر رحمت کے پانی سے غسل دے اور کنز علم کو کنوز جنت عطا فرمائے ۔

۸ رمحرم ۱۳۴۹ھ کے اخبار اہلحدیث امرتسر ص ۱۵ پر مولانا قاضی محمد سلیمان پٹیالوی ہی کی خبر وفات کے ضمن میں تحریر ہے :

آہ ! ہم تو جناب حافظ عبد اللہ صاحب غازیپوری اور مولینا رحیم آبادی مرحومین کے بعد قاضی صاحب ہی سے انس پاتے تھے ، آج ہماری نظر میں کوئی نہیں جس کو کہیں : اجلس بنا نؤمن ساعۃ "

(بخاری)

ماہنامہ

محدث

بنارس

جلد نمبر ۹	ستمبر ۱۹۸۹ء صفر ۱۴۱۰ھ	شمارہ نمبر ۹

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱/۱۸ جی ریوڑی تالاب، وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپے فی پرچہ تین روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

از : ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

حسد

ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ (ترجمہ کیا یہ لوگ لوگوں سے اللہ کے دیئے ہوئے فضل پر حسد کرتے ہیں۔

(النساء ۵۴)

محسود سے نعمت کے زوال کی تمنا کو حسد سے تعبیر کیا جاتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ محسود کی معاشرہ میں اچھی پوزیشن پر بغض وکراہیت اور نفرت کا نام حسد ہے نعمت پر مطلقاً کراہت مذموم حسد ہے اور اگر اس کراہت کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما ہو کہ اللہ تعالیٰ یہ نعمت حاسد کو عطا کردے، یا اس سے زیادہ نواز دے بغیر اس تمنا کے کہ محسود سے اس کی نعمت زائل ہوجائے۔ تو حسد کی اس دوسری قسم کو رشک، منافست اور مسابقت الی الخیر بھی کہتے ہیں۔

عام انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ اس کو اپنے ہم جنس پر تفوق سے اطمینان ہوتا ہے اور دوسرے کی برتری وفضیلت سے اس کے دل کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے وہ اس نعمت کے زوال کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ اس طرح خیالات اگر قول وفعل اور گفتار وکردار کا قالب ڈھال لیں یا کسی منصوبہ بندی اور سازش کی شکل اختیار کرلیں تو وہ شریعت میں حرام ہیں، اس کی یہ حرکت بہت ہی معیوب ومذموم ہے اس جذبہ سے خود حاسد کا دل ودماغ پریشان ہوجاتا ہے، وہ معاشرہ میں جو خرابی رونما ہوتی ہے اس کو تو محسوس شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اہل علم نے اسے گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے، یہ دل کی خطرناک بیماریوں میں سے ایک خطرناک بیماری ہے، علامہ ابن قیم نے گناہوں کی چار قسمیں بتائی ہیں: ملکیہ، شیطانیہ، سبعیہ، بہیمیہ،

حسد کو شیطانی گناہوں میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے، ابلیس لعین نے آدم علیہ السلام پر اللہ کی نوازشوں سے کڑھ اور جل کر ان کو اپنی سازش کا شکار کیا اور یہ کہہ کر سجدہ آدم سے مکر گیا کہ میں تو ناری ہوں اور آدم مٹی کے تودے ، گناہوں کی ابتدا کبر سے ہوئی۔ ابلیس نے آدم کو حسد اور تکبر کی بنا پر اپنی سازش کا شکار بنا اور راندۂ درگاہ ہوا۔

اسی حاسدانہ طبیعت نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کو نبی اکرم کو نبی ماننے سے باز رکھا حالانکہ وہ بعثت

پہلے بڑی بے صبری سے آپ کی بعثت کا انتظار کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل کا نبی عربی ہاشمی دیکھ کر آگ بھڑکی اور وہ واصلِ جہنم ہوئے۔

برادرانِ یوسف کا یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو نازیبا سلوک اور رویہ تھا اس کے پیچھے بھی حسد ہی کارفرما تھا

حسد کے پیچھے مختلف اسباب وعوامل کا اجتماعی یا انفرادی طور پر دخل ہوتا ہے۔ یعنی عداوت و دشمنی، غیر کی بالادستی اور فضیلت کے اعتراف سے ابا و انکار، تکبر، تعجب اور خود پسندی، فوت مقاصد کا خدشہ، جاہ طلبی، حصول عہدہ منصب، نفس کی خباثت، طبیعت کا بخل۔

یہ اسباب وعوامل خود بڑے گناہ اور مذموم اخلاق ہیں ان کے زیر اثر حاسدانہ طبیعت سے جو افعال سرزد ہوں گے ان کی فتنہ سامانی سے معاشرہ کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔

حسد کے اس جذبہ کے پیچھے رب کی ناشکری اور خدائی فیصلے کے خلاف ناراضگی اور اللہ سے بدظنی کے جذبات بھی کام کرتے ہیں۔ اسلامی شریعت میں شیطان، کفار اور یہود و نصاریٰ سے تشبہ کی صریح ممانعت آئی ہے۔

اس لئے انسان کو اپنے عقائد و اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیئے اور تقدیر پر ایمان رکھنا چاہیئے حسد کا ایک مظہر نظر بد ہے جس کی حرمت بھی ثابت ہے۔ سورہ والفلق میں حاسد کی حاسدانہ روش سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔

انسان جس طرح دوسری محرمات و ممنوعات اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرتا ہے اسی طرح سے اس کو حسد کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیئے۔ اور ممنوعات و محرمات کی محبت و رغبت پر اپنے نفس کو ملامت کرنی چاہیئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ امراض القلوب میں یہ بڑی خطرناک بیماری ہے جس کا علاج علم نافع اور عمل صالح اور اعتقاد راسخ، صبر اور تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بری عادت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

درس حدیث

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

کارِ خیر میں مسابقت

لا حسد إلا في اثنتين : رجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلمها ورجل آتاه الله مالا وسلطه على هلكته في الحق (متفق عليه / ابن مسعود)

حسد صرف دو چیزوں میں ہے، ایک وہ آدمی جس کو اللہ نے کتاب وسنت کا علم دیا جس سے وہ فیصلہ کرتا ہے اور جس کی وہ لوگوں کو تعلیم دیتا ہے، اور ایک وہ آدمی جس کو اللہ نے مال ودولت سے نوازا اور اس مال ودولت کو راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

محسود کی خوشحالی سے کڑھنے اور اس سے بغض وکراہت کو حسد کہتے ہیں۔ اگر نعمت کی وجہ سے مُنعَم علیہ سے مطلقاً بغض کا سہارا رکھا جائے تو یہ قابلِ مذمت حسد ہے، اور یہ دل کی ایک ایسی بیماری ہے جس سے حاسد کا دل دائم پریشان رہتا ہے۔

حسد کی دوسری قسم یہ ہے کہ محسود مُنعَم علیہ پر اللہ کا جو انعام واکرام اور فضل ہے حاسد اس سے کڑھے اور یہ خواہش کرے کہ وہ بھی اس کی طرح یا اس سے اچھی حالت میں ہو جائے۔ اس میں یہ تمنا نہ کرو کہ میں لے رہی ہو کہ منعم علیہ سے اپنی نعمتیں چھین لے۔

مذکورہ حدیث میں اسی جذبۂ رشک ومنافست کو حسد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حکمت کے بجائے قرآن کا لفظ آیا ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ اس کلام مبارک کو سن کر ایک شخص نے اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش کہ اس آدمی کی طرح علم وکمال کی دولت سے بہرہ مند ہوتا اور دونوں کو راہِ حق میں خرچ کرتا۔

ان احادیث میں جن جذبات اور خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اس کو علماء نے غبطہ (رشک) منافست اور مسابقت
انام دیا ہے یعنی غیر کی اچھی حالت کی تمنا و چاہت اور اپنے اوپر دوسروں کی فضیلت کی کراہیت و ناپسندیدگی۔

اس غبطہ کو حسد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کی منعم علیہ پر نعمت دیکھنے اور محسوس کرنے کے بعد اس
مت کے حصول کی تمنا کی ہے اور اس کو اپنے سے برتر دیکھنا ناپسند کیا ہے۔ اگر مقابل کی نعمت نہ ہوتی تو یہ شخص
ن نعمت کی تمنا نہ کرتا، اس لئے اس رشک و مسابقت کو حسد کا نام دیا گیا۔ لیکن اگر انسان بغیر کسی لحاظ
ے اللہ کی نعمتوں کا طالب و شیدائی و متمنی ہو تو اس میں حسد کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔

حسد کی یہ قسم یعنی غبطہ اور رشک کے جذبات عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ رشک و تنافس
رخیر میں مطلوب و مرغوب و محبوب ہے۔ اللہ رب العزت نے خود اخروی نعمتوں میں منافست کا حکم
یا ہے (فلیتنافس المتنافسون)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ غبطہ و رشک عالم باعمل اور داعی الی اللہ اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے
لدار سے ہے۔ اس لئے بے فیض اور بے عمل عالم اور کنجوس و بخیل مالدار سے حسد و غبطہ اور اس جیسے
وال کی تمنا میں کوئی خیر نہیں ہے بلکہ ایسے اوصاف کے حامل لوگ تو عذاب الٰہی کے دہانے پر کھڑے ہیں
جس شخص کو اللہ نے علم و دولت سے نوازا اور اس کو معاشرہ میں خیر و بھلائی پھیلانے کی سعادت
شی ان کا درجہ بہت بڑا ہے،

لیکن اللہ کی راہ میں جہاد اور مجاہد کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، مشاہدہ ہے کہ جن امور میں
ارہ مشقت ہوتی ہے انسانی طبیعت ان کا حسد نہیں کرتی اس لئے مجاہد کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا
، حالانکہ راہ خدا کا مجاہد مال خرچ کرنے والے سے زیادہ افضل ہے۔

اس کے برعکس معلم اور منفق (خرچ کرنے والے) کے عام طور پر خارجی دشمن نہیں ہوتے اگر یہ تسلیم
یا جائے کہ ان کے بھی دشمن ہیں جن سے وہ جہاد کرتے ہیں تو یہ ان کے درجات کیلئے زیادہ افضل ہے۔

حدیث میں نمازی، روزہ دار اور حاجی کا ذکر بھی نہیں ہے اس لئے کہ ان امور میں بالعموم لوگوں کو
وی یا مادی فائدہ نہیں پہنچتا کہ جن سے وہ کسی کی تعظیم و تکریم کرنے لگیں یا سرداری و قیادت عطا کردیں۔
درحقیقت کسی شخص کی سرداری اور ریاست و رعائت ہی حسد کی اصل و اساس ہے ورنہ عادۃً

عامل وکارکن محسود نہیں ہوتا ۔ چاہے کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملے میں وہ دوسروں سے برتر ہو ،
اس کے برعکس مذکورہ دونوں گروہوں سے بہت زیادہ حسد کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ جن علماء کے حلقہ
میں اتباع واصحاب ہوتے ہیں ان میں حسد ان علماء کے طبقہ سے زیادہ پایا جاتا ہے جن کے اصحاب واتباع
نہیں ہوتے ، اسی طرح انفاق کے باعث جن کے پاس لوگوں کا جمگھٹا ہوتا ہے ان میں حسد ورقابت اس
مالدار طبقہ سے زیادہ ہوتی ہے جن کے یہاں انفاق نہیں ہوتا ۔

دونوں طبقوں سے برابر لوگوں کو مادی یا معنوی فوائد ہوتے اس لئے لوگ ان لوگوں کے ضرورت مند ہوتے ۔

مباح رشک ومنافست کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں مثالیں بھی پائی جاتی ہیں ۔

جیسے حضرت عمرؓ کا حضرت ابو بکرؓ سے انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ جانے کا داعیہ وجذبہ

(ملاحظہ ہو صحیح بخاری)

یہی نہیں اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہاں بھی ملتی ہے حدیث معراج میں مذکور ہے کہ موسیٰ
علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی جنت میں اکثریت دیکھی تو رشک ومنافست میں رو پڑے ۔
اس کا سبب دریافت کرنے پر آپ نے بتایا کہ میرے بعد بھیجے جانے والے نوجوان کی امت میری امت سے زیادہ
تعداد میں جنت میں داخل ہوگی ۔

اوس وخزرج میں بھی کار خیر میں رشک ومسابقت کا یہ جذبہ کارفرما تھا اور ان واقعات کے پیچھے تقرب
الی اللہ کا جذبہ تھا ۔

اس لئے حسد جیسی مذموم عادت سے توبہ کر کے اس جذبہ میں اصلاح کرنی چاہیئے اور طبیعت کو کار خیر
پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ علم وحکمت اور مال ودولت کا میدان بڑا وسیع ہے اور خلق خدا کی
فلاح وبہبود اور دین اسلام کی خدمت واشاعت کے میدان میں جولانی طبع دکھا کر تقرب الی اللہ حاصل کرنا
مومن کی شان ہے اور ہمیشہ حسد کے شر وفساد سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگنی چاہیئے ۔

افتتاحیہ

فردوس گم شدہ

اسپین میں اسلام کی دوبارہ واپسی

اسپین کی موجودہ عیسائی حکومت نے سرکاری طور پہ مذہب اسلام کو تسلیم کر لینے کا اعلان کر دیا ہے، اس اعتراف کی اصل بنیاد اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ اور اسلامی شریعت کا یہ قوی داعیہ کہ مسلمان اسلامی عقائد اور تعلیمات کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ یہاں مسلمانوں کی موجودہ تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہے۔ یہ تعداد اس اعتبار سے قابل لحاظ ہے کہ آج سے پانچ سو سال پہلے جب اس ملک میں مسلم حکومت کا سقوط ہوا تو مسلمان نام کا ایک فرد بھی یہاں باقی نہ بچا تھا۔ موجودہ عیسائی حکومت نے دار الحکومت میڈرڈ اور دیگر مرکزی مقامات پر اسلامی مراکز قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے، نیز سرکاری اعلان کے بعد اب یہاں کے اسلامی مدارس و مساجد سرکاری ٹیکس سے بھی مستثنیٰ ہوں گے۔

تمام اسلامیان عالم کے لئے یہ اعلان باعث مسرت ہے ساتھ ہی کوکب ارضی پر بسنے والے ابناء آدم اور ان کے متعقف افراد نیز نورِ فطرت سے روشن ضمیر اشخاص کے دامن فکر و نظر کو بھی کھینچتا ہے کہ تاریخ انسانی کے جس مرحلہ میں اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اس وقت اس کی کرنوں سے مستنیر ہو کر کوئی ایک جگنو بھی خطۂ ارضی کے کسی تاریک گوشے میں جا گرا تو انسانی معاشرت کی سیاہ برساتی اور جھکڑوں سے بھری راتوں میں اس نے روشنی دکھائی ہے بلکہ جگنوؤں کی ایک جماعت تیار کر کے ہمیشہ کے لئے بستی بستی اور شہر شہر کو بقعۂ نور بنانے کا انتظام کر دیا ہے۔ آج کا پڑھا لکھا انسان سوچتا ہے کہ مشرقِ اسلام "عرب" سے امریکہ کی تہذیبی اور ارضی مسافت میں بڑے بڑے سمندر حائل ہیں لیکن کسی وقت آفتاب اسلام کی کوئی ایک کرن وہاں چمکی اور آج اس نے تیس لاکھ ستارے سرزمین امریکہ میں ڈھال دیئے جبکہ سنہ ۱۹۰۰ء تک یہ تعداد صرف دس ہزار تھی، سوویت یونین کے عوام تقریباً ستر سال سے عام انسانی برادری سے کٹے ہوئے تھے مذہب اسلام

ے فطری اصولوں بلکہ ادیانِ عالم کے مسلّمہ اقدار سے الحاد کی جبری تعلیم ان کو دی جاتی رہی لیکن انسانوں کے اس عظیم جیل خانہ سے جب پریسٹرائیکا کے دروازے کا ایک پٹ ذرا سا کھلا تو معلوم ہوا کہ آفتاب اسلام کے چالیس ملین (چار کروڑ) ستارے الحاد اور قومی جبر کی تاریکیوں میں ٹمٹما رہے ہیں۔ رومن امپائر کے نام سے آج بھی دلوں پر رعب طاری ہوتا ہے لیکن آج مسیحیت کے بعد اسلام روم کا سب سے بڑا اور پسندیدہ مذہب ہے اور مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ تک پہونچ چکی ہے۔ فلپائن کے ایک لیڈر کا بیان ہے کہ پچھلے دس سال کے عرصہ میں دین فطرت نے فلپائن کی خاک سے تین لاکھ ستارے ڈھالے یہ چند مثالیں ہیں جو ہر انسان کے تار فطرت کو چھیڑتی ہیں ورنہ آج کا پڑھا لکھا اور فطرت کی آواز پر قدم بڑھانے والا انسان سمجھتا ہے کہ کسی بھی انسان کے دل و ضمیر سے جہالت اور بے جا گروہ بندی کے گرد و غبار چھٹ جائیں تو اس کے سامنے دین فطرت مذہب اسلام سے بڑھ کر کوئی شاہراہِ حیات نہ ہوگی۔

اسپین میں بانوے ہجری سے لے کر آٹھ سو اٹھانوے ہجری یعنی آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ تک مسلمانوں نے حکومت کی ہے یہ وہ زمانہ تھا جب آج چاند پر کمندیں ڈالنے والا یورپ بت پرست وحشی قبائل کی "زندگی گذار رہا تھا۔ اسلامی اسپین نے آٹھ سو سال تک اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انھیں عالمی انسانی اور اسلامی تہذیب و تمدن کے اصول و ضوابط اور اسرار سکھلائے۔ اس طویل مدت میں اسلام کی روح وہاں کے لوگوں کی طبیعتوں کا ایک جز بن گئی۔ اور غیر ارادی طور پر کتنے مزاجوں میں تحلیل ہوگئی۔ یہ فطرت کا نور اور اس کا عمل ہے جسے کھرچ پھینکنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے۔ شاعر مشرق نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے

جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں اندلسی خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

لیکن فطرت کے قانون عروج و زوال کے مطابق جب اسپین سے آٹھ سو سال کے بعد مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا تو اس موقعہ پر اقتدار میں آنے والے عیسائی حکمراں نے مسلمانوں کے متعلق ایک مشہور عہد نامہ جاری کیا تھا جس میں مسلمانوں کے جان و مال اور مساجد و مدارس کے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی دینی کام اور اپنے

مقدمات اپنے قاضیوں سے فیصل کرانے کی آزادی دی گئی تھی لیکن عیسائیوں نے اس عہد کی پابندی نہیں کی اور پورے اندلس میں ایک مسلمان باقی نہیں چھوڑا۔ مسجد اور مدرسے ڈھادیئے گئے۔ جائدادیں چھین لی گئیں زبردستی عیسائی بنایا گیا اور جو راضی نہیں ہوئے انھیں سولی دے دی گئی یا زندہ آگ میں جلا ڈالا گیا۔ عیسائیوں کے اس ردعمل سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مسلم اسپین کی آٹھ سو سالہ تربیت یورپ کی وحشت کو پوری طرح تہذیب و تمدن سے تبدیل نہیں کرسکی تھی یا کم از کم عیسائی اپنے ایمان اور اخلاق میں اتنے بلند نہیں ہو سکے تھے کہ وہ اس نکتہ کو سمجھ لیتے کہ مسلم حکومت یا مسلمانوں کے خاتمہ سے اسلام نہیں مٹ سکتا اس لئے کہ اسلام دین فطرت ہے اور قانون فطرت کو مٹانا کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے اس موقع پر قرآن حکیم کی ایک آیت کی عظمت یاد آتی ہے: یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْکَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (۸ الصف) یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کی مرضی کے برخلاف اس نور کو عام کرکے رہے گا۔

چنانچہ وہی ہوا جو فطری طور پر لازما ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں آفتاب اسلام کی کوئی ایک کرن نہ چمکی تھی بلکہ آٹھ صدیوں تک اسلامی کرنوں کے ایک مجموعہ کا ارتکاز رہ چکا تھا۔ دین فطرت یہاں کی طبیعت اور آب وہوا میں تحلیل ہو چکا تھا اسی لئے شاعر مشرق نے جب یہاں کا سفر کیا تو آنے والے ایک دور کا خواب دیکھا

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں — خاموش اذانیں ہیں تری باد سحر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی — باقی ہے ابھی رنگ مرے خون جگر میں

اسپین کے دریائے کبیر کو مخاطب کرکے کہتے ہیں۔

آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں — میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا — اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

آج سے پانچسو سال پہلے کی عیسائی حکومت نے اپنے ہاتھوں تحریر کئے ہوئے عہد نامہ کو چاک کردیا تھا تو موجودہ عیسائی حکومت کو اسلام کے حق میں اس قدیم عہد نامہ کی روح کو کیسے بھی ہو تسلیم کرنا پڑا۔ دین فطرت میں عہد و میثاق کی خواہ افراد کے درمیان ہو یا اقوام کے بڑی اہمیت ہے اور اسے توڑنے کی سعی کرنا

اسلام کی نظر میں ایسا ہی ہے جیسے نظام شمسی کے بعض سیارے اس کی کشش سے آزاد ہو کر گردش کرنے کی سعی رائیگاں کریں۔

اسپین کا یہ اعلان جدید ہندوستان کے ان ہندو قوم پرستی کے علمبرداروں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو قدیم اسپین کی طرح یہاں سے بھی مسلمانوں اور اسلام کے کلی انخلاء کے منصوبے رکھتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کیلئے بھیانک فسادات کے ذریعہ مسلمانوں کے جان ومال تباہ کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے منظم تحریکیں چلاتے اور یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ممکن ہے وقتی طور پر ان کوششوں کے کچھ فائدے انھیں حاصل ہو جائیں لیکن اس طرح کے لوگوں کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اگرچہ مسلم اسپین اور مسلم انڈیا کے درمیان کچھ تاریخی مشابہت پائی جاتی ہے لیکن ہندوستان میں تاریخ کا کوئی ایسا دور نہیں گذرا ہے جب مسلم حکومت کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں اور اسلام کا یہاں سے کلی انخلاء ہو گیا ہو۔ بلکہ یہ حقیقت دنیا کے ہر انسان کو معلوم ہے کہ ہندوستان کو کرۂ ارضی کے ان چند ممالک میں سے ایک خوش قسمت ملک ہے جہاں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد بستی ہے اور یہاں کے تمام بوسیدہ اور دور از کار مذاہب کے درمیان اسلام کی اشاعت کے امکانات روشن تر ہیں، البتہ کشمکش اقوام وملل اور رزم گاہ حق وباطل میں مسلمانوں کو ایک سبق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ

صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

ابوالکلام کی تفسیر اور شکوک و شبہات کی آندھیاں

صوفی نذیر احمد کاشمیری

پیش لفظ

آزاد مرحوم نے اپنی تفسیر کے پیش لفظ میں حضرت ابوبکر صدیق کا صرف ایک ملفوظ نقل کیا ہے۔ اس ملفوظ کا مفہوم یہ ہے کہ "کوئی آسمان و زمین مجھے پناہ نہیں دے سکتا جب میں قرآن مجید کے متعلق کوئی بات اپنی رائے سے کہوں"۔ بیسویں صدی نے الحاد و تشکیک کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔ اور اسی الحاد و تشکیک نے نوعِ انسانی کے فکر و عمل کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔ ایسی فضا میں، اسی صدی کے ذہن و فکر کو مخاطب کرتے ہوئے اور مندرجہ صدر ملفوظ کو اپنا رہنما اصول بنا کر تفسیر نویسی شروع کرنا بہت بڑا امتحان طلب قدم ہے۔ اور آزاد مرحوم نے اگر مگر کا سہارا لئے بغیر بلا تاویل اسی ملفوظ کو اپنا رہنما اصول بنایا

مقدمہ

اس مختصر پیش لفظ کے بعد مرحوم نے جب مقدمہ لکھا تو اسمیں سابقہ تفاسیر پر بے دریغ تنقید کرتے ہوئے اس نے تفسیر ابن کثیر کو اسی سارے سلسلے سے استثنا قرار دے کر بظاہر اپنے آپ کو کتاب و سنت کی حدود کے اندر جکڑ دیا۔ اس لحاظ سے یہ مقدمہ اپنے پیش لفظ کی توثیق ہے۔

نفسیاتی پس منظر

آزاد ایک بڑے پیرزادہ تھا اور بڑے بدعت پرست خاندان کا جانشین تھا۔ یہ چیز اس کے نفسیاتی پس منظر کا پہلا عنصر تھا۔ لیکن سنِ شعور کو پہنچتے پہنچتے اس نے پیرزادگی اور بدعت پرستی کے ہر اثر سے اپنے اثر کو پاک کر لیا تھا۔ ساتھ ہی تشکیک و الحاد کی وادی میں کچھ عرصہ گھومنے کے بعد اور اسکا اثر لینے کے بعد اس سے بھی قطعی انقطاع کر لیا۔ اور کسی متکلم اور مشکک کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کے بجائے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اور بعد میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو اپنا امامِ قرار دیدیا اور " فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" کے لالہ زار ابد بقا کی طرف نکل آیا۔[۱]

---

[۱] قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت پر ابن تیمیہؒ نے دم توڑ دیا تھا۔ اسی کا نام ہے خاتمہ بالخیر۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات   تا ز بزم عشق امر مردے کارساز آید بروں

یہ شعر اقبال مرحوم کا ہے۔ مگر میں نے اسے شیخ سرہندی اور ابن تیمیہ کے احوال پر منطبق کرنے کے لئے تھوڑا تغیر کر دیا ہے۔ اقبال مرحوم نے "یک دانائے راز" لکھا تھا۔ اور میں نے اسے "مرد کارساز" کر دیا ہے۔ اس تغیر کو بھی اقبال مرحوم کے ایک دوسرے شعر سے لیا۔ یہ شعر بھی ذیل میں درج ہے

"مجھ پہ یہ راز کھل گیا صحبت پیر روم سے   لاکھ حکیم سربجیب ایک کلیم سربکف"

اقبال مرحوم کا ایک دوسرا شعر بھی نقل کر دیتا ہوں جو شیخ الہند سرہندی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مشن کی نوعیت کو واضح کر دیتا ہے ؎

"گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا   بیاباں کی شب تاریک میں قندیلِ رہبانی"

اللہ پاک نے جو سراج منیر ساری دنیا کو منور کرنے کے لئے چودہ سو برس پہلے جلایا تھا اور جس سے تا قیام قیامت قندیل پر قندیل جلتی اور کائنات انسانی کو روشنی بہم کرتی رہیگی۔ شیخ الہند سرہندی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بلاشک وشبہ اسی سلسلے کی دو قندیلیں ہیں

شیخ سرہندی نے جن حوصلہ شکن حالات میں کفر والحاد کے مقابل علم جہاد بلند کیا اس کا ایک عمدہ بیان سید ابوالحسن علی ناظم ندوۃ العلماء کی تاریخ تجدید کی چوتھی جلد میں آیا ہے۔ اسی کتاب کے ص۲۵۳ پہ بدعت حسنہ وبدعت سیئہ کے زیر عنوان جو کچھ لکھا گیا ہے اور جو کتاب کے چوتھے باب کے آخر میں ہے وہ ایمان پرور بیان ہے۔ مجھے حیرت وخوشی اس بات کی ہے کہ مست مستاں اور مذہب عشق کے داعی جلال الدین رومی کو سلسلۂ تجدید دین کی ایک کڑی بتانے والے علی میاں کے قلم سے سنت کی یہ تعبیر کیسے نکل گئی۔ رومی کے متعلق یہ بات قطعی طور پر بیان کر دی جاتی ہے کہ وہ مذہب کا داعی ہونے کے بجائے مذہب عشق کا داعی تھا ؎

مذہب عشق از ہمہ مذہب جداست   عاشقاں را مذہب وملت خداست

رومی قطعاً تناسخ کا قائل تھا۔ ملا علی قاری نے اس کا یہ فقرہ فقہ اکبر کی شرح میں نقل کیا ہے۔ "ما صن مذھب الآفیہ قدم راسخ للتناسخ" رومی کا اپنے پیر کے متعلق جو تصور ہے وہ قطعاً اوتار کا ہے۔ "فاش بگویم ایں سخن شمس من وخدائے من"، "شمس تبریزی کہ نور مطلق است" گویا رومی اپنے مرشد کو اپنا خدا اور نور مطلق قرار دیتا ہے۔ اور علی میاں نے اسے سلسلۂ تجدید دین کا ایک رکن بنا دیا ہے۔ یہ بات دینی یقین کے فقدان کی علامت ہے

جلال الدین رومی نیکی بدی کے امتیاز کو اور نیکی بدی کے داعیوں کے امتیاز کو محض ایک وقتی قسم کا امتیاز قرار دیتا ہے۔ مگر اپنی حقیقت میں دونوں کو ایک وزن و وقار دیتا ہے۔ ؎

چونکہ بیرنگی اسیر رنگ شد — موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد
چوں بہ بیرنگی رسی کاں داشتی — موسیٰ و فرعون دارد آشتی

گویا موسیٰ و فرعون کا اور ان کے مشن کا امتیاز محض ظاہری ہے۔ اس فلسفہ کو ایک مرتب نظام فکر کی حیثیت ابن عربی نے دی ہے اور اس کے زمانے سے آج تک وہ ملت اسلامی کے دینی اعصاب کو مسلسل شل کر رہا ہے۔ اور امت مسلمہ کے سارے نظام فکر و اعتقاد کو مشتبہ کر رہا ہے اور اسی پورے نظام فکر پر حضرت شیخ سرہندی نے بھرپور تنقید کرنا تجدید دین و شریعت کے لئے ضروری جانا اور اس فرض کو ادا کیا مگر اسی نظام فکر کا ہمہ گیر ابطال شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کیا تھا جسے آج پھر سے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج پھر دین موسیٰ اور ——— دین فرعون کو وجودیت کے فلسفہ کے تحت ایک بتایا جا رہا ہے۔

موجودہ فضا

آج سیاست کا سکولر تصور ایک طرف مذہب کے اثر کو محدود کر رہا ہے۔ دوسری طرف پوری تاریخ انسانی کے اوہام و خرافات کو ثقافت کا نام دے کر اسے زندہ کرنے اور چلانے کیلئے ہر ممکن امداد دے رہا ہے۔ لہذا علماء ملت اسلامی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے سارے گروہی اختلافات اور اپنے اپنے ذوق کے رجحانات کو ختم کرتے ہوئے دین کامل و ظاہر کو سنت محمدی کے مطابق ہر لمحہ متعین کریں۔ ایکطرف مسلمہ فرائض و واجبات کا امت کے عوام کو پابند کریں تو دوسری طرف ساری کائنات انسانی کو قرآن مجید کے الفاظ میں دعوت دیں کہ

"اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ"

کم از کم ہندوستان کی حد تک ابوالکلام نے اس کا آغاز کر دیا ہے۔ اس نے شیخ سرہندی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مسلک کو اپنانے کی برصغیر میں پہلی کوشش کی ہے۔ اور دونوں کو سمجھ کر کوشش کی ہے

مرحوم و مغفور آزاد نے اپنے مقدمۂ تفسیر میں جہاں تفاسیر سابقہ کو سلسلۂ تنزل کی مسلسل کڑیاں بتایا ہے وہاں ساتھ ہی ابن کثیر کو صحت کے نمونے کے طور پر پیش کر دیا ہے۔ اس سے ایک انصاف پسند انسان کی یہ تسلی بھی ہو جاتی ہے کہ وہ سب سابقہ سلسلۂ تفاسیر کو صرف قول و فعل رسول و صحابہ رسول کے مقابل سلسلۂ تنزل بتا رہا ہے۔ نہ کہ ہمہ جہتی بطلان قرار دے رہا ہے۔ محض فقہی سوالات کو حل کرنے اور راجح و مرجوح قرار

دینے والی تفسیر، محض کلامی گروہ کو مطمئن کرنے کیلئے تفسیر، محض فصاحت و بلاغت کے اظہار کو بیان کرنے وا
کو پورے کلام اللہ کی تفسیر قرار دینا صرف تنگ نظری وانتشار پیدا کرسکتا ہے۔ وہ وحدت دین وامت کے تہ
اعتقاد کو مجروح کرتا ہے۔ لیکن جب ہر آیت کی تفسیر کے مفہوم کو قول وفعل رسول و قول وفعل صحابۂ رسول کے ذ
متعین کیا جائے تو ایک طرف تو صدر کا ادھورا پن اور انتشار ختم ہو جاتا ہے تو دوسری طرف صحیح ترین مفہو
طرف انسان کی رہنمائی ہوتی ہے۔ اور انتشار اتحاد سے بدل جاتا ہے۔

ابوالکلام نے ابن کثیر کو استثنائی حیثیت قرار دیتے ہوئے یہی کام کیا ہے۔

ایک چوک

مرحوم کی تفسیر میں ایک چوک یہ محسوس ہوتی ہے کہ اس نے فہم قرآن کے لئے جہا
وفعل رسول کو اور قول وفعل صحابۂ رسول کو پیش نظر رکھنا ضروری قرار دیا ہے۔
تفسیر کے اندر اقوال وافعال رسول اور صحابہ رسول کو کم سے کم استعمال کیا ہے۔ بیشتر غالباً اس لئے کیا گیا ہے کہ ترج
القرآن کی مختصر تفسیر کے بعد وہ ایک مفصل تفسیر لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا جو نہ ہوسکا بلکہ خود اسی مختصر تفسیر کو بھی
نہ کیا جا سکا۔

تفسیر ماجدی

آزاد کی تفسیر کے اس خلا کو مولوی عبدالماجد صاحب مرحوم نے اپنی تفسیر میں غالباً غیر شعو
طور پر پورا کیا ہے۔ وہ روایات حدیث، اقوال صحابہ، اقوال تابعین وتبع تابعین تک کو
تفسیر میں نقل کرتے جاتے ہیں۔ اور ان دو تفسیروں کو ملا کر پڑھنا اور ملت میں رواج دینا موجودہ تفسیری خلا کو پورا

بنیادی نقطۂ نگاہ کا فرق

آزاد و عبدالماجد کے بنیادی نقطۂ نگاہ میں مشرق و مغرب کا فرق ہے
آزاد چاہے وقتی طور پر کتنا ہی تشکیک آلودہ دیکھا ہو مگر جب اس نے
اسے چھوڑا تو یکسر چھوڑا اور سیدھا اور بلا تامل مسلک محدثین پر آگیا۔ اور اسی مسلکِ حقہ کی ساری حدود کو اس نے
اپنے نقطۂ نگاہ پر پوری طرح حاوی کرلیا۔ اس کے مقابل ماجد میاں سرتاسر فلسفۂ مغرب کے تربیت یافتہ تھے۔ اس کے علا
ان کی کوئی فکری بنیاد نہ تھی۔ لہٰذا ان کا اس دلدل سے نکلنا تدریجی تھا۔ پھر آزاد جسطرح پندرہ سولہ برس کی عمر میں جہا
زندگی میں سرتاسر الجھ گئے تھے اور معاشرے کی اصلاح فکر وعمل کا ہر پہلو ان کے سامنے آتا چلا گیا اس کا کوئی موقع ماجد
صاحب کو نہ ملا۔ نہ انھوں نے اسکی کوشش کی۔ مجھے ماجد صاحب مرحوم اور انکی زندگی جب بھی یاد آتی ہے ساتھ ہی فا
کے ایک شاعر (منوچہری) کا ذیل کا شعر بھی یاد آگیا ہے ؎

منکہ چوں سیمرغ در یک کوہ مسکن کردہ ام ماورائے مرکز خاکی نشیمن کردہ ام

مولوی عبدالماجد کارزار حیات سے کٹ کر ایک محفوظ کونے میں پناہ گزیں ہو چکے تھے اور اسی کونے میں بیٹھ کر وہ تفسیر نویسی میں لگ گئے تھے۔ مگر آزاد نے جہادِ حیات میں اتر کر تفسیر نویسی شروع کی تھی۔ مگر فکری رہبانیت کے باوجود اللہ پاک نے روایتِ دینی کو کتاب اللہ سے رابطہ دینے کا کام ان سے بھی لے لیا۔ " ذالک فضل اللہ " آزاد صاحب مرحوم ومغفور کے مقدمہ تفسیر میں برہانِ ربوبیت و برہانِ رحمت و نظام عدل کے متعلق جو مختصر بیان ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے۔ انھوں نے ربوبیت و رحمت و عدل کو باہم مربوط کرتے ہوئے ایک نظام فکر بنا دیا ہے۔

شکوک و شبہات کی آندھی

آزاد صاحب سورت فاتحہ کی تشریح کرتے ہوئے جب صراط الذین انعمت علیہم " پر آتے ہیں تو وہ نیکی و بدی کا ایک عام بیان دیتے ہوئے انعام یافتہ گروہ یعنے انبیا کے مقام کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ نیکی و بدی کا امتیاز گو اس مخصوص اخلاقی فطرتِ انسانی کا حصہ ہے جو انسان کو حیوان سے امتیاز دیتا ہے اور وہ بالکل پیدائشی چیز ہے مگر انسان کے لئے دین کی صراط مستقیم اور بیدینی کے سبلِ متفرقہ صرف بواسطۂ انبیاء ممتاز ہوتے ہیں لہذا ان کو یا ان کی سنن ہی کو نظر انداز کرنے کے بعد نیکی کی کوئی روشن شاہراہ معین نہیں ہو سکتی۔ جس پر نوع انسانی ایک ہم آہنگی کے ساتھ ایک قافلے کی طرح چل سکے ؎

حیات منزلِ جادوان کو طویل عرصے سے گامزن وہی پہنچ بچاکے پہنچ سکا جو مطیعِ دائمی طور ہے

آزاد مرحوم کے اس ابہام کی کوشش نے اعتقاد کی طاقت سے سلجھانا چاہا مگر دل نے صاف انکار کر دیا۔ اس کا میرے ہاں ایک عظیم سبب یہ تھا کہ میں نے ۲۹ برس کی عمر تک صرف نیکی بدی کے امتیاز کی بنیاد پر صراط مستقیم کا کوئی یقین بخش تصور بنانا چاہا مگر سارے جانباز قسم کے مجاہدات کے باوجود میں بالکل ناکام رہا ؎

"بجز اتباع محمدت نہ رسد دلے بہ طمانیت شدہ ام بسوز زماں زماں شدہ ام بجو برقی زمن زمن"

یہ شعر خود راقم کا ہے اور جذب و جنوں کے آخری دور کا ہے۔ اس تجربے میں ناکام ہونے کے بعد راقم نے سلوک مجددی کا رستہ اختیار کیا۔ ساتھ ہی حضرت مجدد کے مکتوبات کو دو برس کے اندر چھ دفعہ پڑھ ڈالا ان کی تحریر اور ان کے سلسلے کی ہم آہنگی مسلسل محسوس کرنے کی کوشش کی۔ حضرت مجدد کے سارے سلوک و سیر کو چند لفظوں میں اسطرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ سلوک ہے تطہیر باطن کی اس کوشش کا کہ جسکے نتیجے میں شریعتِ اجمالی، شریعت تفصیلی اور اوامر و نواہی دین کے متعلق سالک کا ابہام توضیح و تعین سے بدل جائے۔ انسان کو کسی خارجی استدلال و برہان کی ضرورت نہ رہ جائے۔ مجدد صاحب

کسی مجتہد کو بھی شرعی احکام میں اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توضیح سے زیادہ حق نہیں دیتے۔ ان کے ہاں سنت و بدعت کے امتیاز کی بنیاد بہت گہری ہے۔ حضرت مجدد کے سلوک و تحریرات نے مجھے ہر قسم کی خوش اعتقادی سے پاک کر کے صرف "اتباع" کی راہ پر ڈال دیا۔ تقلید شخصی اور صوفیانہ خوش اعتقادیوں کے ساتھ ہی میں نے اپنے سابقہ تجربے کے نتائج کو علی الاطلاق باطل قرار دے کر (اس سلسلے میں ابن عربی، رومی تو کلیتہً بادر ہوا ہو گئے اور شاہ ولی اللہ محدث اور علوم ولی اللہی شدید تنقید کے محتاج ہو گئے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث کی توثیق کرتے ہوئے باقی علوم ولی اللہی کو "لیس بشیئ" کے خانے میں رکھ دیا) بالکل رہنمایانہ اور غیر مقلدانہ انداز پر صرف مطلق اتباع "کو اپنے لئے کافی قرار دے لیا۔ جو راہِ ہدایت پانے کے بعد صرف دعا و استخارہ میرے لئے "عروۃ الوثقیٰ" رہ گیا تھا" اللھم اھدنی و سددنی" "اللہ م احتمل ارجوفلا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین و الھمنی رشدی فی کل امر و اصلح لی شانی کلہ لا الٰہ الا انت" "اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ" قسم کی دعائیں میرا سب ظاہری و باطنی اثاثہ رہ گیا۔ چونکہ حضرت مجدد کی یہ رہنمائی صرف اصولی حیثیت کی اور اجمالی نوعیت کی تھی جو میرے لئے بالکل ناکافی تھی لہٰذا دعا و استغفار کے نتیجہ میں مجھے بار بار ابن تیمیہ کو پڑھنے کی ہدایت ہو رہی تھی۔ ساتھ احوالِ باطنی میں دو اڑھائی برس کے انبساط کے بعد یک قلم ایک تباہ کن انقباض شروع ہو گیا۔ میں نے اتباع کے راستے میں مسلکِ دیوبند پر قناعت کرنی چاہی (مسلک دیوبند کا بانی ایک پاک باز گروہ اور سلوک کا بھی قائل ہی نہیں اسے ضرورت دین تک مانتا تھا لہٰذا اسی پر قانع ہونا چاہتا تھا) مگر یہ تمنا بھی انقباض کی گاہ پر بعینٖہ ہو کر رہ گئی۔ اور بواسطہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سید صاحب وہابیت کے کوچے میں آ کر تھا۔ اس کے علاوہ ہم میرے لئے بالکل مقفل کر دیا گیا۔ ابو الکلام مرحوم کے ساتھ پیر بھائی ہونے کے اسی دوہرے رشتے کے باوجود "صراط الذین انعمت علیہم" میں انبیاء کے شیرازہ بند جوڑ کو کھلا چھوڑ دینا جیسا کہ آزاد نے اس موقع پر کیا ہے میرے لئے ناقابل قبول سے گذر کر مردود قرار پایا۔ اور بعض سیاسی حریفانہ کشمکش نے آزاد کو جس طرح شکوک و شبہات میں لا کر ایک طرف کرنے کی کوشش جاری کر رکھی تھی وہ مجھے حق معلوم ہوئی اور میں بھی اسی بگولے میں آ گیا۔ اس میں مرحوم آزاد کے اس لاابالی پن کو بھی بڑا دخل تھا کہ اس نے اس سلسلے میں اپنی صفائی میں کوئی واضح بیان نہ دیا۔ حالانکہ اس سلسلے میں بے شمار مطالبے بھی ہوئے۔

مرحوم و مغفور کی وفات کے کچھ عرصہ بعد آتنی بات ظاہر ہوئی کہ انھوں نے اپنے دو قریبی مداحوں۔ مولوی غلام

ہر اور مولوی محی الدین قصوری ۔ کے استفسار کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ مقامِ نبوت کے متعلق سورۃ اعراف کے کسی مقام پر وہ اس کی تفصیل دینگے۔

آزاد صاحب مرحوم کی تفسیر کو ملاحظہ کرنے کا اتفاق مئی ۱۹۳۸ء میں مجھے اسوقت ہوا جب میں صرف ان سے ملاقات کرنے کیلئے کلکتہ جا رہا تھا۔ یہ سفر میں نے صرف اس مقصد کے پیش نظر شروع کیا تھا کہ آئین کی حفاظت کے لئے پورے برصغیر میں بالکل غیر سیاسی نوعیت کی ایک مجلس علماء اسلام منظم کی جائے۔ تھانہ بھون میں دو ڈھائی ہفتے قیام کیا اور حضرت تھانوی کے سامنے اس کی ضرورت کو واضح کیا۔ مرحوم نے اس بات کو دل سے سراہا مگر خود اس پر کوئی عملی اقدام کرنے سے معذوریت ظاہر کی۔ اور کہا کہ اس بڑھاپے میں اتنا بڑا اقدام ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ تھانہ بھون کے بعد اسی سلسلے میں راقم ندوہ پہونچا۔ ۱۲ دن قیام رہا۔ سید سلیمان ندوی صاحب جو اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے سکتے تھے ندوہ کے بجائے دارالمصنفین میں مقیم تھے۔ ندوہ کے باقی ماحول کا راقم کوئی اندازہ نہ کر سکا۔ پھر ڈولتا ہوا کلکتہ کا رخ کیا۔ آزاد صاحب کے علم و فراست و تدبر کا مجھے اندازہ تھا اور انگریزی اقتدار کے خلاف جہادِ آزادی کو اپنا مقصدِ وحید قرار دینے سے پہلے وہ "انجمن حزب اللہ" کے نام سے ایک ایسی تنظیم کا نقشہ پیش بھی کر چکے تھے۔ آزاد صاحب کی تنظیم میں ان کے ذاتی ذوق کی جھلک زیادہ نمایاں تھی مگر میرے سامنے جو دھندلا سا نقشہ تھا وہ شورائیت علماء کا تھا۔ چونکہ آزاد صاحب حزب اللہ کو دفن کر چکے تھے لہذا ان کا شورائیتِ علماء پر متفق ہو جانا چنداں دشوار نہ تھا۔ ندوہ کے قیام کے بعد سیدھا کلکتہ جانے کے بجائے راقم الہ آباد چلا گیا اور الہ آباد سے ہزاری باغ روڈ تک کا ٹکٹ لیا میرے پاس اتنا ہی پیسہ تھا اور ہزاری باغ روڈ پر اتر کر ہزاری باغ و رانچی کے راستہ پیدل چلنے کا ارادہ کر لیا لیکن اللہ پاک نے یہ انتظام فرما دیا کہ ایک ٹرک جو خالی ہزاری باغ کو جا رہا تھا اس نے مجھے اپنے ٹرک میں بٹھا لیا۔ میں نے اس سے کہا کہ بھائی میرے پاس پیسہ وغیرہ نہیں ہے اس نے جواباً کہا کہ اسکی فکر کیجئے ساتھ ہی یہ بھی پوچھ لیا کہ "شاید آپ نے ناشتہ نہ کیا ہوگا" میں نے کہا کہ نہیں۔ اس نے ناشتہ بھی کرا دیا۔ اسطرح جو ل تول کر کے میں رانچی پہنچ گیا اور کارکنان تقدیر نے مجھے اسی جامع مسجد میں لیجا کر ٹھہرایا جہاں آزاد صاحب نے رانچی کی نظر بندی کے زمانے میں تین برس تک جمعہ پڑھایا تھا اور جہاں انھوں نے ایک مدرسے کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔ اسی مدرسے کے صدر مدرس صاحب نے مجھے آزاد صاحب کی سورہ فاتحہ کی تفسیر دی اور میں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ ربوبیت و رحمت و عدل خداوندی کو انھوں نے جسطرح ایک مربوط نظام فکر کی حیثیت سے پیش کیا تھا وہ مجھے قرآن کریم کا اعجاز محسوس ہوا (اور ہے) لیکن جب صراط الذین انعمت علیہم" پر پہنچا اور یہاں انبیاء علیہم السلام اور ان کی رسالت کے ذکر کا کوئی اشارہ تک نہ

پایا تو میرا حسن ظن ختم ہوگیا اور آزاد صاحب کے خلاف شکوک و شبہات کی وہ سب آندھیاں، جو اس وقت پورے ہندوستان میں چل رہی تھی، ایک واقعیت محسوس ہونے لگی۔ اور چونکہ آزاد صاحب کا یہ اخلاص خود میرے عمر بھر کے مجاہدات کے پھل کا انکار تھا۔ لہٰذا میں نے وقت کے سارے گرد و غبار کیلئے اپنے دل کو کھول دیا۔ میرے ۳۰ سال کی عمر تک کے مجاہدات کا پھل یہ تھا کہ واسطۂ رسالت سے آزاد ہو کر انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ یکسر وہم و تخیل کا ایک سراب ہوتا ہے (ابن عربی کہ جو اس سلسلے کا امام ہے اس نے فصوص الحکم میں اعلان کیا ہے کہ علوم باطنیہ کے معاملے کا تعلق قوت واہمہ سے ہے۔ بلکہ اپنے خیال کے تمام اولیا، باطن کو، "صاحب اوہام تو یہ" بناتا ہے۔ لہٰذا ابن عربی کے اور اس کے متبعین کے علوم و معارف کو "اوہام و خرافات قرار دینا" بالکل صحیح ہے۔ اور جو لوگ اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں وہ اس سلسلے میں قطعاً جاہل ہیں۔ وہ ابن عربی اور اس کے متبعین کو بالکل نہیں جانتے۔ کاش ولی اللہ صاحب نے اس بات پر غور کیا ہوتا تو وہ ان علوم کو ہرگز مرتب نہ کرتے۔ مجددی سلسلے میں دو تین برس کے استغراق نے مجھے اس نتیجہ پر اسطرح پہنچایا تھا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مطالعہ نے مجھے اس پر اتنا مستحکم کر دیا تھا کہ شبہ کو جگہ دینے کے بجائے میں قتل ہونے، فنا ہونے، نیست و نابود ہونے کو سو دفعہ ترجیح دیتا تھا۔ اور آزاد نے عین محل وقوع پر اسے گول کر دیا تھا۔ لہٰذا مرحوم و مغفور کے متعلق اپنے حسن ظن کو میں نے یکسر خیر باد کہہ دیا تھا۔ مگر مرحوم سے ملاقات کے ارادے کو میں نے نہیں بدلا۔ بلکہ اپنے سارے "غبار خاطر" کو نوری صفحات کے ایک خط میں سمیٹا۔ جیب میں رکھ لیا اور کلکتہ پہنچ گیا اور آزاد صاحب کے ایک بے تکلف ملاقاتی کے ذریعہ سیدھا آزاد صاحب کے ہاتھ میں پہنچا دیا اور انتظار کرنے لگا۔ تین ہفتے کا انتظار کرلیا۔ اس کے بعد میرا ارادہ بنگلور چلے جانے کا تھا۔ اس لئے کہ بنگلور کے متعلق یہ سن رکھا تھا کہ موسم اور آب و ہوا کے لحاظ سے وہ کشمیر کا نعم البدل ہو سکتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ شہر سے فاصلے پر چند بگہ زمین حاصل کر کے اور چند بکریاں پال کر اپنا گذر بسر بھی کروں گا اور بذریعہ خط و کتابت باہر کی دنیا سے رابطہ بھی رکھوں گا۔ مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ ہفتہ بھر کے انتظار میں مرحوم کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ اُدھر قدرت نے میرے کسی ارادے یا رضا کے سوائے حسن اتفاق کے ایک دھکے نے مجھے اسی مرحوم حزب اللہ کے مزار شریف کا چیف مجاور بنا دیا جسے آزاد صاحب نے خود قائم کیا تھا اور خود ہی ختم کر دیا۔ بات یہ تھی کہ انجمن حزب اللہ کو گو مرحوم و مغفور آزاد نے خود ختم کر دیا تھا مگر اس کے نام کو بھی پنجابی تاجروں نے زندہ رکھا تھا اور اس کے اسٹیج سے وہ مختلف وقتوں میں درس قرآن دلایا کرتے تھے۔ اگرچہ کلکتہ پہنچنے کے ساتھ اپنے مختصر حلقے میں راقم "صوفی صاحب" کے نام سے متعارف ہوگیا تھا اور "مولانا" کے نہایت درجہ شستہ لقب کے بجائے

مجھے "صوفی صاحب" کا مہمل لقب زیادہ قابلِ قبول محسوس ہو رہا تھا۔

ایک دن حزب اللہ کے ارکان نے، جن کا راقم مہمان ہو چکا تھا یا قدرت نے ان کا مہمان بنا دیا تھا، مجھے درس قرآن دینے کے لئے کہا اور میں راضی ہو گیا۔ درس دیا اور حوالے اور استدلال کے بجائے شرح صدر سے دیا۔ عمر بھر کی دبی ہوئی قوت گویائی نے بھی پورا ساتھ دیا۔ اور جب درس سے فارغ ہوا تو ایک پڑھے لکھے پنجابی (مسٹر عزیز ہندی بانی تحریک ہجرت) نے بے محابا کہا کہ "صوفی صاحب" آج تک تو ہیں خضر معلوم ہوتے رہے مگر منہ کھولنے پر معلوم ہوا کہ وہ خضر کی صورت میں موسیٰ تھے" یہ قریبا خود عزیز صاحب کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد جمعہ کی نماز کے بعد کلکتہ کے پارک سرکس کے میدان میں درس دینا قریبا میرا ذمہ قرار پا گیا۔ اور بنگلور کے کسی جنگل میں کٹیا بنا کر عمر بسر کرنے کا خواب ہمیشہ کیلئے بے تعبیر ہو گیا ؎

" قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد   وگرنا خدا جامہ برخود درد" (سعدی)

۲۹ برس تک کے وجودی مجاہدات و مکاشفات کے بے بنیاد ثابت ہو جانے اور وصول الی اللہ کے لئے واسطہ رسالت اختیار کرنے کے لئے مجبور ہو جانے کے بعد مجھے قریبا اس نتیجے پر قانع ہونا پڑا کہ نبی تو اظہار کے لئے خدا کی طرف سے مجبور رہے اور خود خدا نے اس کی عصمت و حفاظت عن الخطاء رکھنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ لہٰذا کسی غیرنبی کے لئے کوئی اصلاحی کام کرنے کا محفوظ طریقہ اخفا ہے نہ کہ اظہار ہے۔ اسے مقصدِ حق کے برملا اظہار کا حق ہے مگر اسے اپنے شخصی کاروبار اور شخصیت کو خفا میں رکھنا از حد ضروری ہے ورنہ وہ اپنے لئے اور دوسروں کے لئے فتنے کا موجب بن سکتا ہے۔ دجالیت اپنے شخصی کچے پکے خیالات کے اظہار و اعلان سے جنم لیتی ہے اور جب ان خیالات کو دوسروں سے منوانا شروع ہوتا ہے تو دجالیت جنم لیتی ہے اور جب الفیں تحکم و ادعا سے منوانے کا دور شروع ہوتا ہے تو وہ بھرپور دجالیت بن جاتی ہے۔ "دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار" کاش قادیانی و مودودی فرقوں کے لوگ اس حقیقت پر غور و فکر کرتے ہوئے اور دعاء استخارہ کا سہارا لیتے ہوئے تاریخ امت کے صالحین کے سلسلے کا اتباع کریں غیرنبی اپنے مخصوص خیالات کو منوانے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔)

الہ آباد سے سیدھا کلکتہ جانے کے بجائے رانچی پہنچنا، وہاں مرحوم کی تفسیر کے مطالعہ کا موقع بہم پہنچانا، پھر حسن اعتقاد کی ساری دنیا کو دریابرد کرتے ہوئے اور سوء ظنی کی ایک دنیا دلیں دبائے ہوئے کلکتہ پہنچنا، یہاں حزب اللہ کے بانی مرحوم سے ملنے کے بجائے ان کی گدی پر پہنچانا یہ سارا سلسلہ میرے اندازے کے خلاف ہو رہا تھا اور فی الجملہ تشہیر کو میں اپنے لئے فتنہ جان رہا تھا مگر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے ساتھ درس قرآن

کے تجربے نے مجھ میں ایک اخلاقی خود اعتمادی کے عنصر کو جنم دیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ؎

"فکر روح القدسی یار اگر فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحائی کرد"

میں نے درس قرآن کو کچھ عرصہ جاری رکھا لیکن بعد میں اسکا ایک سرسری متبادل انتظام کرنے کے بعد اپنے آپ کو ہندوستان بھر میں جہانیاں جہاں گشت رہنے کا راستہ پیدا کر لیا۔ جنگل نشین ہونے کے خیال کو تو یکسر ترک کر دیا اس کے مقابل ہندوستان بھر کے لیڈروں اور تحریکوں سے رابطہ پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اب مجھ میں گرتی پانی کے بجائے خود اعتمادی رہی تھی مسلم لیگ نے ہندو مسلم سوال کو جسطرح ایک سیاسی جنگ کی صورت دی تھی وہ کسی رکھ رکھاؤ کے سمجھوتے تک تو پہنچ سکتا تھا مگر وہ ہندوستان کے فرقہ وارانہ سوال کا حل نہ تھا۔ اسکا مجھے یقین ہو گیا۔ اور میں نے اس کے لئے کام شروع کر دیا تھا۔ میرے نزدیک اس کا ایک ہی حل تھا اور وہ یہ تھا کہ ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں اور ۳۳ کروڑ اونچی نیچی ذاتوں میں سماج کو تقسیم کرنے کے دھرم کو ایک عالمگیر رب العالمین کے اعتقاد اور ایک عالمگیر انسانی بھائی چارے کے نظام اعتقاد و عمل سے بدل دیا جائے۔ اور چونکہ ہندو معاشرے کی یہ روایت ہمیشہ زندہ رہی ہے اور ہمیشہ زندہ رہتی دکھائی دیتی ہے کہ "دھرم کی ہر صورت کے ذریعہ مکتی حاصل ہو سکتی ہے" لہذا ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں کے اعتقاد اور ۳۳ کروڑ اونچی نیچی ذاتوں کے فرقہ ساز و فرقہ پرست نظام کو ایک خدا اور ایک انسانی بھائی چارے کے نظام سے بدلنے میں مذہبًا کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

ہندوستان کے پیچیدہ فرقہ وارانہ سوال کا صرف یہی ایک حل تھا، ہے اور رہے گا۔

"ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون"

یہ خالق کائنات کی دعوت ہے، جسکا اعلان اس نے خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ کے ذریعہ کرایا۔ ساری انسانیت کو زود یا بدیر صرف اسی دین پر آنا ہوگا۔ وہ لوگ بدترین مخلوقات ہیں کہ جو مسلمان کہلاتے ہوئے بھی صرف اپنی سہولت اپنی اپنی نام وری اور اپنی اپنی اغراض فاسدہ کے ماتحت امت اسلامیہ میں رنگ رنگ کی فرقہ بندیاں کرتے رہتے ہیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ انھیں تحلیل کر دے گا۔

کلکتہ کے قیام نے امت اسلامیہ کے علماء کی ایک جامع تنظیم کے سوال کو میرے لئے دوگنا کر دیا اور میں ان دونوں رخوں پر کام کرنے لگا (ایک طرف علمائے امت کو ایک جامع دینی تنظیم کی طرف متوجہ کرنا تو دوسری طرف ہندو لیڈروں کے سامنے اسلام کو لانا برہمن سماج کا سب سے بڑا مدبر سیاست داں، جو مذہبی عالم بھی تھا، راج گوپال اچاری تھا، میں نے صدر کے طرز دعوت

ے ماتحت اس سے خط وکتابت شروع کی ۔ وہ میرے پہلے خط سے ہی اپنی بنیاد سے قریباً اکھڑ گیا ۔ اس نے میرے استدلال کو
ستجاب و خوشی سے ملاحظہ کیا جیسا کہ اس کے جواب سے ظاہر تھا مگر محض شکوک کا اظہار کر دیا ۔ میرے جواب الجواب کے بعد اس
ے بعض مزید شکوک کا اظہار کیا ۔ پھر جب میں نے ان کا جواب بھی لکھا تو اس ٹھنڈے دل کے منطقی و مدبر سیاست دان
ے اپنے منطقیانہ توازن کو کھو کر مجھے لکھا کہ مجھے کسی صورت اس خط وکتابت کو شائع نہ کرنا چاہیئے ورنہ اختلاف کا ایسا
وفان کھڑا ہو جائے گا جس کا سامنا کرنا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی ۔ میں نے جو آخری خط لکھا اسمیں راجہ جی کی گھبراہٹ
محض پست ہمتی بتاتے ہوئے خط کتابت کو بند کر دیا ۔ اب میں اسے اشاعت دینے کا مجاز نہ تھا ۔ مگر میں نے اتنا
ضرور کیا کہ اسے مسٹر جناح کو پڑھا دیا ۔ بلکہ مرحوم نے اس کی نقل لینے کے لئے اپنے پاس رکھ لیا اور دو ہفتہ بعد اسے
مجھے واپس کر دیا ۔ جناح مرحوم سے میری یہ ملاقات علی گڑھ میں ہوئی تھی ۔ میری خط وکتابت مرحوم سے پہلے رہ چکی ۔ مگر ان
کی حیثیت ایک لیڈر اور ایک عامی کی تھی مگر اس خط وکتابت کو پڑھنے کے بعد اس کی حیثیت قریبا بدل گئی ۔ وہ
میری ہر بات پر غور کرتے تھے اور عجب نہیں کہ اس کا ریکارڈ بھی رکھتے ہوں ۔ وہ چونکہ محض سیاسی فکر کے ایک آدمی تھے
لہذا انھوں کے بعد کی ایک ملاقات میں میری بات کو ناقابل عمل بتایا اور مجھ سے مطالبہ کیا کہ عمل کی سطح پر اگر اسلام اور مسلمانوں
کو بچانا میرے سامنے ہے تو مجھے مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہیئے ۔ ان ملاقاتوں میں مجھے مسلسل محسوس ہوتا رہا کہ ایک
تو مسٹر جناح کو اپنے کیس اور اپنی وکالت پر پورا اعتماد تھا ۔ دوسرا سے یہ یقین تھا کہ بر بنائے تجربہ وہ کانگریس کے کسی
معاہدے کو قابلِ اعتماد نہ سمجھتا تھا اس کے ذہن میں ۱۹۱۶ء کے معاہدے سے لیکر ۱۹۲۶ء تک کے معاہدات کی تصویر
قانونی نقاط کی طرح قائم تھی ۔ چونکہ سیاسی نقطۂ نگاہ کے علاوہ معاشرتی و معاشی یا مذہبی نقطۂ نگاہ سے اس نے ہندو مسلم
تنازع کو اور کسی نقطۂ نگاہ سے کبھی سوچا ہی نہ تھا لہذا سیاست سے ہٹکر اور کسی نقطۂ نگاہ سے سوال کو سوچنا وہ
ایک غیر متعلق جھنجھٹ سمجھتا تھا ۔ مگر راقم کو اس نے مجبوراً ایک استثنا قرار دے دیا تھا چنانچہ انکے سیکریٹری اور
سوانح نگار مسٹر مطلوب حسین نے میرے ایک ہمدرد " حاجی منور الدین سوداگر چرم کلکتہ سے تعجب سے کہا کہ آپ کے صوفی نے
جناح صاحب پر کون سا جنتر منتر پھونک دیا کہ وہ اکثر مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ " صوفی نذیر احمد کا کوئی خط تو نہیں آیا "
بات یہ بھی کہ علاوہ اپنے حل کے میں بعض وقت ان غلطیوں کی نشاندہی بھی کر دیتا تھا ، جو لیگ کے حلقوں میں اور بعض
وقت خود جناح صاحب سے ہو جاتی تھی ۔ اور وہ ان پر توجہ بھی دیتے تھے ۔ جناح کے متعلق یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ
وہ ایک ہندی قسم کا ڈکٹیٹر تھا ۔ وہ دراصل منطق و قانون کے خمیر سے بنا تھا لہذا وہ جذباتی اپیلوں کو بے معنی سمجھتا تھا

ں مگر واقعات و دلائل سے اسے قائل کرنے کی کوشش کی جاتی تو وہ قبول کرنے میں کوئی دریغ نہ کرتا تھا۔ منطق و دلیل
بول کر لینے میں وہ بالکل ایک جمہوری قسم کا آدمی تھا۔ ڈکٹیٹر نہ تھا۔

زاد سے ملاقاتیں

۱۹۴۲ء میں جبکہ راقم کافی متعارف ہو چکا تھا جس کا سبب حزب اللہ کا درس تھا تو راقم نے آزاد صاحب سے ملنے کی کوشش کی اور وہ کامیاب رہا۔ مگر اب کا صوفی
یر احمد ۱۹۳۵ء کا صوفی نذیر احمد نہ تھا، جو دولت اخلاص اور صحت مقاصد کے سوائے کچھ نہ رکھتا تھا بلکہ اب
معاشرے کے سیاسی اتار چڑھاؤ کے علاوہ معاشرے کے عملی اتحاد کے اکثر گوشوں کو بھی سمجھ رہا تھا اور اس کے علاج
متعلق بھی اس نے کافی سوچ لیا تھا۔ لہذا ان چند ملاقاتوں میں مرحوم سے کھل کر بات چیت ہوئی اور راقم نے محسوس
یا کہ آزاد کی دینی فکر و اعتقاد میں کوئی کجی پیدا نہ ہوئی تھی صرف اسے مسلم معاشرے کی طرف سے مایوسی تھی۔ لہذا جب
ے علما کی تنظیم کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندو قوم کے لئے اسلام کی ضرورت پر بات چیت شروع کی اور دلائل
ایک مربوط سلسلہ مرحوم کے سامنے رکھا تو مرحوم کچھ دیے ہوئے دینی احساس میں ایک تازگی محسوس ہونے لگی۔ تومیت
حدہ کے جدید دھرم کے متعلق مرحوم نے خود ہی مجھے بتایا کہ اس کی دینی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ کسی مشترک خطرے
ے مقابل اسلام نے اس کو نہ صرف جواز کی سند دی ہے بلکہ رسول خدا نے مدینہ آنے کے بعد عملاً بھی اسے قائم کیا تھا گویا
ے اس بیان سے قومیت متحدہ کے جدید مذہب کے متعلق بھی شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ سکتی تھی۔ لہذا آزاد صاحب
ے متعلق شکوک و شبہات کی آندھی وقتی طور پر بالکل ختم ہو گئی۔ اور ہندو معاشرے کے لئے اسلام کی ضرورت پر کھل کر
ات چیت ہوئی۔ اب بات دو بھائیوں کے درمیان ہو رہی تھی۔ میں نے عمداً اپنے آپ کو چھوٹے بھائی کی پوزیشن میں محدود
رتے ہوئے اس غبار خاطر کے اثر کو دھو دینے کی کوشش کی جس کا اظہار میں نے اپنے تنقیدی نوٹ میں کیا تھا یا اس سلسلے
ے بعد کے خطوط میں کیا گیا تھا مگر محسوس ہوا کہ مرحوم پر میرے خطوط کا ذرا اثر مطلق نہ ہوا تھا اس لحاظ سے وہ اپنے دور کے سب
لماء سے کہیں بلند تھا۔ "اللھم اغفر لہ وارحمہ وتجاوز عن سیأتہ۔ ربنا اغفر لنا ولاخواننا
لذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک غفور رحیم"
میرے استدلال کی بنیاد یہ تھی کہ جمہوریت کے عالمگیر ہنگامے نے مساوات انسانی کے جس تصور کو عالمگیر
کردیا ہے اور وہ موجودہ دور کا مذہب بنتا جا رہا ہے وہ ذات پات، چھوت چھات اور اونچ نیچ کو پنپنے نہ دے گا
لہذا بے تعصبی کی فضا کے پیدا ہوتے ہی ہندوستان کا اسلام کے توحید و اخوت کے عالمگیر نظام کو اپنانا ایک قدرتی

بات ہوگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اپنے دور کے بے نظیر ذہین و طباع آزاد نے اس نقطۂ نگاہ سے ہندوستان کے مسئلے کو بالکل سوچا ہی نہ تھا لہٰذا میرا استدلال مرحوم کیلئے ایک نیا انکشاف تھا اور وہ صدفی صد مجھ سے ہم آہنگ ہوگئے۔

اس کے بعد اس بات پر گفتگو شروع ہوئی کہ اسی بات کو آگے بڑھانے کیلئے کون سی صورت اختیار کی جائے۔ تو مرحوم نے بتایا کہ میں اپنی جہاں بھائی کے دور کو ختم کرکے کہیں مقام کروں اور مرحوم اپنے رابطے کے لوگوں کو مجھ سے اور میرے مشن سے مربوط کرنے جائیں۔ غالباً اس سلسلے میں مرحوم کے سامنے پرانے خانقاہی نظام کی مثال ہے۔ مگر میں اس بات پر ان سے کہیں زیادہ سوچ چکا تھا اور مجھے صاف محسوس ہوا تھا کہ عالمگیر جمہوریت کے دور سے ایسے شخصی حلقے ہم آہنگ نہیں ہو سکتے جو صرف شخصی اوابدیسے بنے ہوں لہٰذا میں نے مرحوم سے اختلاف کرتے ہوئے اور دلائل دیتے ہوئے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ چونکہ جمعیت علماء مجلس احرار ان کے زیر اثر ہے اور دونوں جماعتیں مذہبی ہیں لہٰذا اس سوال کو آگے بڑھانے اور سارے ملک کے سامنے لانے کی بہتر دیجیح ترصورت یہ ہوگی کہ ان کی ایک خاموش مجلس بلوائی جائے اور ہندوستان کی فرقہ واریت کو ختم کرنے کیلئے اس نصب العین کو سامنے کر دیا جائے۔ مرحوم اس پر راضی ہوگئے اور چونکہ اسی سال (۱۹۴۲ء) کا جمعیت العلماء کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہو رہا تھا لہٰذا مرحوم نے باصرار شدید مجھے لاہور پہنچکر ان کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور میں با مرمجبوری لاہور چل دیا اور وہاں پہنچ کر مرحوم کو اطلاع کر دی کہ میں ان کے انتظار میں ہوں۔ اجلاس میں ابھی قریباً مہینہ بھر باقی تھا۔

پھر بدظنی اور شکوک کی آندھی

کانگریس کے اندرونی حلقوں میں کئی ماہ سے اندرونی طور پر اس بات پر بحث چل رہی تھی کہ اب وقت ہے کہ انگریز کو ہندوستان چھوڑ دینے کا آخری الٹی میٹم دیدیا جائے مگر چونکہ ہٹلر نے روس پر دھاوا بول دیا تھا لہٰذا پنڈت نہرو اور شاید باقی سوشلسٹ اسے ناپسند کرتے تھے کہ جمہوریت کے علمبرداروں کو شکست کا سامنا کرنا پڑے اور کوئی قطعی فیصلہ مشکل ہو رہا تھا چونکہ آزاد صاحب کانگریس کے صدر تھے لہٰذا گاندھی جی کیطرف سے آزاد صاحب کی طلبی ہوئی اور وہ جمعیت العلماء کے طرف سے اجلاس میں شرکت سے پہلے وارد ھا چلے گئے۔ رات بھر قیام کیا اور صبح واپس ہوئے اور وارد ھا اسٹیشن پر انھوں نے پریس کو ایک بیان دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "جو طاقتیں انھیں کانگریس سے علیحدہ کرنے کی فکر میں ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ ناکام ہوں گی" یہ بیان میں نے پڑھا تو مجھے شک محسوس ہوا کہ مبادا آزاد صاحب پھر بدل گئے ہوں۔ میں اسی ادھیڑبن میں تھا کہ جمعیت العلماء کا اجلاس شروع ہوگیا اور آزاد صاحب بھی لاہور آگئے۔ مگر مجھ سے کسی قسم کا رابطہ قائم نہ کیا گیا۔ نہ

اطلاع کی گئی جیسا کہ کلکتہ میں طے ہوا تھا۔ آزاد صاحب نے جمعیت کے آخری اجلاس کو مخاطب بھی کیا۔ تقریر کے دو گھنٹے بعد پتہ چلا کہ وہ رات کو دس بجے کی ٹرین سے واپس کلکتہ جا رہے ہیں۔ میں مبہوت رہ گیا۔ یہ سب بات طے شدہ منصوبے کے الٹ تھی۔

لہٰذا میں نے فوراً ایک خط لکھا۔ ایک شخص کو خط دے کر آزاد صاحب کی قیامگاہ پر بھیجا۔ اور اس نے خط پہنچا کر اور واپس آکر مجھے اطلاع بھی کر دی۔ خط کا مضمون تلخ ترین الفاظ میں "ھٰذا فراق بینی و بینک" پر مشتمل تھا۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند — دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا"

کئی دن تک طبیعت مکدر بلکہ از حد تلخ رہی۔ مگر چونکہ میرا اعتقاد کسی آزاد یا اسباب ظاہر کے بجائے میرے خدا پر رہا ہے لہٰذا آزاد صاحب کے تجربے کو میں نے حافظے کی لوح سے مٹا کر اپنی دوڑ دھوپ جاری رکھی۔ پھر کلکتہ جا پہنچا۔ کوئی سات آٹھ صفحات کا ایک نوٹ تیار کیا۔ اسے انگریزی میں سائیکلو اسٹائل کرا کر اپنے ہمراہ رکھ لیا۔ اور طول و عرض ہند میں گھومنا شروع کر دیا ؎ فقیرے بے نوائے ہرزہ گردے۔ بامید نگاہ رہ نورد ے

لباسِ ہست و بودش اشک گرمے۔ نوائے زادِ راہش آہ سردے

یہ رباعی خود راقم کی ہے اور اس کے سفر حیات کا خلاصہ ہے۔ کانگریسی لیڈر تو "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ لگا کر جیل چلے گئے۔ اور میں نے مسلم و غیر مسلم غیر کانگریسی لیڈروں کی ایک فہرست بنائی اور اپنے خاکے کو بنیاد بنا کر صحرا پیمائی کے بجائے، جسے عام طور پر خلائی دیوانوں کی خصوصیت مان لیا گیا ہے، شہر پیمائی شروع کر دی۔ کلکتہ سے لاہور آ گیا اور سب سے پہلے بھائی پرمانند آنجہانی سے ملا۔ وہ ہندو مہا سبھا کے بانیوں میں سے تھے۔ آریہ سماجی بھی تھے اور مہا سبھائی حلقوں میں چوٹی کے لیڈر مانے جاتے تھے۔ میں نے سائیکلو اسٹائل کیا ہوا اپنا مقالہ انھیں دیا اور گذارش کی کہ اسے ملاحظہ کریں اور بات چیت کرنے کیلئے مجھے کچھ وقت دیں۔ انھوں نے دوسرے دن صبح نو بجے ملنے کا وقت دیا اور میں وقت پر ان سے ملا۔ وہ میرے نقطۂ نگاہ سے قریباً متفق محسوس ہو رہے تھے۔ ہندو سماج کی نفسیاتی دنیا کے متعلق یہ بات آج بھی حیران کن ہو سکتی ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی دہلیز پر پہنچ چکی ہے۔ صرف وہ سیاسی تعصبات راستہ روکے ہوئے ہیں جنھوں نے پاکستان کو جنم دیا تھا لہٰذا مجھے اس مشن کو جاری رکھنے کے لئے ترغیب بھی دی۔ اپنے متعلق یہ بتایا کہ ہم نے ذات پات چھوت چھات اور بت پرستی کے خلاف عمر بھر کام کیا ہے اور کسی حد تک ہموار کی ہے مگر ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ اس مشن کو لے کر آگے بڑھیں۔ مگر مجھے اس مشن کو جاری رکھنا

چاہئے" میرے مقالے کو اردو میں "انقلاب لاہور" نے شائع کیا۔ اور بعد میں بمبئی کے اخبار "مسلمان" نے بھی اسے اشاعت دی۔ بمبئی کرانیکل کے اڈیٹر اور ملک کے چوٹی کے جرنلسٹ عبداللہ بریلوی سے بھی ملا۔ ایک کاپی دی اور کچھ بات چیت بھی کی۔ انھوں نے خوب دلچسپی دکھائی مگر عملاً میرے مقالے کو شائع نہ کیا۔ کلکتہ سے جاری شدہ میرا سفر قریبا ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک جاری رہا۔ انگریزی سی۔آئی۔ڈی نے اچھا خاصہ تعاقب کیا مگر عملاً کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی۔ پھر جب سر سٹیفرڈ کرپس ہندوستان آئے تو ایک کاپی میں نے انھیں بھی بھیجی اور اس معنے کے چند جملے شخصی خط کی شکل میں اضافہ کر دیئے، ہندوستان کے فرقہ وارانہ سوال کو سیاسی ذرائع سے سلجھانا ممکن نہیں اسے ایک معاشرتی انقلاب کے ذریعہ سلجھانا ہی صحیح طریق کار ہے۔ کرپس ایک سوشلسٹ قسم کے سیاست دان تھے مگر مذہب سے انتہائی لگاؤ بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے میرے مقالے کو نہایت دور رس نتائج کا حامل اور عقلمندانہ بتایا۔

جب آزاد صاحب احمد آباد جیل سے رہا ہوکر واپس کلکتہ آئے تو میں نے بادل ناخواستہ مقالے کی کاپی ان کے ایک مرید خاص کے ہاتھ ہوڑہ اسٹیشن پر ہی پہنچا دینے کی کوشش کی۔ پروفیسر ہمایوں کبیر کو کلکتہ میں کاپی دستی دی جسے انھوں نے بغور پڑھا اور اسے بنگال کے پریس میں اشاعت دلانے کی از حد کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ مہاسبھا کے پرانے اور اپنے وزن میں دیو ہیکل لیڈر ویر ساورکر سے ملنے کے لئے میں نے کلکتہ سے بمبئی کا سفر دوبارہ کیا وہ جلاوطنی کاٹ کر واپس وطن آچکے تھے۔ ان کا وزن ہندوستان بھر کے ہندو سیاسی و سماجی حلقوں میں یکساں محسوس ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ بھائی پرمانند جی سے بھی زیادہ وزن رکھتے تھے۔ بمبئی پہنچ کر کئی ہفتے تک ٹھہرا رہا مگر ان سے ملنے کی میری کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوئی۔ وہ دراصل ہندوستان کو ہندو اسٹیٹ بنانے کے لئے عمر بھر کام کرتے رہے لہٰذا میری تجویز کا ان پر کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ اس پر بھی میں نے ان سے ملنے کی سرتوڑ کوشش کی اور "خود غرض دیوانہ" کے مقولے کا پورا مظاہرہ کیا۔ ناکام ہو کر چند دنوں کیلئے پونا آگیا۔ پونا مہاسبھا کا قلعہ تھا۔ اور ایسی جگہ ٹھہرنے میں مجھے قوت محسوس ہوتی رہی ہے جو خطرات سے گھری ہوئی ہوتی ہو۔ ایسے مقامات پر میرا رجز ذیل کا شعر ہوتا ہے ؎

"کشادہ سرِ راہ سر کو وفا میں — صلہ یہ بھی ہے اک مری بندگی کا"

مگر آج تک نہ تو سر کٹا۔ نہ کامیابی ہوئی۔ شاید سر کٹانے کا مرحلہ اب نہیں رہا۔ ممکن ہے کہ اللہ پاک ہندوستان کو نظامِ خلافت کا مرکز قرار دے چکا ہو۔ ملکی اور بین الاقوامی حالات "امۃ وسطا" کے لئے ایک نیا ہیڈ کوارٹر تعمیر کرنا محسوس ہوتے ہیں ؏ "برس اے ابرِ کرم دیر نہیں ہے ابھی"

آزاد صاحب کو جو کاپی بلا کسی خط کے میں نے کلکتہ پہنچائی تھی اس کی رسید ان کے سیکریٹری نے شملہ سے بھیجی صرف یہ لکھا تھا کہ "آپ کے نقاط کو مولانا نے نوٹ کر لیا ہے یہ خط کہاں کہاں سے ہوتا ہوا مجھے پونا میں ملا۔ آزاد صاحب کے سیکریٹری کی رسید سے کوئی انشاشت نہ ہوئی۔ بلکہ اب تو ان کی ہر بات مجھے نفاق و نمائش دکھائی دیتی تھی۔ اب ان کے متعلق مجھ سارے وہ شکوک و شبہات امر واقعہ محسوس ہو رہے تھے، جو آندھی بنے ہوئے تھے۔ سوائے اس ایک بات کے کہ وہ دین کو نہیں سمجھ سکے۔ ۱۹۴۲ء کی تین ملاقاتوں نے مجھ پر اس بات کو صاف کر دیا تھا کہ وہ اسلام کو اپنے دور کے سب علماء سے کہیں زیادہ سمجھتے تھے میں انھیں منافق بھی نہ کہہ سکتا تھا اسلئے کہ منافق میں کسی بات کا کوئی یقین نہیں ہوتا وہ ہر موقف سے ہم آہنگی دکھا کر اپنے مقاصد کو آگے بڑھاتا ہے۔ آزاد اسلام کی عالمگیری کا بھی منکر نہ تھا نہ اس کے متعلق کوئی شک رکھتا تھا۔ اسکی کمزوری صرف یہ تھی کہ وہ اپنے عزم و ارادہ کو اپنے نصب العین کی بلندی تک نہ پہنچا سکا۔ اور اپنی اسی کمزوری کا اپنے بعض بے تکلف ملنے ملانے والوں کے سامنے ظاہر بھی کر دیا تھا۔ آزاد کے متعلق میرے غیض و غضب کو دیکھتے ہوئے ایک بیدین قسم کے انکے ایک مسلم ساتھی نے مجھے کہا کہ صوفی صاحب! آزاد غیظ و غضب کا مستحق نہیں ہے رحمت و دعا کا مستحق ہے۔ محمد علی جوہر کی آزاد سے برہمی بھی میری برہمی سے ملتی جلتی تھی جوہر مرحوم اپنے آپ کو آزاد کا رقیب ہرگز نہ سمجھتا تھا۔ وہ اس کے عمل و اعتقاد کی ناہمواری کا شاکی تھا۔ آزاد نے پیرزادگی کو چھوڑا۔ اس کی اساس و بنیاد کا انکار کر کے ابن تیمیہ کو اپنا مرشد تسلیم کر لیا۔ مگر وہ تن آسانی کو نہ چھوڑ سکا۔ "سوختہ! تجھے تنگ نہ کرد۔ مجھ سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی زندگی بسر نہیں ہو سکتی"! یہ فقرہ جو آزاد کی مرکزی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر یہ بات مرحوم نے صرف ایک آدھ مداح سے کہی تھی۔ باقی سب دنیا کے لئے مرحوم صرف ایک ابہام بنا رہا۔

آزاد پر ایک قاتلانہ حملہ

آزاد کے عزم کو توڑنے کا سب سے بڑا قاتلانہ حملہ وہ تھا جو الہلال کے اجرا کے وقت سے ہی قدامت پسند علماء کی طرف سے اس پر شروع ہو گیا تھا۔ سوائے ایک شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے باقی سب قدامت پسند علماء (شیخ الہند کے شاگردوں سمیت) آزاد کے امام الہند ہونے کے دشمن جانی بن گئے تھے۔ (کاش مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مدظلہ اپنے مرنے سے پہلے ایک مفصل بیان دیتے جائیں) اسی بنیاد پر آزاد نے ایک طرف تو انجمن حزب اللہ کو ختم کر دیا۔ دوسری طرف آزاد نے مجاہدین سے قطع تعلق کیا اور تیسری طرف علماء کو مخاطب کر کے ایک مبہم سا بیان اس مضمون کا دے دیا کہ اب تو اپنی کدورتوں کو ختم کر دو۔ مگر وہ کدورتیں پھر بھی ختم نہ ہوئیں۔ مگر اب آزاد ایسی جگہ جا چکا تھا کہ قدامت پسند علماء کی یہ کدورتیں انھیں کوئی نقصان نہ دے سکتی

تھیں بلکہ علماء کے ایک بڑے گروہ کو خود ان کی سرپرستی کی ضرورت تھی۔ یہ تھا آزاد کے عزم کو توڑنے کا سب سے بڑا قاتلانہ حملہ۔ مگر یہ سارے عذر (جن سے میں قریباً ناواقف تھا) میرے نزدیک فضول تھے اور اب بھی فضول ہیں۔ موت اور دار و رسن کو دعوت دینے میں محمد علی جوہر کو، جسے اپنے فہم دین کے معاملے میں آزاد کا شاگرد کہنا بالکل بیجا نہیں، آزاد پر بیّن فوقیت حاصل تھی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آخر وقت جس طرح نوازا اس پر دنیا کے ہزاروں صالحین کو بھی رشک ہوگا۔ اقبال نے اسکی وفات کی خبر سن کر ایک نظم لکھی تھی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

خاک قدس اُورا بآغوش تمنا در گرفت سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

ہندوستان آزاد، پاکستان آباد اور صوفی نذیر احمد خان ماں برباد

۱۹۴۵ء سے ہندوستان کے آزاد ہونے کے وقت تک نہایت مخدوش حالات رہے۔ صورت یہ تھی کہ اگر پاکستانی تحریک ناکام ہوتی ہے تو سارے برصغیر میں ایک ایسی سول وار شروع ہو جاتی ہے کہ جس کے انجام کے متعلق کچھ کہنے کی گنجائش نہیں اور اگر پاکستان بن جاتا ہے تو ہندو مسلم منافرت کا خاتمہ ہونے کے بجائے یہ منافرت بین الاقوامی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ میرا یقین تھا کہ اگر میری تجویز کو پوری طرح اچھال دیا جاتا تو اوپر کے خوفناک منظر کی شدت اگر ختم نہیں تو کم ضرور ہو جاتی۔ مگر یہ نہ ہو سکا۔ پاکستان بن گیا مگر سول وار نے فرقہ وارانہ فسادات کی وہ شکل اختیار کی جو ۳۳ برس گذر جانے پر بھی کسی نہ کسی صورت جاری ہے۔

ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد آزاد صاحب مرحوم نے جمعیت العلماء کا ایک اجلاس لکھنؤ میں بلوایا۔ اور یہ ریزولیشن پاس کروادیا کہ ہندوستان کے آزاد ہو جانیکے بعد جمعیت العلماء سیاست سے علیحدہ ہو کر صرف مذہب کے دائرے میں کام کرے گی۔ ساتھ ہی اپنی تقریر میں حضرت رسالتمآب کے مدینہ پہنچ کر عام خطرات کے مقابل تمام ساکنان مدینہ کے مشترکہ دفاعی معاہدے کا حوالہ دیتے ہوئے قومیت کے اصول کو اپنی فطری حدود میں محدود کرنے کی کوشش کی۔ یہ دراصل ۱۹۴۲ء میں آزاد صاحب نے جو بات چیت کی تھی اس کے ایک حصے کا اعادہ تھا۔ مگر برصغیر کے فرقہ وارانہ فساد کو توحید خدا و اخوت انسانی کے وزن دار رولر سے ہموار کرنے کی طرف کوئی اشارہ تک نہ تھا۔ اسے جمعیت العلماء کے مستقبل کے حوالے کر دیا گیا تھا اور جمعیت العلماء جو اب صرف ہنگامہ پسند نوجوانوں کی ایک جماعت رہ گئی ہے، آج تک اس طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ نہ سیاست کو چھوڑا۔ بلکہ توڑ پھوڑ کی سیاست کو خود مدارس کے اندرون خانہ تک رواج دینے کو اپنا دین و آئین بنالیا۔ حالانکہ مدارس کے متعلق آج جو کام ضروری ہے وہ اس سیاست بازی سے الگ ہے۔ دینی مدارس میں پختہ دینی سیرت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ

آئندہ نسل کو نہ صرف دین پر مستحکم کیا جاسکے بلکہ ان کے ذریعہ پوری امت اسلامی کو ایک مبلغ دین امت بنایا جاسکے، جو موجودہ دور کی لا اخلاقیت و لادینیت کا مقابلہ کرتے ہوئے امت کو وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس کا مصداق بنادے۔ اسے اپنے مقام کا احساس دلقین دلائے

لہٰذا سیاسی وحشت پسندی کو مدارس کے اندر لیجانا دین وملت سے کھلی غداری ہے۔ جسے فوراً ترک کرکے اصل راہ عمل کو اختیار کرنا وقت کی ضرورت اور پکار ہے۔

ایک خاموش آغاز

حضرت شیخ الہند جب طویل جلاوطنی کے بعد واپس ہندوستان پہنچے تو انھوں نے سیاست میں دوبارہ شامل ہونے کے بجائے علماء دیوبند (جو زیادہ تر اور شاید سارے کے سارے ان کے شاگرد تھے) کے سامنے یہ اعلان کیا کہ وہ سالہا سال کے غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امت اسلامی کے موجودہ عالمگیر انتشار کا سبب صرف اسلئے ہے کہ اسکا رابطہ قرآنی تعلیم سے باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کردیا کہ وہ باقی ایام حیات اسی رابطے کو زندہ کرنے میں صرف کرینگے۔

مفتی محمد شفیع مرحوم ومغفور نے "وحدتِ امت" کے نام سے پاکستان سے ایک مختصر کتاب شائع کی تھی جس میں شیخ مرحوم کے اسی ارادے کو خود انھیں کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی علامہ انور شاہ کاشمیری مرحوم کے الفاظ میں امت کے دینی انحلال وکمزوری کو علماء کے فقہی جدلیات کا نتیجہ بتایا ہے۔ گویا بڑی حد تک راہ عمل کو متعین کردیا ہے۔ استاد نے دین کی اصل ثابت کو قوت پہنچانے کی اور شاگرد علام نے اسے تا آسمان پہنچانے کی امتحان کی ہے۔ جمعیت علماء ہند اگر اپنے سلف صالحین کے خلف راشدین بننا چاہتی ہے تو اس کا فرض صرف یہ ہے کہ سیاست کی بازی گری سے کھلے بندوں انقطاع کا اعلان کرتے ہوئے مدارس اسلامیہ میں بلکہ سارے مسلم اداروں میں اس پروگرام کو رائج کرے۔ اور جبکہ لکھنؤ کے ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا جاچکا ہے کہ "جمعیت علماء ہند" اب سیاست سے کنارہ کش ہو کر ملت کی صرف دینی خدمت تک اپنی مساعی کو محدود کرے گی۔ تو اب سیاست کے گرد وغبار اور دھینگا مشتی کو اپنا آئین بنائے رکھنا جمعیت کے لئے رسوائی دارین کے سوا کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا۔

تفسیر قرآن کے متعلق چند ضروری باتیں

قرآن مجید وسنت رسول کا تعلق

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون ..

قرآن مجید ایک کتاب الاصول ہے۔اس میں سارے کے سارے روحانی، اخلاقی، معاشی و معاشرتی وسیاسی اصولوں کا بیان ہے۔ یہ اصول اگر ایک جگہ اجمالاً بیان ہوئے ہیں تو دوسری جگہ ان کی تفصیل بھی آگئی ہے اس لحاظ سے امر واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو بیان کرتا ہے۔ وہ خود اپنا اجمال بھی ہے اور اپنی تفصیل بھی ہے۔ مگر قرآن مجید صرف کتاب الاصول نہیں ہے کہ مختلف اوقات اور مختلف ماحولوں میں اس کی رنگ رنگ کی تشریحیں اور تعبیریں کی جائیں (جیسا کہ موجودہ دور کا عام رجحان ہے۔ اس کی واضح ترین مثال ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ سیاسی تعبیر دین ہے، جسے کلی ریاست کے ملحدانہ فلسفے کی کامل نقالی کہنا بالکل حق ہے۔ اسے خود مودودی صاحب نے تسلیم کرکے سیاسی دین بتایا ہے۔ دینی سیاست اور سیاسی دین کے فرق کو نظرانداز کرنے اور اسے ایک کلی نظام بنانے کا یہ انجام ہے) بلکہ وہ پورے نوع انسانی کے لئے ایک عملی کوڈ آف کنڈکٹ بھی ہے۔ یہی چیز ہے جو فلسفیانہ نظریات اور مذہب میں فرق کرتی ہے قرآن مجید کا ایک ایک ٹکڑا اترتا تھا اور اس پر رسول پاک عمل فرماتے تھے۔ ''کان خلقہ القرآن'' اور آپ کے اتباع میں صحابہؓ اس پر عمل فرماتے تھے 'امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون. کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ۔ لانفرق بین احد من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر'

لہذا ایک مومن معاشرے کی عملی زندگی کے تمام پہلو اطاعت رسول سے بنتے ہیں اور ہر علمی واعتقادی ابہام کے بیان کا حق خود اللہ پاک نے رسول کو دے رکھا ہے۔ صدر میں قرآن مجید کی آیت میں رسول پر قرآن کے اتارنے کی معین غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کے اوامر ونواہی کا تبیان کرے۔

بیان القرآن کی حفاظت پر قرآن مجید کی پوری حفاظت کو اللہ پاک نے یہ اعلان کرتے ہوئے اپنا ذمہ بتایا ہے کہ ''انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون'' بالکل اسی طرح بیان القرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لے کر یہ اعلان فرمایا ہے کہ ''ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرانٰہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ''

اور یہ بیان القرآن وہ ہے جسے سنت رسول کہا جاتا ہے۔

لہذا قرآن مجید کو ایک جامع کوڈ آف کنڈکٹ کی حیثیت سے آزاد کرکے اس پر آزاد خیالی کی نفسیاتی بیماری کے باعث تدبر کرنے کا کوئی مفہوم نہیں بنتا۔ وہ الحاد بے دینی ہے۔

اس خاتمۂ مضمون کے ساتھ آزاد کی تفسیر کے پیش لفظ میں نقل کئے ہوئے ملفوظ کو بھی ملا لیا جائے اور تدبر

فی القرآن آزادانہ تفکر و تعقل کو انہیں حدود کے اندر محدود کیا جائے

عبودیت و بندگی کی صرف یہی ایک راہ ہے۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چلانے کی ہر مومن دن بھر بے معلوم کتنی رقم دعا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب گمراہی کی سبل متفرقہ ہیں، صراط مستقیم صرف ایک ہے ا سبل متفرقہ کا کوئی حساب نہیں" وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ ذلکم وصٰکم بہ لعلکم تتقون،،

اہلحدیث اور اقوال ائمہؒ

مولانا عبدالرؤف رحمانی، جھنڈا نگری

علامہ ابن قیمؒ نے کتاب و سنت کے حق تقدم کے سلسلہ میں اعلام الموقعین میں کیا خوب لکھا ہے۔ لابد من امرین احدھما اعظم من الاخر وھو النصیحۃ للہ ولرسولہ ولکتابہ وتنزیھہ من الاقوال الباطلۃ المنافقۃ والثانی معرفۃ ائمۃ الاسلام ومقادیرھم وحقوقھم ومراتبھم وان فضلھم لایوجب کل ما قالوا ولا یوجب اطراح اقوالھم الخ

یعنی صحیح راہ حق و اعتدال کی بات یہ ہے کہ دو اصل ہیں دونوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ ہر حال میں کتاب و سنت اور نصوص شرعیہ کو مقدم رکھنا ضروری ہے اور اس پر حکم و عمل کرنا چاہئیے دوسرے یہ کہ تمام ائمہ اسلام اور علماء حق سے حسن ظن و محبت و ارادت رکھنی چاہئیے اور ان کے مراتب و حقوق کی رعایت سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئیے یہی دو اصل ہیں جن کے توازن و تناسب کو باعتدال ملحوظ رکھنے سے ساری مصیبتیں پیش آتی ہیں ایک جماعت نصوص شرعیہ کے اتباع و تقدیم کا یہ مطلب سمجھتی ہے کہ جہاں کسی اہل علم کا کوئی قول بظاہر کسی حکم و نص کے خلاف نظر آیا بلا تامل تضلیل و تکفیر پر آمادہ ہوگئے۔ دوسری جماعت نے ائمہ دین کی پیروی و محبت و اعتقاد کے معنی یہ سمجھا کہ احکام و نصوص کو ان کا تابع و محکوم بنا دیا اور غیر معصوم انسانوں کی خاطر کتاب و سنت کو ترک کر دیا اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ کی سرحد کے قریب لگ گئے اس دوسری جماعت کا عجب حال ہے کہ جب کبھی اپنے پیشواؤں کے کسی قول کو احکام و نصوص شرعیہ کے خلاف دیکھتے ہیں تو اس کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتی کہ قرآن و سنت کو سامنے رکھ کر اس مخالف قول کی تاویل کرے بلکہ اس کے برعکس یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے اماموں اور فقیہوں کی باتوں اور رایوں کو مقدم رکھ کر کسی نہ کسی طرح قرآن و حدیث کو انکے مطابق کر دکھائے

علامہ شمس الدین ذہبی نے کیا خوب لکھا ہے۔

الفقہ ما قال اللہ وقال رسولہ ان صح والاجماع فاجتھد فیہ
وحذار من نصب الخلاف جہالۃ بین النبی وبین رای فقیہ

یعنی اصل فقاہت قول خدا اور قول رسول کی اتباع ہے کسی مسئلہ میں یہ دونوں نہ ملیں تو اجماع پر نظر کرنی چاہئے لیکن جہالت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور فقیہ کی رائے کو یکساں مقام دے کر قول نبی کی مخالفت نہ کرو۔

پس اہلحدیث تمام اہل علم و ائمہ اسلام سے حسن ظن وعقیدت رکھتے ہوئے ان کے ان اقوال و آراء کو دیکھکر جو بظاہر کتاب وسنت کے نصوص کے خلاف معلوم ہوتے ہیں ان کی تضلیل وتکفیر نہیں کرنے لگتے بلکہ حتی الوسع ان کی تاویل کرتے ہیں اور تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر دیکھتے ہیں کہ کسی طرح اختلاف دور ہی نہیں ہو سکتا تو انکی خاطر نصوص شرعیہ کو ترک نہیں کرتے بلکہ بہرحال نہ مطلق ان آراء و اقوال کی پیروی وحمایت کرتے ہیں اور نہ ان کی وجہ سے صاحب قول کے حقوق اسلامی ومراتب علم وفضل کو نظر انداز کر کے آمادۂ انکار وتضلیل ہوتے ہیں کیونکہ کسی کا غیر معصوم وقابل احترام اور قابل اتباع ہونا اس امر کا مستلزم نہیں کہ اس کا ہر قول حجت ہو اور نہ کسی غیر معصوم کے قول و اجتہاد کا غلط ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کے عام محاسن وفضائل کو نظر انداز کر دیا جائے۔ البتہ اصل مرکز کتاب وسنت ہے یہ مرکز اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا سب کو اسکی خاطر اپنی جگہ سے ہلنا پڑے گا، اس چوکھٹ کو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ سب کی چوکھٹیں اسکی خاطر چھوڑ دینی پڑے گی۔

(تذکرہ مولانا آزاد ص۲۵)

مولانا آزاد نے اہلحدیث حضرات کی خصوصیت کے ذیل میں کیا خوب لکھا ہے کہ اگر اس عشق کتاب وسنت کو جرم سمجھ لیا گیا ہے تو خدا نہ کرے کہ اس پاک جرم کے مجرموں سے اس کی زمین خالی ہو۔

خدا گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق است
گناہ گبر و مسلماں بہ جرم ما بخشند

(۴) حضرت العلام مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے "تاریخ اہلحدیث" میں کیا خوب لکھا ہے کہ ہم بلاخوف لومۃ لائم اس حقیقت کو واشگاف پیش کرتے ہیں کہ اہلحدیث کی طرح کسی فرقہ نے بھی حدیث نبوی کے سامنے جذبہ اتباع وانقیاد کے ساتھ اپنے سر تسلیم کو خم نہیں کیا ہے، ہر ایک نے حدیث کے مرتبہ صحت پر پہنچ جانے کے باوجود بھی اس کی تسلیم میں کچھ نہ کچھ چوں وچرا کیا ہے کسی نے مخالفت قیاس کا عذر کیا اور راوی صحابی کو غیر فقیہ کہہ دیا۔ اور کسی نے

معارض قرآن کہہ کر ٹال دیا اور کسی نے محض اسی خیال سے کہ ہمارے امام صاحب نے اس حدیث کو نہیں لیا اور اس کی تعلیم سے سرپھیر لیا تو ضرور اس میں کوئی خرابی ہے۔ غرض ہر ایک نے اسکی اتباع میں کوئی نہ کوئی روڑا اٹکایا۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو براہ راست آپ کی طرف منسوب نہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک کے سامنے ایک درمیانی پردہ ہے جو اسے حدیث تک پہونچنے سے روکے ہوئے ہے لیکن جماعت اہلحدیث نے (اعلی اللہ منارھم) ان سب کے برخلاف نہ تو کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا۔ اور نہ حضور اکرم کی حدیث پاک کی متابعت میں کسی کے قیاس رائے کی مطابقت کی شرط لگائی بلکہ نہایت سیدھے طور سے صحابہ کی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی اطاعت واتباع کو اپنا اولین وبہترین فرض سمجھا ہے۔

ما اہلحدیثیم دغا را نہ شناسیم
با قول نبی چوں وچرا را نہ شناسیم

اہل حدیث کی خاص خصوصیت

اہل حدیث کے سوا دوسرے فرقوں میں حدیث نبوی سے متعلق ایک زبردست غلطی یہ موجود ہے کہ اگرچہ ہر ایک نے حدیث نبوی کو اصول شرع میں سے مانا ہے مگر عملاً اپنے امام کے اقوال ہی کو دو طریقوں سے اصل اصول کی حیثیت دی ہے اول یہ کہ اگر امام کا کوئی قول کسی وجہ سے مخالف حدیث ہو گیا تو حدیث کی تاویل کر دی لیکن اس قول کی تائید سے نہیں ہٹے۔

دوم یہ کہ کسی مقتدا و امام نے کسی ایسی روایت سے تمسک کیا جو عند التحقیق ضعیف بلکہ منکر اور باتفاق محدثین غیر ثابت و بے اصل ہے تو اس کا حال معلوم ہو جانے پر بھی مقلدین نے اس قول کو نہیں چھوڑا۔ ان ہی دو باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے عملی طور پر حدیث نبوی کو مرجع شرع نہیں مانا۔ گو لفظاً واعتقاداً وعملاً حدیث نبوی سے تجاوز کا دعوی ہیں۔ اسلئے سب فرقے اہلحدیث کے سوا اس شعر کے مصداق ہیں۔

وکل یدعی وصلاً بلیلی
ولیلی لا تقر بہم بذاکا

صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے نہ تو کسی امتی کی مخالفت کی پروا خواہ وہ کیسا ہی بزرگ و برگزیدہ ہو اور نہ کسی ضعیف حدیث پر اپنے احتجاج کی بنیاد رکھی۔ انکی ساری ہمت احادیث نبویہ کی وضاحت اور ان کی شرح وبیان وتنقید

پڑتال میں خروج ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ حدیث نبوی کی خدمت انجام دیں اور اقوال الرجال کے بجائے اقوال رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کریں اور ہر ایسی کتاب سے الگ رہیں جس میں حدیث نبوی کی مخالفت پائی جائے۔ بلاشبہ حدیث نبوی کی تعظیم و تعمیل جیسی اس فرقہ کی نظر میں ہے کسی اور کی نظر میں نہیں ہے اہلحدیث کی دعوت ہر خاص و عام کیلئے عمل کی طرح آج بھی ہے۔ آئیے ہم سب مل کر پیغمبر معصوم کی اطاعت کریں اور غیر معصوم کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم نہ کریں۔

اہل حدیث کا نظریہ اتباع رسول ہے اتباع اقوال نہیں۔

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اہل حدیث حضرات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اعراض کرنیکا وسوسہ بھی نہیں رکھتے اہل سنت ائمہ سلف کا بھی یہی قول ہے کہ احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے اقوال پر مقدم رہیں گے۔ خود امام ابوحنیفہؒ نے بھی فرمایا اترکوا قولی بخبر الرسول یعنی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث مل جائے اس پر میرے قول کو چھوڑ دو۔ مقامات مظہریہ میں جناب مرزا جانجاناں فرماتے ہیں کہ قول امام اترکوا قولی بخبر الرسول نص است برآں کہ جمیع احادیث با امام نرسید بلکہ تحقیق از ایشان فوت شدہ و چیرا فوت نہ شود کہ مثل خلفاء راشدین کہ اعلم ایں امت و ملازم محبت جناب رسالتمآب صلعم بودند تحقیق احادیث از ایشان نیز فوت شدہ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو علامہ عبدالحئی فرنگی محلی نے اپنی متعدد کتابوں میں نقل کیا ہے (امام الکلام ص۳ التعلیق الممجد ص۱۱ الفوائد البہیہ ص۹۱)

حاصل یہ ہے کہ جس طرح خلفاء راشدین کو باوجود صحابی ہونے کے جمیع احادیث کا علم نہ تھا اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کا جمیع احادیث کا علم و احاطہ نہ ہو سکا تو اس میں کیا مضائقہ۔ غلطی تو ان کی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے قیاس و رائے کو مخالف حدیث پاکر نہیں چھوڑتے حالانکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں اماموں نے فرمایا کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی (کشف الغمہ للشعرانی ص۱۱، حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص۱۵۷)

اسی طرح امام مالک اور امام احمد نے فرمایا کہ جب تم میرا کلام حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار پر مار دو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے فرمایا لاتقلدونی ولا تقلدن مالکا۔ کہ نہ تو میری تقلید کرو اور نہ امام مالکؒ کی۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کا کلام رد کیا جا سکتا ہے اور اس پر گرفت کی جا سکتی ہے بجز کلام

رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ۔ (حجۃ البالغہ جلد ۱ ص ۱۵۰)

پس ائمہ کے تحقیقات وقیاسات اور فتاوی اگر حدیث کے خلاف ہیں تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس وقت امام کے سامنے حدیث نہ تھی ورنہ حدیث ہی کو معمول بناتے ۔ امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کا قول قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے فرمایا میرے قول کو چھوڑ دو ۔ (عقد الجید ص ۶۵ و دراسات اللبیب ص ۱۲۶)

ائمہ کی طرف اقوال کی نسبت مشکوک ہے ۔

فقہاء متاخرین یا مقلدین نے صرف فتاوی صحیح حدیث رسول کو طرح طرح کی حیلوں سے چھوڑ دیا اور عمل بہر حال امام کے قول ہی پر رکھا اور احادیث نبویہ کو ملحوظ رکھے بغیر اپنے امام کے اقوال کو ہی اصول ٹھہرایا اور ان پر تخریجات وتفریعات کا دروازہ کھول دیا اور سب پر کذا عند ابی حنیفہ کی مہر لگا دی جاتی ہے حالانکہ ان تفریعات وتخریجات سے لیا اوقات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا ہے ۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حقیقت مستورہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا انی وجدت بعضهم یزعم ان جمیع ما یوجد فی هذه الشروح الطویلة وکتب الفتاوی الضخمة وهو قول ابی حنیفة وصاحبیه ۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول طبع فی مصر ص ۱۶۰)

یعنی اصول فقہ اور ان کے شروع وفتاوی میں جو کچھ مسائل بیان کئے گئے ہیں ان کی نسبت یہ گمان غلط ہے کہ وہ سب امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال ہیں بلکہ کچھ اقوال تو امام صاحب اور صاحبین کے ہیں اور باقی اقوال ان کے ہیں جنھوں نے امام کے قول کو اصل ٹھہرا کر باقی جزئیات کی خود تخریج کی ہے کہ امام کے فلاں قول پر یہ جزئیہ متفرع ہوتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کو ان اختراعی اصول وقواعد کا وہم وخیال بھی نہیں گزرا ہوتا بہرحال متاخرین کی تفریعات خود انکی ساختہ وپرداختہ ہیں ۔ امام کو ان سے کوئی تعلق نہیں ناواقف آدمی عند ابی حنیفہ دیکھکر دھوکا کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ فرع بھی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اسکے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے پوری تحدی وقوت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ جو قواعد ٹھہرائے گئے ہیں مثلاً ۱ الخاص مبین فلا یلحقه البیان ۲ الزیادة علی الکتاب نسخ فلا یکون الا بآیة ناسخة وحدیث مشهور ۳ لا ترجیح بکثرة الرواة وانما هو تفقه الراوی ۴ کل حدیث لم یروه الا من هو لیس فقیها فان انسد فیه باب الرای لا یجب قبوله ۵ العام قطعی کالخاص وغیر ذالک من القواعد المصنوعة ۔

ان میں سے کون سا قاعدہ ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ یا صاحبین کا ٹھہرایا ہوا ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان قواعد واصول کا مفصل ونام بنام ذکر کرنے کے بعد پورے پیچ کے ساتھ لکھتے ہیں ۔ وانہ لاتصح بہا روایۃ عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ ۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اصفحہ ۱۶۰)

یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے لیکن اب دیکھو لیجئے کہ کتب فقہ کے سب اصول امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کی طرف منسوب ہیں اور ہر ادنیٰ فقہاء تک ان کو امام صاحب ہی کے بالخصوص اصول سمجھتے ہیں ۔

افادہ | مولانا ابوالکلام آزاد صاحبؒ نے اس بحث کو تذکرہ کے صفحات میں پھیلا کر لکھا ہے مگر حضرت شاہ ولی اللہ کا نام اس بحث میں تو کیا کچھ اس کا اشارۃ تک نہیں کیا حالانکہ یہ ساری بحث من وعن حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ باب حکایت حال الناس میں خود شاہ صاحب نے مفصلاً لکھا ہے ۔

(۲) تفہیمات الٰہیہ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں : در علوم شرعیہ بسیار چیز ہا آوردند کہ مقصود و معلوم پیشینیاں نہ بود بلکہ در سلف امت اثرے ازاں یافتہ نمی شود در کتب فقہ وفتاوی تامل کن کہ دامن رائے وتفریع را تا کجا کشیدند واز اصل اصول شرع کہ قرآن واثر است چہ قدر دور افتادہ ۔ "یعنی پچھلے لوگوں نے علوم شرعیہ میں ایسی چیزوں کو داخل کیا ہے جو کہ اگلوں کے علم و قصد میں نہ تھی بلکہ اسلاف امت میں اس کا کوئی اثر ونشان بھی نہیں پایا جاتا ہے فقہ اور فتاوی کی کتابوں میں غور کرو کہ تفریع کا دامن کو کس قدر دراز کرتے ہوئے اصول شرع سے کس قدر دور جا پڑے ہیں ۔

(۳) ایک اور جگہ پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس طرح فرماتے ہیں کہ "وصیت اول ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت در اعتقاد وعمل بہرا و مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن اگر طاقت نہ بود ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن در عقائد مذہب قدماء اہل سنت تفصیل وتفتیش نہ کردہ اند اعراض نمودن وتشکیکات معقولیات خام التفات نہ کردن ودر فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن وتفریعات فقہ را بر کتاب وسنت نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن است ۔ ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن متفلسفہ فقہا کہ تقلید عالمی را دستاویز ساختہ وتتبع سنت را ترک کردہ اند نہ شنیدن وبدیشاں التفات نہ کردن وقربت خدا جستن بدوری ایشاں ۔

(تفہیمات جلد دوم صفحہ ۲۴۴)

یعنی فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کی پیروی کی جائے اور ان دونوں سے لکھے پڑھے اور اگر پڑھو نہ تو ایک ورق کا ترجمہ لکھوے سنے، عقائد میں متقدمین اہل سنت کی پیروی کرے، اور خام کار فلسفی کی پرواہ نہ کرے، فروعات میں ائمہ حدیث کی پیروی کرے جن کی فقہ و حدیث دونوں پر نظر ہو، فقہ کے فروعی مسائل کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرتا رہے، جو موافق ہو ان کو قبول کرتا رہے، اور باقی کو رد کرے، امت کو اپنے مسائل اجتہادی کتاب و سنت پر پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں متقشف فقہاء کی بات ہرگز نہ سنے جن لوگوں نے اہل علم کی تقلید کرکے کتاب و سنت کو ترک کر دیا ہے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے، ان سے دور رہ کر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرے،

ایک موقع پر علامہ ابن قیمؒ نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے قول کو نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں والمتاخرون احدثوا حیلا لم یصح القول بہا عن احد من الائمۃ ھم یخطئون فی النسبۃ الیہم ولھم من الائمۃ موقف بین یدی اللہ (اعلام الموقعین لابن القیم)

یعنی فقہاء متاخرین نے بہت سی ایسی چیزیں یا ادحیلہ کی بہت سی باتیں ائمہ کرام کی طرف منسوب کر دی ہیں حالانکہ ان چیزوں کی نسبت ائمہ کی طرف قطعاً غلط ہے خدا کے روبرو اس کے محاسبہ سے متاخرین بری نہیں ہو سکتے۔

ایک اہم نکتہ اس موضوع پر لکھتے لکھتے میرا ذہن اس طرف گیا کہ جس طرح تمام تفریعات کا انتساب حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف قطعاً صحیح نہیں ہے اسی طرح خود بعض اصول بھی ایسے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہیں اور امام صاحب کو اس کی خبر بھی نہیں ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ ہی میں ان کے کچھ ایسے اصحاب و تلامذہ پیدا ہو چکے تھے جو امام صاحب کے ارشاد و منشا کے بالکل خلاف کچھ اصول کی ساخت پرداخت کر لیتے۔

محدث ابن ابی حاتم کتاب الجرح والتعدیل میں لکھتے ہیں کہ محدث ابونعیم فضل بن دکین (امام بخاری کے استاذ) نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کی زبان سے میں نے سنا ہے کہ ایک دن وہ اپنے تلامذہ سے کہہ رہے تھے انکم تکتبون فی کتابنا ما لا نقولہ۔ (کتاب الجرح والتعدیل قسم ثانی جلد دوم ص۴۱۳)

"یعنی تم لوگ ہماری کتاب میں ایسی بات بھی لکھ دیتے ہو جس کے ہم قائل نہیں ہیں" اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام کے زمانہ ہی میں پوری جرأت سے امام کے تلامذہ امام کے علی الرغم اصول کا اختراع کرکے امام کی طرف منسوب کرتے ہیں پھر متاخرین نے جو باتیں امام کی طرف منسوب کر دیں ان کے انتساب کا معاملہ بدرجہ اولیٰ بدتر ہوگا۔

تخریج وتفریع میں ائمہ کرام سے اجتہادی غلطیاں

اس جگہ بھی یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اصحاب الرائے وفقہاء نے صرف اقوال امام پر قناعت کرلیا اور مسائل کے پیش آنے پر اپنے ائمہ اساتذہ کے اقوال وفتاوی کو دیکھا اگر اس سے جواب نکل آیا تو بہتر ورنہ ان کے کلام کے عمومات کو دیکھا یا کلام کے اشارہ واقتضا کو دیکھا اور غور کیا اور اس سے استنباط کرلیا اور کبھی اپنے مشائخ کے بتائے ہوئے مسئلہ میں علت پیدا کرکے اس علت پر مدار حکم رکھ کر غیر مصرح مسئلہ میں وہ حکم جاری کردیا چونکہ ان تفریعات وتخریجات میں محل خطا زیادہ ہے اسلئے محدثین نے اس طرح کے طریق کار سے شدید اختلاف کیا کیونکہ تخریج میں صحت کے ساتھ غلطی کا بھی احتمال ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رح سے بھی اس طرح کی تخریج میں غلطی ہوگئی۔

ایک واقعہ

علامہ شبلی نعمانی رح نے سیرت النعمان میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا کہ میں دس برس تک اپنے استاذ حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس وتدریس کا سلسلہ قائم کردوں لیکن استاذ کا ادب مانع رہا۔ اتفاق سے اس زمانہ میں حضرت حماد رح کو بصرہ جانا پڑا چونکہ وہ مجھے اپنا جانشین بنا گئے تھے اسلئے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاذ سے کوئی روایت نہیں سنی تھی اسلئے میں نے اپنے اجتہاد سے جواب دیا اور اپنے جواب کی ایک یادداشت لکھتا گیا دو مہینے کے بعد جب حضرت حماد واپس بصرہ سے آگئے تو میں نے وہ یادداشت پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں اور باقی جوابات کو صحیح قرار دیا۔

غور کیجئے جب حضرت امام ابوحنیفہ رح جیسے بزرگ اپنے استاذ حماد کے اقوال وفتاوی کی تخریج میں اپنے استاذ کے منشاء کو بیس مسئلہ میں نہ پاسکے اور حضرت حماد نے انکو غلط قرار دیا تو یہ کس طرح تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح کے اقوال وفتاوی پر تخریج کرنے والے امام صاحب کے منشا کو ہرجگہ فرو پا گئے ہونگے چونکہ مجتہد کی اجتہاد میں غلطی کا امکان ہے اس لئے اس طرح کے فتاوی واقوال غلطی سے کلیۃً محفوظ نہیں کہے جاسکتے اسلئے اب ان اقوال وفتاوی پر جو تخریج ہوگی اس میں غلطی در غلطی کا امکان ہے کیونکہ احتمال ہے اجتہاد اول ہی غلط ہو پھر اس میں تخریج بھی غلط ہوگی پھر اس تخریج پر مزید تفریع بھی غلط ہوگی جس طرح سلسلہ تخریج آگے چلے گا احتمالاً خطا بھی زیادہ ہوتے جائیں گے ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اسلئے کتاب وسنت سے تمسک واعتصام اور قرآن وحدیث سے استدلال پر اہلحدیث کا مسلک ہے جو کہ احتمال خطا سے محفوظ ہے

کیونکہ حدیث نبوی فی ذاتہ کلام رسول ہے پس اہلحدیث کسی امام کے اقوال کو اصول قرار دے کر تخریج و تفریعات کا دروازہ نہیں کھولتے کیونکہ خود فقہاء کے اقوال خطاء سے محفوظ نہیں تو تخریجات کا کیا حال ہوگا

ایک شبہ کا معقول جواب

علامہ ابن القیمؒ نے کتاب الروح میں کیا خوب لکھا ہے فرماتے ہیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر کسی کے قول و رائے کی حکومت ایک سکینڈ کیلئے بھی تسلیم نہ کرو خواہ وہ قول و رائے کسی بڑے سے بڑے امام کی طرف ہی کیوں نہ منسوب ہو جب کوئی حدیث اسناد و معنی کے اعتبار سے پایۂ صحت کو پہنچ جائے تو چاہے تمام اہل مشرق و مغرب اس کی مخالفت کریں تم اس کی پرواہ نہ کرو اور صرف آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت کرو نصوص پر عمل کرنے سے ائمہ کی مخالفت لازم نہیں آتی علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ یہ کہنا کہ فلاں حدیث کو امام صاحب نے نہیں لیا تو چونکہ ان کا علم ہم سے زیادہ ہے اسلئے ان کا قبول نہ کرنا اس پر دلیل ہے کہ وہ حدیث محل نظر ہے اس کا جواب تو اولاً یہ ہے کہ کیا ضروری ہے کہ وہ حدیث بھی ان کو ملی ہو علاوہ ازیں علامہ ابن قیمؒ نے اس پر ایک بہترین معارضہ لکھا ہے فرماتے ہیں فمن ذھب الی النص اعلم بمنك فھلا وافقتہ

یعنی بیشک ائمہ کے مقابلہ میں ہم زیادہ علم والے نہیں لیکن جو دیگر ائمہ نے ان حدیثوں کو قبول کیا ہے وہ بلاشبہ ہم سے زیادہ فہم والے تھے پھر ان نصوص کو قبول کرنے والے ائمہ کی متابعت کیوں نہیں کرتے آخر وہ ائمہ بھی عالم تھے جنہوں نے ان حدیثوں کو قبول کیا۔

بدرگاہ ربّ العالمین

الحاج پروفیسر حفیظ بنارسی

اے خدائے دو جہاں اے خالقِ کل کائنات
اے کہ تیرے دستِ قدرت میں ہیں اموات و حیات

اے کہ تیرے دم سے ہے یہ عالم لیل و نہار
اے کہ ہر اک چیز سے قدرت ہے تیری آشکار

اے کہ تیری ذات بے ہمتا ہے رحمٰن و رحیم
اے کہ تو ہے باوجود سرکشی ہم پر کریم

لائے ہیں اپنی گذارش ہم ترے دربار میں
عرض اپنی پیش کرتے ہیں تری سرکار میں

ہم بہت نادم ہیں مولیٰ اپنے بداعمال پر
اک نگاہِ لطف فرما دے ہمارے حال پر

رابطہ قرآن اور سنت سے ٹوٹا جائے ہے
دامنِ دین مبیں ہاتھوں سے چھوٹا جائے ہے

اب ہمارے دل کے اندر نورِ ایمانی نہیں
کچھ لحاظِ شرع و پاسِ حکمِ قرآنی نہیں

گو بظاہر سر بسجدہ ہوتے ہیں تیرے حضور
طالبِ دنیا ہیں تیرے دین سے کوسوں ہیں دور

اپنے ہاتھوں سی رہے ہیں اپنی عظمت کا کفن
ہیں شکارِ بادِ صرصر ہم چمن اندر چمن

ہم ذلیل و خوار ہوتے جا رہے ہیں ہر جگہ
اہلِ باطل ظلم ہم پر ڈھا رہے ہیں ہر جگہ

اور ہم آپس ہی میں ٹکرا رہے ہیں کو بہ کو
روز و شب اپنے ہی بھائی کا بہاتے ہیں لہو

اپنی دولت اور طاقت کر رہے ہیں رائیگاں
اور ہمیں ہوتا نہیں احساسِ نقصان و زیاں

پھر پڑھا دے اے خدا ہم کو اخوت کا سبق
سامنے آنکھوں کے آجائے وہی پچھلا ورق

جس کو پڑھ کر ہم اشداء علی الکفار تھے
دشمنانِ دینِ حق سے برسرِ پیکار تھے

پھر ہمارے سر میں وہ سودا سما جائے خدا
دور ہو غفلت ہماری ہوش آجائے خدا

امتِ خیر الوریٰ پھر تیری دیوانہ بنے
جو خدا خانہ تھا یا رب پھر خدا خانہ بنے

بول بالا ہو جہاں میں پھر ترے ہی نام کا
شرق سے تا غرب پھر ڈنکا بجے اسلام کا

ہوں عرب کے یا عجم کے سب مسلماں ایک ہوں
اہلِ ایماں ایک ہوں سب اہلِ قرآں ایک ہوں

"ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے"
مستحق ہو جائیں ہر اک کامرانی کے لئے

پھر سنور جائے مقدر جگمگائے پھر نصیب
[illegible]

حضرت مولانا عبدالہادی صاحبؒ

حیات اور کارنامے

از مولانا وصی الرحمن سلفی بلواوی

۱۲۰۵ھ میں حضرت مولانا عبدالہادی صاحبؒ ضلع چھپرہ کے موضع زیرہ رینی کے ایک رئیس اعظم کالستھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اردو فارسی اور انگریزی سے شروع کی۔ حصول تعلیم کے بعد کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک اچھے وکیل ہو گئے۔ اسی اثناء میں ہندوستان کے اکابرین علماء کرام کے ایک بڑے اجلاس میں علماء کرام کی تقریروں سے متاثر ہو کر ۱۲۳۲ھ میں مع اہل وعیال علامہ شاہ اسماعیل شہید دہلوی علامہ سید احمد شہید کے ہاتھوں کلکتہ میں مشرف باسلام ہوئے اور وکالت چھوڑ کر ان کے ہمرکاب ہو گئے۔ تعلیم تربیت علامہ شاہ اسماعیلؒ سے حاصل کی۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ سے مولانا اولاد حسین قنوجی اور علامہ شاہ اسحاق محدث دہلویؒ سے تکمیل کی اور شہیدین کے شانہ بشانہ جہاد بالاکوٹ میں شامل رہے۔ جب یہ جہادی جماعت بذریعہ کشتی پٹنہ کے صادق پور محلہ میں تشریف لائی تو آپ کی جہادی تقریروں سے اہل علم مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ پیدا ہوا اور آپ سارن چمپارن، رنگ پور، دیناج پور، دارجلنگ وغیرہ اضلاع کے خلیفہ بنائے گئے۔ جہاں ان اضلاع کے مسلمانوں میں جہادی اسپرٹ پیدا کیا وہیں ان کے شرک و بدعات کے عقائد کی بھی بھرپور اصلاح کی۔ بنگال میں تو پانچ لاکھ سے زائد گھرانے آپ کے پکے مرید بن گئے۔ چمپارن میں بھی جن بستیوں میں اہلحدیث کی جماعت نظر آ رہی ہے وہ آپ آپ کے خاندان کے متعدد اکابرین علماء کرام ہی کی کاوشوں کا صلہ ہے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے اکابرین علماء کرام میں ہوتا تھا۔ آپ کی کئی تصانیف میں کتاب بلبل باغ نبی۔ جو طبع نہ ہو سکی۔ ۱۲۶۵ھ میں مکہ معظمہ حج کے لئے روانہ ہوئے اچانک انتقال کیا لاکھوں کی تعداد نماز جنازہ میں شریک تھی بمبئی میں مدفون ہیں۔ آپ کے صاحبزادوں میں جناب حافظ حاجی غازی مولانا عبدالکریم صاحب مسلمؒ مصنف دیوان گلشن ہدایت و مولانا عبدالرحیم صاحبؒ نے جہاد خراسان میں بھی بہادرانہ جہاد کیا۔ اور بہار و بنگال اور ملک نیپال میں بھی تصانیف اور تقریروں سے اپنے معتقدین کو جلا بخشی اور اغیار کو دعوت سنت دے کر لاکھوں کے دلوں سے شرک و بدعت کی تاریکی دور کر دی۔ آپ لوگوں کے

صاحبزادوں میں حضرت مولانا عبدالرشید صاحب و حضرت مولانا علی منظر صاحب بے نظیر مناظر پیدا ہوئے آپ لوگوں نے بھی زندگی بھر جہادی جماعت میں رہتے ہوئے خصوصًا مسلمانان چمپارن و بنگال اور نیپال کے مسلمانوں کو عمومًا سنت رسول پر چلانے کے لئے کوشاں رہے نیز بتیاں میں انگریزوں کے عالموں نے جب اسلام پر کیچڑ اچھالنا شروع کیا تو اس وقت چمپارن علماء دین سے محروم تھا لیکن مولانا عبدالرشید صاحب نے انگریزوں کا دنداں شکن جواب دیا جس سے چمپارن سے ان کی ہوا اکھڑ گئی اور ایک بھی مسلمان عیسائی نہ بن سکا۔ آپ کے وارثین میں حضرت مولانا ابو سعید صاحب رح حضرت مولانا ابوالخیر صاحب رح حضرت مولانا عبدالباری صاحب رح بہت بڑے عالم اور مناظر پیدا ہوئے ان لوگوں نے اپنی تصانیف اور تقاریر سے جماعت اہلحدیث کی رہنمائی کرتے رہے سنت کی اجرا کیلئے مدرسہ دارالسلام سکٹا کا قیام عمل میں لائے مگر افسوس اس مدرسہ پر دوسرے عقیدہ والوں کا غلبہ ہے مسلم رح کے محبوب نوا سے حضرت مولانا منظور الحق صاحب رحمانی منظر بلیرام پوری مرحوم رح بہت بڑے زبردست عالم اور مناظر ہوئے انھوں نے بھی اپنی تصانیف اور تقاریر سے جماعت اہلحدیث کی آبیاری کی اور اسی مقصد کے تحت مدرسہ سلفیہ منظر العلوم بلیرام پور، مدرسہ سلفیہ منظر العلوم برسہ۔ مدرسہ سلفیہ کنز العلوم رنگ پور کلیا نیپال کا قیام عمل میں آیا جو اپنی ذمہ داریوں کو بڑی خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ غرض ضلع چمپارن کا یہ علمی خاندان آج بھی اپنے آبائی نقش قدم پر گامزن ہے۔

بقیہ کارناموں کی تشہیر: ص ۴۵ کا:

اشاعت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ملت کے نزدیک کام کی رفعت اور اس کا وزن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب کام کرنے والا اپنے دل سے تفوق و برتری کا جذبہ نکال دے، اور عمل کا مقصود صرف رضائے الہی کو قرار دے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اخلاص و انکساری عطا فرمائے، اور ہمارے اعمال کو قبولیت کا شرف بخشے۔

کارناموں کی تشہیر کا مرض

دینی احکام وتعلیمات اور عام انسانی وملی خدمات کی بجاآوری کے سلسلہ میں دنیا اور اہل دنیا کا مزاج ومعیار اسلام کے مزاج ومعیار سے یکسر مختلف ہے۔

چنانچہ دنیا والے اچھے کاموں کی تشہیر واعلان کو پسند کرتے بلکہ ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ کسی کار خیر کو شروع کرنے سے پہلے ہی اس کی تشہیر مختلف طریقوں سے شروع کر دی جاتی ہے، اور کام کی انجام دہی کے بعد تشہیر کی اس مہم میں بہت زیادہ تیزی آجاتی ہے، اور کام کو انجام دینے والوں پر ایک خمار سا طاری رہتا ہے جس کو قریب پاس کے لوگ اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔

مگر اسلام کی رہنمائی مذکورہ ذہنیت کے بالکل برعکس ہے، اس کی تعلیمات کے مطابق چونکہ ہر بھلے کام کا پورا پورا اجر اس کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا اس لئے اسے اپنے ذہن میں کسی ایسے خیال کا لانا کہ وہ کسی پر کوئی احسان کر رہا ہے بالکل لغو ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت (۲۶۴) میں مومنوں کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنی خیرات کو بیکار کریں۔ جیسے وہ شخص جو لوگوں کو دکھانے کی نیت سے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور پچھلے دن پر اس کو یقین نہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں اس کی توضیح اس طرح وارد ہے کہ ریاکار بظاہر اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ صدقہ اس مٹی کی طرح ہے جو کسی صاف چٹان پر جمی ہوئی ہو اور دیکھنے والا اسے قابل کاشت زمین خیال کرے لیکن جونہی بارش ہو اس کی تمام مٹی دھل جائے اور وہ صاف چٹان کی چٹان رہ جائے۔ اسی طرح ریاکاروں کے عمل ان کے صحیفۂ اعمال سے مٹ جائیں گے، اور وہ ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں گے، اور نہ انھیں ان کا کوئی اجر ملے گا۔ یہ مثال ہے ریاکار کے خرچ کرنے کی جس کا اللہ تعالیٰ اور

آخرت پر ایمان نہیں ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ نیک اعمال سے صرف رضائے الٰہی کے حصول کا مقصود سامنے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، اور کسی بھی دوسرے شخص کو دکھانے یا اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے خیال سے بچنے کی تاکید ہے، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے نیک اعمال کو کسی دوسرے پر احسان نہ تصور کرے، اور ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے علاوہ کسی اور چیز کو نہ ٹھہرائے۔

نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کی طاعت و رضا کے علاوہ اگر کچھ اور مقصود ہو تو یہ ریاکاری اور دکھاوا ہے اور اس پر اسلام میں سخت وعید ہے۔

سورۂ کہف کی آخری آیت کے آخری ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا ہے، اس کی تفسیر میں وارد ہے کہ مومن شرک نہ کرے نہ کسی دوسرے کی عبادت کر کے نہ ریاکاری کر کے، کیونکہ غیر اللہ کی عبادت اگر شرک اکبر ہے تو ریاکاری شرکِ اصغر ہے۔ حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ نماز، روزہ اور صدقہ میں ریاکاری بھی شرک ہے۔ علماء نے وضاحت کی ہے کہ عمل صالح وہ ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اور سنتِ مطہرہ کے موافق ہو۔ اور اس میں ریاکاری یا کسی قسم کی ذاتی یا قومی مصلحت کو دخل نہ ہو، ورنہ وہ عمل مردود ٹھہرے گا۔

امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح کی کتاب الرقاق ۱۱/۳۳۵ میں "الریاء والسمعۃ" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں درج ذیل حدیث ذکر کی ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سمّع، سمّع اللہ بہ، ومن یرائی یرائی اللہ بہ،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ریاء کے طور پر اپنے عمل کا اظہار کرے اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسوا کرے گا اور جو بڑائی کیلئے نیک عمل ظاہر کرے اس کے بھید کو اللہ کھول دیگا

حافظ ابن حجرؒ نے مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "ریاء" کا لفظ رؤیۃ سے مشتق ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ انسان لوگوں کو دکھانے کے لئے عبادت کا اظہار کرے تاکہ اس کی تعریف کی جائے۔ اور "سمعۃ" کا لفظ سمع سے مشتق ہے، اس میں بھی ریاء کا معنی ملحوظ ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ اس میں دکھانے کے بجائے سنانا مقصود ہوتا ہے۔

پھر خطابی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ریا وسمعہ سے یہ مراد ہے کہ آدمی اخلاص کے بغیر عمل کرے، اس کا مقصود اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ لوگوں کو دکھانا اور سنانا ہو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسوائی وفضیحت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایک تشریح یہ ہے کہ کسی عمل سے اگر انسان کا مقصود یہ ہو کہ لوگ اسے دیکھیں اور سنیں پھر ان کی نظر میں اس کا مرتبہ بلند ہو تو اس کا یہ مقصود حاصل ہو جائے گا لیکن آخرت میں ایسے عمل کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

ایک مفہوم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آدمی اپنی طرف ایسا نیک عمل منسوب کرے جسے کیا نہ ہو، اور ایسی بھلائی کا دعویٰ کرے جسے انجام نہ دیا ہو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ رسوا کر کے اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

دعوت کے میدان میں چھوٹی یا بڑی سطح پر کام کرنے والوں کو میں نے بہت قریب سے دیکھا اور پڑھا ہے، بعض لوگوں میں اپنے اعمال کی تشہیر کا مرض اتنی بھیانک صورت میں موجود ہوتا ہے کہ انسان تعجب میں پڑ جاتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تدریس وتبلیغ کے میدان کے ان کے کارنامے صرف انسانوں کی خوشنودی اور تعریف وتحسین وتبریک ہی کے لئے انجام دیئے گئے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ داعیانِ کرام اپنے کارناموں کو اس طرح نمایاں کرنے کے بعد عوام کو ریاکاری اور دکھاوے سے بچنے کی تلقین بھی کرتے ہیں، ایسی موعظت کا دلوں پر جو اثر ہوگا معلوم ہے۔

کچھ داعیانِ کرام ایسے بھی ہیں جن کا جذبۂ تفوق وبرتری اپنے کارناموں کی مجرد تشہیر سے تسکین نہیں پاتا تو وہ مختلف پیرایوں سے دوسرے داعیوں کی تنقیص کرتے ہیں، اور خود بڑے بننے کے لئے ان کے اعمال کو چھوٹا اور مبنی بر خطا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس سلسلہ کی ایسی ایسی مثالیں سامنے ہیں جنھیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے اور ذہن کی سطحیت پر افسوس بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو اپنے اعمال واسفار، اداروں اور تنظیموں کی ایسی ایسی تفصیلات قلمبند کرتے ہیں کہ "من یعمل مثقال ذرۃ" کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ ایسے بزرگوں کو شاید یہ خیال ہے کہ اعمال کے جملہ نشیب وفراز اور انفاس کی آمد وشد کی پوری تفصیل کے بغیر ملت کو ان کے اخلاص اور عملی برتری کا یقین نہ ہوگا، اور ان کے دفتر میں تحسین وتبریک کے وہ کلمات ثبت نہ ہو سکیں گے جن کے لئے دل بیقرار رہتا ہے!

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ملت ایسے لوگوں کو کبھی بھی مخلص نہیں مان سکتی جو اپنے کارناموں کی تشہیر و

(بقیہ صـ۴۲ پر)

ہماری مطبوعات

نام کتاب	اتباع سنت اور تقلید ائمہ اربعہ کی نظر میں
نام مصنف	علامہ ناصر الدین البانی حفظ اللہ، شیخ عبد الرحمن عبد الخالق
مترجم	مولانا محفوظ الرحمن فیضی، مولانا عبد الوہاب حجازی
قیمت	
ضخامت	۱۱۳ صفحات
ملنے کا پتہ	مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس (۲۲۱۰۱۰)

جماعت اہلحدیث کے محاسن میں ایک حسن یہ بھی ہے کہ وہ کسی خاص امام کی تقلید کے بجائے خالص کتاب وسنت کی پیروی کی دعوت دیتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مقابلہ میں کسی امام، عالم یا بزرگ کے قول کو واجب العمل تسلیم نہیں کرتی، یہی تصویر درحقیقت قرآن وحدیث کے صریح احکام اور اسلام کی روح کے موافق ہے اور تاریخ و واقعہ بھی اسی کے موید ہیں

یہی نمونہ ائمہ اربعہ نے بھی امت کے سامنے چھوڑا وہ خود کتاب وسنت کے پیروکار تھے اور امت کو اس کی پیروی کی تعلیم وترغیب دیتے تھے ان میں سے کسی امام نے کبھی بھی اپنی تقلید کی تعلیم نہیں دی کہ رسول خدا کے اسوۂ حسنہ کے مقابلہ میں ہماری یا کسی اور امام کی اتباع کی جائے شریعت کے سلسلہ میں ان کی کوئی الگ تھلگ ڈگر نہیں تھی بلکہ جو کچھ کتاب وسنت سے ثابت ہے وہی ان کا مذہب تھا

نیز جماعت اہلحدیث ائمہ اربعہ کا خاطر خواہ احترام کرتی ہے ان کی علمی عظمت وجلالت اور تقویٰ و بزرگی کا کھلے دل سے اعتراف کرتی ہے جماعت کے رویہ میں کسی طرح کی گستاخی اور توہین نہیں ہے زیر تعارف کتاب کا موضوع یہی ہے۔

علماء عصر جدید میں محدث شام علامہ ناصر الدین البانی حفظ اللہ نے اپنی کتاب "صفۃ صلوٰۃ النبی" کے مقدمہ میں انتہائی مدلل انداز میں خالص کتاب وسنت کی پیروی کے وجوب سے متعلق ائمہ اربعہ کے نظریات کو واضح فرمایا ہے کہ ان ائمہ نے تقلید

شخصیت پرستی سے روکا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ کتاب وسنت کی موجودگی میں کسی بھی امتی کے قول کو کوئی اہمیت حاصل نہیں

اس کے علاوہ مصر کے فاضل نوجوان شیخ عبدالرحمن عبدالخالق کا ایک پرمغز مقالہ مسئلہ اجتہاد سے متعلق تھا یعنی یہ کہ اجتہاد کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟ اس کا کیا حکم ہے موجودہ دور میں اجتہاد کا دروازہ بند ہے یا کھلا ۔

ادارہ البحوث الاسلامیہ نے جماعت اہلحدیث کی حقیقی تصویر امت کے سامنے پیش کرنے کیلئے مناسب خیال کیا کہ اول الذکر بزرگ کی کتاب کا مقدمہ اور ثانی الذکر کے مقالہ کا اردو ترجمہ تیار کر کے کتابی شکل دے دی جائے چنانچہ صفۃ الصلوۃ کے ترجمہ کا کام استاد گرامی مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی اور شیخ مصری کے مقالہ کا ترجمہ رفیق ادارہ محترم مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب نے انجام دیا ہے ۔

صفۃ الصلوۃ کے مقدمہ میں ائمہ اربعہ کے ان اقوال کا بیان ہے جس میں انھوں نے سنت کی اتباع کرنے اور اپنی پیروی میں سنت کو ترک کرنے اور تقلید نہ کرنے کی تاکید کی ہے موضوع کی مناسبت سے مترجم نے اصل کتاب کے ترجمہ سے پیشتر تقلید کی تعریف وتوضیح اور اس کی مختصر تاریخ بھی بیان کر دی ہے جس سے کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے

اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ جو علماء ومشائخ رشتہ تقلید سے وابستہ ہیں خود انھیں کی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ تقلید شخصی واجب نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی دلیل ہے اور یہ بھی صراحت ہے کہ عہد صحابہ و تابعین میں لوگ کبھی کسی مفتی سے مسئلہ پوچھتے تو کبھی کسی سے، ایک مفتی کا التزام اور شخصیت پرستی پر عمل نہیں تھا ان علماء وعمائدین میں علامہ عابد سندھی، امام ابن الہمام حنفی، شیخ ابن عبدالسلام، شیخ ابن امیر الحاج اور مولانا عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی وغیرہم شامل ہیں ۔

عدم تقلید کی بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تین اقوال کو پیش کیا گیا ہے اور ان اقوال کی نسبت کہ احناف کے چوٹی کے علماء نے صحیح قرار دیا گیا ہے اسی طرح دیگر ائمہ کرام کے فرمودات سے وضاحت ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی حدیث صحیح کی موجودگی میں اپنی تقلید کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ ہی مخالف کی دلیل قوی ہونے کی وجہ سے اپنے امام کا مذہب ترک کرنے سے حلقہ تقلید سے خارج ہوتا ہے ۔

بحث کے اس ضمن میں بعض شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے مثلاً علماء مقلدین نے دینی مسائل میں اختلاف کو امت کے حق میں توسع اور وسعت ظرفی سے تعبیر کیا ہے یہ اور اس جیسے دوسرے شکوک وشبہات کا ازالہ انتہائی بالغ

نظری سے دیا گیا ہے اور ان شبہات کیلئے جن دلائل کا سہارا لیا گیا ہے اس کا جواب موجود ہے، مترجم نے بھی مزید شبہا
کا ازالہ کیا ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا یہ کتاب دو رسالوں کا مجموعہ ہے جن میں پہلے رسالہ کا موضوع اتباع سنت اور تقلید ہے اور د
رسالہ کا عنوان اجتہاد کی ضرورت و اہمیت ہے کہ آج کے مسلمان جس قسم کے اقتصادیات، نفسیات اور اخلاقیا
جیسے ہزاروں مسائل سے دوچار ہیں جو اجتہاد کے شدید متقاضی ہیں اور ہر روز رونما ہونے والے جدید سے جدید مسا
کے ساتھ اجتہاد کا خاص ربط ہے، اس طرح اگر آپ زندگی کے تمام میدانوں میں اپنی مشکلات و مسائل کو شمار کر
تو محسوس کریں گے کہ ہمیں اجتہاد اور گہرے فکر و نظر کی شدید ضرورت ہے، اور یقین کریں گے کہ کتاب اللہ اور سنت
رسول کو وضاحت سے سمجھنا ضروری ہے تاکہ ہم اپنی زندگی میں قانون الٰہی کے مطابق چل سکیں یہ رسالہ مستقلاً الگ سے بھی
شائع ہو چکا ہے جس کا نام سلفی دعوت اور ائمہ اربعہ ہے۔

یہ دونوں رسالے اجتہاد و تقلید کے بارے میں اہل حدیث اور دوسرے لوگوں کے موقف کو واضح کرنے کیلئے
کافی ہیں جو حضرات سلفی دعوت اور ائمہ اربعہ کی بابت سلفیوں کے نقطہ نظر کو جاننا چاہتے ہیں ان کیلئے کتاب کا مطالعہ کافی مف

(امتیاز احمد سلفی)

اعلان

دینی مدارس اور تنظیمات کی طرف سے ماہنامہ محدث کے اعزازی اجراء کے سلسلہ
میں مسلسل خطوط آتے ہیں، ہم اعزازی اجراء کے لئے معذرت خواہ ہیں، البتہ ایسے دینی
اداروں کے لئے جو مکمل زر تعاون ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوں کچھ
رعایت کی شرح رکھی گئی ہے جسے ادارۂ محدث سے رابطہ
قائم کرکے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ (ادارہ ماہنامہ محدث)

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ نمبر ۱۰	اکتوبر ۱۹۸۹ء ، ربیع الاول ۱۴۱۰ھ	جلد نمبر ۹

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱/۱۸ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپیے فی پرچہ تین روپیے



اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

درسِ قرآن

ابو اسعد المدنی

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

(سورۃ الاسراء: ۲۴)

اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو ان سے اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے خوب اچھی باتیں کرو اور ان کے لئے نرمی اور انکساری سے جھکے رہو۔ اور ان کے لئے دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

انسان پر حقوق دو طرح کے عائد ہوتے ہیں (۱) ایک حقوق اللہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اسی کی عبادت کرے اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے لئے خاص کر دے۔ دوسرا حقوق العباد ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے جو حقوق ایک دوسرے پر واجب ہوتے اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ہر ایک شخص کو اس کا صحیح حق ادا کرتے رہو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کی حق تلفی کو کبھی بھی معاف نہیں کریں گے جب تک کہ بندہ دنیا کے اندر خود معاف نہ کرے اور جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے اگر اس میں تھوڑی کمی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ چونکہ جبار و قہار ہے اس لئے وہ بندے کو عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے اور ستار و غفار بھی ہے اس لئے بندے کو معاف بھی کر سکتا ہے۔ حقوق العباد میں سب سے عظیم اور واجب الاداحق والدین کا ہے کوئی بھی انسان اس کو ادا کئے بغیر کامیاب و سرخرو نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کو فرض کر دیا ہے اور یہاں تک تاکید کر دی ہے کہ انسان ان کی کسی سرزنش پر اُف تک نہ کہے اپنے قول و فعل سے کسی طرح ان کو کوئی تکلیف نہ پہونچائے۔

ڈانٹ پھٹکار اور مار پیٹ تو بڑی بات ہے کوئی ایسی چیز اس سے سرزد نہ ہو کہ ان کو ناگوار گذرے۔ ان کی فرمانبرداری اور خدمت کو اپنا شیوہ بنا لے۔ ان کے آرام و راحت کا خاص خیال رکھے۔ اور اسی کو اپنی سعادتمندی سمجھے اور ان کے لئے دعائے خیر کرتا رہے۔

والدین کی خدمت و فرماں برداری اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی اہمیت اور اسلام میں اس کے فرض ہونے کی واضح دلیل آیت بالا میں اس طرح بیان کردی گئی ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنی بندگی و اطاعت کے حکم کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ اچھائی سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور کیوں نہ ہو اللہ تبارک وتعالٰے رب حقیقی ہے تو والدین رب مجازی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے اولاد کا وجود والدین ہی کے واسطے سے بخشا ہے اور احادیث صحیحہ میں والدین کے حقوق کی ادائیگی کی سخت تاکید آئی ہے اور ان کی نافرمانی پر وعید شدید سنائی گئی ہے ایک حدیث میں انسان کے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق ماں کو اور پھر والد کو بتایا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ" یعنی جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اللہ تعالٰی کی رضا ماں باپ کی خوشنودی میں پوشیدہ ہے۔ بشرطیکہ اس میں اللہ تعالٰی کی نافرمانی نہ کی گئی ہو۔ ایک دوسری حدیث پاک میں سب سے زیادہ بدنصیب اس انسان کو بتایا گیا ہے جس کے سامنے اس کے والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہونچ جائیں اور وہ ان کی خدمت اور ان کو خوش کرکے جنت نہ کمالے۔

ماں باپ کا فرماں بردار اور ان کے حقوق کو ادا کرنے والا دنیا میں بھی سرخرو اور کامیاب ہے اور آخرت بھی اس کی بن جاتی ہے۔ ماں باپ کے دل سے نکلی ہوئی دعا اللہ تعالٰی کے یہاں شرف قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔ اسی طرح سے نافرمان اولاد کے سلسلے میں ان کی بد دعا فوراً سن لی جاتی ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی اور ان کی شان میں گستاخی گناہ کبیرہ ہے۔ اسلام نے ان دونوں کے حقوق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ جہاد جیسا عظیم اور مقدس فریضہ بھی ان کی اجازت کے بغیر روا نہیں۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ دونوں اولاد کے خدمت کے محتاج ہوں۔

لیکن افسوس ہے کہ آج کا نوجوان والدین کی نافرمانی میں پیش پیش ہے اسے حکم ربانی کا ذرہ برابر احساس ہے نہ والدین کی عظمت و مرتبہ کا پاس و لحاظ۔ اور اس طرح وہ اپنی دنیا و آخرت بگاڑ رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالٰے ہم تمام مسلمانوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد خاص طور پر والدین کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین)

درسِ حدیث

ابوالزہر المدنی

حارث بن سوید رحمہ اللہ قال: حدثنا عبد اللہ بن مسعود حدیثین۔ احدھما: عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ والآخر: عن نفسہ، قال: ان المومن یری ذنوبہ کانہ قاعد تحت جبل یخاف ان یقع علیہ، وان الفاجر یری ذنوبہ کذباب مرّ علی انفہ فقال بہ ھکذا۔ ای بیدہ۔ فذبہ عنہ۔ ثم قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: للہ افرح بتوبۃ عبدہ المومن من رجل نزل فی ارض دویۃ مھلکۃ، معہ راحلتہ علیھا طعامہ وشرابہ، الحدیث اخرجہ البخاری ومسلم وغیرہ۔

حارث بن سوید کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں آپ کی عیادت کیلئے حاضر ہوا آپ نے دو باتیں بیان فرمائیں! (ایک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور دوسری اپنی (ایک نصیحت) آپ نے فرمایا! کہ کامل مومن اپنے گناہوں سے اس طرح سہما ہوا رہتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کے مانند ہے اور وہ اس کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور خوف کھا رہا ہے کہ مبادا وہ اس کے اوپر گر پڑے (اور وہ ہلاک ہو جائے) جبکہ فاجر و فاسق آدمی اپنے گناہوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ (اور اپنے بے شمار گناہوں کو) اس مکھی کے مانند تصور کرتا ہے جو اس کے ناک سے گذرتی ہے اور وہ اپنے ہاتھوں کے اشارہ سے اسے اڑا دیتا ہے۔ پھر حضرت مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے توبہ سے اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ایک بے آب وگیاہ مہلک چٹیل میدان میں اتر پڑتا ہے اس کی سواری موجود ہے اسی پر اس کے کھانے، پینے کا سامان لدا ہوا ہے اسی اثنا میں نیند لگ جاتی ہے جب اچانک بیدار ہوتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری بھاگ نکلی ہے وہ اس کی تلاش میں نکلتا ہے یہاں تک کہ (تلاش بسیار کے بعد تھک کر چور ہو جانے کے بعد) جب اسے سخت گرمی اور پیاس لگتی ہے تو کہتا ہے کہ چلو اپنی اسی پہلی جگہ لوٹ جاتے ہیں اور وہیں سو رہتے ہیں یہاں تک کہ موت آجائے اور موت کے لئے پورے طور پر تیار ہو کر لیٹتا ہے کہ پھر اچانک آنکھ کھل جاتی ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری تمام ساز و سامان اور زاد راہ کے ساتھ اس کے سامنے موجود ہے (تو پھر اس وقت جو

بندے کو خوشی اور فرحت ومسرت، زادراہ اور سواری پا جانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے توبہ سے خوش ہوتا ہے۔

اس حدیث پاک میں ہم انسانوں کو کئی مفید باتیں بتائی گئیں ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اپنے اعمال کا ہمیشہ محاسبہ کرتے رہتے ہیں، نیک بندوں کی صحبت انھیں مطلوب ہوتی ہے، ایک دوسرے کی مزاج پرسی اور عیادت کرتے ہیں جب چند اکٹھا ہوگئے انھیں آخرت کی فکر اتنی دامن گیر ہوتی ہے کہ وہ عام دنیاوی باتوں اور دوسروں کی بے جا شکوہ و شکایت، غیبت، چغلی اور جھوٹ ان کی مجلسوں میں نہیں ہوتا۔ دین وایمان کی باتیں ان کا موضوع سخن ہوا کرتی ہیں، باوجود پاک طینت نیک عمل ہونیکے انھیں فکر ہے تو آخرت کی۔ احساس ہے تو گناہوں کا۔ نیکیاں جو پہاڑ کی طرح جمع کر رکھی ہے اس پر اتراتے نہیں انھیں غرور نفس میں مبتلا نہیں کرتیں۔ بلکہ وہ اپنے سرزد ہوئے چھوٹے بڑے گناہوں پر اتنے نادم ہیں کہ ہمہ وقت اسے اپنے اوپر پہاڑ کی طرح مسلط سمجھتے ہیں۔ ہمارے ان گناہوں کی سزا کہیں اس سے بھی زیادہ ہلاکت خیز نہ ہو۔ اور حقیقت ہے کہ مومن بندے کا یہی احساس ندامت اور شعور یہ کامل اس کو برائیوں سے روکتا ہے۔ اور نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو فوراً اپنے رب کریم کی جناب میں توبہ استغفار کیلئے دوڑ پڑتا ہے کہ، بہترین خطا کار وہ لوگ ہیں جو توبہ کرلیتے ہیں، گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔ توبہ کے قبول ہونیکے لئے چند شرائط ہیں اور ہر توبہ کرنے والے کے اندر ان کا پایا جانا ضروری ہے۔

چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ادلہ کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں علماء کا اتفاق ہے کہ ہر گناہ سے توبہ کرنا بندے کے اوپر واجب ہے۔ اگر گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہے تو اس کے قبول ہونے کے لئے تین شرطیں مطلوب ہیں

پہلی شرط یہ ہے کہ بندہ جس گناہ کا مرتکب ہوا ہے اس سے مکمل طور پر الگ ہوجائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس گناہ کے سرزد ہونے پر نادم ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اس بات کا عزم مصمم کرے کہ پھر وہ اس قسم کا گناہ نہیں کریگا۔

اور اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو اس میں ایک چوتھی شرط کا پایا جانا بھی ضروری ہے وہ یہ کہ جس بندے کی حق تلفی کی ہے اس کی تلافی کرے۔ اور اس سے معافی مانگ لے۔ ان مذکورہ شرطوں میں سے اگر کوئی بھی شرط مفقود ہو تو نہ ہی توبہ صحیح ہوتا ہے اور نہ شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ واستغفار کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ط

افتتاحیہ

خمینی کا مجوزہ مقبرہ
ایرانی قوم پرستی کی ایک علامت ہے

خمینی کے انتقال کے بعد ایرانی حکومت کے حوالے سے اس خبر کی تفصیلات اخبارات میں دیکھنے میں آئیں کہ "امام خمینی کی کائناتی اور تکوینی شخصیت کے شایان شان ایک عدیم النظیر مقبرہ کی تعمیر طہران سے متصل کی جائے گی" ایران مقبروں، مشاہد اور عظیم المصارف تربتوں کی آماجگاہ ہے بلکہ اسلامی عہد میں آل بیت رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ استوار کرنے سے پہلے بھی یہ قوم اپنے مذہبی رہنماؤں کو تمام صفات الوہیت سے متصف مانتی رہی ہے اور آج بھی مانتی ہے اور انھیں وہ سارے حقوق دیتی ہے جنھیں نوع انسانی کے تمام انبیاء و رسل، جملہ آسمانی کتابیں قرآن حکیم، خاتم الانبیاء والرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور سارے عالم کے جملہ موحدین صرف اللہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں، بعض اسلامی حلقوں میں خمینی "صدی کا آدمی" اور "اسلامی انقلاب کا علمبردار" کے عظیم ٹائیٹل سے یاد کئے جاتے ہیں لیکن وہ بھی اپنی قوم کے اس قدیم رجحان کے نہ صرف موئد ہیں بلکہ حقیقت میں ان کے اسلامی انقلاب کا فکری و عملی نقطۂ آغاز ہی یہی تباہ کن رجحان ہے۔ حقوق الوہیت کو اللہ کے ساتھ خاص ماننے کے لئے عالم اسلام یا دنیائے موحدین کو کسی دلیل کے بیان کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات ہر انسان بلکہ کائنات کی ہر شئی کی فطرت کا اصل اصول ہے۔ لیکن پھر بھی ذکر جمیل کے بطور ہم یہاں ترمذی کی ایک روایت نقل کرتے ہیں ابووائل نے کہا کہ علیؓ نے ابوالہیاج اسدی سے فرمایا کہ میں تمھیں اس مہم پر روانہ کر رہا ہوں جس پر مجھے نبی اکرمؐ نے

یہ ہدایت دے کر روانہ فرمایا تھا کہ "کسی بھی بلند قبر کو پاؤ تو اسے برابر کر دو اور کوئی مجسمہ یا صورت مورت پاؤ تو اسے مٹا دو"۔ امت محمدیہ کے جملہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قبروں کو بلند کرنا اور ان پر قبوں، مشاہد اور عظیم الصارف تربتوں کا تعمیر کرنا حرام ہے، نیز ایسا کرنا قبروں کو مساجد بنانا ہے اور ایسا کرنے والوں پر پیغمبر اسلام نے لعنت بھیجی ہے۔ ایران میں اس نوع کے مشاہد کی کاشت ہوتی ہے، ان کے ساتھ وہی سارے اعمال انجام دیئے جاتے ہیں جو کبھی لات و ہبل کے ساتھ انجام دیئے جاتے تھے، پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب نے انہیں سارے اعمال کو کفر و شرک کہہ کر ان کے خلاف اسلامی انقلاب برپا کیا تھا۔ اور سا اللہ کے حقوق کو اللہ کے لئے مختص قرار دیا تھا خمینی کے عدیم النظیر مجوزہ مقبرہ کی تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے۔

طہران سے متصل تعمیر ہونے والے اس مقبرہ کا ڈیزائن اور اس کے مصارف کا منصوبہ ایران اور اٹلی کے ماہرین بنا رہے ہیں، اس کے مصارف کا اندازہ سات ارب (ملین) ڈالر کا ہے، یہ دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت مقبرہ ہوگا جو ۱۹۹۰ء تک مکمل ہوگا۔ سونے کی چادروں اور قیمتی معدنیات سے آراستہ اس کا گنبد ایران کا بلند ترین گنبد ہوگا۔ یہ مقبرہ آٹھویں شیعہ امام رضا کے مقبرہ سے تو مشابہ ہوگا لیکن اس کا گنبد امام رضا کے گنبد سے دوگنا بڑا ہوگا، مقبرہ کا ڈیزائن تاج محل آگرہ بیت المقدس اور مسجد اصفہان کا جامع اور قدیم و جدید طرز تعمیر کا حسین سنگم ہوگا۔

مقبرہ سے متصل روح اسلام یا مرقد امام کے نام سے پچیس ہزار کی آبادی پر مشتمل ایک شہر بسایا جائے گا جس میں انقلاب کے متعلقین کو سکونت دی جائے گی نیز دس لاکھ انسانوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے دیگر عمارات و اسباب مہیا کئے جائیں گے۔ یہ بیک وقت مقدس ترین روحانی شہر اور عالمی سیاحتی مرکز ہوگا یہاں خمینی کے جملہ تبرکات کا ایک میوزیم اور اس سے متصل ایک شیعہ کالج بھی ہوگا۔

اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے ایرانی حکام خمینی کے تقدس کی آڑ لے کر زمینوں پر بلا معاوضہ زبردستی قبضہ کر رہے ہیں، عوامی چندے اور سرکاری ملازموں کی تنخواہوں سے کٹوتی بھی اس منصوبہ کا ایک حصہ ہے۔

عوام الناس خمینی کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں فروخت کرنے لگے ہیں اور خمینی کی قبر کی مٹی کے نام پر مٹی کی تجارت شروع ہو چکی ہے جسے سامنے رکھ کر لوگ سجدے کرتے ہیں اور اس قبر کے متعلق متعدد کرامات کا شہرہ ہو رہا ہے کہ اس کی زیارت سے اندھوں کو بینائی اور بیماروں کو شفا حاصل ہوتی ہے۔

خمینی کے " اسلامی انقلاب " کے موئدین کے لئے اس خیال کے اظہار کی بھی کوئی وجہ جواز نہیں کہ اس عدیم النظیر مقبرہ کی تعمیر ان کے اخلاف کا کام ہے خمینی کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ، اس لئے کہ خمینی نے جس الیاتی نظام کے لئے " اپنا " اسلامی انقلاب " برپا کیا ہے یہ عدیم النظیر مقبرہ اس کا ایک سنگ میل ہے اور خمینی کی تحریریں اس نوع کے مشاہد کی تائید کے لئے رہنما حیثیت رکھتی ہیں ، چنانچہ مقبرہ حسین بن علیؓ کے متعلق خمینی لکھتے ہیں : مواضع سجود کے اعتبار سے تربت حسین افضل ہے ۔ تحریر الوسیلہ ۱/۱۴۹ ۔ " جس مٹی کا کھانا حرام ہے قبر حسینؓ کی مٹی اس سے مستثنیٰ ہے ۔ اسے کھانا صرف طلب شفاء کے لئے ہے ۔ اس کے رتبہ کو قبر نبیؐ اور ائمہ کی قبور کی مٹی بھی نہیں پہونچ سکتی ۔ تحریر الوسیلہ ۲/۱۶۴ ۔ " ائمہ کے مشاہد خصوصاً مشہد امیر المومنین اور مشہد حسین پر نماز پڑھنا مستحب ہے ۔ تحریر الوسیلہ ۱/۱۵۲

ان مشاہد کے متعلق یہ غلو محبت آل بیت نبیؐ کے سادہ خیال پر مبنی نہیں بلکہ خود خمینی کے الفاظ میں یہ ائمہ صفات الوہیت کے حامل ہیں اس لئے ایسا کرنا ان کے حقوق میں داخل ہے ۔ چنانچہ خمینی ائمہ آل بیت نبیؐ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

امام کو تکوینی خلافت حاصل ہے جس کے ماتحت اس کائنات کا ذرہ ذرہ ہے ۔ الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۵۲ " ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے جہاں تک کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی بھی نہیں پہونچ سکتا ۔ الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۵۲ " " اماموں کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات کی طرح ہیں ، ان کی تنفیذ اور اتباع واجب ہے ۔ الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۱۱۳ " خمینی نے اپنے اماموں کو اس رتبہ پر بٹھانے کے بعد جسے تمام موحدین عالم صرف اللہ کے لئے خاص مانتے ہیں خود کو اور اپنے جیسے دیگر آیات کو اسی مقام پر بٹھادیا ہے ۔ امام معصوم کے نائب ہونے کی حیثیت سے انہیں جہاد کے علاوہ خلافت تکوینی کی امامت حاصل ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے ماتحت ہے ، ان کا مخالف امام معصوم کا مخالف ہے اور امام معصوم کا مخالف اللہ کا مخالف ہے ۔ الحکومۃ الاسلامیۃ ۔

اماموں کو اور خود کو اور اپنے جیسے دیگر آیات کو الٰہی صفات سے متصف مان کر مزعومہ اسلامی انقلاب لانے والے خمینی حقیقت میں ہزاروں سال پرانے ایرانی قوم کے اس نظام اجتماعی کا احیاء کر رہے ہیں جس کے مختلف طبقات میں دین و مذہب کے ذمہ داروں کا طبقہ سب سے معزز تھا ۔ یہ طبقہ ظل اللہ فی الارض سمجھا جاتا تھا ، حاکم کا انتخاب اسی طبقہ سے ہوتا اور سمجھا جاتا کہ اللہ کی ذات اس طبقہ میں حلول کئے ہوتے ہے چنانچہ

قدیم زمانہ میں الوہیت کا یہ اعزاز میڈیا خاندان کو پھران کے بعد مغان خاندان کو حاصل رہا پھر جب ایران و فارس اسلامی سلطنت کے ماتحت آگئے تو ایرانی قوم نے اپنے اجتماعی الہیاتی نظام کو مکر و تقیہ کے طریق پر باقی رکھنے کے لئے یہ اعزاز آل بیت نبی عربی محمدؐ کو دیدیا ۔

تاریخ واضح طور پر بتاتی ہے کہ ایرانی قوم پرستوں نے خلفاء راشدین کے دور سے لے کر آج تک ہر نازک موڑ پر اسلام اور رجال اسلام کے خلاف کمر توڑ سازشیں کی ہیں ، اور اسلام اور عربوں کے ازلی دشمن یہودیوں اور نظریت کمیونزم الحاد اور کفر و شرک سے جگری دوستی کی ہے اور موقع ہاتھ آنے پر ان خطوں سے جہاں ایرانی قوم بستی ہے عام اہل اسلام بلکہ اسلام کے کلی انخلاء اور صفایا کی جان توڑ کوشش کی ہے ۔ اسماعیل صفوی اور عباس صفوی کے دور میں دس لاکھ سے زیادہ غیر شیعہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا ۔ عباس صفوی نے خصوصیت سے ایرانی حاجیوں کو بیت اللہ شریف کے بجائے مشہد امام رضا کی زیارت کے لئے پھیر دیا اور خود مشہد کی طرف پیدل چل کر اس کی طرح ڈالی خمینی نے لاکھوں غیر شیعی مسلمانوں کے قتل عام کے علاوہ بیت اللہ کے حج کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایرانی حجاج مسلح ہو کر جائیں اور بیت اللہ کی بے حرمتی کے ساتھ عام مسلمانوں کو قتل کریں ، ساتھ ہی ان کے اخلاف خمینی کے عدیم النظیر مقبرہ کا گنبد امام رضا کے گنبد سے دوگنا بڑا بنا کر ایرانی قوم پرست عوام کو یہ فکر و خیال بھی دینا چاہتے ہیں کہ اب وہ وقت قریب آرہا ہے کہ مذہبی طبقہ کی الہیاتی گدی پر آل بیت نبی عربی کے بجائے بتدریج ایرانی قوم کے مجتہدوں اور آیات کو بٹھایا جاسکے ۔

لیکن تاریخ کا یہ سبق واضح ہے کہ کوئی قوم ہمیشہ اپنے بنائے ہوئے منصوبوں کے مطابق نہیں چل پاتی ، بیچ ہی میں " یاتیھم العذاب من حیث لا یشعرون "، کا خدائی ردعمل اس قوم کا رخ بدل دیتا ہے ، اور کوئی مذہبی فکر و عمل جب اس حد تک سڑ جاتا ہے تو بیدار عوام خود اپنی قوم کے معبودوں کا لہو چاٹ لیتے ہیں اور تمام مصداقتوں سے دامن جھاڑ کر کمیونزم جیسے نظریات کے سایہ میں پناہ لے لیتے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ خمینی کے مقولہ " ان الاسلام بدء بالدم ولا یصلح امرہ الا بمزید من اراقۃ الدماء " اسلام کی ابتدا خون سے ہوئی اور اس کی اصلاح مزید خون بہانے سے ہوگی کی مصداق ایرانی قوم ہو جو اپنے مذہبی خداؤں کے خلاف کمیونزم کے زیر سایہ خونی انقلاب لانے پر مجبور ہو جائے ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ

حیات اور کارنامے

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار الفریوائی
استاذ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

ترجمہ: ابن حبیب اشرف

جمادی الاولیٰ ۷۰۲ھ میں شیخ الاسلام کے خلاف ایک اور سازش کی گئی نائب السلطان کو ایک کتاب ملی جو حقیقت میں جعلی تھی اس میں تحریر تھا کہ ابن تیمیہ، قاضی شمس الدین الحریری اور امراء و خواص کی ایک جماعت تاتاریوں سے باہم خیر خواہی کے جذبات رکھتے ہیں ان سے خط و کتابت کرتے ہیں اور شام پر قبچق کو قبضہ دلانا چاہتے ہیں، جب اس کتاب کے سلسلہ میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسے گھڑنے والا ایک فقیر ہے جسے الیعفوری کہا جاتا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کے ساتھ ہے جسے احمد الغفاری کا نام دیا جاتا ہے، چنانچہ ان دونوں کو سخت سزائیں دی گئیں، اور اس جھوٹے مؤلف کا ہاتھ کاٹ دیا گیا جس نے ان دونوں کیلئے یہ کتاب تحریر کی تھی اس کا نام التاج المنادیلی تھا۔

پھر شعبان میں مصری اور شامی لشکر اکٹھا ہوتے اور اسلامی لشکروں اور تاتاریوں کے درمیان جنگ برپا ہوئی، اس جنگ میں شیخ الاسلام نے اپنے ساتھیوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ شرکت فرمائی اور فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

۷۰۴ھ میں شیخ الاسلام نے بہت سے دجال صفت لوگوں سے حق و صداقت کیلئے توبہ لی موصوف مسجد تاریخ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ساتھیوں کی ایک جماعت تھی جن کے ساتھ پتھر توڑنے والے لوگ تھے وہاں نہر قلوط میں ایک چٹان تھی جسے توڑنے کا شیخ نے حکم دیا، اس چٹان کے ساتھ بہت سے شرکیہ افعال انجام دیئے جاتے تھے، شیخ الاسلام نے مسلمانوں کو شرکیہ افعال سے روک دیا۔

محرم ۷۰۵ھ میں نائب السلطان شیخ الاسلام کے ساتھ اپنا لشکر لیکر جرد، رفض، اور تیامنہ کے خطوں کی طرف نکلا جس میں ان فرقوں کے بہت سے افراد مارے گئے، اور لڑائی میں شیخ الاسلام کی شرکت سے بڑے فوائد حاصل ہوتے۔

جمادی الاولیٰ میں شیخ الاسلام اور فرقہ احمدیہ رفاعیہ کے درمیان ایک مناظرہ ہوا جس کے نتیجہ میں یہ بات طے ہوئی کہ یہ لوگ اپنی گردنوں سے لوہے کے حلقے اتار دیں اور یہ کہ کتاب وسنت کے دائرہ سے جو باہر ہوگا اس کی گردن ماردی

جائے گی۔ طریقۂ احمدیہ اور ان کے مسالک وتخیلات اور احوال سے متعلق ایک کتاب بھی شیخ الاسلام نے تصنیف فرمائی۔

اسی سال کے ماہِ رجب میں شیخ الاسلام ایک اور آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ تین مجالس کا انعقاد کرکے کچھ لوگوں نے آپ سے العقیدۃ الواسطیۃ کے متعلق بحث کی۔ لیکن اس کا نتیجہ بھی بہتر ہی نکلا تینوں مجالس نے اتفاق کیا کہ یہ سنی سلفی عقیدہ ہے کچھ لوگوں نے تو یہ بات انشراحِ قلب سے کہی اور کچھ نے بطورِ اکراہ، اور شیخ الاسلام نہایت عزت وتوقیر سے گھر واپس ہوئے۔

پھر مصریوں نے ایک سازش تیار کی، اسکے پیچھے صوفی نصر منبجی، بیبرس بن شنکیر، اور مالکی قاضی ابن مخلوف تھے۔ ان لوگوں نے ایک مجلس کا انعقاد کیا اور عقائد سے متعلق کچھ امور پر قاضی ابن مخلوف کے پاس شیخ الاسلام کے خلاف دعویٰ کیا۔

شیخ الاسلام نے قاضی کی زبان یہ کہہ کر بند کر دی کہ آپ جب خود میرے مخالف مدعیوں میں سے ہیں تو میرے خلاف آپ فیصلہ کس طرح دے سکتے ہیں۔

آخر شیخ الاسلام قید کر دیئے گئے اور قاہرہ وشام میں حنابلہ کو سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ شیخ الاسلام ربیع الاول ۷۰۷ھ تک قید میں رہے آخر امیر عرب مہنا بن عیسیٰ نے آپ کو قید سے نکلوایا، متعدد مجالس کا انعقاد کیا جس میں کبار فقہاء شرکت کرتے تھے۔ شیخ الاسلام نے تعلیم اور دعوت الی اللہ کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے قاہرہ میں قیام فرمایا، جامع مسجدوں اور عام مجالس میں آپ کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا جس سے اہل مصر نے بہت استفادہ کیا۔

اسی سال شوال میں صوفیاء کی ایک بڑی جماعت نے شافعی حاکم کے پاس شیخ الاسلام کے خلاف شکایت کی اور ابن عربی وغیرہ پر گفتگو کے لئے مجالس کا انعقاد کیا، ابن عطاء اللہ اسکندرانی نے آپ کے خلاف بہت سی باتوں کا دعویٰ کیا لیکن کسی بات کو ثابت نہ کرسکا۔

پھر شیخ الاسلام کے سامنے دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی تجویز پیش کی گئی ایک تو یہ کہ چند شرائط کی پابندی کے ساتھ دمشق یا اسکندریہ میں قیام کرسکتے ہیں ورنہ پھر قید وبند کی زندگی اختیار کریں۔ شیخ الاسلام نے قید وبند کو اختیار فرمایا لیکن ساتھ ہی یہ سہولت دی گئی کہ خدمت کیلئے کسی کو رکھ سکتے ہیں، یہ ساری باتیں نصر منبجی کے اشارہ سے وقوع پذیر ہوئیں

شیخ الاسلام وعظ وارشاد اور درس وافادہ میں برابر منہمک رہے، لوگ کثرت سے آپ سے ملاقات کے لئے آتے اور عوام وخواص سب کی طرف سے آپ کے پاس مشکل فتاوی آیا کرتے تھے

پھر شیخ الاسلام کو اسکندریہ منتقل کر دیا گیا جہاں ایک کشادہ اچھے اور روشن قلعہ میں محبوس کئے گئے

یہاں سلطان مظفر کے عہد سلطنت کے اختتام تک باقی رہے جب سلطان ناصر کو امور سلطنت تفویض ہوئے اور شوال ۷۰۹ھ کو سلطان مظفر فوت ہوا تو دوبارہ شیخ الاسلام عزت و اکرام کے ساتھ قاہرہ لائے گئے، سلطان نے نہایت عزت سے آپ کا استقبال کیا اور آپ کے اعزاز میں ایک مجلس کا انعقاد کیا جس میں مصر و شام کے قضاۃ و فقہاء اور اعیان سلطنت شریک ہوئے۔

شیخ الاسلام قاہرہ میں اپنی دعوت کی اشاعت میں مصروف رہے، اس اثناء میں آپ نے بڑی عظیم الشان کتابیں تالیف فرمائیں، شعبان ۷۱۱ھ میں فقیہ بکری نے آپ کے خلاف ہنگامہ خیزی کا ارادہ کیا تو شیخ الاسلام نے اچھل کر تعویذ کنڈوں کے تمام عوام اس کے گلے سے نوچ لئے، اس سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا، ایک گروہ نے بکری کی جانب سے معاونت کا ارادہ کیا لیکن شیخ الاسلام نے انہیں اس کا موقع نہیں ملا۔

مصر میں آپ کا قیام سات سال تک رہا یعنی ۷۰۵ھ سے ۷۱۲ھ تک، زمانۂ قید میں شیخ الاسلام نے درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔

الاستقامة. جواب الاعتراضات المصرية على الفتوى الحموية. تلبيس الجهمية في تاسيس بدعهم الكلامية، المحنة المصرية (دو جلدیں) المسائل الاسكندرانية الفتاوى المصرية، ان کے علاوہ مختلف تحریریں سو جلدوں سے زیادہ ہیں (۱)

اس مدت میں اور دوسری نہایت مشہور کتابیں بھی تالیف فرمائیں، مثلاً منہاج السنۃ، جسے ۷۱۰ھ کے لگ بھگ تصنیف فرمایا کیونکہ موصوف منہاج میں فرماتے ہیں روافض کے امام مفقود سرداب میں ۲۶۰ھ یا اس کے قریب داخل ہوئے اور اس وقت ساڑھے چار سو سے زیادہ سالوں سے غائب ہیں (۱/۲۶ منہاج السنۃ)

اس سال سے پہلے علم کلام کے موضوع پر امام رازی کی "محصل" پر اپنی ایک کتاب تصنیف فرمائی (منہاج السنۃ ۱/۵۲) اسی طرح مسئلۃ التعلیل (منہاج السنۃ ۱/۱۹۶، ۲۶۰) اور سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا (منہاج السنۃ ۱/۲۶۰) ایک رسالہ "لیس کمثلہ شئ" کی تفسیر میں تحریر فرمایا (منہاج السنۃ ۱/۲۶۰) درء تعارض العقل والنقل (منہاج السنۃ ۱/۳۰، ۱۰۶، ۱۰۹) افلاک کے مستدیر ہونے سے متعلق سوالات کے جوابات (منہاج السنۃ ۲/۱۱۱)

(۱) العقود الدریہ (۲۶۱) ذیل طبقات الحنابلہ (۲/۴۰۳)

"الرد علی المنطقیین" اسے درء التعارض سے قبل تصنیف فرمایا تھا (منہاج السنۃ ۲/۲۸۲ الرد علی المنطقیین ۲۵۳ ، ۲۰۰، ۳۷، ۳۲۲)

سات سال سے زیادہ عرصہ کے بعد شیخ الاسلام ۷۱۲ھ کو بیت المقدس سے گزرتے ہوئے دمشق واپس آئے آپ کے ساتھ آپ کے اخوان و اصحاب بھی تھے ، نیت یہ تھی کہ سلطان کی آمد کے بعد جہاد کیا جائے اور شام سے تاتاریوں کو نکال دیا جائے شیخ الاسلام جب دمشق پہنچے تو آپ کے استقبال کے لئے انسانوں کی ایک بڑی بھیڑ آمڈ آئی اور لوگ آپ کی واپسی سے بہت خوش ہوتے ۔

یہاں واپسی کے بعد شیخ الاسلام دار الحدیث السکریہ اور مدرسہ حنبلیہ میں تعلیم و تدریس ، دعوت وارشاد اور نفع خلق میں معروف ہو گئے ، اس دور میں آپ نے خصوصاً فقہی مباحث و مسائل کی تنقیح و توضیح فرمائی

۷۱۶ھ میں آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا ۔ شیخ الاسلام ان کا نہایت درجہ احترام کرتے تھے اور بعد درجہ خیال رکھتے تھے ، مصر سے شیخ الاسلام نے اپنی والدہ کے پاس نہایت رقت آمیز مکتوب تحریر فرمایا تھا جس میں مصر کے اندر قیام کی تاخیر کے اسباب تحریر فرمائے تھے "آپ کو معلوم ہے بلاد مصر میں ہمارا قیام نہایت ضروری امور کیلئے ہے اگر ہم انھیں چھوڑ دیں تو ہمارے دین و دنیا کے امور بگڑ جائیں گے ۔ واللہ آپ سے دوری ہمیں پسند نہیں ، کاش پرندے ہمیں اپنے بازو پر بٹھالیں اور ہم آپ تک پہنچ جائیں ، لیکن اس غیر حاضر کا عذر اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ۔ اور آپ لوگ اگر ان امور کے اسرار سے مطلع ہو جائیں تو الحمد للہ یقیناً آپ کو اس وقت اس کے سوا اور کچھ نہیں پسند کریں گے ، ہم نے ایک مہینہ ٹھہرنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ہر روز اپنے لئے اور آپ لوگوں کیلئے استخارہ کرتے ہیں ، ہمارے لئے خیر کی دعا فرمائیں ، اللہ عظیم سے ہم سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اور مسلمانوں کو ایسے امور کے اختیار کرنے کی توفیق دے ، جن میں ہمارے لئے خیر و عافیت ہو۔[1]

حلف بالطلاق کے مسئلہ پر تحفیف کے فتوی سے سلطان نے شیخ الاسلام کو منع کر دیا پھر ۷۱۹ھ میں اس مقصد کیلئے مجلس کا انعقاد ہوا اس کے بعد قلعہ میں اسیر کر دیئے گئے ، پھر اس کے بعد مذکورہ سبب سے مطلق فتوی سے روک دیئے گئے ۔

آخر میں انبیاء اور صالحین کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے روکنے کے مسئلہ پر شیخ الاسلام کے خلاف ایک سازش کی گئی ، اس سے آپ پر توہین انبیاء کا الزام لگایا گیا اور اسے کفر بتایا گیا ۔

اس کا فتوی علماء سو کی ایک جماعت نے دیا جو اٹھارہ افراد پر مشتمل تھی ، ان کا سرغنہ قاضی اخنائی مالکی تھا ۔

---

(۱) العقود الدریہ (۲۵۷)

نیز مصر کے چاروں قاضیوں نے شیخ الاسلام کے قید کئے جانے کا فتوی دیا چنانچہ قلعہ دمشق میں دو سال اور ۲ مہینے نظر بند رہے،

قلعہ کی مدت اسیری میں علوم کی تصنیف و تالیف فرماتے رہے اور اپنے اصحاب و اخوان کے پاس رسائل بھیجتے رہے، یہاں تک کہ شیخ الاسلام کو لکھنے سے بھی منع کر دیا گیا، اور قلم، دوات اور کاغذ کچھ بھی نہ چھوڑا گیا، اس کے بعد آپ تہجد، تلاوت، مناجات اور ذکر کی طرف متوجہ ہوگئے چنانچہ ۲۰ شوال ۷۲۸ھ کو آپ کا انتقال ہوگیا، شیخ الاسلام کے جنازہ میں تین اشخاص کو چھوڑ کر پورا دمشق حاضر ہوا، انھیں اپنی جان کا ڈر تھا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کے بعد یہ اسلام کا سب سے بڑا جنازہ تسلیم کیا گیا، دین حنیف کیلئے آپ نے جو عظیم خدمات انجام دیں اللہ تعالی اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے آپ کو بہترین بدلہ عطاء فرماتے (۲)

شیخ الاسلام کا زمانہ اور ماحول

کسی شخصیت کے افکار اور اس کے کارناموں کے صحیح علم کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کے دور اور اس دور کے احوال کی تحقیق کی جائے جس میں اس کی نشو نما ہوئی اور اپنی زندگی کے کارنامے انجام دیئے۔

اور یہ بات معلوم و معروف ہے کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ان نادرۂ روزگار شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے اپنے زمانہ اور ماحول سے زبردست تأثر لیا جس کے دور رس اثرات ان کے ان عظیم الشان کارناموں میں نمایاں ہیں جو انھوں نے دین حنیف کی خدمت کے لئے انجام دیئے۔

شیخ الاسلام کی ولادت ایک ایسے علمی ماحول میں ہوئی جو علم، دین، زہد و تقوی اور راسخ سلفی عقیدہ کے لئے ایک طویل تاریخ کا حامل تھا، آپ کے دادا اور ابا طرح و الدکبار ائمہ میں سے تھے، آپ کے بھائی اور خاندان کے دیگر علماء بھی بڑے سربرآوردہ تھے، آپ کی جائے پیدائش حران میں نیز ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد کے سقوط کے بعد اسلام اور مسلمانوں کی جائے پناہ دمشق میں حنابلہ کی کثرت تھی۔

یہاں ہر علم و فن میں علماء کی بڑی تعداد پائی جاتی تھی، مدرسوں اور تعلیم گاہوں کی کثرت تھی، حنابلہ

---

(۲) اس بحث کے لکھنے میں میں نے ذیل کی کتابوں پر اعتماد کیا ہے: العقود الدریہ لابن ہادی، البدایۃ والنہایۃ الأعلام العلیۃ فی مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ذیل طبقات الحنابلہ، الوافی بالوفیات للصفدی۔

کے علماء اور مدارس کی کثرت ان کی شان و شوکت کا ذریعہ تھی۔

اعتقادی ناحیہ سے اشعری مذہب تمام اسلامی ملکوں اور خطوں میں رائج و غالب تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور سے لیکر شاہان ممالیک کے دور تک امراء و سلاطین اس مذہب کی تائید و حمایت کرتے رہے تھے عام مسلمانوں میں فلسفہ، کلام، تصوف، شعبدہ اور رقص کے ساتھ ساتھ بہت سے بدعات و خرافات کثرت سے رائج تھے حنابلہ اصول و فروع میں امام احمد بن حنبل کے مذہب پر تھے۔ ان کے اور اشاعرہ کے مابین برابر مناظرے اور مناقشے ہوا کرتے تھے

سیاسی ناحیہ سے شیخ الاسلام کا زمانہ سیاسی اضطراب اور جنگی کشاکش سے بھرا ہوا تھا، بلاد شام ساتویں صدی ہجری کے نصف سے حکومت ممالیک کے زیر سایہ تھے جو ایوبی سلطنت کو توڑ کر وجود میں آئی تھی اور عالم اسلامی کے عظیم طاقتور مراکز میں سے ایک تھی اس حکومت نے بغداد میں عباسی خلافت کو تباہ و برباد کر دینے والے مغل تاتاریوں کو آگے پیش قدمی کرنے سے روک رکھا تھا۔

تمام امراء حکومت اپنے دینی احوال و معاملات میں مشائخ اور قضاۃ پر اعتماد کرتے تھے، شیخ الاسلام کی نشوونما ایسے ہی ماحول میں ہوئی جس نے آپ کی شخصیت پر زبردست اثرات چھوڑے، یہاں تک کہ کمسنی ہی میں آپ اسلامی عظمت کی دوبارہ واپسی اور دین اسلامی کی تجدید کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جس دین کے نشانات مٹ چکے تھے علماء و مشائخ کی کثرت عقیدۂ سلف صالح سے غفلت کا شکار تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور صحابہ و تابعین کے فقہ سے دور ہو چکی تھی، اسکی وجہ یہ تھی کہ فلسفہ و کلام سے گہرا شغل ہو گیا تھا، فقہی مذاہب پر جمود بڑھ گیا تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو فریضہ اللہ نے عائد کیا تھا اسے چھوڑ چکے تھے،

شیخ الاسلام نے عنفوان شباب ہی سے کتب و رسائل اور فتاوی تحریر کرنا شروع کر دیا تھا آپکی مساعی کا سب سے عظیم مقصد یہ تھا کہ اس اسلامی عقل کو تیار کیا جائے جو قرآن و سنت اور فقہ سلف سے کسب ضو کرے، اس فریضہ نے آپ کو اس بات پر تیار کیا کہ اسلام میں دخیل تمام افکار کا رد آپ نے انتہائی قوت اور کمال وضاحت سے کیا اور فرق ضالہ اور ان کے اساطین کے خلاف شیخ الاسلام کے جوابات اور ان کے خلاف زبردست اعتراضات کا ایک لازوال لٹریچر وجود میں آگیا، شیخ الاسلام نے فلسفہ، کلام اور منطق کی طاقت کو توڑ کر رکھ دیا، روافض، ملحدین اور باطنیوں کے باطل افکار کی پردہ کشائی کی

(جاری)

قرآنیات

تحریر: شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ ترجمہ: عبدالوہاب حجازی

مفسرین کے اختلاف کی حقیقت

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ،، من فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار ،، جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی اس نے دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالیا ،، سے متعلق سوال کیا گیا کہ اگر ایک ہی آیت میں مفسرین کا اختلاف رائے کے ذریعہ ہو تو نجات کا کیا ذریعہ ہے ، اور اگر اختلاف رائے کے ذریعہ نہ ہو تو مفسرین میں اختلاف کیسے واقع ہوا جبکہ حق نقیض کے دونوں اطراف میں نہیں ہوتا ۔

شیخ الاسلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ : مفسرین میں واقع ہونے والا اختلاف دو طرح کا ہے۔

(۱) اس اختلاف میں تضاد اور تناقض نہیں ہے بلکہ ہر ایک کا حق ہونا ممکن ہے ۔ یہ اختلاف تنوع یا صفات اور عبارات کا اختلاف ہے ۔ اسلاف مفسرین یعنی صحابہ و تابعین سے متعلق ثابت اختلاف عموماً اسی نوعیت کا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں کسی اسم کا ذکر کیا مثلاً ،، اھدنا الصراط المستقیم ،، تو ہر مفسر صراط مستقیم کی تعبیر ایسی عبارت سے کرتا ہے جس سے صراط مستقیم کی بعض صفات پر دلالت ہوتی ہے ، اس طرح کی ہر تفسیر حق ہوتی ہے ۔ جس طرح اللہ ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کے بہت سے نام رکھے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر نام اپنے مسمیٰ کی بہت سی صفات میں سے کسی ایک صفت پر دلالت کرتا ہے اس طرح کوئی مفسر کہتا ہے ۔ ،، صراط مستقیم ،، کتاب اللہ ہے یا کتاب اللہ کی اتباع ہے ، کوئی مفسر کہتا ہے ،، صراط مستقیم ،، اسلام یا دین اسلام ہے ۔ کوئی کہتا ہے ،، صراط مستقیم ،، سنت اور جماعت ہے ، کوئی کہتا ہے ،، صراط مستقیم ،، طریق عبودیت یا خوف ، امید اور محبت کا طریق اور مامور

کی اتباع اور ممنوع سے اجتناب ہے یا کتاب وسنت کی پیروی یا اللہ کی اطاعت کے اعمال ہیں، وغیرہ وغیرہ۔
یہ معلوم ہے کہ مسمیٰ ایک ہی ہے گو اس کے صفات نوع بہ نوع اور اسماء وعبارات متعدد ہیں، جیسے کہا جائے کہ محمد احمد ہیں، عاشر ہیں، ماحی ہیں، عاقب ہیں، خاتم المرسلین ہیں، نبی رحمت ہیں اور نبی حرب ہیں۔
یا کہا جائے، قرآن فرقان ہے، نور ہے، شفاء ہے، ذکر حکیم ہے اور ایسی کتاب ہے جس کی سب آیات محکم اور معتبر ہیں۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں "ھوالاول والآخر، والظاھر والباطن، وھو بکل شیٔ علیم"، وہ اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے نیز "الذی خلق فسوی، والذی قدر فھدی، والذی اخرج المرعی، فجعلہ غثاء احوی"، جس نے ہر چیز پیدا کی اور ٹھیک ٹھیک درست کیا۔ جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا پھر راہ دکھائی، جس نے چارہ پیدا کیا پھر اسے خشک سیاہ کر دیا نیز "ھواللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھوالرحمٰن الرحیم، ھواللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس، السلام المؤمن المھیمن، العزیز، الجبار، المتکبر"، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غائب وحاضر سب جاننے والا ہے وہ سب سے بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حقیقی بادشاہ ہے قدوس ہے، سلام، مومن، مہیمن، عزیز، جبار اور متکبر ہے۔ نیز "ھواللہ الخالق، البارئ، المصور"، وہی اللہ ہے جو سب کا خالق پوری کائنات کا باری اور مصور ہے وغیرہ۔
اس طرح اللہ تعالیٰ تو یکتا اور بے نیاز ہے لیکن اس کے تمام اسماء حسنیٰ اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک جس وصف پر دلالت کرتا ہے اس پر دوسرے اسم کی دلالت نہیں ہے۔ لیکن تمام اسماء ذات پر دلالت کرنے میں متفق ہیں گو صفات پر دلالت کرنے میں متنوع ہیں، گویا ذات اور معین صفت پر اسم کی دلالت مطابقی ہے۔ اور دونوں میں سے کسی ایک پر دلالت تضمنی ہے اور ہر اسم جو معین صفت پر دلالت کرتا ہے اس پر اس کی دلالت التزامی ہے۔ اس لئے کہ وہ اسم اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس سے تمام صفات وابستہ ہیں۔
(۲) اس قسم کے اختلاف کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ مفسر یا مترجم لفظ کا معنی فرد کی تعیین یا بطور مثال کے ذکر کرتا ہے، حد وحصر کے طریق پر نہیں، جیسے کوئی غیر عربی کہے "خبز" کا کیا

معنی ہے ؟ تو اس کے جواب میں کسی روٹی کے فرد کی طرف اشارہ کر دیا جائے ، یہاں " عین خبز" مقصود نہیں بلکہ روٹی کے اس فرد کی تعیین کی طرف اشارہ ہے۔

یہ بات ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق سوال کیا جائے " فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد، ومنهم سابق بالخیرات " ان میں بعض اپنے حق میں ظالم ہوں گے اور بعض میانہ رو اور بعض کار خیر میں آگے بڑھنے والے ہوں گے۔ یا " ان اللہ مع الذین اتقوا والذین هم محسنون " یقیناً اللہ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کریں اور جو نکوکار رہیں یا " الصالحین " یا " الظالمین " جیسے عام اور جامع اسماء کے متعلق سوال کیا جائے جن کے تمام معانی کا ضبط کرنا سامع اور متکلم دونوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس سب کی اسے ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے موقع پر معنی کے انواع واشخاص میں سے کچھ ایسی باتوں کا ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی غرض حاصل ہو جائے ، اور کبھی اس کے ذریعہ اس کے نظائر وامثال پر استدلال کیا جاتا ہے۔

پس " الظالم لنفسه " مامور کا تارک اور ممنوع کا فاعل ہے اور " المقتصد " واجب کا فاعل اور حرام کا تارک ہے اور " السابق " واجب اور مستحب کا فاعل اور حرام و مکروہ کا تارک ہے۔

اس طرح جواب دینے والا سائل کی ضرورت کے مطابق جواب دیتا ہے کہ " الظالم " وہ ہے جو نماز فوت کرتا اور کامل طور پر وضو نہیں کرتا۔ یا وہ شخص ہے جو ارکان کی تکمیل نہیں کرتا وغیرہ۔ اور " المقتصد " وہ ہے جو حسب حکم وقت پر نماز پڑھتا ہے اور " السابق بالخیرات " وہ ہے جو نماز کو اس کے واجبات اور مستحبات کے ساتھ ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی مستحب نوافل بھی ادا کرتا ہے۔ اسی طرح کا جواب وہ زکوٰۃ ، روزہ ، حج اور تمام واجبات کے متعلق دیتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا : تفسیر چار طریق پر ہوتی ہے (۱) ایسی تفسیر جسے عرب اپنے کلام سے جانتے ہیں (۲) ایسی تفسیر جس کے نہ جاننے سے کوئی شخص معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ (۳) ایسی تفسیر جسے علماء جانتے ہیں۔ (۴) ایسی تفسیر جسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو شخص اس کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حکیم کے لفظاً اور معنیً دونوں حاصل کئے تھے

(بقیہ ص۔۔)

ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن

اور امت میں ان کے غلط اثرات

احمد مجتبیٰ السلفی استاذ حدیث جامعہ سلفیہ بنارس

خالق کائنات نے بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے صرف دو ہی سرچشموں کی طرف رجوع کو لازم کیا ایک اپنی کتاب قرآن مجید اور دوسرے اپنے آخری رسول اور نبی محمد بن عبد اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریرات جن کو اصول حدیث کی اصطلاح میں حدیث یا سنت کہا جاتا ہے اور ان کے بیان اور نسلاً بعد نسلٍ نقل کرتے رہنے کو روایت کرنا کہا جاتا ہے ارشاد باری ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ تقریباً دس مقامات پر یہ آیت اسی صیغے کے ساتھ آئی ہے۔ اور اس کے ہم معنی بیس آیات اور ہیں جن میں اطاعتِ خدا کے ساتھ اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز پندرہ آیات میں مستقلاً اطاعت رسول کا حکم آیا ہے۔

قرآن کریم کے تو ہر ہر لفظ اور حرف کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ ارشاد ہے " انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون " یعنی ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

بنا بریں کسی بھی دشمن اسلام کیلئے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ قرآن میں تحریف کی اس کی کوشش کامیاب ہو سکے اس میں ناکامی کے بعد کچھ طالع آزما لوگوں نے حدیث نبوی میں خرد برد کی کوشش کی۔ اور اس کوشش

لہ سورہ نساء آیت ۵۹ ۔ ۸۰ کہیں لفظِ "اطیعوا" کے تکرار کے بغیر آئی (۳) سورہ الحجر آیت ۹ ۔

میں ایک حد تک وہ کامیاب بھی ہو گئے۔ اور اس کامیابی کا سبب صحیح احادیث سے عدم واقفیت۔ اور کبھی واقفیت کے باوجود واقفین کا تساہل تھا، اور کبھی موضوع حدیث کی روایت کی غلط تاویل[1]

لیکن چونکہ ذکر الٰہی (قرآن) کے ساتھ ساتھ اس ذکر کی تبیین[2] (حدیث نبوی) کو قیامت تک باقی رہنا تھا اسلئے امت میں شروع ہی سے اس بات کا اہتمام شروع ہو گیا کہ کوئی بھی ایسی بات جس کی نسبت خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو بغیر قوی سند کے نہ لی جائے۔ نیز ہر دور میں ایسے ناقدین فن علماء پیدا ہوتے رہے جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتے رہے[3] حدیث کی روایت کیلئے دسیوں علوم ایجاد کئے گئے تاکہ بعد کے آنے والے لوگوں کیلئے کھرے کھوٹے کے پہچاننے کا کام آسان ہو جائے۔

معدودے چند صوفیہ اور قصہ گو لوگوں کے سوا امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما دیا تھا "من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار"[4] یعنی جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ نیز فرمایا تھا، "من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین"[5] یعنی جو آدمی جان بوجھ کر میری طرف سے جھوٹی بات بیان کرے وہ مہا جھوٹا ہے۔

---

[1] تساہل کی مثال؛ ایک بار ایک قصہ گو واعظ کی مجلس میں مایہ ناز محدث یزید بن ہارون موجود تھے۔ قصہ گو من گھڑت احادیث بیان کر کے سامعین کو رلا رہا تھا۔ موصوف خود بھی رو رہے تھے۔ دیکھا جائے المجروحین لابن حبان مقدمہ

غلط تاویل کی مثال؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی "من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار (رواہ مسلم)" کو سن کر ایک صوفی بزرگ نے فرمایا "نحن لا نکذب علیہ"، "بل نکذب لہ"، یعنی ہم حدیثیں خدا کے رسول کے خلاف نہیں گھڑتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فائدے کیلئے گھڑتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو جنت کی ترغیب دلانے، اور جہنم سے ڈرانے کیلئے گھڑتے ہیں، اور ایک بات خدا کے رسول کی مرضی کے مطابق ہے۔ یعنی یہ کہ لوگوں میں جنت کا شوق پیدا ہو اور جہنم سے نفرت۔ (دیکھا جائے مقدمہ المجروحین لابن حبان) [2] وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (سورہ النحل آیت ۴۴) ہم نے قرآن آپ پر اسلئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں سے اس کی تفسیر بیان کر دیں [3] حضرت عبداللہ بن مبارک سے لوگوں نے عرض کیا: ان موضوع روایات کا کیا بنے گا؟ فرمایا: ان کے لئے ماہرین فن پیدا ہوتے رہیں گے۔ [4] بخاری و مسلم [5] احمد و مسلم۔

مذکورہ فرمان نبوی تو ان لوگوں کی نسبت ہے جو قصداً غلط بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی عدم واقفیت کی بنا پر موضوع روایات بیان کر جاتا ہے تو ایسے آدمی کے لیے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بیان کر دیا ہے۔ اگر وہ اس کو اپنا لے تو کبھی بھی کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کر دینے کی غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ارشاد ہے "کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع" لے یعنی آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔

یہ حدیث ہمیں اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ ہم جانچ پرکھ کر ہی کسی حدیث کے بارے میں یہ کہنے کی ہمت کریں کہ یہ فرمانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس طرح ہم فلیتبوء مقعدہ من النار کی وعید سے بچ سکتے ہیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر خاص وعام کے اندر یہ صلاحیت کہاں کہ کسی حدیث کی صحت اور ضعف کا ادراک کر سکیں؟

تو اس کا حل یہ ہے کہ امت کے علماء اولاً تو خود اس بات کا اہتمام کریں کہ اپنے وعظ، تقریر اور مقالات و مضامین میں موضوع اور ضعیف احادیث سے گریز کریں۔ بعدہ مستقل تصانیف، مقالات نیز اخبارات رجرائد اور دینی مجالس کے ذریعے امت میں رائج ضعیف اور موضوع روایات کے بارے میں لوگوں کو معلوم کرائیں۔

ہمارے سلف صالحین نے یہ فریضہ بخوبی انجام دیا ہے۔ چنانچہ اولین مولفین حدیث میں سے بعض نے اپنی تصنیف لیئے یہ التزام کیا کہ صرف صحیح احادیث ہی جمع کریں گے اور بعض نے اگر یہ التزام نہیں کیا تو درمیان میں اس پر کلام کر دیا۔ اور بعض نے اسی کام کیلئے مستقلاً تالیفات کیں۔ ۲ے

لے مسلم۔ ۲ے بعض نے وضاعین اور ضعفاء کے تذکرے اور اس ضمن میں ان سے مروی موضوع اور ضعیف احادیث لکھی گئے جیسے بخاری نسائی ابن حبان عقیلی۔ ابن عدی، دار قطنی، ابونعیم الاصفہانی، ذہبی وغیرہم رحمہم اللہ اور بعض نے ابواب کی ترتیب پر ضعیف اور موضوع احادیث کو جمع کیا۔ جیسے مقدسی نے تذکرۃ الموضوعات میں، جوزقانی نے اباطیل میں، ابن الجوزی نے موضوعات میں، ابن بدر بن سعید نے الموضوعات الصریحۃ میں، صنعانی نے موضوعات میں، اور ابن تیمیہ نے احادیث قصاص میں وغیرہم رحمہم اللہ۔ اس موضوع پر تقریباً چالیس کتابیں موجود ہیں۔

ہمارا موجودہ دور بھی ایسے ماہرین فن علماء سے خالی نہیں رہا چنانچہ قادر مطلق نے علامہ محمد ناصر الدین
بانی حفظہ اللہ کو اس باب میں ایسا ملکہ عطا رفرمایا ہے کہ انھوں نے بہت سے اگلوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے
اس سلسلے میں آپ نے کئی طرح سے کام کیا ہے لے

ہم" محدث" میں آج سے علامہ موصوف نیز سلف صالحین کی دوسری کتابوں سے چھانٹ کر ایسی ضعیف
رموضوع روایات کا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جن کا امت میں عام چلن ہو گیا ہے تاکہ عام اردو داں طبقہ بھی "من
ذب علی ...... یا کفی بالمرء ...... کی وعید سے محفوظ رہ سکے۔

ہم یہاں پر تین اور باتوں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) موضوع احادیث پر لفظ" حدیث" کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے جبکہ فی الحقیقت یہ احادیث رسول نہیں
ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: حدیثوں کے گھڑنے والے چونکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب
کر دیتے ہیں اس لئے اس کو حدیث کہدیا جاتا ہے۔ یہ تو تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان کا رسول خدا سے دور قریب
کوئی واسطہ نہیں۔

ایک جواب یہ بھی ہے کہ اغلبیت کی بنا پر ایسا کہدیا جاتا ہے۔

اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ لفظ" حدیث" کے لغوی معنی کے اعتبار سے حدیث کہدیا جاتا ہے اسوقت اصطلاحی
معنی مراد نہیں ہوتے۔" حدیث" کے لغوی معنی ہے کلام، بات،

ایک اور جواب یہ ہے کہ چونکہ موضوع احادیث میں بھی صحیح احادیث کی طرح سند اور متن ہوتا ہے اس لئے اسی

لے مثلاً (۱) ضعیف اور موضوع احادیث کا مجموعہ بنام سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: جس کی چار جلدیں آچکی
ہیں، کتاب دسیوں جلدوں میں جا کر پوری ہوگی (۲) علامہ سیوطی کی حدیث کی جامع کتاب" الجامع" میں وارد شدہ
ضعیف و موضوع احادیث کی تنقیح بنام ضعیف الجامع (تین جلدوں میں)۔
(۳) کسی مؤلف کے کتاب پر حاشیہ لگا کر اس کی احادیث پر صحت و ضعف کا حکم جیسے السنۃ لابن ابی عاصم
وغیرہ وغیرہ۔

مشابہت کی وجہ سے حدیث کہدیا جاتا ہے ۔

تقریباً یہی جوابات حد درجہ ضعیف احادیث کے بارے میں بھی ذہن نشیں رہیں ۔ لیکن معمولی درجہ کے ضعف والی ضعیف احادیث کو حدیث کہنے میں کوئی حرج نہیں ۔

(۲) دوسری یہ بات یہ کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی میں احادیث کے گھڑنے کی کوشش شروع ہو گئی ۔ یہ کوشش اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ ان صدیوں میں حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرآن کی طرح دین میں حجت سمجھا جاتا تھا ۔ ورنہ واضعین حدیث کو کیا ضرورت تھی اس کھکھیڑ میں پڑنے کی ؟ انکارِ حجیت حدیث کا فتنہ تو بہت بعد کی پیداوار ہے ۔

یہاں عام قارئین کی معلومات کیلئے عرض ہے کہ " وضع حدیث سات[1] مختلف اغراض کے لئے لوگوں نے شروع کیا تھا اور سب کا مقصد یہی تھا کہ نسبتِ رسول کا فائدہ اٹھا کر اپنی بات امت سے منوالیں ۔ اگر نسبتِ رسول کا کوئی فائدہ ان صدیوں میں نہیں ہوتا تو وضعِ حدیث کی کوشش بھی عالم وجود میں نہیں آئی ہوتی فاعتبروا یا اولی الابصار

تیسری بات یہ کہ جو مشہور ہے کہ فضائل اعمال ، زہد ورقاق اور ترغیب وترہیب کے باب میں ضعیف احادیث پر عمل کیا جا سکتا ہے تو اس سے مراد متاخرین کی اصطلاحی ضعیف حدیث نہیں ہے جن قدیم ائمہ نے (جیسے ثوری ، ابن عیینہ اور احمد بن حنبل وغیرہ نے) یہ بات کہی ہے ان کی مراد حسن لغیرہ سے تھی ۔ ان قدیم علماء کے زمانہ میں حدیث کی صرف دو قسمیں تھیں صحیح اور ضعیف ۔ اور حسن کو ضعیف کے زمرہ میں رکھا جاتا تھا[2]

---

[1] وہ سات اغراض یہ ہیں (۱) سیاسی اختلاف اس باب میں شیعہ سب سے آگے ہیں (۲) کلامی اور فقہی اختلاف (۳) عصبیت وطنیت کی ہو یا نسل کی یا امام وپیشوا کی ۔ (۴) وعظ وقصہ گوئی (۵) امراء وملوک کی چاپلوسی ۔ (۶) زندقہ ، دشمنان اسلام ، اسلام کو بدنام کرنے کیلئے لایعنی باتوں کو خدا کے رسول کی طرف منسوب کر دیتے تھے (۷) ذاتی اغراض تطویل کے سبب ہم تفصیل اور مثالوں سے گریز کر رہے ہیں ۔

[2] مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ج ۱۰ / ص ۸۰ - ۸۱ ، ۱۸ / ص ۶۵ - ۶۸ ، ومجموعۃ الرسائل والمسائل لابن تیمیہ ج ۵ / ص ۹۵ الاجوبۃ الفاضلۃ لعبد الحی اللکنوی ۔ ص ۳۶ ، ومقدمہ صحیح الجامع وضعیف الجامع للالبانی ومقدمہ صحیح الترغیب والترہیب للالبانی ۔

مذکورہ ابواب میں ضعیف احادیث پر عمل کے دروازے کو چوپٹ کھول دینے کا کیا انجام ہوا ہے وہ آگے ضعیف احادیث کے ضمن میں بیان ہوگا۔

امت محمدیہ کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ بنی نوع انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے صحیح احادیث میں کفایت موجود ہے ہمیں کسی بھی باب میں ضعیف احادیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں اللہ نے صرف اس پیغام نبوی کا مکلف بنایا ہے جو ہم تک قوی ذرائع سے پہنچے اور جس کے ذرائع قوی نہیں ہم اس کے مکلف نہیں

واضح رہے کہ ضعیف احادیث سے مراد وہ ضعیف احادیث ہیں جن کا ضعف کسی طرح دور نہ ہو سکا ہو۔ اس کے قواعد اور ضوابط اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ہم نے اس تمہید میں بہت اختصار سے کام لیکر صرف موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں کیونکہ عام قارئین کو تفصیل میں الجھانا ٹھیک نہیں ہے اور علماء ان باتوں سے واقف ہی ہیں۔

اب آپ موضوع اور ضعیف احادیث کے انتخابات سلسلہ وار ملاحظہ فرمائیں اور اللہ تبارک تعالیٰ سے اپنے لئے نیز ہمارے لئے بھی یہ دعا کرتے رہیں کہ ہمیں کتاب وسنت کی صحیح شاہراہ پر تا قیامت باقی رکھے۔

۱۔ اختلاف امتی رحمۃ

یعنی ، میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

ایک دوسری روایت کا لفظ ہے "اختلاف اصحابی رحمۃ" یعنی: میرے صحابہ کا اختلاف رحمت یہ ایک مشہور روایت ہے اس کو بڑے بڑے "........ الاسلام" قسم کے علماء بڑے پر زور میں اجلاس عام میں بیان کرتے ہیں اور اعتراض کرنے پر غلط تاویل کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا دیتے ہیں لیکن دراصل یہ لوگ وہ ہیں جن کا اس حدیث کی ترویج ایک خاص مقصد پنہاں ہے۔ وہ یہ کہ کسی امام کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہم طرح اور لوگ بھی ہمارے امام کے علاوہ کسی اور امام کی تقلید میں مبتلا ہیں اور ہر ایک دوسرے سے با دست وگریباں ہیں۔ تب ایک تیسرا فریق ان سے کہتا ہے کہ تم یہ اختلافات ختم کر کے کتاب وسنت کی صحیح شاہراہ پر آجاؤ تب یہ بے بنیاد حدیث پیش کر دی جاتی ہے۔ یعنی ہمارا یہ اختلاف مذموم نہیں بزبان رسالت محمود ہے لیکن اس مشہور حدیث کی حقیقت کیا ہے؟؟؟ اس کی آج تک کوئی صحیح تو کیا موضوع سند بھی نہ

کے بعد تلاش نہیں کی جاسکی ہے حتی کہ ایک مقلد علامہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ لعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا (۱)۔ یعنی شاید یہ حدیث کسی محدث کی کسی ایسی کتاب میں روایت کی گئی ہے جو کہ ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ علامہ دنیائے اسلام کے ایک بہت بڑے کتب خانہ کے علوم پر حاوی تھے۔ اپنے عہد تک لکھی گئی اکثر کتب پر ان کی نظر تھی، تو جب ایسے کثیر المطالعہ آدمی کو اس کی سند نہ مل سکی تو ہما شما کا کیا پوچھنا۔ اور ان سے پہلے جس نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے بغیر کسی سند کے کیا ہے جیسے ابو نصر مقدسی، حلیمی اور قاضی حسین (۲)

امام ابن حزم فرماتے ہیں، باطل مکذوب یعنی سراسر جھوٹی ہے(۳) علامہ مناوی نے سبکی سے نقل کیا ہے کہ: مجھے اس کی کوئی سند نہیں مل سکی، نہ صحیح نہ ضعیف نہ موضوع(۴) شیخ الاسلام زکریا الانصاری نے سبکی کے اس قول کی تصدیق کی ہے

ہاں دوسرے لفظ کے ساتھ طبرانی نے معجم میں اور بیہقی نے مدخل میں ابن عباس سے سنداً روایت کی ہے مگر اس میں دو زبردست علتیں ہیں (۱) جویبر اس کا راوی کذاب ہے(۵)

(۲) ضحاک اور ابن عباس کے درمیان انقطاع ہے۔

بعض علماء نے حضرت قاسم بن محمد، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام مالک کے اقوال سے اس حدیث کی تقویت کی کوشش کی ہے(۶) لیکن ان کی یہ تقویت تار عنکبوت سے زیادہ طاقت نہیں رکھتی، اصول حدیث کے واقفین اس سے بخوبی واقف ہیں۔

اس بے بنیاد حدیث کے غلط اثرات

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کیا ہی فاسد قول ہے کیونکہ اگر اختلاف رحمت ہوگا تو اتفاق عذاب ہوگا۔ دنیا میں یا تو اختلاف ہے یا اتفاق رحمت ہے یا عذاب۔

امت میں جو شدید اختلافات (مسائل دینیہ میں بھی) ہوئے یا ہو رہے ہیں اس بے بنیاد حدیث نے

---

(۱) دیکھئے: الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث اختلاف امتی رحمۃ (۲) فیض القدیر ج ۱ ص ۲۱۲ - (۳) احکام الاحکام بحوالہ ضعیفہ رقم ۵۷ (۴) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ رقم ۵۷ (۵) دیکھئے کتب رجال (۶) دیکھئے کشف الخفاء للعجلونی۔

ان کو سہارا دیا ہے اس حدیث سے شریعت اسلامیہ میں تناقض ثابت ہوتا ہے کیونکہ فقہی مسائل میں بھی چاروں ائمہ کے درمیان کچھ ایسے مسائل ہیں جو باہم مختلف نہیں متناقض ہیں۔ اور یہ حدیث اس تناقض کو جائز قرار دیتی ہے صرف یہ بات اس حدیث کے بطلان پر قوی دلیل ہے۔ اے کاش کہ اس حدیث کو پیش کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو دھیان میں رکھتے، ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ؎۱
یعنی اگر قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں وہ لوگ شدید اختلاف پاتے۔

اسی حدیث نے حرم کعبہ میں چار مصلے بنانے کو جائز قرار دیا تھا۔ اسی حدیث کی بنا پر ائمہ کے مقلدین فقہی مسائل میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کر کے اپنے اختلافات کو ختم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ. ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ؎۲ یعنی جب تمہارے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول (کتاب وسنت) کی طرف رجوع کرو یہی بہتر ہے اور انجام کار اچھا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف بہر نوع مذموم ہے کیونکہ اختلاف امت کی کمزوری کا سبب ہے۔ ارشاد باری ہے، ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم ؎۳ یعنی آپس میں تنازع نہ کرو، ورنہ پھسل جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی تو اختلافات ہوئے، فقہی اور سیاسی بھی تو کیا وہ بھی اختلاف کے سبب قابل مذمت ہیں؟

نہیں، وہ قابل مذمت نہیں، کیونکہ ان میں سے ہر شخص حق وصواب کا متلاشی تھا۔ اس کیلئے اجتہاد سے کام لیا اور اجتہاد کے صحیح ہونے کی صورت میں وہ ہرے اجر کا مستحق ہوا، اور غلط ہونے کی صورت میں بھی ایک اجر کا مستحق ہوا اور یہی حال ائمہ کا بھی تھا۔ قابل مذمت تو وہ شخص ہے جو اختلافی مسائل میں کتاب اللہ وسنت رسول کی طرف رجوع کرنے کو بیکار سمجھتا ہے کتاب وسنت کی صریح دلیل مل جانے کے باوجود اپنے فقہی مسلک پر قائم رہتا ہے اور کتاب وسنت ہی کو اپنے مسلک کے مطابق بنانے کی سعی لاحاصل کرتا ہے۔ اور یہ سب اس بے بنیاد حدیث کے غلط اثرات کا نتیجہ ہے۔ (جاری)

؎۱ سورہ نساء آیت ۸۲ ؎۲ سورہ نساء آیت ۵۹ ؎۳ سورہ انفال، آیت ۴۶۔

یوم قدس کے موقع پر
انجمن سفراء ممالک اسلامیہ کا بیان

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على اشرف المرسلين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين

اما بعد:

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

" سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله "

پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و پیش ہم نے برکتیں نازل کی ہیں،

برادرانِ اسلام !

آج سے تین دنوں بعد ہم جدید تاریخ کے ایک انتہائی دردناک سانحہ کی یاد کے طور پر ایک بار پھر "یوم قدس" منا رہے ہیں، یہ سانحہ بیس سال قبل ۲۱ اگست کو پیش آیا تھا جس کو اب ہم "یوم قدس" کے طور پر ہر سال مناتے ہیں۔ اس دن جارحیت پسند صیہونیوں نے مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کر دینے کی ناپاک سازش بروئے کار لانے کی کوشش کی تھی لیکن اللہ جل جلالہ نے مسجد اقصیٰ کی حفاظت فرمائی اور یہودیوں کی ناپاک سازش کو ناکام کر دیا، اگر اللہ رب العزت کا کرم اور نظر عنایت نہ ہوتی تو یہ آگ اس مبارک مسجد کو خاکستر کر سکتی تھی جو ان تین مبارک ترین مسجدوں میں سے ایک ہے جن میں نماز ادا کرنے کے لئے بنظر رغبت سفر باندھا جا سکتا ہے —— اس وقت پورے عالم اسلام نے بیک زبان اس مذموم اور مجرمانہ سازش کی پرزور مذمت کی تھی، اور اس جارحیت کو ختم کرانے کی غرض سے عالم عرب اور دنیا اسلام میں مختلف کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد کئے گئے تھے تاکہ صورت حال پر غور و خوض کے بعد مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کو یہودی جارحیت سے آزاد کرانے کیلئے کوئی مشترکہ حکمت عملی اپنائی جا سکے۔

برادران اسلام: اسلام کے مقدس و متبرک مقامات میں مسجد اقصیٰ کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے اس سے مسلمانان عالم بخوبی واقف ہیں، سب کو معلوم ہے کہ یہ مسجد مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے جس کی طرف رخ کرکے اس وقت تک نماز ادا کی جاتی تھی جب تک اللہ تعالیٰ نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ "**فول وجهك شطر المسجد الحرام**" (اب آپ اپنا چہرۂ مبارک مسجد حرام کی جانب پھیر لیں)

شب اسرار اور معراج مقدس کا معجزہ بھی اسی مسجد سے متعلق ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا: (سبحان الذی اسری بعبده ليلاً من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذی بارکنا حوله) "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد وپیش ہم نے برکتیں نازل کی ہیں"

اس آیت کریمہ سے جہاں ایک طرف مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان ربط وتعلق کا پتہ چلتا ہے وہیں مسجد اقصیٰ کے تقدس اور اہمیت کا بھی اظہار ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس پاک سرزمین کو بخشی ہے، مسجد اقصیٰ قبلۂ اول ہے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد تیسری سب سے مقدس اور مبارک مسجد ہے، اسی مبارک سرزمین سے انبیاء اور مرسلین نے پیغام رشد وہدایت بلند فرمایا

برادران عزیز:۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہماری غفلت شعاری اور لاپرواہی کے نتیجہ میں ان مقدس مقامات اور پاکیزہ ترین زیارت گاہوں کی حالت کیا ہوگئی ہے، ان پر صیہونی جارحیت پسندوں کا قبضہ ہے جو وہاں شر وفساد برپا کر رہے ہیں۔ اور مسجد اقصیٰ، مسجد ابراہیمی، مسجد صخرہ، اور تمام دوسرے متبرک مقامات کی عظمت وحرمت کو نہایت دیدہ دلیری اور بے غیرتی سے مسلسل پامال کر رہے ہیں، انھیں ان مقدس مقامات کی عزت وعظمت کا پاس تک نہیں ہے اور نہ ان کو دنیا کے ان کروڑوں مسلمانوں کی دل شکنی کا خیال ہے جو ان مقامات کی زیارت کے لئے بے چین وبے تاب رہتے ہیں، اور ان کی موجودہ حالت زار کا تصور بھی ان کے لئے سوہان روح ہے،

آج کا دن ہمیں اپنے دلوں اور اپنے حالات کا جائزہ لینے کی دعوت دیتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ ہم نے ان مقدسات اسلامیہ کو صیہونی غاصبوں سے آزاد کرانے کیلئے کس حد تک اپنی ذمہ داری نبھائی ہے، چونکہ ان مقامات مقدسہ کا تعلق دنیا کے سارے مسلمانوں سے ہے اس لئے ان کو آزاد کرانے کی جد وجہد بھی ہم سب کو مل کر ہی کرنی ہوگی، اس راہ میں جب تک ہم خود اپنی موجودہ غفلت شعاری سے دست بردار نہ ہوں گے اس وقت تک نصرت الٰہی ہماری حلیف نہیں ہو سکتی۔ "**ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم**"۔ ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

آج کا دن ہمیں باہمی اتحاد وتعاون کی دعوت دیتا ہے تاکہ جارحیت کا خاتمہ کیا جاسکے اور مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقدس مقامات کو صہیونی دشمنوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے کی جانے والی ہر جدوجہد کی ہمت افزائی کی جاسکے اور بیت المقدس اور دوسرے غصب شدہ علاقوں اور اسلامی یادگاروں اور فلسطین کو وہاں کے اصل عرب باشندوں کو واپس دلایا جاسکے اور علاقہ حسب سابق امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے تاکہ مسلمانانِ عالم بے خوف وخطر ان مقامات مقدسہ کی زیارت سے آنکھوں کو شاد کام کرسکیں۔

برادرانِ گرامی! اس موقع پر ضروری ہے کہ ہم اس زبردست عوامی جدوجہد اور انقلابی تحریک کی تائید وحمایت کریں جو ہمارے فلسطینی بھائیوں نے اس وقت سے شروع کر رکھی ہے جب ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تھا اور اقوامِ متحدہ اور دوسرے بین اقوامی ادارے مظلوم فلسطینیوں کو ان کا وطن واپس دلانے میں ناکام ہوگئے تھے، اس انقلابی تحریک نے پوری دنیا پر ثابت کردیا کہ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی دشمنوں کی بربریت اور غیر انسانی سلوک کا مقابلہ کرنے کی اس میں پوری صلاحیت ہے اور اس وقت تک یہ تحریک ختم نہیں ہوگی جب تک اللہ کے حکم سے مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ کو اسرائیلی جارحیت سے آزاد نہیں کرالیا جاتا۔ اور صہیونی دشمنوں کو سرزمین فلسطین سے نکال نہیں دیا جاتا۔

برادرانِ اسلام! آیئے ہم سب مل کر خدائے ذوالجلال والاکرام کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ وہ ان نونہالانِ قدس وفلسطین کی مدد فرمائے اور دشمن صہیونی کو رسواکن شکستِ فاش دیکر سرزمین فلسطین کو ان کے ناپاک قبضے سے آزاد کرادے۔ تاکہ بیت المقدس اور دوسرے مقامات مقدسہ پہلے ہی کی طرح دوبارہ امن وسلامتی کا گہوارہ اور عظمت وشرف اور وحدت کلمہ کا شجر سایہ دار بن جائیں "وما ذالک علی اللہ بعزیز"۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرہم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ" صدق اللہ العظیم۔

ترجمہ: (اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی سی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:۔ وان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ اگر آپ اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ بھی آپ کی مدد کرے گا اور آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔

(منجانب انجمن سفرائے ممالک اسلامیہ نئی دہلی) - والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

روح انتخاب

علم غیب اور انبیاء و اولیاء

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اعراف ۱۸۷)

ترجمہ: بطور مسخرے واستہزار تجھ سے قیامت کی بابت پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی تو جواب میں کہہ کہ اس کی خبر صرف میرے پروردگار کو ہے۔ وہی مناسب وقت میں اسے ظاہر کرے گا، ہاں یہ بتلائے دیتا ہوں کہ اس کا خوف اتنا ہے کہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں پر دہشت ناک ہے۔ اچانک ہی تم پر ظاہر ہو جاوے گی۔ تجھ سے تو اس طرح پوچھتے ہیں گویا تو اس کی کھوج میں ہے۔ اور تجھے اس کی تاریخ ہی سے بحث مباحثہ ہے تو پھر کہہ دے اس کی خبر تو صرف اللہ کو ہے ہم اس سے مطلع نہیں۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ جو شخص کسی علم کا دعویدار نہ ہو اس سے اس کی بابت سوال کرنا سراسر حماقت ہے، اے ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یہ بھی ان سے کہہ دے: میں تمام لوازمات بشریہ میں تمہاری طرح ہوں، خدائی کاموں میں، میں ایسا ہی بے دخل ہوں جیسے تم، مرکز کا خدا ت میں غلاموں کا کیا دخل۔ میں تو اپنے نفس کے لئے بھی جلب نفع اور دفع ضرر کا اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں جو خدا چاہے وہی ہوتا ہے، اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا بھلا اور فائدہ کر لیتا۔ اور مجھے کبھی تکلیف نہ پہنچتی، تکلیف پہنچنے کا سبب عدم علم ہی ہوا کرتا ہے، مالی اور بدنی وغیرہ جتنے نقصان ہوتے ہیں سب اسی لئے ہوتے ہیں کہ انسان کو ان کا حال معلوم نہیں ورنہ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ فلاں تجارت میں مجھے نقصان

ہے وہ اس تجارت میں کیوں ہاتھ ڈالے گا۔ ایسا ہی جس کو معلوم نہیں کہ فلاں چیز کا کھانا مجھے مضر ہوگا وہ کیوں کھانے لگا۔ میں تو صرف بدکاریوں پر ڈرانے والا اور ایمان داروں کو خوشخبری سنانے والا ہوں۔

یسئلونک عن الساعۃ: قریشیوں نے استہزاءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا اور ہمارا تعلق رشتہ کا ہے قیامت کے آنے کی ہمیں تاریخ تو بتلا دے تاکہ ہم اس کے آنے سے پہلے ہی خبردار ہو جائیں، ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (معالم)

اس آیت نے صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ پیغمبروں کو علم غیب مطلقاً نہیں ہوتا جس قدر خدا بتلاتا ہے اسی قدر وہ جانتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ جو شخص کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کرے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس نے پیغمبر خدا کو عالم الغیب ہونا اعتقاد کیا (دیکھو فتاوی قاضی خاں) مگر افسوس کہ مسلمان اس ایمانی مسئلہ سے بھی ناواقف ہیں کہ انبیاء تو بجائے خود اولیاء کے لئے بھی غیب دانی سمجھ بیٹھے ہیں۔

شیعوں کی معتبر کتاب کلینی کی کتاب العلم میں مصنف کتاب نے باب تجویز کیا ہے کہ ائمہ اہل بیت کو علم غیب ما کان اور ما یکون گذشتہ اور آئندہ سب کا تھا۔ نعوذ باللہ من الھفوات الہی کی تبعیت میں نام کے سنیوں نے غیب دانی کا عقیدہ مشائخ کی نسبت بنا رکھا ہے۔ قرآن شریف ان سب باتوں کا رد کرتا ہے۔ صریح نص جیسی اس باطل خیال کے رد میں ہے، کسی دوسرے مسئلہ میں شاید ہی ملے شیخ سعدی مرحوم نے کیا ہی ٹھیک کہا ہے۔

کسے پرسید ازاں گم کردہ فرزند | کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی | چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہاں ست | دمے پیدا و دیگر دم نہاں ست
گہے بر طارم اعلی نشینم | گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

سچ ہے:

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ

(تفسیر ثنائی)

خمینی اسلامی انقلاب لانے میں ناکام کیوں رہے؟

جب سے ایران میں سیاسی انقلاب آیا اور حکومت ایک خاندان سے نکل کر عوام کے ہاتھوں میں آ گئی ہے اور چونکہ نئے ارکانِ حکومت زیادہ تر مذہبی لوگ رہے ہیں بعض حلقوں میں ایک مذہبی انقلاب سمجھا گیا ہے علامہ خمینی کی تقلید و شخصیت قم کے مذہبی رہنما کی حیثیت اور دستورِ مملکت میں ولایت الفقیہ کی جزئیت نے اس انقلاب کے مذہبی خاکے میں اور رنگ بھرا اور اب جبکہ ۳ جون کو علامہ خمینی کا انتقال ہوا بعض لوگوں نے واقعی سمجھا کہ اسلامی انقلاب کا ایک داعی دنیا سے چل بسا ہے۔

علامہ خمینی نے سابق شاہ ایران کے ہاتھوں جو سختیاں برداشت کیں اور فرانس میں جس عزیمت سے جلاوطنی کے دن گزارے وہ ان کے ایامِ حیات کا بہترین سرمایہ ہیں، اقتدار پر آنے کے بعد ایک مذہبی رہنما ہونے کی حیثیت سے ان سے توقع تھی کہ وہ ملک کے اندر قہر و انتقام کا مظہر بننے کے بجائے سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کے عفو و کرم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صلح پسندانہ فکر و حلم اور حضرت سید الساجدین حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہائے علم کو نہ بھولیں گے لیکن انہوں نے اپنے ہر مخالف کو شمر و یزید سمجھا اور اپنے آپ کو حسین اور اپنی مسندِ اقتدار پر جو عدالتیں قائم ہوئیں ان کے ہمیشہ دو دروازے رکھے گئے۔ ایک ملزم کے داخل ہونے کا اور دوسرا ان کی لاشوں کے نکلنے کا اور دنیا نے دیکھا کہ ایران اس طرح ایک سیاسی انتقام کی آماجگاہ بنا جس طرح سولہویں صدی عیسوی میں اسمٰعیل صفوی نے اسے فرقہ وارانہ انتقام کی آماجگاہ بنایا تھا اور وہاں کی سنی اکثریت اقلیت میں تبدیل کر دی گئی تھی۔

علامہ خمینی اگر ایران جیسے عظیم ملک پر قابض ہونے کے بعد اپنے سیاسی مخالفین سے سنت کے مطابق برتاؤ کرتے اور پھر پورے عالمِ اسلام کو متحد کرنے کی عزیمت پیش کرتے اور دنیا دیکھتی کہ ایک عالمِ دین کس طرح فرقہ وارانہ تنگ نظری سے نکل کر ایران کو عرب ممالک کو ایک کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو آج ہم ان کے انتقال کو پورے عالمِ اسلام کا صدمہ قرار دیتے جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں علامہ خمینی پورے عالمِ اسلام کی انقلابی شخصیت اس لئے نہ بن سکی کہ وہ ذہنی طور پر

شیعیت کے تنگ دائرہ سے نکلنے کیلئے تیار نہ تھے۔ ان کے پاس عرب و عجم کی اس عصبیت کو ختم کرنے کا کوئی پروگرام نہ تھا جس نے صدیوں سے شیعیت اور سنیت کے فاصلے قائم کر رکھے ہیں۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ شیعیت ابتداء سے ہی ساسانی روایت کی خوگر رہی ہے اسکیلئے عرب قیادت کو قبول کرنا اپنے پورے ماضی سے بغاوت کرنے کے مترادف رہا ہے، افسوس کہ علامہ خمینی نے اس فاصلے کو کم کرنے کی بجائے عراق سے اتنی طویل جنگ لڑی کہ انکی اس افتادِ طبع نے انہیں ایران و عرب اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا دیا تھا۔

اس دور میں ایرانی حجاج نے حرمین شریفین میں جو سیاسی جلوس نکالے اور ایام حج کا تقدس پامال کیا، نعرہ بازی اور ہاتھا پائی سے آگے بڑھکر قتل و قتال تک نوبت پہنچتی رہی، علامہ خمینی کے نامہ اعمال میں اس قسم کے ناقابلِ فراموش سانحات نہ ہوتے تو آج ان کی وفات واقعی ایک عالم کی وفات ہوتی شیعہ دوستوں کو ہمارے اس خیال سے کہ علامہ خمینی اپنے عالمی مشن میں ناکام رہے اور عالم اسلام کو متحد نہ کر سکے ناراض نہ ہونا چاہئے۔ یہ اسلئے کہ علامہ خمینی اس سے زیادہ سخت الفاظ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا ہی کہہ چکے ہیں، علامہ خمینی نے آخرت اور یوم الحساب یکسر بے پرواہ ہو کر کہا تھا۔

جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لئے آئے۔ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہانتک کہ ختم المرسلین جو انسان کی اصلاح کیلئے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لئے آئے تھے وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے " (اتحاد و یکجہتی ص۱۵ خانہ فرہنگ ایران)

اگر یہی بات رشدی کہتا تو دنیا اس عبارت کو بھی ان گستاخانہ عبارتوں میں جگہ دیتی جن کے باعث اس وقت پورا عالم اسلام رشدی کے خلاف غیظ و غضب سے بھڑک اٹھا ہوا ہے لیکن افسوس کہ چونکہ خمینی کو ایک مذہبی گروہ کی پشت پناہی حاصل ہے اور رشدی کے پس پشت کوئی مذہبی گروہ نہیں ہے جو ان خرافات کی حمایت میں ہو اسلئے اول الذکر کو گوارا کیا جا رہا ہے اور ثانی الذکر کے خلاف جلوس نکل رہے ہیں۔

صحابہؓ کے بارے میں خمینی کی زبان ملاحظہ کیجئے۔

"ابوہریرہ ایک فقیہ تھا لیکن خدا جانتا ہے کہ معاویہ اور اس جیسے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے اس نے کتنے احکام جھوٹ بنائے" (ولایت فقیہ از روح اللہ خمینی) ترجمہ از صفدر حسین نجفی شائع کردہ کتب خانہ شاہ نجف لاہور)

خمینی نے یہ بات اس امیر معاویہؓ کے بارے میں کہی ہے جن کی بیعت میں سیدنا حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی داخل تھے۔ خمینی صاحب اگر ان دو کی خاطر ہی حضرت امیر معاویہؓ کا اکرام و احترام ملحوظ رکھتے تو شاید تاریخ کا ورق

دوسرا ہوتا۔ اور دنیا کہتی کہ علامہ خمینی نے عالم اسلام کے وسیع تر مفادات کی خاطر مذہبی فرقہ وارانہ کڑیاں یکسر توڑ دی ہیں۔

اسلام کے بین الاقوامی مجموعی تصور کا ہر حال میں احترام چاہئے کسی ایک ملک یا فرقہ کے مذہبی سربراہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے لئے نماز، روزہ اور حج کے تقدس کا دعویٰ کرے علامہ خمینی نے علی خامنائی کو حکومت کا حسب ذیل تصور دیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ عالم اسلام اس پر کبھی متفق نہیں ہو سکتا تھا۔

"حکومت براہ راست ولایت رسول اللہ کی شاخ اور دین کے بنیادی و اولین احکام میں سے ہے، اس کو تمام فروعی احکام پر ترجیح حاصل ہے۔ یہاں تک کہ نماز، روزہ اور حج پر بھی وہ مقدم ہے۔ والی حکومت کیلئے ضرورت کے وقت مساجد کو معطل کرنا بھی جائز ہے، اور اس کے لئے یہ بھی روا ہے کہ کسی مسجد کو سرے سے منہدم کر دے۔ (ایران کا سرکاری اخبار کیہان ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ شمارہ ۸۲)

یہ وہ وجوہ ہیں جنکے باعث آج علامہ خمینی کی وفات ایران کا ایک سانحہ تو شمار ہو رہا ہے لیکن اسے عالم اسلام کا خسارہ نہیں سمجھا جا رہا ہے جتنے اسباب اور وسائل علامہ خمینی کو ملے تھے، وہ چاہتے تو چشم زدن میں عالم اسلام کی فرقہ وارانہ تلخیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مایوس نہیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی اور بندے کو توفیق دے اور وہ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالاتر ہوکر عالم اسلام کو متحد کر دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ

(بشکریہ الاعتصام لاہور)

۱۵ محرم ۱۴۱۰ھ

بقیہ صفحہ ۱ کا

طرح آپ سے سنت حاصل کی تھی، اگر لوگوں میں ایسے افراد ہیں جنھوں نے سنت میں تبدیلی کی تو انھیں میں ایسے افراد بھی ہیں کہ جب وہ قرآن کے الفاظ نہیں بدل سکے تو انھوں نے قرآن کے بعض معانی میں تبدیلی کر ڈالی۔

نیز بعض علماء پر جس طرح بعض سنتیں مخفی رہ جاتی ہیں ان پر بعض معانی قرآن بھی مخفی رہ جاتے ہیں، چنانچہ مجتہدین سے جو خطائیں واقع ہوتی ہیں وہ اسی نوع کی ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم)

باب الفتاویٰ

ترتیب و انتخاب: احمد مجتبیٰ سلفی

جناب عالی!

میرے ذہن میں یہ سوالات بار بار آتے ہیں، میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کے جوابات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) اگر سورہ فاتحہ نہ پڑھ پائے اور رکوع کی حالت میں جماعت پائے تو مقتدی تکبیر اولیٰ کہہ کر جماعت میں شامل ہو جائے، یہ کس حدیث میں ہے۔

(۲) وتر کی دعا بھول جائے اور نماز پوری کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) چار رکعت سنت کی نیت کر کے نماز ادا کر رہا ہو تو پھر دو ہی رکعت میں اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور سلام پھیر کر مقتدی جماعت میں شامل ہو جائے تو اب کیا صورت ہوگی، آیا وہ دو رکعت سنت کی چھوٹی ہوئی پڑھے گا یا نہیں؟

(۴) مغرب کی نماز دو رکعت چھوٹ جائے اور تیسری رکعت ملے، دوسری میں تحیات پائے تو باقی نماز کس طرح پوری کرے؟

سائل: احتشام الدین
بختیار پور۔ گورکھپور

الجواب

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرۃ اور حضرت ابوقتادہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے۔

"اذا اتیتم الصلاۃ فعلیکم بالسکینۃ والوقار، فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا"

(صحیح بخاری: کتاب الاذان باب ۲۰، ۲۱ و صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب ۲۸)

ترجمہ: جب تم نماز کیلئے آؤ تو تمہارے اوپر اطمینان اور سکون کی کیفیت ہو (یعنی دوڑ کر مت چلو)

جتنا پاؤ اتنا پڑھ لو، اور جو چھوٹ جائے اسے (سلام کے بعد) پوری کرلو۔

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں:

استدل به علی استحباب الدخول مع الامام فی ای حالة وجد علیها (الفتح ج۲ ص ۱۱۸)

یعنی اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ: امام کو جس حال میں پائے اسی حال میں امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ (ج۱ ص ۲۵۳ - ۲۵۴) میں ایک انصاری صحابی سے روایت ہے۔

"من وجدنی راکعا او قائما او ساجدا فلیکن معی علی حالی التی أنا علیها"

یعنی جو آدمی مجھے رکوع یا قیام یا سجدہ جس حال میں بھی پائے میرے ساتھ ہو جائے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ بس جس حالت میں بھی امام کو پائے تکبیر تحریمہ کہکر امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔

ہاں: صرف تکبیر تحریمہ ہی پر اکتفا کرے یا رکوع کیلئے الگ سے تکبیر کہکر رکوع میں جائے اس میں علماء کے اندر اختلاف ہے، کچھ علماء (بشمول صحابہ و تابعین) تو کہتے ہیں ایک ہی تکبیر (تحریمہ) کافی ہے، اور کچھ علماء (بشمول تابعین) کہتے ہیں کہ دو تکبیریں کہے (دیکھا جائے مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴۲ ج۱)۔ ہمارے نزدیک پہلی صورت راجح ہے کیونکہ اس کے قائلین میں صحابہ بھی شامل ہیں جبکہ دوسری صورت کے قائلین صرف تابعین ہیں، نیز امت کا تعامل ایک ہی تکبیر پر ہے

(۲) وتر کی نماز میں اگر دعا قنوت بھول جائے تو بغیر سجدۂ سہو کئے بھی نماز ہو جائے گی کیونکہ دعا قنوت نماز وتر کا رکن نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

(۳) چاہے تو قضا کرے، قضاء کر لینا بہتر ہے لیکن ضروری نہیں۔

(۴) امام کے سلام پھیر دینے کے بعد اپنی دوسری رکعت پوری کرکے پھر تشہد پڑھے۔ پھر تیسری رکعت پڑھے۔ ہر مصلی کو اپنی دوسری رکعت پر تشہد کرنا ضروری ہے الا یہ کہ امام کی متابعت کسی صورت میں مانع ہو جائے جیسے کسی کو ظہر، عصر اور عشاء میں ایک رکعت چھوٹ جائے تو امام کی متابعت کیوجہ سے اپنی دوسری رکعت پر نہیں بیٹھ سکتا۔ بعض علماء مسبوق کی اس رکعت کو جو امام کے ساتھ پایا ہے مسبوق کی آخری رکعت قرار دیتے ہیں، انہی علماء کے نزدیک چھوٹی ہوئی دونوں رکعتیں ایک تشہد سے پڑھ لینا جائز ہے۔ مگر یہ مسلک کمزور ہے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم، (احمد مجتبیٰ سلفی) ۱۳/۱/۱۴۱۰ھ الجواب صحیح (محمد رئیس ندوی)

نسخ ۔ قرآن و سنت میں

ابوالہاشم فتح اللہ دریابادی۔

ترجمانی: "القافلہ"، طہران۔

اللہ تعالیٰ نے سابقہ آسمانی کتابوں کی طرح قرآن مجید کو ایک ساتھ نہیں نازل فرمایا بلکہ اپنی حکمت بالغہ سے احوال وظروف کے مطابق مختلف اوقات میں بتدریج نازل فرماتا رہا۔ ارشاد باری ہے:

وقرآناً فرقناه لتقرأه على الناس على مكث ونزلناه تنزيلا (الاسراء/۱۰۶)

اور قرآن میں ہم نے جا بجا فصل رکھا تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ اور ہم نے اسے اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا

دوسری جگہ فرمایا:-

وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة كذلك لنثبت به فؤادك ورتلناه ترتيلا۔ (الفرقان/۳۲)

اور کافر کہتے ہیں کہ ان (پیغمبروں) پر یہ قرآن دفعۃً واحدہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس طرح (تدریجاً) اس لئے ہم نے نازل کیا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو قوی رکھیں اور اس کو ہم نے بہت ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو مختلف اوقات میں بتدریج نازل فرمانے میں یہ حکمت بیان فرمائی کہ آپ موقع بہ موقع اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور دشمنانِ اسلام اور باطل قوتوں کے اختلاف وخصومت کے وقت آپ کو ثبات قدمی عطا ہو۔

مذکورہ آیت میں قرآن مجید کو ٹکڑوں میں نازل کرنے کی حکمت صرف ثبات قدمی اس لئے بیان فرمائی کہ معاندین اسلام کو دعوت وتبلیغ پہونچانے میں اسی کی ضرورت تھی۔

مختلف ٹکڑوں میں نازل کرنے میں دوسری حکمت یہ تھی کہ قرآن مجید فقہ اسلامی کی طرح ہر طرح کے شخصی و تمدنی معاملات، حدود وعقوبات اور اجتماعی ومالی نظم پر مشتمل ہے۔

احوال وظروف کے تحت مختلف ٹکڑوں میں نازل کرنے میں تیسری حکمت بالغہ یہ کارفرما رہی ہے کہ قرآن مجید کے بیشتر احکام سوال کے حل یا رفع اشکال کیلئے نازل ہوئے اور تعلیم وتربیت کیلئے سب سے موثر وکارآمد یہی طریقہ رہا ہے۔

تشریعی احکام بندوں سے بتدریج متعلق ہونیکا تقاضہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں ناسخ اور منسوخ کا بھی وجود ہو کیونکہ کچھ احکام مصلحت کی خاطر بندوں کے کچھ ہی مراحل تک متعلق ہوتے ہیں مثلاً سود اور شراب کی حرمت۔ مگر کچھ تشریعی احکام بندوں کے عقائد وعبادات کی اصلاح سے متعلق ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم نسخ۔ اس کی شرائط۔ قرآن مجید میں نسخ کی حکمت اس کے اقسام وطرق اور نسخ میں بہود کے موقف پر روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ۔

نسخ کا معنی لغت میں نسخ کے بہت سے معانی ہیں مگر تمام معانی اس کے اصلاحی معانی نقل وابطال اور ازالہ میں منحصر ہیں۔ نسخ فلان الکتاب۔ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کتاب کے لفظ اور خط کو بطور حکایت دوسری جگہ نقل کرے۔ نسخ النحل: اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد کی مکھیاں اپنے چھتے دوسری جگہ بنالیں اور تناسخت المواریث: کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب وراثت ایک قوم سے دوسری قوم کی جانب منتقل ہو جائے۔ اہل عرب ,, نسخت الریح آثار القوم ،، اس وقت کہتے ہیں جب ہوائیں قوم کے نقوش وآثار مٹا دیتی ہیں اسی طرح ,, نسخت الشمس الظل ،، اس وقت بولا جاتا ہے جب سورج سایہ کو زائل کردے۔ اسی معنی میں ارشاد باری ہے۔

فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ (الحج ۵۲) اللہ تعالیٰ شیطان کے وساوس مٹاکر اپنی نشانیاں مستحکم کردیتا ہے۔

علامہ ابن حاجب نسخ کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

,, رفع حکم شرعي بدلیل شرعي قطعي الدلالۃ متاخ عنہ ،، یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے مکلف بندوں سے متعلق کسی شرعی حکم کو ایسی شرعی یقینی دلیل سے اٹھانا جو نزول میں متاخر ہو۔

(یہاں شرعی یقینی دلیل سے کتاب وسنت دونوں مراد ہیں ناسخ کا استعمال اللہ جل وعلی پر ہوتا ہے ارشاد باری ہے۔

مانسخ من اٰیۃ اَوْ ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا (البقرۃ ۱۰۶) — ہم کوئی بھی آیت اٹھاتے یا بھلاتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسی آیت ضرور لاتے ہیں مثلاً

ھذہ الاٰیۃ ناسخۃ لایۃ کذا۔۔ بول کر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ یہ آیت دوسری آیت کو منسوخ کر رہی ہے اسی طرح ناسخ حکم کو بھی کہا گیا ہے مثلاً ارشاد نبوی ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانان بیت المقدس کیجانب رخ کر کے اپنی نمازیں ادا کیا کرتے تھے پھر انھیں مسجد حرام کیجانب رخ کرنے کا حکم اسی انداز میں دیا گیا۔

قد نری تقلب وجھک فی السمآء فلنولینک قبلۃ ترضاھا فول وجھک شطر المسجد الحرام حیث ماکنتم فولوا وجوھکم شطرہٗ۔ (البقرۃ ۱۴۴) — ہم آپ کے منھ کا بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپکو اسی قبلہ کیطرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے لو اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کیطرف کیا کیجئے اور تم سب جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی حرام کیطرف کیا کرو

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

ارشاد باری ہے۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (البقرۃ ۱۸۰) — تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کیلئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ بتلا جائے (اسکا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری ہے

فقہائے کرام فرماتے ہیں مذکورہ آیت مواریث کی آیت سے منسوخ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مواریث کی آیت یا بجائے ،، لا وصیۃ لوارث ، سے منسوخ ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں ناسخ اجماع ہے (الاتقان فی علوم قرآن ۲/۳۰/۶۵ منسوخہ آیات میں سورہ نور کی اس چوتھی آیت کا بھی شمار ہوتا ہے۔

الذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون (سورہ نور ۴) — جو لوگ پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اپنے دعوے پر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ۔ اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

اس آیت میں حکم عام ہے اس لئے ہر قاذف پر حد جاری کرنا ثابت ہے قاذف شوہر ہو یا کوئی اور جس پر الزام لگایا گیا ہے وہ قاذف کی بیوی ہو یا کوئی اور عورت ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس حکم عام کی آیات ذیل میں تخصیص فرمادی ہے۔

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکاذبین ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ لمن الکاذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین

جو لوگ اپنی ہی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے ہی اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ان کی گواہی یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔

یہ حکم اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت پر الزام لگانے کے سلسلہ میں ہے جیسا کہ مومن کا بیان ہے کہ مذکورہ آیات ہلال بن امیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں جب اپنی بیوی پر الزام لگایا۔

آپ نے فرمایا: ہاں تم گواہ پیش کرو ورنہ تم پر حد جاری ہوگی۔ ہلال نے کہا: میں قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا ہے۔ میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں آپ کا اللہ میری برأت کے سلسلہ میں ضرور آیت نازل فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور مذکورہ آیات لعان نازل ہوئیں جن سے حقیقت آشکارا ہوگئی کہ عموم کا حکم منسوخ ہے اس لئے شوہر کو اپنی بیوی کے علاوہ الزام لگانے کی صورت میں بینہ تلاش کرنے کا حکم ہے۔

شرائط نسخ

"کل تین ہیں"

(۱) حکم منسوخ شرعی وعملی ہو عقلی نہ ہو، اسکا ثبوت دائمی نص سے ہو وقتی سے نہ ہو، نزول میں حکم منسوخ ناسخ سے مقدم ہو کلی نہ ہو۔

(۲) حکم ناسخ اللہ کا خطاب ہو قوت ثبوت ودلالت اور وجوب عمل میں منسوخ سے قوی یا اس کے معادل ہو ناسخ منسوخ سے مؤخر ہو اور شریعت میں اس سے متضاد اور متناقض ہو مگر جنس میں منسوخ کے مساوی ہو یہ خیال امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا ہے۔

(۳) جس شخص سے حکم منسوخ کیا جائے اس میں حکم ناسخ کے مکلف ہونیکی اہلیت ہو تا کہ حکم منسوخ کے بعد اسے عزیمکا ہونا لازم نہ آئے۔ مذکورہ شرائط کی روشنی میں چند احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلی شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ عقلی احکام منسوخ نہیں ہوسکتے اور برأت اصلیہ ختم کرنا نسخ نہیں کہلاتا کیونکہ اس میں حکم شرعی کا رفع نہیں پایا جاتا جس طرح اخبار محضہ کا نسخ ناجائز ہے وعد وعید پر مشتمل آیات عبادات و معاملات اور احکام حدود سے خالی ہوتی ہیں اس لئے ان میں بھی نسخ جائز نہیں۔ احکام وعقائد پر بھی یہی حال رہا۔ اعتقادی احکام میں نسخ کا وقوع عقل سے ماوراء ہے خواہ نسخ سے شرعی ترقی ہی کیوں نہ مقصود ہو یا اختلاف مصالح کے پیش نظر جدید احکام کا نزول مراد ہو ایسے احکام میں بھی نسخ جائز نہیں جو ایک معینہ مدت تک کیلئے ہوں۔ معین و مؤقت حکم کو مجہول وغیر مؤقت مدت سے بیان کرنا نسخ نہیں کہلاتا کیونکہ ایسے دو حکم باہم متضاد نہیں ہوتے۔

نص قطعی سے ثابت ہونے والے دائمی حکم میں نسخ کے وقوع میں اختلاف ہے جمہور جواز کے قائل ہیں۔

دوسری شرط کی بنیاد پر یہ مسئلہ مترتب ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد نسخ کا وقوع ناجائز ہے کیونکہ وحی کا نزول آپ کے دور میں ہوتا رہا جس کی توضیح آپ فرماتے رہے اور یہی ایسی دو بنیادی چیزیں ہیں جن پر شارع کا خطاب صادق آتا ہے اس لئے کسی انسان کیلئے زیبا نہیں کہ آپ کی زندگی کے بعد اپنے مرتبہ و عمل سے کسی حکم الہٰی کو منسوخ کردے بلکہ جو کچھ آپ نے فرمادیا اس کی اطاعت اس لئے واجب ہے کہ آپ ہی اللہ کے احکام لیتے اور لوگوں تک پہونچاتے اجماع یا قیاس سے بھی کلام اللہ میں نسخ جائز نہیں ہے۔

شرعی احکام کے منسوخ ہونے میں حکمت

تشریعی احکام کے نزول کا مقصد انسانی زندگی سے متعلق مصالح کی تحقیق ہے اس لئے زمانہ اور لوگوں کے احوال کے اختلاف کے وقت بعض احکام میں اختلاف لازمی ہوتا ہے۔ کچھ احکام معینہ اسباب و مصالح کے پیش نظر مشروع قرار پائے اس لئے ان اسباب و مصالح کے ختم ہونے پر دوسرے حکم کا مشروع قرار پانا لازمی ہوجاتا جیسا کہ بدؤں کی ایک جماعت عید الاضحیٰ کے ایام میں مدینہ طیبہ پہونچی اس کی غمخواری و صلہ رحمی ضرور تھی اس لئے آپ نے صحابہ کرام کو قربانی کا گوشت جمع کرکے رکھنے سے منع فرمایا تاکہ اس جماعت کو بھی قربانی کا گوشت میسر ہوجائے جب وہ خانہ بدوش مدینہ سے اپنے شہر واپس چلے گئے تو آپ نے صحابہ کرام کو قربانی کا گوشت جمع کرکے

رکھنے کی پھر اجازت مرحمت فرما دی گویا یہ ممانعت مصلحت کے پیش نظر کچھ دنوں کیلئے تھی آپ نے فرمایا:

کنت نہیتکم عن ادخار لحوم الاضاحی من اجل الدافۃ الا فکلوا وادخروا — میں نے خانہ بدوشوں کی وجہ سے تمہیں قربانی کا گوشت جمع کرکے رکھنے سے منع کیا تھا لو اب کھانا اور جمع کرکے رکھنا دونوں تمہارے لئے مباح ہے۔

کبھی نسخ کا وقوع تنگی و پریشانی کو دور کرنے کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ لوگوں کی شراب نوشی کی عام عادت تھی اس لئے آپ نے شراب پینے سے منع فرمایا۔ مگر جب آپ نے دیکھا کہ شراب اپنے مخصوص برتنوں میں رکھتے ہیں تو آپ نے شراب نوشی کے سدباب کیلئے ان برتنوں میں مباح چیزوں کے پینے سے بھی منع فرمایا مگر جب کچھ مسلمانوں نے اپنی تنگی و پریشانی کی شکایت کی تو آپ نے ان برتنوں کا استعمال مباح قرار دے دیا اور صرف حرام اور مسکر چیزوں کے پینے کی ممانعت باقی رکھی۔ فرمایا:

کنت نہیتکم عن الاشربۃ فی الظروف وان ظرفا لا یحل شیئا ولا یحرمہ فاشربوا ما شئتم ولا تشربوا مسکرا — میں نے تمہیں برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا۔ سن لو! برتن فی نفسہ کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں بنا سکتا اب جن میں چاہو پیو مگر نشہ آور چیزوں سے بچو۔

۳۔ بندوں کو تشریعی احکام کا بتدریج مکلف اس لئے بنایا گیا تاکہ حکم کی تعمیل دشوار پا کر انہیں نظر انداز نہ کردیں۔

الف: سود کی حرمت کے موقع پہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ربوا اور زکوٰۃ میں فرق بیان کیا کہ ربوا پر کوئی فائدہ یا اچھا نتیجہ نہیں برآمد ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ اللہ کے نزدیک ایک مقبول و پسندیدہ کام ہے زکوٰۃ دینے والے کو اللہ تعالیٰ بے حساب ثواب عطا کرتا ہے چنانچہ اس حکم کی وضاحت اس انداز میں کی گئی۔

وما آتیتم من ربوا لیربو فی اموال الناس فلا یربو عند اللہ وما آتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ہم المضعفون — وہ جو چیز تم اس غرض سے دوگے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہونچ کر زیادہ ہوجائے تو یہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ دوگے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہوگے تو ایسے لوگ خدا کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ربوا ظلم ہے یہود کو ربوا سے روکا گیا مگر اس کے کھانے سے باز نہ آئے جس کی وجہ سے

للہ تعالیٰ نے ان کی بہت سی حلال یا پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں فرمایا:

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیراً واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل النساء ۱۶۰

یہود کے بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے وہ بہت آدمیوں کے لئے اللہ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بہ سبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بہ سبب اس کے کہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے۔

پھر جب یہود میں ربوا کی علت عام ہو گئی اور اس کا استعمال انتہائی گھناونے انداز میں ہونے لگا تو اسکی ممانعت اس انداز میں فرمائی گئی:

یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (آل عمران /۱۳۰

اے ایمان والو سود مت کھاؤ۔ یعنی نہ لو اصل سے کئی گنا زیادہ کر کے اور اللہ رب العزت سے خوف کھاؤ امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اس کے بعد اس پر حرمت کا عام حکم لگا دیا گیا اور سود خوروں سے جنگ کا اعلان کرتے ہوئے انھیں شدید عذاب کی دھمکی اس انداز میں دے دی گئی:

احل اللہ البیع وحرم الربوا (البقرہ/۲۷۵ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔

ب) ابتداء میں شراب نوشی حرام نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے پہلے اسے گناہ کبیرہ سے تعبیر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اس میں لوگوں کے لئے بیشمار منافع ہیں مگر گناہ نفع سے کہیں زیادہ ہے۔ یہاں شراب کی حرمت کا حکم بطور تمہید ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ جس چیز کا نقصان نفع سے بڑھ کر ہو اس سے ضرور بچا جائے اس کے بعد تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ شراب سے بدمست ہو کر نماز میں نہ آئیں اللہ تعالیٰ کا دوسرا حکم تحریم اجتناب کے درجہ میں تھا کیونکہ نماز کے اوقات متعدد و متفرق ہیں۔ پی لینے کے بعد بدمست ہو کر نماز داخل ہونے سے بچ نہیں سکتے۔

اس کے بعد حرمت کے سلسلہ میں نصِ صریح اس انداز میں نازل ہوا ۔

یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو۔

مائدہ ۹۰/

نسخ کے احکام

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ نسخ کی کل چار قسمیں ہیں ۔

(۱) قرآن قرآن سے منسوخ ہو

نسخ کی یہ قسم بالاتفاق جائز ہے اور اس کا ثبوت موجود ہے مثلاً ابتدائے اسلام میں متوفی عنہا زوجہا کی عدت

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال منتفع ہونیکی اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں

پھر اسے مندرجہ ذیل آیت سے منسوخ کر کے چار ماہ دس دن کر دی گئی :

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا

اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپکو روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن ۔

البقرہ ۲۳۴/

۲ ۔ حدیث قرآن سے منسوخ ہو ۔

نسخ کی یہ صورت جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے مثلاً بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا ثبوت صرف حدیث سے تھا جسے آیت ذیل سے منسوخ کر کے خانہ کعبہ کیجانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم اس انداز میں دے گیا ۔

فول وجھک شطر المسجد الحرام

اپنا رخ مسجد حرام کی جانب کر لو

البقرہ ۱۴۴/

[illegible]

فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ (البقرہ/۱۸۵) اور جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس ماہ میں روزہ رکھنا چاہیئے۔ سے منسوخ کر دیا گیا۔

(۳) قرآن سنت سے منسوخ ہو۔

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ خبر احاد سے قرآن کا نسخ ناجائز ہے کیونکہ قرآن متواتر ہے یقین کا فائدہ دیتا ہے اور خبر احاد ظن کا فائدہ دیتی ہے اور ظنی حکم سے یقینی حکم کا منسوخ ہونا صحیح نہیں ہے البتہ امام مالک و امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے ایک قول کے مطابق خبر متواتر سے قرآن کا نسخ جائز ہے اس سلسلہ میں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن و سنت دونوں وحی الہٰی ہیں آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں فرماتے۔

امام شافعی امام احمد در ظاہر یہ عدم جواز کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ سنت قرآن سے بہتر یا اس کے ہم پلہ نہیں ہے ان کی دلیل آیت ذیل ہے۔

ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (البقرہ/۱۰۶) ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت کو ذہنوں سے فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت کے مثل لے آتے ہیں۔

۴۔ حدیث حدیث سے منسوخ ہو۔ اس کی کل چار شکلیں ہوتی ہیں۔

(۱) متواتر متواتر سے منسوخ ہو (۲) احاد احاد سے منسوخ ہو۔ (۳) احاد متواتر سے منسوخ ہو۔ (۴) متواتر احاد سے منسوخ ہو۔

اول الذکر تین صورتیں جائز ہیں البتہ چوتھی صورت مختلف فیہ ہے ویسے ناجائز ہونا راجح ہے۔

نسخ کے طریقے علماء حق کی تحقیق کی روشنی میں نسخ کے کئی طریقے ہیں ناسخ اور منسوخ حکم میں مساوی ہوں مثلاً بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز پڑھنے کو فول وجھک شطر المسجد الحرام سے منسوخ کرکے مسجد حرام کیجانب نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

(۲) ناسخ منسوخ سے آسان ہو مثلاً ابتداء میں کما کتب علی الذین من قبلکم (البقرہ/۱۸۳) سے حکم دیا گیا تھا کہ پہلی شریعتوں کی طرح رمضان المبارک کی رات میں سو جانے کے بعد دوسری رات آنے تک کھانا پینا بیوی سے مباشرت کرنا حرام ہے جیسے احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم (البقرہ/۱۸۷) سے منسوخ

کرکے سوجانے کے باوجود بھی طلوع فجر تک ان چیزوں کی اجازت دے دی گئی ۔
ابن عمر سے کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم کی بابت مروی ہے کہ پہلی امتوں میں سے اگر کوئی رات کی آخری نماز پڑھ لیتا یا اس سے پہلے سوجاتا تو اس کے لئے کھانا پینا بیوی سے مباشرت کرنا حرام ہوجاتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم، سے اس کی اجازت فرمادی

(۳) نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ ناسخ منسوخ سے دشوار ہو مثلاً شراب نوشی مباح تھی جس پر حرمت کا حکم لگا کر دشوار کردیا گیا اسی طرح زانی کی سزا گھر میں مقید کردینا تھی جس کی شہادت قرآن یوں دیتا ہے ۔

واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم فان شہدوا فامسکوہن فی البیوت حتی یتوفاہن الموت (النساء/۱۵)

جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیویوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے ۔

بعد میں اس حکم کو آیت ذیل سے منسوخ کرکے کوڑے کی سزا میں تبدیل کردی گئی ۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ (النور/۲)

زانی اور زانیہ میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ ۔

(۴) نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ بغیر دوسرا تشریعی حکم دیئے پہلے حکم کو منسوخ کرکے بندوں کو آزاد کردیا جائے مثلاً پہلے مومنوں کو حکم دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے وقت صدقات پیش کرو جس کے لئے یوں ارشاد باری ہوا ۔

یا ایہا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ (المجادلۃ/۱۲)

اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کیا کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو

پھر اس حکم کو آیت ذیل سے اس انداز میں منسوخ کردیا گیا ۔

ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ (المجادلۃ/۱۳)

کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے اور اور جب تم نہ کرسکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو ۔

اسی طرح بعض غزوات کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو متعہ (کچھ رقم کے عوض چند دنوں تک عورتوں سے فائدہ اٹھانے) کی اجازت فرمادی جس پر بعد میں اس انداز سے پابندی لگا دی گئی ۔

یاایھا الناس کنت قد اذنت لکم فی الاستمتاع بالنساء وان اللہ قد حرم ذلک الی یوم القیمۃ فمن کان عندہ منھن شی فیخل سبیلہ ولا تاخذوا مما اتیتموھن شیئا	لوگو! میں نے تمھیں عورتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دی تھی۔ سن لو اللہ نے اسے قیامت تک کیلئے حرام کردیا ہے اس لئے جس کے پاس کچھ لونڈیا ہوں انھیں معاف کرو اور ان سے دی ہوئی رقم میں سے کچھ واپس نہ لو

نسخ کے وقوع کا احتمال آپ کی زندگی میں نزول وحی کے زمانہ میں تھا آپ کے وصال کے بعد کسی حکم کے منسوخ ہونے کا احتمال جاتا رہا ۔ کیونکہ بغیر وحی کے نسخ کا کیا معنی یہی وجہ ہے کہ نبی کریم کے زمانہ میں جو احکام معمول بہا تھے آپ کے بعد ان میں نسخ کا ورود ہوا نہ ہی کسی حکم میں نسخ و ابطال کا احتمال ہی باقی رہا یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ آپ خاتم الانبیاء تھے اور آپ کے بعد کسی اور نبی کے مبعوث کیے جانے کا احتمال ختم ہو گیا جیسا قرآن کریم خود اس پر ناطق ہے ۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین	محمد تم میں کسی کے باپ نہ تھے وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء تھے ۔

اس لئے شریعت محمدیہ تمام آسمانی شریعتوں میں آخری اور تا قیامت باقی رہنے والی شریعت ہے یہاں ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ نسخ کا وقوع شرعی احکام ونصوص میں ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ کتاب و سنت کے تمام نصوص میں نسخ کا احتمال ہو ذیل میں ہم کچھ ایسے نصوص ذکر کرتے ہیں جن میں نسخ کا احتمال نہیں رہا ۔

محکم نصوص میں نسخ کا احتمال نہیں رہا یا جو نصوص بنیادی احکام پر مشتمل ہیں ان میں حالات کے اختلاف کے باوجود بھی نسخ یا حسن و قبح کی تبدیلی کا احتمال نہیں رہا ۔ مثلاً اللہ تعالی پر ایمان ، اس کے فرشتوں پر ایمان ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان ، یوم آخرت پر ایمان ، اور بقیہ عقائد اور نصوص عبادات پر ایمان لانے پر نسخ کا احتمال نہیں رہا ۔

وہ نصوص جو بنیادی فضائل پر مشتمل ہیں یا بنیادی رذائل پر دال ہیں یا وہ نصوص جو احوال و افراد کے اختلاف کے باوجود مختلف نہیں ہوتے مثلاً عدل ، صدق ، ادائیگی ، امانت ، اطاعت والدین ، ان کی

حفاظت و رعایت، شرک باللہ، ناحق قتل، والدین کی نافرمانی، اور کذب و ظلم وغیرہ جو نسخ کا احتمال بالکل نہیں رکھتے۔

ان نصوص کے منسوخ ہونے میں بھی احتمال نہیں رہا جن میں شرعی احکام صیغۂ دوام کے ساتھ بیان کئے گئے ہوں مثلاً پاکباز عورتوں پر الزام لگانے والوں کے سلسلہ میں ارشاد باری ہوا:

لا تقبلوا لهم شهادة ابداً ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو۔

مذکورہ آیت کریمہ میں لفظ "ابد" دوام کا معنیٰ دینے کی وجہ سے نسخ ہونے سے مانع ہے کیونکہ دائمی حکم میں زوال نہیں ہوا کرتا۔ اسی قبیل سے آپ کا فرمان "الجهاد ماض الى يوم القيامة" (جہاد کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا) بھی ہے۔

جو نصوص واقعات و حوادث کے ثبوت کی دلیل ہوں ان میں بھی نسخ کا احتمال نہیں رہتا مثلاً ارشاد باری ہے فاما ثمود فاهلكوا بالطاغية واما عاد فاهلكوا ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد بريح صرصر عاتية (الحاقة ۵/۶) جو تھے سو وہ ایک تند و تیز ہوا سے ہلاک کئے گئے۔

اسی طرح اخباری نصوص مثلاً نصرت بالرعب مسيرة شهر (ایک ماہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ قائم کر کے میری نصرت کی گئی ہے) میں بھی نسخ کا وقوع نہیں ہوتا کیونکہ اس سے مخبر یعنی اللہ تعالیٰ کی تکذیب لازم آتی ہے جو محال ہے (اور جو محال پر موقوف ہو وہ خود محال ہے) اس لئے اخباری نصوص میں نسخ کا احتمال بھی محال ہوا)

ناسخ اور منسوخ پہچاننے کے علماء کے طریقے

الف۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابۂ رسول سے بصراحت منقول ہو مثلاً حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها۔ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا اب ان کی زیارت کرو۔

(ب) ناسخ اور منسوخ کی تعیین پر تمام امت کا اجماع ہو۔

(ج) تاریخ کے ذریعہ دونوں نصوص (ناسخ اور منسوخ کے تقدم و تاخر کا علم ہو جائے ساتھ ہی دونوں میں ایسا تعارض ہو جس کا دفعیہ کسی طرح ممکن نہ ہو۔ (د) اجتہاد یا مفسرین کے اقوال سے نسخ کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ نمبر ۱۱	نومبر ۱۹۸۹ء ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ	جلد نمبر ۹

اس شمارہ میں

* *

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۳ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس ۳۰ روپے فی پرچہ تین روپے

○

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

کاتب: شمس غفاری

درس قرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلہ رحمی

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (النساء)

اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، اور قرابت کے تعلقات بگاڑنے سے پرہیز کرو۔

اسلام میں رشتہ داروں سے تعلقات استوار کرنے، ان کے حقوق کی ادائیگی، اور ان کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی بڑی تاکید اور اہمیت ہے، صلہ رحمی کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے رشتوں کے سلسلوں کو جاننے کا حکم بھی آیا ہے تاکہ حسب مراتب ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جا سکے۔

ماں باپ، بھائی بہن، خالہ، پھوپھی، بیٹا بیٹی، اور مصاہرت کے رشتوں کے تعلق سے قرآن و حدیث میں جو ہدایات و تعلیمات ہیں ان کے سرسری مطالعہ سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کے متعلق جو واقعات ہیں وہ بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ حتی کہ ایسے رشتہ دار جو قطع رحمی کے مرتکب ہوں ان کے ساتھ بھی پیہم صلہ رحمی کی ترغیب دی گئی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو احسان کا بدلہ چکا دے، بلکہ وہ ہے جو ٹوٹے ہوئے خونی رشتے کو جوڑ دے۔

ایک صحیح حدیث قدسی میں تو یہاں تک آتا ہے کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ میں رحمن ہوں اور یہ رحم ہے، لہذا جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے کاٹے گا میں بھی اسے کاٹ دوں گا۔

آج مسلم معاشرہ میں جس تیزی سے بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اس میں قطع رحمی کو بہت بڑا دخل ہے، رشتہ داروں کے درمیان میل جول، الفت و محبت، برادرانہ ماحول کے بجائے بغض، حسد، کینہ، بہتان تراشی، افترا پردازی، منافقت، مکر و فریب، جھوٹ اور دوسرے بھرے اخلاق و برتاؤ کا مظاہرہ اور چلن عام ہے، رشتہ داروں کے مابین جو فرق مراتب اور تعلقات میں تنوع ہے ماری، اور معاشرہ میں جو صلہ رحمی اور اخوت و محبت کی فضا ہونی چاہیئے وہ ناپید ہے۔

بے چین اور مضطرب معاشرہ میں اگر جذبۂ صلہ رحمی کو فروغ دیا جائے اور اس سلسلہ میں کتاب و سنت کی ہدایات کو سامنے رکھا جائے تو ہمارے معاشرہ میں کافی سدھار آسکتا ہے۔

مشاہدہ ہے کہ ایک یا چند رشتہ دار معاشرہ میں اچھی حیثیت رکھتے ہیں، اور بعض رشتہ دار اس کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں اور بجا طور پر یہ توقع ہوتی ہے کہ اسلامی اور نسبی تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے باحیثیت آدمی اپنے محتاج و ضرورتمند بھائی کے کام آئے گا، اور نامساعد حالات اور برے وقتوں اس کا ہاتھ بٹائے گا لیکن عملاً ایسا بہت کم ہو رہا ہے، جبکہ پبلک ویلفیر اداروں کے بورڈ گلی کوچوں میں نظر آتے ہیں، اور ان اداروں کی رپورٹیں ہر طرح کے اخبار و مجلات کی زینت بنتی ہیں، لیکن اسلامی تعلیمات سے جہل، اور عملی کوتاہیوں کی وجہ سے مسلم معاشرہ کے مسائل مزید پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے اعزہ و اقربا کو جانیں پہچانیں اور اسلام نے ہم پر جو حقوق و واجبات متعین کئے ہیں ان کو ادا کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں

ہمارے معاشرہ میں بہت سے ایسے مسائل و مشکلات ہیں جن پر اس جذبۂ صلہ رحمی کے ذریعہ قابو پایا جاسکتا ہے، بچوں کی تعلیم و تربیت، شادی بیاہ، بے روزگار کو مناسب روزگار دلانے وغیرہ بہت سے ایسے گوشے ہیں جن میں اسلامی تعلیمات ہمارے لئے دوسرے میدانوں کی طرح مشعلِ راہ ہے

صلہ رحمی دنیا میں نیک نامی، اچھی شہرت، درازیٔ عمر، رزق میں وسعت کے ساتھ ساتھ تقرب الٰہی کا ایک بہترین ذریعہ ہے، اسلئے ہر مسلمان کو اپنا جائزہ لے کر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک میں سبقت کرنی چاہیئے۔ فليتنافس المتنافسون۔

درس حدیث

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی

جھوٹ اور اس کی تباہ کاریاں

كَفٰى بِالْمَرْءِ كِذْبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اس کو بیان کرتا پھرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ معجز بیان تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت کی نعمت سے اتنا زیادہ بہرور کیا تھا کہ آپ افصح العرب تھے چنانچہ آپ کی زبان مبارک سے بے شمار ایسے جامع کلمات نکلے جن کو جوامع الکلم کہا جاتا ہے، خود آپ کا ارشاد گرامی ہے: اِنِّیْ اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ مجھے جامع کلمات کی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

مذکورہ حدیث انہیں جوامع الکلم میں سے ایک شاہکار ہے جس میں بنی نوع انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری کی نشاندہی کی گئی ہے، جھوٹ تمام مذاہب و ادیان کی تعلیمات میں ایک معیوب چیز ہے اس کی بہت سی علامتیں اور پہچان ہے، ایک علامت کی مذکورہ حدیث میں اس انداز سے نشاندھی موجود ہے کہ اگر انسان اس کے سیاق پر غور کرے، اور اپنے نفس اور عقل کا احترام ملحوظ رکھے تو حدیث رسول میں اس قبیح عادت سے اجتناب کی دعوت پوری طرح موجود ہے۔

عام مشاہدہ یہ ہے کہ معاشرہ میں جھوٹا ناقابل اعتبار بلکہ قابل نفرین شخص ہوتا ہے اور اس عادت میں ملوث ہونے کے بعد اس کی یہ عادت بن جاتی ہے کہ جو کچھ دیکھا اور سنا فوراً وہ نوک زبان و قلم پر آجاتا ہے، بلا تحقیق و ثبوت باتوں کو نقل کرنے میں امر واقعہ کے خلاف باتوں کا نقل کرنا ایک امر واقعہ ہے اور یہ بھی جھوٹ ہے۔

حدیث میں ایسے انسان پر زجر و توبیخ ہے جو ہر سنی سنائی بات کو بیان کرتا رہتا ہے اسلئے کہ انسان کے کان میں عادۃً جھوٹ اور سچ ہر طرح کی باتیں پڑتی رہتی ہیں، اگر وہ ہر بات پر کان دھرتا اور اس کو نقل کرتا

پھرے گا تو لامحالہ جھوٹ کا مرتکب ہوگا کیونکہ وہ ایسی چیزوں کو بھی بیان کرے گا جو سرے سے وقوع پذیر ہی نہ
ہوں، کیونکہ امر واقعہ کے خلاف خبر کو بھی جھوٹ کہتے ہیں جس میں قصد و تعمد کی کوئی شرط نہیں ہے، ہاں اس کے گناہ
ہونے کی صورت میں تعمد کی شرط ہوگی۔

ہم جس معاشرہ میں رہ رہے ہیں اس میں دوسری اخلاقی و اعتقادی برائیوں کی طرح جھوٹ کا چلن اور
جھوٹی باتوں کو بلا تحقیق و تثبیت بیان کرنے کا عام رواج ہے، وسائل نشر و اشاعت کی برق رفتار ترقی نے
ریڈیو، ٹیلیویژن اور اخبار و جرائد کو دنیا میں سچ اور جھوٹ نشر کرنے کے لئے بے پناہ طاقت عطا کر دی ہے،

اس وقت معاشرہ میں جھوٹ، افترا پردازی، بہتان تراشی کا جتنا چلن ہے اور اس سے جو نتائج بد
مرتب ہو رہے ہیں اس کی سچی تصویر کشی صرف اللہ رب العزت کے ارشاد ہی سے ممکن ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ
الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

اسلام ایک سچا مذہب ہے، وہ حقانیت اور صدق و صفا کا داعی ہے اور انہیں صفات کو عام کرنے
کی تاکید کرتا ہے اور مسلمانوں سے صدق و صفا کا مطالبہ کرتا ہے اور جھوٹ کو ان پر حرام قرار دیتا ہے، معاشرہ
میں امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام نے عام گفتگو اور بات چیت کو پرکھنے اور تاریخ مذاہب کی صداقت
کے لئے ایک مکمل ضابطہ بیان کیا ہے، اسلام کی اس باب میں جو ہدایت و تعلیمات ہیں اس پر سرسری نظر
دوڑانے سے جدید دور کی بے خدا تہذیب کے ابلیسی ہتھکنڈوں کی مضرت رسانی و فتنہ سامانی سے مسلمانوں
کو چوکنا ہو جانا چاہیئے۔

آج کا انسان سوتے وقت تک دنیا کے اس ابلیسی نظام سے پھیلائی گئی جھوٹی سچی خبروں کے چکر میں
رہتا ہے، اور صبح آنکھ کھلتے ہی دوبارہ انہیں خبروں کے چکر میں پڑ جاتا ہے اس معاملے میں مسلم اور غیر مسلم اقوام
میں اب کوئی فرق نہیں رہ گیا، دوسری قوموں کے مسائل اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر مختلف ہو سکتے
ہیں اور ہیں، لیکن امت مسلمہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے، امت مسلمہ اور دوسری امتوں کا ایک بڑا فرق
یہی ہے کہ یہ امت دوسری امتوں پر شاہد و مہیمن ہے اور امت کا مجموعی طرز عمل ساری دنیا کے لئے قابل
تقلید ہے۔

صحافت اور دوسرے وسائل نشر و اشاعت کے سلسلے میں ایک تو ذمہ داری عام مسلمانوں کی ہے

.ان کو وسائل کے لئے کتنا وقت دینا چاہیئے اور دوسرے دینی و دنیاوی اہم امور کے لئے کتنا، اور دوسری ذمہ اری امت کے اس طبقہ خواص کی ہے جو اس کا ذمہ دار ہے۔

وسائل نشر و اشاعت کی اصل طاقت تو یہود و نصاریٰ اور ہنود کے پاس ہے جن سے محتاط رہنے ، سخت ضرورت ہے۔

دنیا میں مسلمانوں کی عددی حیثیت، اسلامی اور عربی ملکوں کے وسائل، مسلم اداروں اور تنظیموں کے دود وسائل، ان طاقتوں کے نگراں حضرات کی ذمہ داری یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کیلئے صحیح سلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے اہتمام کے ساتھ، کفر و شرک کی ٹیکسال سے ڈھلنے والے جھوٹ سے بھی امت خبردار رکھیں، اور اسلام کے مبدأ صدق و صفا اور تحری صدق کو خود اپنائیں تو موجودہ وسائل سے نہ صرف نیا کو دین فطرت کی صحیح دعوت پہنچا سکتے ہیں بلکہ اس وقت کے طاغوت اکبر کی مضرت رسانی کو بڑی حد تک کم کر سکتے ہیں۔

الحمد للہ اہل اسلام کے پاس خبروں اور واقعات کی تحقیق و تدقیق کے لئے کتاب و سنت اور سلف کے یہاں بہت منظم اور وسیع مواد موجود ہے محدثین کرام اور مورخین اسلام نے جو اصول و ضوابط وضع کئے ور جن کو خود اپنے اپنے وقتوں میں برت کر دکھایا ہے، اس وقت ضرورت ہے کہ ہم اس کا علم حاصل کریں اور س کا التزام اپنی عملی و علمی زندگی میں کریں اور دوسری اقوام و ملل کے سامنے اس کو زندہ، زبانوں اور ھری اسلوب میں اس طرح پیش کریں کہ اس طریقہ کے بغیر ان وسائل نشر و اشاعت کو انسانیت کی بھلائی کے لئے مسخر کیا جا سکتا ہے، ورنہ جھوٹ کے اس سیلاب میں انسانی معاشرہ بہ جائے گا،

ہم اہل علم اور پڑھے لکھے مسلم صحافیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسلام کے خبروں اور واقعات ، تحقیق اور اس کے نشر و اشاعت کے ضابطہ سے عام قاری کو روشناس کریں اور روزمرہ کے واقعات کی روشنی میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کی کوشش کریں: یہ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور مسلم معاشرہ کو گفتار میں سچ اور جھوٹ کے آداب کو سکھانا اسلامی فریضہ ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

افتتاحیہ

ایران کا "اسلامی انقلاب"

استعماریت اور صہیونیت کیلئے بشارت ہے

اخبار العالم الاسلامی ۴ ستمبر ۱۹۸۹ء نے شیخ ازہر صدر اسلامک ریسرچ اکیڈمی قاہرہ کی توثیق کے ساتھ اکیڈمی کی ایک رپورٹ بعنوان "قادیانیت، بابیت اور بہائیت کافر فرقے ہیں شائع کی ہے، ہم ذیل میں اس کا خلاصہ تحریر کر رہے ہیں۔

اللہ کے دین سے باغی ان گمراہ فرقوں کے استیصال کے لئے ساری دنیا کے مسلمانوں کو اپنی تمام طاقتوں اور امکانیات کو بروئے کار لانا واجب ہے، قرآن نے ہمیں صرف مذہب اسلام کی اتباع کا حکم دیا ہے، امت اسلامیہ نے جب بھی اپنا عقیدہ کھو دیا اس کی ذاتیت فنا ہو گئی اور اس پر اس کے دشمن غالب آگئے، یہ مذاہب متعدد فلسفوں اور ادیان کا آمیزہ ہیں، ان میں کوئی ایسی بات نہیں کہ امت اسلامیہ اپنے اصلاح حال کیلئے اس کی ضرورت مند ہو، بلکہ یہ واضح طور پر صہیونیت، استعمار اور اسلام و مسلم مخالف تنظیمات کیلئے کام کرتے ہیں۔

بہائیت اس عقیدہ کی تبلیغ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیعہ کے بارہ اماموں میں ظہور کرنے کے بعد احمد الاحسائی کی شخصیت میں ظہور کیا، اس کے بعد "باب" کی شخصیت میں پھر اس فرقہ کے متعدد رہنماؤں کی شخصیت میں، "بہاء اللہ" کا گمان ہے کہ وہ "باب" ہے، پھر اس نے "مہدی" ہونے کا دعویٰ کیا پھر نبی ہونے کا اور اس کے بعد اللہ ہونے کا، یہ تمام باتیں نصوص قرآن سے کفر ہیں۔ بہائی روز قیامت کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس سے مراد مظہر الٰہی کا ظہور ہے، جنت روحانی زندگی کا نام ہے اور نار موت روحانی کا۔ ان میں سے بعض نے وحی آنے کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے کو نبی سے افضل قرار دیا ہے، انہوں نے قرآن کے مخالف کتابیں بھی تحریر کی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ: ان کی فکر و دعوت تمام ادیان کی ناسخ ہے، انہوں نے مسلمانوں کے اجماعی احکام کے

مخالف احکام وضع کیے، نماز کو نو رکعت کر دیا، اور قبلہ مکہ کے بجائے "حیفا" کو مقرر کیا اور حج مکہ کو باطل کر کے حج حیفا مقرر کیا، روزہ انیس دن کا سال انیس مہینے کا اور مہینہ انیس دن کا ٹھہرایا، انہوں نے دشمنوں کے خلاف اسلامی جہاد کے فریضہ کو ساقط کر دیا۔

قادیانیت دعویٰ نبوت، مکہ کے بجائے حج قادیان، حسب خواہش تفسیر قرآن، فریضہ جہاد کے اسقاط اور قرآن کے مخالف ایک کتاب کی تدوین جیسے مہات امور میں بہائیت کی شریک کار ہے۔

یہ گمراہ فرقے عالمی صیہونیت اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے تعلق رکھتے ہیں، یہ ایسے جھاڑ جھنکاڑ ہیں جو انہیں کے زیر سایہ زندہ اور انہیں کے مال و جاہ سے پائندہ ہیں، ان دعوتوں کو تسلیم کرنا امت اسلامیہ اور جہاد اسلامی کو فنا کر دینا ہے اور امت اسلامیہ کے حقوق غصب کرنے والے استعماریوں کی غلامی قبول کرنا ہے تمام مسلمانان عالم پر واجب ہے کہ سرزمین اسلام کو ان نجاستوں سے پاک کیا جائے جو دین حنیف کی تعلیمات اور اس کے عقائد کی طہارت وصفائی کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔

رپورٹ میں عالمی صیہونیت سے بہائیت کے جس تعلق کی بات ذکر کی گئی ہے اس کے لئے اخبارات میں چھپی ہوئی تنہا یہ خبر کافی ہے کہ: صیہونیت کے صدر رحاییم ہیوتسر دغ نے جون ۱۹۸۹ء میں حیفا میں واقع بہائی مرکز کا دورہ کیا اور بہائیوں اور صہیونی حکومت کے درمیان گہرے برادرانہ تعلقات پر زور دیا اور اس کی توثیق کی" ذرا غور فرمایئے جس سرزمین پر قبلۂ اول کی بازیابی کے لئے شب و روز جہاد اسلامی جاری ہے اور کسی نہ کسی پہلو سے پورے عالم اسلام کی تائید اسے حاصل ہے یہ بہائی ٹھیک اسی مقام پر اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے گلے مل رہے ہیں، بہائیت ہی کی طرح سرزمین قبلۂ اول فلسطین میں قادیانیت بھی غایت درجہ متحرک اور نشیط ہے، صیہونیت اور استعماریت کے دانے چارے پر پلنے والی قادیانیت وہی ہے جب برصغیر کا مسلمان انگریزوں کی ذلت آمیز غلامی سے نجات کے لئے جانوں کی قربانی دے رہا تھا تو انگریزوں کے پالتو مدعی نبوت بانی قادیانیت نے جہاد کے اسقاط کا فتویٰ دیا تھا۔

رپورٹ میں جن چند فرقوں کو ان کے عقائد و اعمال کی بنیاد پر کافر قرار دیا گیا ہے مسلمان علماء کا اس پر اجماع ہے، ان کے علاوہ دروزی، نصیری، اسماعیلی اور متعدد چھوٹے بڑے فرقے ہیں جو اسی نوع کے عقائد و اعمال رکھتے ہیں، دروزی تناسخ ارواح کے قائل اور آخرت اور جنت وجہنم کے منکر ہیں ۔۔۔۔

حملے، صلیبی جنگوں اور شام پر فرانس کے قبضہ کے مواقع پر انہوں نے اعدار اسلام کو پوری مدد دی ہے اور آج بھی اسرائیل اور امریکہ سے اس فرقہ کے گہرے روابط ہیں، دروزی بھی تناسخ اور حلول جیسے عقائد مانتے ہیں، اس فرقہ کے بہت سے افراد اسرائیلی فوج میں رضاکارانہ خدمت انجام دیتے ہیں، خاص طور سے مقبوضہ فلسطین سے متصل جولان کے علاقہ میں آباد دروزی اسرائیل کے لئے مسلمانوں کے درمیان جاسوسی کے کام بھی کرتے ہیں اور صہیونی غاصبوں کے تعاون سے اپنا ایک الگ ملک بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں، ان فرقوں کے کفر پر بھی قدیم وجدید علمار کا اتفاق ہے۔

یہ ادران جیسے اور دیگر باطنی فرقے اپنی اصل کے اعتبار سے ایرانی ہیں اور ایرانی قوم کے قدیم عقائد رفض وتشیع اور ان فرقوں کے عقائد میں بنیادی یکسانیت پائی جاتی ہے، ایران میں بہائی بڑی کثیر تعداد میں ہیں اور بڑے نشیط ہیں، اسی طرح نصیریوں اور دروزیوں کے تعلقات بھی ایران سے نہایت گہرے ہیں حقیقت یہ ہیکہ ایران ایسے تمام کافر فرقوں کا آبائی مرکز ہے جن سے اسلام، امت اسلامیہ اور سرزمین اسلام کو تاریخ اسلامی کے ہر نازک موڑ پر ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے اور ایرانی قوم پرست قائدون نے اسلام مسلمانوں اور عربوں کے ازلی دشمنوں سے ہاتھ ملاکر اندرون خانہ ان فرقوں کی ہمت افزائی اور رہنمائی کی ہے تاکہ اسلام اور ملت اسلامیہ خارجی دشمنوں کے وار سے نیم جان ہو اور گھر کے زہر بجھے خنجروں سے اسکی شمع حیات گل کردی جائے۔

ہم امت اسلامیہ کے کسی پرانے زخم کو کریدنے کے بجائے اس موقع پر نام نہاد "ایرانی اسلامی انقلاب" کے حقیقی عزائم اور اس کے حدود اربعہ پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ایرانی قوم پرستی کا شجر خبیث ارض اسلام پر پھیلی ہوئی اپنی کڑوے کسیلے پھلوں والی شاخوں کے ساتھ امت اسلامیہ کی نگاہوں کے سامنے بے نقاب ہوجائے

اسلامی انقلاب کے قائد خمینی ساری دنیا کے نصرانیوں کے نام اپنی ایک تحریر میں کہتے ہیں کہ:

" رجال دین، قسیسین اور رہبان کو اسلام پہونچے، جو عیسیٰ بن مریم کی تعلیمات کے حامل ہیں اور نافرمانوں اور معاندین کی روحوں کو طمانیت بخشتے ہیں، ان مسیحیوں کو سلام پہونچے جو حریت کے دلدادہ ہیں اور مسیح کی تعلیمات سے نصیحت پکڑتے ہیں، مسیحی اقوام کے فرزندو! میں مغلوب ایرانی قوم کے نام سے آپ سب کی نظر التفات چاہتا ہوں کہ ظلم وطغیان کی آگ میں جلتی ہماری

قوم کے لئے اپنی مقدس عیدوں میں نماز پڑھئے اور اللہ علی قدیر سے دعا کیجئے کہ اسے اس مصیبت سے نجات بخشے۔"

دیدۂ دل وا کیجئے اور غور فرمائیے کہ "اسلامی انقلاب" کا یہ قائد تثلیث کے مشرک اور کافر فرزندوں اور انکی نمازوں دعاؤں سے اپنی قوم کی نجات کا طالب ہے اور رب کعبہ کی موحد امت کے فرزندوں کی خونریزی ارض حرم میں عین عبادت حج کے دوران کراتا ہے، ویٹیکان کے پوپ اور رجال کلیسا سے خمینی کے گہرے تعلقات تھے، چنانچہ پوپ یوحنا پولس ثانی نے انقلاب کی کامیابی پر خمینی کے نام اپنا تائیدی پیغام بھی بھیجا تھا، یسا کی یک معروف شخصیت ایران کے دورہ پر آئی تو اس نے کہا تھا کہ اسلام اور مسیحیت کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے عمل میں مشارکت مجھے مرغوب ہے اور خمینی کی اس بات پر بڑی تعریف کی کہ اسلامی جمہوریہ ایران کے جھنڈے کے نیچے مسیحیوں کی شمولیت پر وہ خوش ہیں نیز وہ یہودیوں کو مسلم ایرانیوں کا بھائی تصور کرتے ہیں"

اسلام اور مسیحیت کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی تحریک امریکہ نے شروع کی ہے، کفر و شرک پر مبنی مسیحیت سے کون سا اسلام قریب ہوگا، باپ بیٹا، روح القدس کے تثلیثی کفر سے اسلام کی توحید کا یا واسطہ، اس سے خمینی کا وہ نام نہاد اسلام قریب آسکتا ہے جس کے اماموں، نائبوں اور آیات کو اللہ کی طرح کائنات کے ذرہ ذرہ پر حکومت حاصل ہے، اس سے بہائیوں، قادیانیوں، نصیریوں، درزیوں اور دیگر باطنی فرقوں کا نام نہاد اسلام قریب آسکتا ہے جس کے قائد نبی بھی ہیں اور اللہ بھی، امریکہ کی یہ کوشش اسلام کی مقدس سرزمین کے ان خطوں میں جہاں یہ ناپاک فرقے عالمی صہیونیت، اور استعماری نصرانیت کی پھینکی ہوئی ہڈیاں چوس رہے ہیں موجودہ حالات میں اس اعتبار سے بڑی کامیاب ہے کہ ان نام نہاد مسلمان کافروں کے ذریعہ اسلام کے اساسی عقائد و تعلیمات کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں، امت مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے اور اس کے متعدد قومی مسائل جیسے قبلۂ اول کی بازیابی، قضیۂ فلسطین اور لبنان و افغان جیسے قضیوں کو غایت درجہ الجھا کر جملہ حقوق و منافع استعماریوں اور صہیونیوں کی جھولی میں ڈالے جا رہے ہیں۔

سنت و بدعت کا امتیاز

از

صوفی نذیر احمد کاشمیری ؒ

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ
اللہ پاک کا ارادہ ہے کہ وہ تم پر واضح کردے اور ان لوگوں کی سنن ہدیٰ کی طرف تمہاری رہنمائی کرے
جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور تم پر متوجہ ہو۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے" (القرآن)

جس طرح قرآن مجید ان تمام دینی اصولوں کا جامع اور محافظ ہے جو تمام انبیاء پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے" بالکل اسی طرح سنت خاتم الانبیاء ان سب سنن ھدیٰ کی جامع اور محافظ ہے جن کا اتباع تمام سابقہ انبیاء وصالحین نے کیا ہے۔ اسی حیثیت سے تعلیم محمدی سارے خیر کی جامع اور تمام شر و فساد و گمراہیوں سے پاک ہے۔ اور اسی حیثیت سے وہ تمام نوع انسانی کیلئے مدار نجات ہے۔ اسی حیثیت سے اس میں کسی قسم کا اضافہ بدعت ہے، ایسی ہر بدعت گمراہی ہے اور جہنم کو لیجانے والی ہے" کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ دین کی وہ حصار حفاظت ہے جسے پھاندنے کے معنی جہنم میں کود جانے کے ہیں۔

جماعت اسلامی و جماعت اہل حدیث خاص غور کرے

دین کامل و عالمگیر کا تصور قطعاً وحتماً یہی ہے۔ اس دین کا سارا اصول ریکارڈ اور عملی نمونہ میں محفوظ ہے۔ اور تا قیامت اس کا علمبردار گروہ بھی موجود رہے گا تاکہ اللہ پاک کی حجت میں ہر آن قائم رہے۔ ایک طائفہ حقہ کا تا قیامت تسلسل کے ساتھ قائم رہنا وہ حق ہے جس کا انکار تسلسل رسالتِ محمدی کا انکار ہے جو انسان کو سیدھا جاہلیت میں لیجاتا ہے (الحذر)

اصل ضرورت اس دین کامل وظاہر میں ہر ہر دائرۂ حیات کے فرائض و واجبات اور منکرات ومنہیات اس درجہ واضح ہیں کہ جو شخص جس دین کو ایک کوڈ آف کنڈکٹ بنانے کے لئے قبول کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس دین میں کوئی بھی خفا نہیں ہے۔ لہذا یہ دعویٰ بنیاداً باطل ہے کہ ہر دور میں اس کی ضرورت ہوگی کہ اس دین کی ماحول کے مطابق نئی سے نئی تشریح وتعبیر کی جائے۔ اس کے مقابل جس چیز کی ضرورت ہے وہ صرف رضا کارانہ اتباع ہے۔ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" اللہ سے رابطہ محبت قائم کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو خدا خود تم سے محبت کرے گا" (القرآن)

" اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ "جو حق تمہاری طرف تمہارے رب کیطرف سے اترا ہے اس کا اتباع کرو اس کے مقابل کسی رفیق کا اتباع نہ کرو" (القرآن)

" لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ" موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرے اتباع کے سوائے ان کیلئے کوئی چارہ نہ ہوتا" (الحدیث)

موجودہ ماحول آج ھدایت وضلالت کے معاملے میں ساری دنیا کی حالت قریباً یکساں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قومی ثقافتوں کے نام پر ہزاروں برس کے دبے ہوئے اوہام وخرافات، بدعات وشرکیات کو زندہ کیا جارہا ہے۔ اور حکومتیں سیکولرازم کے ماتحت انہیں ہر قسم کی امداد دینے پر آمادہ رہتی ہیں۔ اور دین کو فرقہ واریت کا نام دیکر دبایا جارہا ہے۔ اسپر بھی ہندوستان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں چار ہزار برس سے صرف بدعات وشرکیات اور رُمانیات وخرافات کو دین بنادیا گیا ہے۔ اور ان پر ہزاروں فرقوں کو مستقل یونٹس کی حیثیت سے منظم کیا گیا ہے۔ اور ہر فرقے کے لئے اس کے اپنے طے کردہ دھرم کو باعث نجات مان لیا گیا ہے۔ اپنی اپنی لوکل قسم کی دیوں اور اپنے اپنے کنبے کے پشتہا پشت کے رسوم ورواج کو ان کا مکمل دین قرار دیا گیا ہے۔ یہ فلسفہ وحدت انسانی کے بجائے تفرقہ انسانی کا فلسفہ ہے اور" وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ" کا مصداق ہے۔ اور آج اس پر یہ اضافہ کیا جارہا ہے کہ ہندو مسلم فسادات کو ختم کرنے کے لئے دورِ اکبری کو زندہ کیا جارہا ہے۔ اور اضافہ پر اضافہ یہ کیا جارہا ہے کہ مسلمانوں کے عرس وشب برات ومحرم کو اور ہندو تیوہاروں کو ملاکر خبیث وطیب کا ایک ایسا اتفاقی ولدل تیار کیا جارہا ہے کہ جس میں سے کوئی امام جامع مسجد دہلی تک باہر جانے کی جرأت نہ کرسکے۔ یہ مسلم صوفیا کی قبروں کے مجاور اور

پانڈے تو چونکہ اس نئی منصوبہ بندی سے ان کی گدیاں مضبوط ہو جاتی ہیں لہذا وہ ہوشیار پانڈوں کی طرح اس کا استقبال کرنے کی تیاریاں مکمل کر رہے ہیں۔ ؎

"میرا نقد و جنس حیات سب ہو اندر بدرقِ نیاز ہیں : کہیں ہے کوئی جو پناہ دے مجھے اپنے دامن ناز میں"

اے رب ابراہیم ورب محمد رسول اللہ! تو اپنے اس عاجز مگر غیور بندے کی دعا سن لے جو عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ رات کی تاریکی میں "اللّٰهُمَّ اغفر وارحم امت محمد فِي جَمِيعِ الْعَالَمِ. اللّٰهُمَّ اخرجهم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَاصلحهم وَاصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَاجْعَلْ فِي قُلُوبِهِمُ الايمان وَالْحِكْمَةَ" کہتے کہتے بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور اب تو دعا کی طاقت بھی ختم ہو رہی ہے۔ لیکن اگر یہ دعا قبول نہیں کرتا تو پھر یہ دعا قبول فرما: "اَللّٰهُمَّ إِنْ اَرَدتَ بِقَوْمِي فِتْنَةً فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ" ؎

"شبستانوں میں بوندیں لطف پنہاں کی نہیں کافی : برس جا ابر رحمت سارے عالم پر عیاں ہو کر"

ہاں تو مندرجہ صدر عالمی اور ہندوستانی منظر کو سامنے رکھ کر اور سنت و بدعت کے امتیاز کو تازہ کرتے ہوئے باہمی مشورے سے حفاظت دین وملت کیلئے ایک قطعی وقابل عمل نوعیت کا منصوبہ بنایا جائے۔ اُسے ملت کے سامنے لایا جائے مدارس ومکاتب کو دینی تربیت گاہوں کی حیثیت سے سر نو منظم کیا جائے۔ موجودہ دور کے الحادی فلسفہ سیاست کو دین بنا کر پیش کرنے کے یقین سوز طریقے کو یکسر ترک کر کے دینی واخلاقی محاسبہ نفس کو ہر دائرہ حیات میں رائج کیا جائے اور اللہ پاک کے اس وعدے پر ایمان کو پھر سے پختہ کیا جائے کہ "إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ" اگر تم اللہ کے دین کی امداد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری امداد کرے گا اور تمہارے ڈگمگاتے پاؤں کو مستحکم کر دے گا۔

جس حالت میں یہ حروف لکھے جا رہے ہیں اس کا اشارہ اوپر آ گیا ہے۔

ان حروف کو جماعت اہل حدیث کے علاوہ جماعت اسلامی اور علی میاں کو بھیجنے کی بھی تمنا تھی مگر اس کی سکت نہیں ہے۔ مجبوراً مرکزی جماعت اہل حدیث کے صدر صاحب کو بھیجنے پر اکتفا کر رہا ہوں اور ان سے درخواست ہے کہ وہ اس کی کاپیاں دونوں مرکزوں کو بھیج دیں۔ بلکہ اسے جماعتی اخباروں میں شائع کر دیا جائے۔

انتباہ | کتاب وسنت اور بدعت وشرک کے سلسلے میں گذشتہ دو صدیوں میں ساری امت میں جو کام ہوا ہے آج اس کام کو ایک نئی شیرازہ بندی دینے کا وقت ہے۔ اسی پر حیات دین وملت کا انحصار ہے اور یہ کوئی بھی مشکل کام نہیں ہے۔ بشرطیکہ مسلمانوں کی سیاسی کشمکش باہمی سے اسے آزاد رکھ کر کام کیا جائے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اہلِ حدیث کا ایک اہم وصف ہے

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے فرمایا کَیْفَ بِکُمْ اِذَا لَمْ تَأمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ
تَنْھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ قَالُوْا وَاِنَّ ذٰلِكَ لَکَائِنٌ قَالَ نَعَمْ وَاَشَدُّ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا اَمَرْتُمْ بِالْمُنْکَرِ وَنَھَیْتُمْ
الْمَعْرُوْفِ قَالُوْا وَاِنَّ ذٰلِكَ لَکَائِنٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ وَاَشَدُّ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا رَأَیْتُمُ الْمَعْرُوْفَ مُنْ
وَالْمُنْکَرَ مَعْرُوْفًا (منتخب کنز العمال)

یعنی کیا حال ہوگا تمہارا جب تم بھلائی کا حکم نہ دو گے اور برائی سے نہ روکو گے، لوگوں نے کہا کہ ای
ہونے والا ہے فرمایا ہے ہاں بلکہ اس سے بھی سخت حال ہوگا جب کہ تم برائی کا حکم دو گے اور بھلائی سے روکو
عرض کیا گیا یہ بھی ہوگا؟ فرمایا کہ ہاں اس سے بھی زیادہ، فرمایا کیا حال ہوگا اسوقت جب تم نیک بات کو بر
سمجھو گے اور برائی کو اچھا جانو گے اس میں حضور اکرم نے قوموں کی ہلاکت کیلئے تبدریج تین درجے فرمائے ہیں ا
یہ کہ خود نیکی کا شوق باقی رہے لیکن دوسروں کو نیک بنانے کا ولولہ جاتا رہے۔ یہ ہلاکت کی بیج ہے اس کے بعد
دوسرا دور آتا ہے اب نہ خود نیک راہ چلتے ہیں نہ دوسروں کو چلنے دیتے ہیں یہ تخم فساد کا پھل اور پتے ہیں اس
بعد ایک تیسرا دور آتا ہے جب کہ خیر و شر اور حق و باطل کا نظام الٹ جاتا ہے باطل کو حق سمجھا جاتا ہے اور حق
باطل سمجھا جاتا ہے یہ تخم فساد کا آخری پھل ہے اس کا زہر تمام قوموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ بعض مقامات پر اگرچہ اصلا
افراد کا سامان ہوتا ہے مگر اصلاح امت کا سامان نہیں ہوگا دوسری جماعتیں یہ کام کریں یا نہ کریں لیکن اعلا
الحدیث کا یہ کام آج نا تمام پڑا ہوا ہے دوسروں نے اس کام سے منہ موڑ لیا ہے تو موڑ لیں آپ نے داہلِ حدیث حضرا
پہلے بھی یہ فریضہ انجام دیا تھا اور آج بھی دنیا آپ ہی کے عزم و عمل کی منتظر ہے اہلِ بدعت کی تدلیسات و تشکیکا

کا مقابلہ کتاب وسنت سے کرنا اہل حدیث حضرات کا بڑا فریضہ ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ، قوم کو محدثات ومنکرات سے بچا کر اسلام کے صحیح پلیٹ فارم پر لانا مسلک اہل حدیث والوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے دوسری جماعتوں کو ایسے بے راہ روؤں سے کچھ تعرض نہیں ان کی اصلاح ومنکرات کے قلع قمع کی توقع دوسروں کے ذریعہ محض خام خیالی ہے۔

ازالۂ منکرات واحیائے بدعات میں اہل حدیث ایک اہم رول ادا کرتے ہیں

صاحب المنار لکھتے ہیں کہ اصلاح امت کا اور منکرات ومحدثات کے مٹانے کا کام ہر زمانہ میں اہل حق نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جو گرد وغبار جمتا رہا اسکی اصلاح کا فریضہ انصار السنہ نے ہمیشہ انجام دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہر زمانہ میں بہت سے مذاہب برتنے والے علماء ایسے گزرے ہیں جو حق کو خوب پہچانتے ہیں لیکن اسکی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دیتے اور نہ سنّت کے مخالفین کے خلاف کچھ لب کشائی کرتے ہیں ان کی دینی حرارت از حد بجھی ہوئی ہے۔ ان کو اپنی جاہ واعزاز کا خوف اور اپنے اقتدار کے ختم ہو جانے کا احساس ہے اور کچھ لوگوں نے ہمت کیا تو بعض مسائل میں اتفاق کیا اور بعض میں جمود اختیار کر گئے۔

خلاصہ یہ کہ سنن نبویہ کی نصرت وحمایت کرنے والوں میں دو گروہ پیدا ہو گئے ایک وہ جو پورے عزم اور پوری قوت سے کتاب وسنت پر عمل پیرا ہے اور براہین ودلائل سے کتاب وسنّت کے مسائل کو واشگاف طور سے بیان کرتے رہے۔ دوسرے وہ جنہوں نے اس میں کافی نرمی وسہل انگاری سے کام لیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں اندلس کے اندر علامہ ابو محمد علی بن حزم پیدا ہوئے انہوں نے رائے تقلید شخصی اور قیاس وغیرہ کی مذمت میں المحلی وغیرہ کو مضامین عالیہ سے بھر دیا، ابن حزم اس امت کے بڑے امام ومحدث ہیں اور فقہ کے اصول وفروع پر عظیم الشان تصنیفات کے خالق وموجد اور پانچویں صدی ہجری کے عظیم مجدد ہیں۔ سلطان العلماء شیخ عزالدین ابن عبدالسلام نے فقہ اسلام پر لکھی ہوئی کتابوں میں سب سے اعلیٰ وافضل ابن حزم کی محلی اور شیخ موفق الدین کے المغنی کو ٹھہرایا ہے۔

صاحب المنار نے اس ذیل میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ علامہ ابن حزم کے بعد شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے علاوہ ان کا کوئی ہمسر نہیں گزرا، جو وسعتِ علم، حفظ سنن اور قوت استحضار، بلکہ

استنباط و استخراج میں ہر طرح ابن حزم کے مساوی و ہم مرتبہ ہو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ساتویں صدی کے مجدد ہیں اور حق کو شدت کے ساتھ پیش کرنے کے باوجود پاکیزہ قلم ہیں ائمہ کے ادب و احترام کو ملحوظ ر ہیں اور قیاس صحیح کو جو نصوص کے موافق ہو جائیں ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

ان کے بعد علامہ ابن قیم اپنے استاذ شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے علوم کے وارث ہوئے انہوں نے کافی نرمی کام لیتے ہوئے ان علوم کو پیش کیا، اسلئے ان کی کتابیں زیادہ قابل قبول ہوئیں اور جاہل حکام اور متعصب مقلدین نے ان کا اسطرح مقابلہ نہیں کیا جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آتے رہے۔

ان سب کے بعد سنن نبوی کے قاموس محیط حافظ ابن حجر نے تحفظ سنن و آثار کا کام لیا اور شرح بخاری اپنی عظیم النفع کتاب فتح الباری تصنیف فرمائی جس سے دنیا میں کوئی بھی خادم سنت مستغنی نہیں رہ سکتا حافظ ابن حجر نویں صدی ہجری کے زبردست فقیہ و محدث اور مجتہد و شیخ الاسلام والمشائخ ہیں۔ اس بعد فقہ حدیث پر ایک نفیس کتاب نیل الاوطار لکھی گئی اس کے مصنف محمد بن علی شوکانی ہیں بارہویں صدی ہجری میں یمن کے مجتہد اعظم اور مجدد وقت ہیں حدیث و فقہ کے یہ سب مشاہیر علماء اپنے اپنے زمانہ کے مصلح اعظم اپنے وقت کے سرخیل و سید الطائفہ تھے جنکی کتابیں ملت کی اصلاح کیلئے بہت بڑا سرمایہ ہیں اور جن سے ہمیں نہیں اور ان کے علاوہ بہت سے علماء و حفاظ حدیث ہر دور میں اور ہر گوشہ میں پائے جاتے رہے، ہم نے ا بحث میں صرف ان کی کتابوں کو کافی سمجھا ہے جنکی کتابیں اس موضوع پر بہت قیمتی ہیں۔ (تفسیر المنار ج ص

اصلاح امت اور تجدید دین کی مساعی کے صلہ میں یہ انصار السنہ و اصحاب الحدیث جیل خانوں میں گئے اور ان کو کوڑوں کی شدید ضربات سہنی پڑیں۔ تاریخ میں ایسے واقعات محفوظ ہیں، چند ایک بطور نمونہ

چند مثالیں ازالہ منکرات و محائے بدعات میں شدائد برداشت کرنے کی چند مثالیں مولانا آزاد سنئے کس فصاحت و بلاغت سے بیان کرتے ہیں۔

(۱) حضرت امام مالک بن انس کو دیکھئے عین اس وقت جب کہ ان کی مشکیں اس زور کس دی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا تھا اور ستر کوڑوں کی ضربیں ان کے ہاتھ اقدس پر پڑ رہی تھیں تو اس اونٹ کی کھڑے ہو گئے جس پر تذلیل و تشہیر کیلئے سوار کیا گیا تھا اور پکار کر کہا کہ من عرفنی فقد عرفنی و

[illegible]

ہے اور جو مجھے نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور اس مسئلہ کا اعلان کرتا ہوں جس کے اعلان سے مجھ کو جبرًا روکا جارہا ہے کہ طلاق مکرہ کوئی چیز نہیں ہے سبحان اللہ! یہ وہی دعوت وعزیمت کی شاہی فرماں روائی ہے جس کے آگے دنیا کی بادشاہتیں بال مگس برابر بھی وقعت نہیں رکھتی ہیں یہی وہ حیثیت ربانی اور جلالۂ روحانی تھی جس کو دیکھ کر حضرت سفیان ثوریؒ بے اختیار پکار اٹھتے تھے فہو المہاب ولیس ذا سلطان اقبال مرحوم نے اسکی ترجمانی کی ہے از شکوہ بوریا لرزد سریر،

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مقام عزیمت ملاحظہ ہو کہ ایک کلمہ حق کے بلند کرنے پر ان کو قید کیا گیا چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں اسی عالم میں بغداد سے طرسوس لے جائے گئے اور حکم دیا گیا کہ بلا کسی کی مدد کے خود ہی اونٹ پر سوار ہوں اور خود ہی اونٹ سے اتریں اسکو بھی قبول کرلیا۔ بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے تھے اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے، عین رمضان المبارک کے عشرہ اخیر میں بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے اور آپ کی پشت مبارک پر لگاتار کوڑے اسطرح مارے گئے کہ ہر جلاد پوری قوت سے دو ضربیں لگا کر پیچھے ہٹ جاتا اور پھر نیا تازہ دم جلاد اسکی جگہ لیتا، مگر خدا کے عشق سے منہ نہیں موڑا اور راہ سنّت سے منحرف ہوئے اسی سزا میں زبان سے جزع فزع کے کلمات نہ تھے بلکہ زبان پر وہی کلمات تھے جس کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا ہے کبھی فرماتے اَلْقُرْآنُ كِتَابُ اللهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ تازہ دم پوری قوت سے کوڑے مارتے یہاں تک کہ تمام پیٹھ زخموں سے چور ہو جاتا اور جسم خون میں نہا اٹھا خود کہتے ہیں کہ جب ہوش آیا تو چند آدمی پانی لائے اور کہا کہ پی لو مگر میں نے انکار کردیا کہ روزہ نہیں توڑ سکتا۔

اللہ اللہ یہ عزیمت دعوت کی کیسی خسروئی وسلطانی تھی اور وراثت نبوت کی کیسی حیثیت وسطوت تھی کہ خود معتصم باللہ جسکی حیثیت وشوکت سے قیصر روم لرزاں وترساں رہتا تھا، سرہانے کھڑا تھا اور جلادوں کا مجمع چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا وہ باربار کہہ رہا تھا یا اَحْمَدُ وَاللهِ اِنِّي عَلَيْكَ شَفِيقٌ وَاِنِّي لَاشْفَقُ عَلَيْكَ كَشَفْقَتِي عَلٰى هَارُوْنَ یعنی واللہ میں تم پر اپنے بیٹے سے زیادہ شفیق اگر تم خلق قرآن کا اقرار کرلو تو قسم بخدا ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں۔ لیکن اس پیکر حق، صابر محسن، ناصر سنن نے کہا! اعطوني شيئا من كتاب الله او سنة رسوله حتى اقول به یعنی اللہ کی کتاب میں سے یہ بھی دکھلادو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول پیش کردو میں اقرار کرلوں اس کے علاوہ میں، اور کچھ نہیں جانتا۔ اللہ اللہ امحائے بدعت واحیاء سنت

کا کتنا عظیم جذبہ تھا جوان کو کوہ پیکر بنائے ہوئے تھا نصرت سنن میں اس عظیم استقامت کا ان کو خوب صلہ بھی ملا

آوازۂ خلیل ز تعمیر کعبہ نیست

مشہور شد ازاں کہ در آتش نکو نشست

آج دوسری جماعتوں میں ایسے مردانِ کار مفقود ہیں اصحاب تقریر و تحریر تو ہر جگہ ہیں اور جماعت سازی و تنظیم جماعت کے بلند بانگ دعاوی تو قدم قدم پر نمایاں ہیں مگر بقول اقبالؒ ؎

عارف کی شریعت میں فقط مستی احوال

ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھکو

ہو جس کی رگ و پے میں فقط مستی کردار

جماعت اسلامی و جماعت تبلیغی میں یہ نظریہ ڈھونڈتے ہیں تو ایک فرد بھی آج مرد میدان نظر نہیں آتا حالانکہ تمام عالم اسی طرح کے منکرات و تدلیسات و بدعات و محدثات میں آج بھی جکڑا ہوا ہے مگر ہماری منظم جماعتیں اپنی متعینہ پالیسی اور منصوبوں سے الگ ہو کر خلقِ خدا کو ان منکرات و بدعات سے بچانے کیلئے کچھ بھی جد و جہد کا حق ادا نہیں کرتیں

انہوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید

وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم ان کو بتا دیں گے

مولانا آزادؒ لکھتے ہیں کہ یہ اوائل سلف کا حال تھا عہد متاخرین میں دیکھو۔

(۳) آٹھویں صدی میں جب عزیمت و دعوت کی روح نے آیۃ من آیات اللہ حجۃ قائمۃ من حجج اللہ شیخ المصلحین ملاذ المجددین اور سید الکاملین شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ کے وجودِ پاک میں ظہور کیا اور عہد اواخر کے تمام بدعات و فتن کے قلع و قمع کرنے کے لئے ریاست کبریٰ اور امامت عظمیٰ کا مقام اس مجدد اعظم کے سپرد کیا گیا اگرچہ اس عہد میں بھی علماء، حفاظ اور نقاد علوم کثرت سے موجود تھے اور وہ بھی ایسے لوگ اس درجہ کے تمام لوگ تمام عالم اسلامی میں آج تک دوبارہ پیدا نہیں ہوتے علی الخصوص حافظ مزی، ابن دقیق العید امام برزالی، حافظ ابو الفداء عماد الدین اور حافظ ذہبی جیسے اصحاب کمال و ائمۂ علم و فن اس عہد میں موجود تھے مگر عزیمت و دعوت ایک مخصوص مقام ہے وہ ان میں سے کسی کے حصہ میں نہیں آتا دوسرے اپنے اپنے دوسرے کاموں

ہیں رہ گئے تھے لیکن امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے وہ سب کام درس وتدریس امامت وخطابت تبلیغ وافتار کا بھی انجام دیا جو وہ سب لوگ کر رہے تھے پھر ان سے بڑھ کر یہ کہ راہ عزیمت ودعوت تجدید واحیائے ملت وجہاد بالسیف والقلم واللسان سب کو منزلوں پیچھے چھوڑ دیا،

ع ایک تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

اوروں کو سب کچھ ملا تھا یہی چیز نہیں ملی تھی اور ہمیشہ سے سینکڑوں ہزاروں اصحاب طریق واصحاب عمائم میں سے کسی ایک رَجُلٌ من الرِّجال کے حصہ میں آئی ہے۔ یہی وہ مقام عزیمت اور فضل مخصوص ہے جو ذہبیؒ، مزی، ابن دقیق العید جیسے شیوخ عہد کے سروں کو بھی ابن تیمیہؒ کے سامنے اطفال مکتب کی طرح جھکا رہا ہے تفصیلات عرض کرنے کا موقع نہیں ہے۔

ہزارہا لاکھوں کہا خلقِ خدا کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دست شفائے یقین کا مرہم اور ایمان کی اکسیر ملی، بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لگایا، بدعت کے لشکروں اور احداث وتحریف کی پلٹنوں کو قرآن وسنّت کی تیروں کی بوچھاڑ سے تربتر کر دیا گمراہی کے جھنڈے اُن کے آگے سرنگوں ہو گئے اور فتنوں کی صفیں ان کے جنو ودلائل کے فاتحانہ حملوں سے الٹ گئیں (تذکرہ آزاد ص۱۹۳)

آٹھویں صدی کے اوائل کا زمانہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت ہی نازک اور انقلابی زمانہ تھا تاتاریوں کا سیلاب اپنی اصل بلندی تک پہنچ چکا تھا اور اب تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل رہا تھا یہ وحشی درندے صرف تخت وتاج کے لئے آئے تھے اور پچاس لاکھ مسلمانوں کے خون اور چھ سات صدیوں کے اسلامی تہذیب وتمدن کی ویرانی پر اپنی سلطنت کی عمارت تعمیر کر رہے تھے۔ ہلاکو خاں کا پرپوتا نادان خاں اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ تبدیلی محض برائے نام تھی وحشت وخونریزی میں تمام خصائل بدستور کام کر رہے تھے تاتاریوں کی ہیبت نے زندوں کو مردہ بنا دیا تھا ان کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی آبادی کی آبادی ذبح کر ڈالتی اور بادشاہوں اور فوجوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ جب کوئی مرکز نہ رہا تو شریعت کا بھی کوئی محافظ نہ رہا۔ نہ امت کا کوئی رہبر۔ وہ سارے علمی وعملی مفاسد جو آج نظر آرہے ہیں زیادہ تر اسی عہد میں پیدا ہوئے اور جو فتنے پہلے سے موجود تھے وہ اسی عالم آشوبی میں کمال وبلوغ کو پہنچے تقلید شخصی اور فرقہ بندی کے التزام وتعصب نے اس زمانہ میں زور پکڑا نومسلم حکمراں مذہب وعلم سے ناآشنا تھے۔ اسلئے مذہبی فرقہ آرائیاں شباب پر آگئیں۔ ہر مذہب کے الگ الگ قاضی اور الگ الگ مدارس، الگ الگ

ائمہ اور الگ الگ مذہبی عہدے قرار پائے اور یہی چیز صدہا مفاسد و مصائب کا باعث ہوئی رفتہ رفتہ علوم اصلیہ قرآن و حدیث متروک ہو چکے تھے علی الخصوص دیار مصر و شام میں جو بقیۃ السلف مسلمانوں کا ملجا و ماوی تھا رسمی خانقاہوں اور خرقہ پوش اہل بدعت و ہوا کی بھی شہنشاہی جم گئی۔ مختصر یہ کہ بقول مولانا آزادؒ ملت و شریعت کے سیزدہ صد سالہ زندگی میں جو سخت سے سخت انقلابی زمانے گزرے ہیں یہ ان سب سے زیادہ سخت و مہلک زمانہ تھا اور ایک انقلابی برزخ تھا کہ اصلاح کی تمام پھیلی قوتیں ختم ہو چکی تھیں اور فساد کے تخم آئندہ کیلئے پھل پھول رہے تھے وقت نہ تو بڑے مدرسوں کا طالب تھا اور نہ بڑی بڑی خانقاہوں کا بلکہ صرف ایک ایسی زبان و قلم کیلئے بیقرار تھا جس میں عزیمت و دعوت کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو، سینکڑوں ہزاروں اعاظم وقت میں سے کسی کو بھی یہ منصب نہ ملا، صرف امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تھے جو زمانہ کو پلٹ دینے اور ملکوں و جماعتوں کو بدل دینے کے لئے اٹھے اور وقت کی ہر طلب و سوال کا جواب دیا اور . .

تاتاریوں کے مقابلہ میں حفظ ملت، حفظ بلاد کی ایک نئی کرن نئی زندگی تمام مصر و شام میں پیدا کر دی، علم میں ہی نہیں میدان جہاد و قتال میں ان کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ ائمہ اسلام نے آپ کے مجاہدات و شجاعت کی بڑی مدح لکھی ہے ایک صدی کے قتل و غارت نے سارے ملک میں سراسیمگی و بدحواسی پیدا کر دی تھی۔ ملک جرأت و ہمت سے کورا ہو چکا تھا لیکن امام ہمام کے آگے بڑھتے ہی وہی آباد یاں منزلوں آگے بڑھ کر تاتاریوں کا مقابلہ کرنے لگیں اور سورج کی روشنی سے زیادہ اس حقیقت پر ایمان لے آئیں کہ مسلمان اگرچہ مسلمان ہو تو اسکو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی، واقعات شاہد ہیں کہ شیخ الاسلام نے امت مسلمہ اور حکومت اسلامیہ کی خیر خواہی میں نہایت شجاعت سے تاتاریوں کا مقابلہ کیا۔ ارکین سلطنت کو غیرت دلائی اور عوام و خواص کو ترغیب دلا کر جہاد کا اجر عظیم سنا سنا کر آمادۂ جہاد کیا، اور بذات خود بنفس نفیس شریک جنگ ہو کر تاتاریوں کے فتنہ کو فرو کیا اور ان کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روک دیا آپ کے ان مہمات کی تفصیل کو مولانا محمد یوسف صاحب کوکن عمری نے اپنی کتاب "ابن تیمیہ رحمۃ اللہ" میں دی ہے۔ جو سات سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کے ساتھ ہی علوم عقائد کی تجدید و اصلاح کا عظیم الشان کام بھی اس اہتمام سے انجام دیا کہ بڑی بڑی جماعتوں سے بھی انصرام نہ پا سکا تھا فرقہ بندیوں اور بدعتی راہوں کے خلاف صدا، کتاب و سنت اس زور قوت کے ساتھ بلند کی کہ وقت کا کوئی شور و غل اس پر غالب نہ آسکا گو ہمیشہ دبانے کی بڑی بڑی کوششیں کی گئی ہیں مگر اس کی گونج رہ رہ کر اٹھتی اور دب دب کر ابھرتی رہی۔ الغرض امام کی تقریر و تحریر میں دن و رات ترک تقلید، ترک بدعات، ترک محدثات پر ہوتی رہی اس کا سبب اصحاب خانقاہ اور ارباب مدارس علماء و خواص و عوام

مخالف ہوگئے اور علماء فقراء مشائخ کے متفقہ کوشش سے آپ کا معاملہ حکام زمانہ اور سلاطین مصر وغیرہ تک پہونچ گیا آپ بار بار قید میں ڈالے گئے شیخ الاسلام اپنے اس عزیمت ودعوت اور ازالہ منکرات وامحار فتن وبدعات کے جرم میں بار بار مصائب میں مبتلا ہوئے ایک جگہ سے نکلے دوسری جگہ پھنسے وہاں سے چھوٹے تیسری جگہ بند ہوئے یہاں تک کہ آخر بار ایسے جیل خانہ میں ڈالے گئے جہاں سے مر کر ہی نکلے رحمۃ اللہ علیہ (تذکرہ ص۱۳۵ تا ص۱۴۰)

شجاعت

تحریر
شریدۃ المعوشرجی۔ الفرقان، الکویت

ترجمہ
عبدالمنان محمد شفیق السلفی
اجمل خان طبیہ کالج اے، ایم یو، علی گڑھ

شجاعت وجواں مردی تمام اقوام وملل اور جمیع ادیان و مذاہب میں ایک قابل تعریف خصلت اور پسندیدہ عادت رہی ہے لیکن اسلام کی نظر میں دیگر ادیان کی بہ نسبت اس کی خصوصی اہمیت ہے اور مسلمانوں کے نزدیک وہ ایک ناگزیر امر ہے کیوں کہ اسلام کی آمد کا مقصد دیگر تمام مذاہب اور اقوام پر چھا جانا ہے اسی لئے اسلام نے صدائے حق کو غالب کرنے، دشمنان اسلام سے قتال کرنے، عوام الناس میں عدل وانصاف عام کرنے، ظلم کے خلاف بغاوت کرنے اور بھلائی کا حکم دینے و برائی سے باز رکھنے کے لئے جد وجہد اور تگ ودو کرنے کا حکم دیا ہے اور مذکورہ تمام امور کی انجام دہی کے لئے شجاعت ایک بنیادی عنصر ہے

ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاوی (جلد ۲۸ ص ۲۶) میں تحریر فرماتے ہیں کہ افراد چار طرح کے ہوتے ہیں ان میں سب سے اعلیٰ وافضل وہ فرد ہے جو دین دار و بہادر ہے پھر وہ شخص جو دیندار ہے لیکن بہادر نہیں ہے پھر وہ شخص جو بہادر ہے لیکن دین دار نہیں ہے پھر وہ شخص جو دونوں سے محروم ہے۔

شجاعت کا معنیٰ ہے کہ دل خوف وہراس کے موقع پر متزلزل نہ ہو اور خطرات کے اوقات میں پیچھے نہ ہٹے بلکہ اٹل اور ثابت قدم رہے۔ اس کا ضد جبن (بزدلی ہے)۔

قرآن۔ شجاعت کا داعی اور جبن کا منکر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے اندر مسلمانوں کو شجاعت پر ابھارا ہے اور اسکی رغبت دلائی ہے و بزدلی کی مذمت کی ہے اور اس سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں ارشاد ہے :

یاایہاالذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الآخرۃ، فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل، الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا واللہ علی کل شئ قدیر (سورۃ توبۃ: آیت ۳۸، ۳۹)

اے مسلمانو! تمہیں آخر کیا ہوگیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں نکلو تو تم زمین کے لیے بوجھ بن جاتے ہو کیا تمہیں دنیاوی زندگی اخروی زندگی سے زیادہ محبوب ہے اگر معاملہ یہی ہے تو تم جان لو کہ اخروی زندگی کے بالمقابل دنیاوی زندگی چند دن کا سامان ہے۔ اگر تم جہاد کیلئے نہیں نکلتے تو اس کا دردناک عذاب تمہیں برداشت کرنا ہوگا اور تم کو فنا کر کے تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا فرمائے گا اور تم اللہ کو ذرا سا بھی ضرر پہونچانے پر قادر نہیں اور اللہ دنیا کی ہر شئی پر قادر ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۲۴۹ میں فرمایا:

بارہا ایسا ہوا ہے کہ مسلمانوں کی ایک قلیل تعداد نے مخالفین کی جم غفیر کو اللہ کی نصرت و مدد کے ذریعہ مغلوب کیا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

سورۂ انفال (آیت ۴۵، ۴۶) میں فرمایا:

اے اہل ایمان جب تمہارا مقابلہ دشمنان اسلام سے ہو تو چٹان کی طرح جمے رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ کامیابی نصیب ہو۔ اور اللہ واسکے رسول کے آگے سرتسلیم خم کردو اور آپس میں شروفساد مت برپا کرو ورنہ اس سے تم کمزور ہوجاوگے اور تمہارا شیرازہ منتشر ہوجائے گا اور صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ بہرحال صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سنت۔ شجاعت کا حامی جبن کا مخالف

نبی کریمؐ صحابہ کرام کو اچھے اخلاق وعادات کے اپنانے اور برتنے کی تاکید کرتے تھے اور اس مکارم اخلاق کی طرف رغبت دلاتے اور اسی طرف انکی رہنمائی بھی فرماتے تھے اور اس میں اصل شجاعت ہے۔ اور آپ صحابہ کرام اخلاق ذمیمہ و قاصفہ سے ڈراتے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے اور اس میں اصل جبن (بزدلی) ہے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث یہاں پیش کی جاتی ہیں

عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو دشمن سے ملاقات (مڈبھیڑ)

کی خواہش مت کرو بلکہ اللہ سے عافیت طلب کرو۔ لیکن اگر تمہارا آمنا سامنا ان سے ہو جائے تو پھر صبر سے کام لو اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے (بخاری ومسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس دنیا سے کوچ کر گیا اور اس نے اپنی پوری زندگی کے دوران کبھی جہاد میں شرکت نہیں کی یا جہاد کے متعلق اپنے نفس میں سوچا تک بھی نہیں تو اس کی موت نفاق پر ہوئی۔ مسلم۔

حضرت سلمان سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم کو فرماتے ہوتے سنا کہ راہ خدا میں ایک دن اور ایک رات سرحد کی نگرانی واسکی دیکھ بھال ایک مہینے کے روزے ونفلی نماز سے بڑھ کر ہے۔ اور اگر اسی حالت میں اس کو موت آجاتی ہے۔ . . . . . .

شجاعت کا حصول

شجاعت کے حصول کیلئے چند معاون اصولوں کا استحضار دل میں ہمیشہ ضروری ہے ان اصولوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا اصول۔ "موت کا ایک دن معین ہے"

موت ہر انسان پر برحق ہے موت ایک ناقابل تردید حقیقت ہے موت ایک اٹل فیصلہ ہے اور کسی فرد بشر کے اندر اس کے مقدم و موخر کرنے کی سکت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ ال عمران میں ارشاد فرماتا ہے۔

کل نفس ذائقه الموت ہر بشر کو موت کا کڑوا مزہ پینا ہے۔ آیت ۱۸۵

اور سورۂ انبیاء آیت ۳۴ میں ارشاد ہے

" ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو دنیا میں ہمیشہ ہمیش رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ کیا اگر آپ اس دار فانی سے کوچ کر جاتے ہیں تو وہ ہمیشہ یہاں رہنے والے ہیں" تو ہر انسان کو ضرور ایک دن مرنا ہے اور دنیا سے رخصت ہو جانا ہے

اللہ تعالیٰ سورۂ نساء آیت ۷۸ میں فرماتا ہے

اے انسانو خواہ تم کہیں بھی رہو بہر حال موت سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتے۔ خواہ تم مضبوط سے مضبوط قلعہ کے اندر اپنے آپ کو محصور ہی کیوں نہ کر لو۔

اور سورہ جمعہ آیت ۸ میں ہے

اے نبی آپ لوگوں کو تبلا دیجئے کہ موت جس سے تم چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہو ایک دن ضرور اس کا سامنا کر دگے۔
اسکی اجازت کے بغیر کسی بھی نفس پر موت طاری نہیں ہو سکتی کتاب کے اندر یہ بات ثبت کر دی گئی ہے۔ آل عمران ۱۴۵
سورہ منافقون آیت ۱۱ میں ہے
جب کسی نفس کا وقت موعود آجائے گا تو اللہ اسے ذرہ برابر بھی مہلت نہیں دے گا۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

دوسرا اصول: تدبیر و ترکیب دافع قدر نہیں

بعض افراد کا خیال ہے کہ ہمیشہ سلامتی کے راستہ کو اختیار کرنا اور دشمن کا سامنا و خطرات کا دفاع نہ کرنا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے اپنے آپ کو دور رکھنا اس جیسے اور اس طرح کی دیگر پریشانیوں و خطرات سے اپنے آپکو الگ رکھنا موت سے دور رہنا ہے جب کہ میرا خیال ہے اور بعض افراد کا کہنا ہے کہ ان چیزوں کی اتباع اور پیروی ہی خطرات سے سلامتی کا مشکلات سے رستگاری کا، تنگدستی و تنگدامانی اور مادی و معنوی نقصانات سے بچنے کا واحد طریقہ علاج ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اول الذکر محض وہم و گمان ہے اور اس کا امر واقع حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مشاہدات اس کی نفی کرتے ہیں اور دلائل شرعیہ اسکی تردید کرتے ہیں۔ لوگوں کی زندگیوں پر نظر رکھنے والا اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ مصائب و خطرات کا سامنا ہر کسی کو کرنا ہوتا ہے بہادر و بزدل، عامل و کاہل، مُقدِم و مدبِر ہر کسی کو مصائب سے نبرد آزما ہونا ہوتا ہے اس سلسلے کی بہت سی آیات کتاب اللہ میں وارد ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں ارشاد فرماتا ہے" قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ " الآیۃ ۵۱۔ اے نبیؐ آپ اعلان کر دیجئے کہ ہمیں صرف انہیں مصائب و آلام کو برداشت کرنا ہو گا جن کو اللہ نے ہمارے لئے مقدر کر دیا ہے ہمارا آقا و مولیٰ وہی ہے اور مسلمانوں کو صرف خدا کی ذات پر اعتماد کرنی چاہیئے" اور سورۂ حدید میں ہے:

" ما اصاب من مصيبة فى الارض ولا فى انفسكم الا فى كتاب من قبل ان نبرأها ان ذلك على الله يسير"

اس روئے زمین پر اور نہ تمہارے اوپر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے مگر اس کے نزول کے قبل ہی ہم اس کو کتاب میں درج کر لیتے ہیں اور یہ چیز اللہ کے لئے آسان ہے۔

اور جب کسی مسلمان کے دل کے اندر یہ یقین جاگزیں ہو جائے اور اسے اعتماد کامل ہو جائے کہ تدابیر و تراکیب تقدیر کو نہیں بدل سکتیں اور ذلت آمیز حضوری کی زندگی کا سبب ہے اور بہادری و مردانگی کے مواقع سے دوری سلامتی کا ضامن نہیں اور اللہ کی طرف سے عائد کردہ کسی مصیبت یا پریشانی کو ٹالنے والا نہیں تو ایسا شخص اوروں کی بنسبت

شجاعت کے زیادہ قریب اور عمل واقدام پر زیادہ قادر ہوگا۔

تیسرا اصول: یہ خیال کہ میری اور مدمقابل کی تکالیف ایک جیسی ہیں

بزدل انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کا دشمن اور حریف بھی اسی جیسا انسان ہے، دونوں کی تکلیف ایک جیسی، دونوں کی تشویش ہم مثل اور دونوں کی گھبراہٹ وخوف کی نوعیت ایک ہی ہے اور اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ ثابت قدمی اور لاجب ارادے ہی خطرات کے مواقع پر بہادری و بزدلی کے مابین مابہ الامتیاز ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورہ نساء میں ارشاد فرماتا ہے" وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ، وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا" الآیۃ:۱۰۴۔

" اور کسی قوم سے مقابلہ کے وقت ہمت نہ ہارو اگر تمہیں تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو انہیں بھی تمہارے مثل تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں اور جب کہ تم خدا سے ان چیزوں کی توقع رکھتے ہو جس کی توقع وہ نہیں رکھتے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے"۔ جب کسی مسلمان کے اندر یہ یقین راسخ ہوجاتا ہے اور اپنے دل و دماغ میں اس کو مستحضر رکھتا ہے تو انسانوں کا خوف اس کے دل سے زائل ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ شجاعت وثابت قدمی لے لیتی ہے خصوصاً جب اس کا اعتقاد ہو کہ اسے جو بھی تکلیف ہوگی اس پر خدا کی طرف سے اسے اجر دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے:

ما كان لاهل المدينة ومن حولهم من الاعراب ان يتخلفوا عن رسول الله ولا يرغبوا بانفسهم عن نفسه، ذلك بانهم لا يصيبهم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة في سبيل الله ولا يطؤن موطئا يغيظ الكفار ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح، ان الله لا يضيع اجر المحسنين

اہل مدینہ اور اس کے اطراف میں مقیم اعرابیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جانا اور اپنی نفس کو آپ کے نفس پر ترجیح دینا صحیح و درست نہیں تھا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے راستے میں ان کو بھوک پیاس لگتی اور تکالیف سہنے پڑتے اور ان گزرگاہوں سے گزرنا ہوتا جن سے کفار غیض وغضب میں آجاتے اور دشمن سے جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرتے ان سب کے بدلے میں ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا۔ بیشک اللہ احسان کرنیوالوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔ سورۂ توبہ آیت ۱۲۰

ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا مسلمان کو کوئی بیماری یا تکان

ہیں لاحق ہوتی ہے اور نہ ہی اسے کوئی حزن وغم ہوتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی تکلیف یا مشقت اٹھانی پڑتی ہے حتی کہ
نٹا جو اس کے جسم میں چبھتا ہے نگران سب کے بدلے میں اسکی خطاؤں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ متفق علیہ۔

چوتھا اصول: اللہ کی نصرت و تائید

اللہ تبارک وتعالی حق کا سرپرست ہے اور اس کی سرپرستی فرماتا ہے اور اپنے انصار و اعوان کی مدد کرتا ہے اور اپنے مخلص
صادق بندوں کی اپنے لشکروں کے ذریعہ تقویت پہونچاتا ہے۔ اس کے پاس لا محدود لشکریں وافواج ہیں جس کا
علم صرف اسی کو ہے۔ فرشتے، بارش، بجلیاں، زلزلے، آندھیاں غرضیکہ دنیا کی تمام چیزیں اسکی لشکر و افواج میں
داخل ہیں۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا سورۃ الفتح: الآیۃ ۷۔

آسمان وزمین کے تمام لشکر اللہ ہی کیلئے ہیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ سورہ فتح الآیۃ ۷
اللہ تعالی نے واضح کر دیا ہے کہ وہ اپنے مومن ومجاہد بندوں کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ ان کو اپنی مدد کے ذریعہ
آگے بڑھاتا ہے اور اپنی لشکروں کے ذریعہ قوت فراہم کرتا ہے۔ اور اپنی افواج کے ذریعہ تقویت دیتا ہے۔

سورہ انفال آیت ۱۷، ۱۸ میں ہے

اے مسلمانو! تم نے کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور اے نبی تو نے کنکریاں (ان کی آنکھوں
میں) نہیں پھینکی جب تو نے (اپنے ہاتھوں سے) کنکریاں پھینکیں بلکہ اللہ نے ان کنکریوں کو پھینکا یعنی ان کی آنکھوں
میں پہونچایا۔ تاکہ اللہ مومنین کو اچھی طرح آزمالے بیشک اللہ سننے والا وجاننے والا ہے۔ بات تو یہی ہے اور اللہ
کافرین کے مکر کو زائل کرنے والا ہے۔

اور اسی سورہ کی آیت ۱۲ میں ہے:۔

جب تمہارا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تو تم اہل ایمان کو تقویت پہونچاؤ
عنقریب میں کفار ومشرکین کے دلوں میں خوف وہراس پیدا کر دوں گا۔ ان کی گردنوں کو اڑادو اور انکی انگلیوں
کے اطراف کو قطع کر دو۔

سورہ حج میں ہے۔

اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اسکی مدد کرتے ہیں بیشک اللہ قوی وغالب ہے آیت ۴۰

جب کسی مسلمان کو اس کا علم اور یقین ہو جائے تو یہ چیز اس کے لئے عمل اور ثبات کا محرک بن سکتی ہے اور پھر کیوں نہ ہو وہ تو خدا کی قوت کا طالب اور اسکی نصرت کا خواہاں ہوتا ہے۔

پانچواں اور آخری اصول: دین و مال اور عزت کے دفاع میں مرنا شہادت ہے

سعید بن زید سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا قتل کیا گیا تو وہ شہید ہے اور جو اپنی خاطر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو وہ بھی شہید ہے اور جو دین کی خاطر قتل ہوا تو وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی خاطر مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ ترمذی، ابوداؤد

ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ؐ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ مجھے تبلائیے کہ اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال چھیننے کیلئے آتا ہے تو میں کیا کروں آپ نے فرمایا اپنا مال مت دو۔ اس نے کہا کہ آپ مجھے تبلائیے کہ اگر وہ مجھ سے قتال پر آمادہ ہو جائے تو کیا کروں آپ نے فرمایا تو بھی اس سے قتال کر۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے تبلائیے کہ اگر وہ مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو۔ آپ نے فرمایا تو شہادت کے درجہ کو پہونچ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے تبلائیے اگر میں اس کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ مسلم۔

ان مذکورہ بالا دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا مارا جائے تو وہ شہید ہے اور جو شخص حق کی مدافعت اور ظلم کی دفاع کرتے ہوئے موت سے جا لگے تو وہ بھی شہید ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن ان کی عزت واکرام شہداء کیلئے تیار کی گئی خصوصاً نعمتوں سے کرے گا جن کے اوصاف ومحاسن بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم ؐ نے ارشاد فرمایا جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی شخص دوبارہ دنیا کی طرف واپسی کی تمنا نہیں کرے گا البتہ شہید دنیا کی طرف واپسی کا آرزومند ہوگا تاکہ راہ خدا میں بارہا شہید ہو۔ چونکہ اپنے رب کے نزدیک شہید کی عزت وکرامت کو وہ دیکھ چکا ہے۔ بخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ؐ کی جان ہے۔ میری خواہش ہے کہ راہ خدا میں غزوہ کروں اور مجھے شہادت نصیب ہو۔ پھر غزوہ کروں پھر شہادت

نصیب ہو۔ پھر غزوہ کروں اور پھر شہادت نصیب ہو۔ بخاری ومسلم۔

جب مسلمان بندہ کو اس امر کا یقین ہو جائے تو دنیا اس کو حقیر اور کمتر معلوم ہوگی۔ اور اس کی حرص اسکے اندر سے ختم ہو جائے گی۔ اور آخرت کا شوق اس کے اندر نمو پائے گا۔ اور قربانی کا ولولہ اس کے اندر پیدا ہوگا اور اس سے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی جان اعلیٰ مقاصد میں قربان کرے گا۔

جوارِ رحمت میں

نہایت ہی رنج وغم کے ساتھ یہ خبر قلمبند کی جارہی ہے کہ مولانا عبدالحکیم صاحب مجاز اعظمی وکیل الجامعۃ العالیۃ العربیہ کی اہلیہ محترمہ ۳۰ ستمبر بروز سنیچر بوقت ۵ بجے شام ایک طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم وصلاۃ اور دیگر شرائع دینیہ کی پابند تھیں۔

ناظرین کرام سے مرحومہ کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

غم گسار

محفوظ الرحمٰن انصاری متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

جب ٹی وی کی خزاں آئی

عبدالسمیع محمد ہارون سلفی

انقلاب ـــــــ اس ویرانہ آباد نما دنیا کی ہر شئے مقتضائے فطرت بلکہ عین فطرت ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اس عالم آب و گل کے اندر معرض وجود میں آنے والی کوئی بھی مخلوق ایسی نہیں ہو جو تغیر و انقلاب کی زد میں نہ آتی ہو۔ انسانی مخلوق جو اس فانی کائنات کی اہم ترین مخلوق اور بلکہ دیگر مخلوقات جو اسکی تخلیق کا سبب ہے آخر اس آفاقی اور ابدی اصول سے کیوں کر اور کیسے منفک رہ سکتی ہے۔ اور تاریخ کا بیان ہے کہ انسانی معاشرہ تب کبھی (آج سے سینکڑوں اور ہزاروں سال) ایسا نہیں تھا جس دور اور حالات میں وہ اب ہے اور ہمیں یقین ہے کہ انسانی معاشرہ اس فطری اور آفاقی اصول کے تحت آئندہ بھی ہمیشہ رو بہ ارتقاء رہے گا۔" مگر آئندہ انسانی معاشرہ ارتقاء و عروج کی اور کتنی منزلیں طے کرے گا ہمیں تو اس کا علم نہیں ہے البتہ ہم اتنی بات ضرور جانتے ہیں کہ ہم جس دور سے گزر رہے ہیں کم از کم بظاہر یہ انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ دور تو ہے ہی۔ مگر ہم کو اس حقیقت کا بھی تلخ احساس ہے کہ ہم نے اس ارتقاء کے قربان گاہ (ALTOR) پر اپنی عظیم ترین متاع روحانیت کی بھینٹ چڑھا دی اور اسطرح ہمارا معاشرہ جو کبھی نشان بہار تھا اب ہر سو خزاں کا تسلط ہے۔"

تہذیب جدید اپنے جلو میں "چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر" کے مصداق جہاں بہت سی ایجادات لائی انہی میں ایک ٹیلی ویژن بھی ہے۔" بظاہر ٹیلی ویژن ایک مفید ترین اور نفع بخش ایجاد ہے جس سے انسانی معاشرہ کی فلاح و خوشحالی کے لئے بہت سے کام لئے جا سکتے ہیں اور لئے جا رہے ہیں مگر کیا آپ نے "کیچڑ کے اس خوبصورت کنول" کی تہ میں کبھی جھانک کر دیکھا ہے کہ اس کی تہ میں کتنی تعفن بیز گندگیاں ہیں

جن کی وجہ سے انسانی معاشرہ جہنم زار بن چکا ہے۔ اور آپ کو اگر یقین نہ ہو تو آیئے میں آپ کو بتلاؤں کہ کس طرح ٹی، وی کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ اخلاقی، مادی اور جسمانی ٹی۔ وی "کا نخچیر ہو کر رہ گیا ہے۔

چند سال قبل فرانس سے شائع شدہ ایک رپورٹ میں تبلایا گیا تھا کہ "ٹیلیویژن کی وجہ سے آنکھ کے مریضوں میں روز افزوں اضافہ ہوا ہے، چنانچہ آج آنکھ کی بینائی سے متاثر بیشتر فیصدی تعداد ان لوگوں کی ہے جو ٹی۔ وی بین ہوتے اور ٹی۔ وی کی روشنی سے اُن کی آنکھوں کی بینائیاں بہت حد تک متاثر ہو جاتی ہیں" رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ فرانس ہی کے ایک مجرب سائنسدان نے ٹی۔ وی کی روشنی کے بارے میں تحقیق کیا کہ یہ حقیقی معنوں میں کتنا اور کس حد تک ہمارے لئے مضر ہے۔ چنانچہ اس تجربہ کے لئے انہوں نے ایک حاملہ کتے کو ٹیلی ہوژن ٹی۔ وی کے سامنے بند کمرے میں رکھدیا پھر ایک گھنٹہ بعد اسکو نکال دیا چند دنوں بعد اس کتے سے پیدا ہونیوالی تمام کتیاں (BITC HES) اور کتے اندھے اور آنکھ کی بینائی سے متاثر تھے۔

بطور دلیل یہ ایک استشہاد ہے ورنہ اسطرح کے رپورٹ اور تحقیقات آئے دن اخبارات و رسائل میں آتے رہتے ہیں جس طرح آج سے چند ماہ قبل بہار کی راجدھانی پٹنہ کے اندر اس قسم کی تحقیق کی گئی تھی۔

اب سرسری طور پر اخلاقی اور روحانی مضرتوں کا بھی جائزہ لیجئے کہ اسکی وجہ سے ہمارے معاشرہ و ماحول (ERVERONMENT) میں کتنی برائیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ درحقیقت اس کی وجہ سے آج بہت سی اخلاقی وبا پھیل گئی ہے، آج ٹیلی ویژن کے لوگ اتنے فدا کارا ور سچے عاشق بن گئے ہیں کہ انہیں اپنی دینی اور دنیوی کسی ذمہ داری کا خیال و احساس کبھی باقی نہیں رہتا۔ نماز کا وقت ختم ہو جائے مگر ٹی۔ وی کے ایک سے ایک مخرب اخلاق فیچر (MORAL DESTRUCTIVE FEATURE) نہ چھوٹنے پائے، تجارت کا خسارہ بھلے ہو مگر کوئی سیریل باقی نہ رہ پائے۔ وقت جیسی متاع گراں مایہ ضائع ضرور ہو مگر ایک بھی پروگرام ضائع نہ ہونے پائے۔" الغرض بڑا سے بڑا اور معمولی سے معمولی خسارہ ہو مگر ٹی وی کے رنگا رنگ پروگرام کا چٹخارہ ضائع نہ ہونے پائے۔" اسطرح ٹی وی کی وجہ سے کام چوری، کاہلی و سستی، دینی و دنیوی ذمہ داریوں سے غفلت، وقت کی بربادی وغیرہ وغیرہ مختلف بیماریاں ہمارے معاشرہ کے اندر پیدا ہو گئی ہیں۔

یہ تو عام لوگوں کی خستہ حالی کا اجمالی جائزہ ہے لیکن اس سے بھی زیادہ خستہ حالت ہمارے معاشرہ کے ان نونہالوں کی ہے جو کل مستقبل میں کعبہ کے پاسبان اور ملک و جماعت کے محافظ بننے والے ہیں۔ اگر بنظر

غائر دیکھا جائے تو عام لوگوں سے زیادہ یہ (TEENAGE) ٹی وی سے متاثر نظر آرہے ہیں۔ اور وہ بڑوں سے بڑھ چڑھ کر ٹی۔ وی کے پروگراموں میں حصہ لیتے ہیں۔ بڑوں کو کبھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی ہو جاتا ہوگا اور ہو جاتا ہے مگر یہ طفل نادان کیا جانیں کہ ان پر قوم وملت کی کتنی ذمہ داریاں ہیں اور ان کے اصلاح وفساد پر آئندہ قوم وملت کے اصلاح وفساد کا انحصار (DEPENDENCE) ہے۔ ٹی۔ وی کے جنون میں نہ انہیں نماز کی فکر ہوتی ہے نہ پڑھنے لکھنے کی۔ نہ مدرسہ اور اسکول میں حاضری اور عدم حاضری کا ڈر ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے قیمتی اوقات کے ضائع ہونے کا خوف۔ مزید برآں یہ معصوم غنچے جو کسی بھی قسم کے اخلاقی آوارگی (LICENTIOUSNESS) ذہنی اور عملی طور پر محفوظ ہوتے ہیں جب وہ ٹی۔ وی پر پیش کئے جانے والے مخرب اخلاق اور جنس انگیز مناظر دیکھتے ہیں تو بے چارے ان معصوم دلوں میں بھی اخلاقی آوارگی اور جنسی بے راہ روی کی لطیف انگڑائیاں جنم لیتی ہیں اور دھیرے دھیرے یہ فاسد وخیالات تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں؛ اور پھر اس سے پیدا ہونے والے بھیانک نتائج اپنا کام کر جاتے ہیں۔

ٹی۔ وی سے جنم لینے والی یہ وہ برائیاں ہیں جن کا ہر کہ ومہ کو اعتراف ہے یا کم از کم وہ لوگ تو ضرور اس حقیقت کی تائید اور اعتراف کریں گے جن کے گھروں میں ٹی۔ وی ہے اور ان کا گھرانا ان برائیوں سے آلودہ ہے۔

ٹی۔ وی درحقیقت آج ہمارے معاشرہ کے لئے "ٹی۔ بی" بن چکا ہے جس راہ سے ہمارے اندر شعوری یا لاشعوری ظاہری یا باطنی طور پر بہت سی برائیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

چلتے چلتے میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ میں ٹی۔ وی کی افادیت کا منکر نہیں یا بحیثیت مجموعی تہذیب جدید کی لائی ہوئی ایجادات کا احسان فراموش نہیں۔ البتہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ آج ہم نے یقیناً ایک سے بڑھکر ایجادات کئے جو ہمارے لئے بلاشک وشبہ (بظاہر ہی سہی) مفید اور خوشحالی کا زینہ ہیں، مگر بعد میں ہماری اپنی ہی تحقیق وریسرچ بتلاتا ہے کہ ہمارے لئے وہی چیز بیشتر لحاظ سے مضرت رساں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ شاید ؎

مرے تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

شیعہ اور ان کے عقائد

ریاض احمد محمد سعید شعبہ تخصص فی الحدیث سال آخر جامعہ سلفیہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی ضیاء بار شعاعیں دور نبوی ہی میں پورے جزیرۂ عرب کو نور توحید سے منور کر چکی تھیں اور اس میں بود و باش اختیار کرنے والی تمام باطل طاقتیں تاب مقاومت نہ لا کر سپر انداز ہو چکی تھیں۔ پھر عہد صدیقی میں خارجی فتوحات کا سلسلہ چلا، اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اس قدر مستحکم و منظم ہو گیا کہ عہد فاروقی میں روم و فارس جیسی عظیم الشان و پرسطوت سلطنتیں اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ عہد عثمانی میں تو اس کی وسعت و گیرائی میں اس قدر اضافہ ہوا کہ آپ کے بہادر مجاہدین نے اسلامی جھنڈوں کو سرزمین قفقاز میں جا لہرایا جب کہ کسریٰ کے سپہ سالار وہاں پہونچنے کی امید بھی نہ کر سکتے تھے۔

خلافت علی منہاج النبوۃ کے اس مختصر مگر بابرکت و پرسطوت عہد میں مختلف ادیان و مذاہب اور اکناف ارض سے تعلق رکھنے والی نسل انسانی کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ بلا شبہ انکی اکثریت کے قبول اسلام کا باعث و محرک اسلام کی محیر العقول صداقت و حقانیت تھی۔ لیکن وہیں پر کچھ داخلین اسلام ایسے بھی تھے جن کے دل اسلامی روح سے ناآشنا اور ان کے دامن اخلاص سے یکسر خالی تھے۔ وہ ناپاک جذبہ اور نہایت گھناؤنا مقصد لیکر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

اس سلسلے میں عبداللہ بن سبا یہودی کا نام سرفہرست ہے۔ اس شخص نے عہد عثمانی میں اسلام کا اظہار کیا، اور اسی وقت سے اپنی موروثی خباثت اور مکر و فریب کو بروئے کار لا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش و زہر افشانی کا ایک لا متناہی سلسلہ خفیہ طور پر شروع کر دیا۔ اسی وقت شرپسندوں کی ایک جماعت اس کی ہمنوا و ہمخیال ہو گئی۔ ان کی جہد مسلسل کا نتیجہ شہادت عثمان کی شکل میں رونما ہوا۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد کشتی اسلام کے ناخدا حضرت علی قرار پائے چونکہ ان کے دور کے احوال وظروف اس تحریک کیلئے مدد ومعاون ثابت ہوئے اسلئے کہ اسکی جڑیں مضبوط تر ہوتی چلی گئیں، اوران کے دور خلافت کے اختتام کے مابعد اسکی دسیسہ کاریوں کے نتیجے میں مذہب شیعہ کی تاسیس عمل میں آئی جو ملت اسلامیہ کے صاف وشفاف چہرے پر آج تک بدنما داغ ہے۔

چونکہ اس مذہب کا اصل محرک وبانی اول اقوام وملل کی بدترین قوم یہود کا رکن رکین تھا اسلئے قوم یہود کی جملہ برائیاں وراثتاً ان کے یہاں منتقل ہوگئیں۔ مکر وفریب، کذب بیانی ودروغ گوئی، اور زناکاری وآبروریزی سب ان کے یہاں شریعت کے نام پر جاری وساری ہیں۔ عقائد کے باب میں انکے یہاں جو ضلالت وگمراہی اور انحراف وحیدہ پایا جاتا ہے اسکی نظیر دوسرے فرق اسلامیہ میں بمشکل تمام مل سکتی ہے۔ ان کی مستند کتابیں اس سلسلے میں کفریات وخرافات اور الحاد وبے دینی کا پلندہ ہیں۔

ذیل میں ہم ان کی مستند کتابوں سے اخذ کردہ ان کے بعض عقائد کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں جن سے عقائد کے باب میں ان کے انحراف اور بُعد عن الحق کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وہ صحابہ کرام جو متمسک بالکتاب والسنہ کی راہ پر گامزن، رفق واحتیاط کے خوگر، ایثار وقربانی کے جذبے سے سرشار، اور استقامت واعتدال کے اوصاف سے بہرہ ور تھے۔ اور خالق کائنات نے قرآن مقدس کے اندر ان سے اپنی رضامندی کا اظہار فرماکر اس تمغہ کی چمک کو دوبالا کیا، ان صحابہ کرام کے متعلق باستثناء چند تمام شیعی فرقے بشمول اثنا عشریہ وروافض کفر وارتداد کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اور شیخین (یعنی ابوبکر وعمر) کے متعلق امام باقر کی نسبت سے یہ روایت منقول ہے، وہ ایک سوال کے جواب میں گویا ہیں کہ "مجھ سے ان دونوں کے متعلق سوال مت کرو، ہم میں کا ہر مرنے والا ان دونوں پر ناراض ہی ہوتا ہے ان دونوں نے ہمارے حق کو چھینا، قسم خدا کی جتنی مصیبتیں ہم اہل بیت پر آئی ہیں ان کے موجد وبانی اول یہی دونوں ہیں، تو ان پر اللہ فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ (کتاب الروضہ للکلینی ص۱۱۵)

شریعت اسلامیہ کا وہ مصدر اول جس کا محافظ خود خالق کائنات ہے، نیز جس کے حفظ وجمع اور غیر قرآن کو قرآن سے الگ کرنے میں صحابہ کرام نے اتنی تگ ودو اور جانفشانی سے کام لیا ہے کہ ہمارے قلوب ان کی سپاس گزاری میں کتنی ہی مشغول رہیں، ہماری زبانیں ان کی حمد وستائش کتنی ہی رطب اللسان ہوں یہ حقیقت ہے

کہ ہم ان کے شکر واجب کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کر سکتے، اس قرآن مقدس کے سلسلے میں شیعہ حضرات کے عقیدے کو بھی ملاحظہ فرماتے چلئے۔

کلینی کی کتاب اصول الکافی کا شیعوں کے یہاں وہی درجہ ہے جو مسلمانوں کے یہاں صحیح بخاری کا ہے، اس کتاب کے اندر ابی عبداللہ علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ "جو قرآن جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے وہ سترہ ہزار آیتوں پر مشتمل تھا۔ (اصول الکافی ص۶۷)

اس کتاب کے شارح علامہ قزوینی قول مذکور کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "آیات قرآنیہ کے متعلق لوگوں کے دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس کے اندر ۶۲۶۵ اور دوسرے قول کے مطابق ۶۲۳۶ آیات ہیں۔ مذکورالصدر قول کی طرح ایک قول امام جعفر کی نسبت سے نقل کرنے کے بعد علامہ موصوف تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام جعفر کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جبریل پر نازل کردہ قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ موجودہ مصاحف میں موجود نہیں ہے (صافی شرح اصول الکافی المجلد الاخیر، باب فضل القرآن)

نعوذ باللہ، یہ ایسا حملہ ہے جس سے ذات خداوندی اور ذات صحابہ پر ایک ساتھ یلغار ہو رہا ہے۔

متعہ کے متعلق اثنا عشریہ کا مشہور عقیدہ ہے کہ نماز روزہ اور حج سے افضل ہے چنانچہ فن تفسیر کی مستند کتاب منہاج الصادقین" میں یہ روایت مذکور ہے کہ "ایک مرتبہ متعہ کرنے والا درجہ حسن کو پالے گا اور دو مرتبہ متعہ کرنے والا درجہ حسین کو، اسی طرح تین مرتبہ متعہ کرنے والا امیرالمومنین کے درجے کو اور چار مرتبہ متعہ کرنے والا (نعوذ باللہ) نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو پائے گا۔

واضح رہے کہ شیعوں کی کتاب میں اس بات کا ادنیٰ اشارہ تک نہیں ہے کہ آدمی نماز روزہ، اور حج سے نبوت ورسل کے درجے تک پہونچ سکتا ہے، اس بناء پر بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ متعہ ان کے یہاں نماز روزہ، حج سے افضل ہے۔

خانہ کعبہ کو جو تقدس وشرف حاصل ہے وہ تشنہ التفات نہیں۔ مگر اس مقدس ترین مقام کو انکی سفلہ پنی نے میدان کربلا سے فروتر کر دیا۔ انکی کتابوں میں موجودہ روایات ہمارے اس دعوے کی مکمل تصدیق کرتی ہیں لہذا انکی مستند کتاب حق الیقین کے اندر اس سلسلے میں کئی روائتیں ہیں جن کا خلاصہ ذیل کے سطور میں قارئین نذر کیا جارہا ہے۔

کعبہ کو اپنی بلندی کی وجہ سے کربلا پر فخر تھا تو اللہ تعالیٰ نے بطریق وحی اسکو اس حرکت سے روکا، اللہ تعالیٰ کیطرف سے عطا کردہ کربلا کے یہی وہ مخصوص فضائل ہیں جن کی وجہ سے اس کو کعبہ پر فضیلت و برتری حاصل ہوئی۔
(حق الیقین ص ۱۴۵ ا م)

یہ تھا ان کے باطل عقائد کا اجمالی ذکر۔ ان عقائد کی روشنی میں کفر و اسلام سے قطع نظر اس بات سے توبجال انکار نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کے عقائد کی حامل جماعت کو اظہار اسلام میں اخلاص کی میعت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسلئے ایسی جماعتوں اور تحریکوں سے مسلمانوں کو متنبہ ہونے اور ان کے لئے ہر ممکن صورت میں اپنے کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

قارئین محدث کی خدمت میں

ماہنامہ محدث ہر ماہ پابندی سے آپ کے نام ارسال کیا جاتا ہے اسلئے آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ پرچہ تاخیر سے پہونچنے یا نہ پہونچنے کے سلسلہ میں اولین فرصت میں ادارہ سے رجوع کریں۔

(ادارہ)

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مغربی

جمہوریت کی برکتیں؟

محمد اشرف جاوید

گذشتہ دنوں میں اپنے ایک نجی کام کے سلسلہ میں اسلام آباد گیا، تو وہاں ایک گیسٹ ہاؤس میں مجھے قیام کرنے کا موقع ملا۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد جب شب بسری کیلئے میں گیسٹ ہاؤس پہنچا تو وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا پانظر آیا۔ ڈرائینگ روم میں صوفوں اور کرسیوں کی بجائے گاؤ تکیئے لگا کر فرشی نشست کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ میرے استفسار پر گیسٹ کے ایک ملازم نے بتایا کہ اس جگہ پر رات بھر مجرا ہوگا اور اس مجرے کے لئے لاہور اور پنڈی کی مشہور طوائفیں "تشریف لا رہی ہیں۔ یہ مجرا کچھ سندھی وزیروں کے "اعزاز" میں کروایا جارہا تھا۔ رات کے تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ بجے ناچ گانے کا شور سن کر میں اپنے کمرے سے نکلا اور ڈرائینگ روم میں جا کر ایک اجنبی اور غیر متعلقہ شخص کی حیثیت سے میں بھی وہ تماشہ دیکھنے لگا جسے مجرا کہا جاتا ہے۔ ڈرائینگ روم میں پندرہ بیس آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر آدمی کے سامنے شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں گلاس تھے جن سے وہ آہستہ آہستہ چسکیوں کی صورت میں شراب پی رہے تھے اور ان کے سامنے چار نوجوان لڑکیاں ناچنے اور گانے میں مصروف تھیں۔ لڑکیوں کے تھرکتے ہوئے جسم، گھنگروؤں کی آواز اور شرابیوں کا طوائفوں پر نوٹ نچھاور کرنے کا مخصوص انداز، یہ سب کچھ تو شاید آپ نے فلموں میں دیکھا ہوگا اور یہاں بھی یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا مگر جس چیز نے میرے حواس گم کر دیئے میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا کر دیا، میری روح کو لرزا کر رکھ دیا وہ یہ تھی کہ اس محفل میں جو پندرہ بیس آدمی ناچنے اور گانے والی بازاری عورتوں کی دلفریب اداؤں، رقص اور شراب سے "لطف اندوز" ہونے کے لئے موجود تھے، ان میں صوبہ سندھ کے تین صوبائی وزیر، ایک وفاقی وزیر کا بھائی، ایک ایم این اے اور ایک ایم پی اے بھی شامل تھے۔ ممکن ہے ہمارے کچھ دانشوروں کے نزدیک ناچ گانے

اور شراب نوشی کی کسی محفل میں وزیروں اور ممبران قومی اسمبلی کا شریک ہونا کوئی افسوسناک امر نہ ہو، مگر میرے خیال میں یہ منظر سقوط مشرقی پاکستان کے سانحہ سے بھی زیادہ روح فرسا تھا۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کا المیہ، تو بہت بعد میں رونما ہوتا ہے، اس سے پہلے، قومی رہنماؤں کی عزت، حیا، احساس کردار، اخلاق، شرافت اور پاکیزہ جذبے ختم ہو جاتے ہیں اور ان کے نتیجہ میں ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔ میرے سامنے وزراء، اور ممبران قومی صوبائی اسمبلی شراب کے نشے میں، جسطرح مدہوش تھے، اپنے سامنے گانے والی لڑکیوں کے ساتھ، جس طرح کی اخلاق سوز حرکات میں وہ مصروف تھے۔ باری باری ان لڑکیوں کو اپنے پہلو میں بٹھا کر، جس انداز میں وہ ان کے ساتھ "پیار" کا اظہار کر رہے تھے۔ یہ سارے مناظر میں میری روح میں تلاطم پیدا کر رہے تھے۔ اس تکلیف دہ اور اذیت ناک صورت حال میں میرے لئے ایک اطمینان کا پہلو بھی تھا۔ مجھے میرے کچھ سوالات کے جواب میسر آ رہے تھے۔ مجھے اپنی قوم کی مشکلات، مصائب اور مسائل حل نہ ہو سکنے کی اصل وجہ آج معلوم ہو رہی تھی۔ جس قوم کی منتخب قیادت، نمائندہ قیادت، پسندیدہ قیادت کی سیرت و کردار کا یہ حال ہو، کہ وہ قوم کی بیٹیوں کو اپنے سامنے نچوانے اور پوری پوری رات شراب نوشی میں بسر کرے اس قوم کے مصائب کیوں کر حل ہو سکتے ہیں؟ سیرت و کردار کے اعتبار سے ایک مفلوج قیادت، تو اپنے ذاتی مسائل حل کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایسے افراد اور رہنما قوم کے مسائل کیا حل کریں؟ اس صورت حال کی ذمہ داری بحیثیت قوم ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ہمیں انتخاب کا حق حاصل ہوا تھا اور اگر ہم نے اپنے اس قیمتی حق کا استعمال ایسے افراد کی حمایت میں کیا ہے جنہیں ناچنے گانے پینے پلانے کی محفلوں سے فرصت ہی نہیں، تو پھر قوم کی خبر کون لے گا؟ ہمارے مسائل کا حل کون سوچے گا، اس ملک کی بہتری کیلئے کون کام کرے گا؟ عیش و عشرت کی یہ محفلیں صرف ایک رات تک محدود نہیں ہیں اور صرف وہ وزیر اور قومی صوبائی اسمبلی کے ارکان ہی، اسطرح کی محفلوں میں شریک نہیں ہوتے، جنہیں دیکھنے کا موقع مجھے میسر آیا۔ جانے اسلام آباد میں اور پاکستان کے دوسرے بڑے شہروں میں کہاں کہاں اس طرح کی محفلوں کا اہتمام ہوتا ہے اور جانے اربابِ اقتدار میں سے کون کون لوگ ان محفلوں کی رونق بنتے ہیں۔ اگر راہنمایان ملک و ملت میں سے اکثریت کا کردار و عمل یہی ہے تو پھر پاکستان کو ڈرگ مافیا سے نجات کون دلا سکتا ہے؟ سمگلنگ میں ملوث با اثر افراد کا قلع قمع کون کر سکتا ہے؟ رشوت اور بدعنوانی کا تدارک کیوں کر ہو سکتا ہے؟ پاکستان کو اسکے جلیل القدر بانی حضرت قائداعظمؒ کے نظریات سے کیوں کر ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ جس قوم پر عیاش، عیش پسند، رنگین مزاج، تماش بین اور سیرت و کردار سے عاری وزراء اور

ممبران قومی وصوبائی اسمبلی مسلط ہو جائیں، اس کی قسمت کا بدلنا ممکن نہیں۔

عیش وعشرت کی جس محفل کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، اس کی کچھ مزید تفصیلات میں یہاں جھلکیوں کی صورت میں پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔

پینے پلانے اور ناچ گانے کی یہ محفل تقریباً پوری رات جاری رہی۔ اس محفل میں سو سو، پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار روپے کے نوٹوں کی صورت میں تقریباً ایک لاکھ روپے کی رقم طوائفوں کی نذر کی گئی۔

ارکان قومی وصوبائی اسمبلی اور وزراء حضرات نوٹ ایک دوسرے کے گالوں پر رکھتے اور ناچنے والی لڑکیاں اپنے جسموں کے مختلف زاویے بناتے ہوئے آگے بڑھتیں اور تماش بینوں کے گالوں پر چٹکیاں بھرتے ہوئے نوٹوں پر ہاتھ صاف کرتی جاتیں۔

مجرے کے لئے طوائفوں کی دو پارٹیوں کو دعوت دی گئی تھی۔ ایک پارٹی جب ناچنے گانے کے عمل سے فارغ ہوگئی، تو اس طائفے میں شامل لڑکیاں وزراء صاحبان کے پہلوؤں میں آکر بیٹھ گئیں اور وہ ان کے ساتھ مول تول میں مصروف ہوگئے۔ کس لڑکی کا سودا کس وزیر یا ایم این اے کے ساتھ کتنی رقم میں طے پایا۔ اس کا اندازہ کرنا مجھ جیسے ناتجربہ کار اور اجنبی کے لئے ممکن نہ تھا۔

یہ "ممتاز" تماش بین بلانوش بھی اس درجہ کے ثابت ہوئے کہ پندرہ بیس افراد کی یہ ٹولی شراب کی پچیس تیس بوتلیں پی گئی۔

بہت زیادہ شراب پی جانے کی وجہ سے سندھ کا ایک وزیر اپنے حواس مختل کر بیٹھا اور اس نے ایک آدمی سے جھگڑا شروع کر دیا۔ وزیر صاحب اس شخص کو ماں بہن کی گالیاں دینے لگے اور جب وزیر کے منہ سے یہ نکلا کہ اس حرام زادے پنجابی نے میری توہین کی ہے۔ تو شراب میں بدمست تمام سندھیوں نے اس آدمی کو مارنا شروع کر دیا۔ زیادہ شراب پی کر تقریباً پاگل ہو جانے کے بعد سندھ کے وزراء، اور ارکان اسمبلی نے ایک پنجابی کو اپنے تشدد کا نشانہ بنا کر اپنی پنجاب دشمنی کا مظاہرہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ کیا۔

محفل کے اختتام پر، جو شرکاء لڑکیوں کے ساتھ مول تول کرنے میں کامیاب ہوگئے، وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہوگئے۔

محفل کا آخری منظر دیکھ کر میری روح چیخ اٹھی، اور آخری منظر یہ تھا کہ، جو صاحبان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے کر

گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہوئے۔ وہ جن کاروں پر سوار ہو کر نکلے، ان پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا تھا۔ عیاش وزراء کے
ہوں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پرچم کے تقدس کو یوں پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے
میں دیر تک اپنے کمرے میں جا کر روتا رہا۔

عیش و نشاط کی یہ محفل دوسری رات بھی سجائی گئی اور گیسٹ ہاؤس کے ایک ملازم کی زبانی مجھے یہ معلوم ہوا
یہ سلسلہ تین روز سے جاری ہے۔

اب میں چند باتیں براہ راست وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) کیا آپ (بے نظیر بھٹو صاحبہ) اپنی جماعت کے وفاقی و صوبائی وزارتوں، جیسے انتہائی اہم مناصب پر فائز افراد
ممبران قومی و صوبائی اسمبلی کے کردار و عمل اور سیرت و اخلاق سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔

(۲) کیا آپ نے اپنی جماعت کے ٹکٹ دیتے ہوئے تمام افراد کی عادات و اطوار اور سیرت و کردار کی چھان بین کی تھی؟

(۳) سیاست جیسے مقدس پیشہ میں کسی شخص کے اخلاق و اعمال اور حسن سیرت کو آپ کس حد تک اہمیت دیتی ہیں

(۴) ملک کی وزیراعظم بننے کے بعد کیا آپ اپنے ساتھی وزراء، اور ارکان اسمبلی کی خامیوں کوتاہیوں اور طرز عمل
جائزہ لیتی رہتی ہیں اور اپنے کسی ساتھی کے کردار و عمل میں کوئی کوتاہی یا کمی معلوم معلوم ہونے پر اس کا محاسبہ کرتی ہیں؟

(۵) اس مضمون میں میں نے ناچ گانے اور شراب نوشی کی، جن محفلوں کا ذکر کیا ہے، ان میں شامل پیپلز پارٹی
وزراء اور ارکان اسمبلی کے خلاف بے نظیر بھٹو کی صاحبہ اپنے ذرائع سے انکوائری کروائیں اور میں نے جن شرمناک
واقعات کی نقاب کشائی کی ہے وہ درست ثابت ہونے پر ان وزراء اور ارکان اسمبلی کے خلاف ملک کے قانون کے مطابق
کاروائی کی جائے، کیا بے نظیر بھٹو صاحبہ سے اسطرح کے اقدام کی توقع کی جا سکتی ہیں ؟

(۶) میں نے اپنے اس مضمون میں کسی وزیر اور رکن اسمبلی کا نام ظاہر نہیں کیا، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ میں ان لوگوں
سیاسی حریف نہیں ہوں اور ان کی کمزوریوں کی تشہیر کر کے مجھے کوئی سیاسی مفاد بھی حاصل نہیں کرنا ہے۔ میرے
پیش نظر صرف یہ بات ہے کہ بے نظیر بھٹو اپنی صفوں کو ایسے بدکردار اور بداعمال وزراء اور ارکان اسمبلی سے پاک کریں
نہ صرف ان کی جماعت کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں بلکہ ان کی پستی کردار ملک اور سیاست کے وجود پر بھی بدنما
داغ کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۷) میں آپ (بے نظیر بھٹو صاحبہ) کے متعلق حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ جس طرح کی محفلوں کا

میں نے ذکر کیا ہے، اس طرح کی کسی محفل کے متعلق آپ کو اس سے قبل کوئی معلومات فراہم نہ کی گئی ہوں گی اور نہ ہی آپکی صفوں میں شامل ایسے اکر دار وزراء اور ارکان اسمبلی کی سیاہ کاریوں کے بارے میں آپ کو کبھی کسی نے آگاہ کیا ہوگا۔ مجھے آپکے بارے میں یہ نیک گمان بھی ہے کہ اب اگر آپ کو یہ معلومات فراہم کی گئی ہیں، تو آپ ضرور ان بداعمال افراد کا محاسبہ کریں گی۔ مجھے یہ بھی توقع ہے کہ آپ اپنی انتظامیہ کو اپنے سیاسی مخالفین کے پیچھے لگانے کے بجائے اس سے یہ کام لیں گی کہ وہ آپ کی پارٹی میں شامل بُرے افراد کی نشاندہی کرے اور آپ ان بُرے افراد سے نجات حاصل کرکے اپنی پارٹی کے مفادات کا تحفظ کریں۔

(۸) میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر آپ بدراہ اور بدچلن افراد کے وجود سے اپنی پارٹی کی صفوں کو پاک نہ کرسکیں تو پھر آپ پاکستان کی تعمیر نو اور ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کے عظیم مقاصد میں کامیاب نہیں ہوں گی۔ اگر آپ اپنی پارٹی میں موجود چند افراد کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرتی ہیں، تو پھر آپ پوری قوم کے مسائل حل کرنے میں کیوں کر کامیاب ہوں گی۔ آپ کی جماعت کی طرف سے اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ اب اس ملک میں ڈرگ مافیا کا نام ونشان مٹادیا جائے گا، آپ اس مشن میں اسی صورت میں کامیاب ہوسکیں گی، جب آپ اس نیک کام کا آغاز اپنی پارٹی کے ایسے افراد کے خلاف کارروائی سے کریں گی، جو ڈرگ مافیا کے اہم ستون ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے اور کوئی بڑا دعویٰ کرنے کے بجائے ان ستونوں کو گرانا ضروری ہے، اگر آپ ایسا کرسکیں، تو پوری قوم کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہوں گی، آپ کے سیاسی مخالفین کی کوئی بھی کوشش آپ کے اقتدار کیلئے خطرے کا باعث نہ ہوگی

اس مضمون کے مطالعہ کے بعد بات سمجھ میں آئی کہ پیپلز پارٹی کے وزیر، مشیر، ممبر، کارکن، پڑھا لکھا اور بہرآن پرلے حدود آرڈیننس کے خلاف کیوں ہے ——— قصاص، زنا، چوری، شراب نوشی، جیسے جرائم کے انسداد کے لئے اسلام نے جو حدود (سزائیں) مقرر کی ہیں یہ لوگ ان کو کیوں وحشیانہ سزائیں اور انسانیت کے منافی کیوں بتاتے ہیں

اسلام کا دعویٰ ہے کہ ان ظالمانہ اور حیا سوز جرائم کے خاتمہ کے لئے جو سزائیں تجویز کی گئیں ۔ ان کا نفاذ چالیس دنوں کی باران رحمت سے کہیں زیادہ رحمت ہے، مگر یہ بے دین لوگ ان کے خلاف آوازیں کستے ہیں اور اسکے باوجود انکا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسلمان بھی ہیں ——— نظر بد دور! اگر یہ اسلامی حدود نافذ ہوجائیں تو ان کو پتہ ہے کہ اسکی زد میں سب سے پہلے کس طبقہ کے لوگ آئیں گے اسلئے شور بھی زیادہ مچا رہے ہیں۔ اور جھوم جھوم کر بڑے فلسفیانہ بیان بھی دے رہے ہیں، لیکن یاد رکھئے کہ دنیا اب انکو جان گئی ہے کہ جو لوگ اسلامی سزاؤں کے معاملہ میں دریدہ ذہنی کا اظہار کررہے ہیں وہ کون ہیں اور کیوں واویلا کررہے ہیں؟ بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش * من انداز قدت را می شناسم (بشکریہ اہلحدیث لاہور)

مقاصدِ کلام کا تنوع

اور مدح وہجو کے اسلوب

اللہ تعالیٰ نے نطق وگویائی کی صفت سے انسان کو نواز کر ایک بہت بڑی نعمت سے بہرور فرمایا ہے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس نعمت کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ انسان اسکی اہمیت کو سمجھے اور اس پر اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے زبان وبیان کی صفت کو نیک نیتی سے تعمیری مقاصد میں استعمال کرے۔

کلام کی تاثیر کے جو واقعات ہمارے سامنے ہیں ان پر غور کرنے سے اس صفت کی معنویت اور نتائج کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کلام الٰہی کی شان معجزانہ ہے، اور کلام نبوی بھی صفت اعجاز میں اسکے قریب ہے، اس لیے انکی تاثیر و بلاغت کا مکمل ادراک انسانی کا طاقت سے باہر ہے، لیکن انسانی کلام کی تاثیر اور متکلم کے تفنن وتلون کی مثالیں بھی بے شمار ہیں، جن پر غور کرنے سے صاحب ذوق انسان محظوظ یا متاثر ہوتا ہے۔

تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں انسانی کلام کی بلاغت وتاثیر کے انوکھے واقعات مذکور ہیں، چند جملوں سے کہیں کہیں بڑی بڑی خوں ریزیاں رک گئی ہیں، اور کہیں ایسے چند جملوں کے نتیجہ میں خون کی ندیاں بہہ گئی ہیں۔

ایک طرف باعزت وبااقبال لوگ بے وزن ہوئے ہیں، تو دوسری طرف بے وقعت افراد کو رتبہ کی بلندی اور دبدبہ ملا ہے۔

کلام کی اسی اہمیت وتاثیر کے پیش نظر اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس سلسلہ میں ایسے ضوابط کا پابند کیا ہے جن سے زبان وقلم دونوں کو نفس کے تزکیہ، افکار وخیالات کی پاکیزگی، سیرت وکردار کی تعمیر اور اعلیٰ دینی و تربیتی مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کیا جاسکے، اور تعبیر وبیان کی یہ امانت کسی منفی یا غیر صالح مقصد کیلئے مسخر

ہو کسی کی دل آزاری یا تنقیص و تجریح کے بجائے کلام کو ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کی تائید و اشاعت کیلئے استعمال کیا جائے جن کی اس دور میں فرد اور معاشرہ دونوں کو ضرورت ہے، دل میں اگر کسی کو ذلیل و رسوا کرنے کا داعیہ پیدا ہو تو اس جذبہ کو لگام دی جائے۔ اور قرآن کریم کی اس تعلیم پر غور کیا جائے کہ انسان کو اپنے استعمال کئے ہوئے ہر لفظ کا جواب دینا ہے، اور نادرست باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرنا ہے۔

جیساکہ مشاہدہ ہے انسان کبھی تعریف یا تنقیص کی کوئی بات کھل کر نہیں کہہ پاتا تو دوسری باتوں کے ضمن میں اپنے معاندانہ یا دوستانہ جذبہ کا اظہار کرتا ہے، اور اسلوب بیان میں ایسا کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس طرح کی کوشش بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے، لیکن اسلام نے اس دورنگی کو سختی سے روکا ہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوئی شخص تعریف یا تنقیص کے جذبہ کی تسکین کیلئے طنز و تعریض کی ایسی راہ اختیار کرے جس کا مدعا واضح نہ ہو اور دونوں طرح کے احتمال کی گنجائش موجود رہے، بلکہ اسکا مقصد یہ ہے کہ کلام کے ذریعہ تنقیص و دلآزاری سے انسان پرہیز کرے، اور اشارہ وکنایہ میں ایسی کوئی بات نہ کہے جسکا مقصد کسی کی حیثیت و شخصیت کی تجریح ہو، اگر ایسی کوئی بات کبھی ضروری ہو جائے تو پھر صراحت سے کام لیکر صاحب معاملہ کو مخاطب کرے، اور اسلامی آداب و تعلیمات کی رعایت کے ساتھ قیامت کے دن کی جوابدہی کو ذہن میں رکھتے ہوئے بھلے طور پر بات کرے، اور دل میں کینہ و حسد کا جو جذبہ موجزن ہے اس سے چھٹکارا پانیکی کوشش کرے۔

کلام میں اگر استعارہ وکنایہ سے کام لیا جائے تو اسکی وسعت و معنویت بہت بڑھ جاتی ہے، اور مدح و ہجو کے عجیب و غریب پہلو سامنے آتے ہیں، بدنیت انسان اسطرح کے اسلوب سے کام لیکر اپنی انا کو تسکین دیتا ہے اور صریح کلام کے اثرات و عواقب سے خود کو محفوظ سمجھتا ہے، لیکن حفاظت کا یہ مقصد اگر حاصل بھی ہو تو صرف دنیا تک محدود رہتا ہے آخرت میں اللہ کے یہاں ایسے حربے مفید نہ ہونگے۔

صالح مقصد کیلئے کنایہ کا استعمال محمود ہے، جس سے کسی کی تجریح کے بغیر اپنی ضرورت کی تکمیل ہو، اور مدح و دستائش کا کوئی مذموم پہلو نہ نکلے۔ اس طرح کے ایک کنایہ کی بہترین مثال ذیل کا قول ہے:

وقفت امرأة على قيس بن سعد بن عبادة فقالت: أشكو اليك قلة الجرذان قال ما احسن هذه الكناية! املأوا لها بيتها خبزا ولحما وسمنا (العقد الفريد ۱/۱۷۵)

یعنی قیس بن سعد کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ چوہوں کی کمی کا شکوہ لے کر آئی ہوں۔ قیس نے اس بات کو سنکر کہا کہ بڑا خوبصورت کنایہ ہے، اس کے گھر کو روٹی، گوشت اور گھی سے بھر دو۔

ایک ہی کلام مدح و ہجو کے دوگونہ مقاصد کو کس طرح ادا کرتا ہے اسکیلئے علم بدیع کی ایک صنعت "توجیہ"

پر غور مفید ہوگا جیسے "محتمل الضدین" بھی کہا جاتا ہے۔ اس صنعت میں کلام کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ وہ دو متضاد مفہوموں پر دلالت کرتا ہے، اس کی مثال میں عباسی دور شاعر بشار بن برد کا درج ذیل شعر پیش کیا جا سکتا ہے۔

خاط لی عمرٌو قباءً ، لیت عینیه سواءُ

دوگونہ مفہوم کی توضیح یہ ہے کہ بشار نے عمرو نامی ایک خیاط کو جسکی ایک آنکھ غائب تھی، ایک کپڑا سلنے کے لئے دیا، خیاط نے کہا کہ میں اسے اس طرح سلوں گا کہ پتہ نہیں چل سکے کہ قبا ہے یا کچھ اور، بشار نے کہا کہ میں مقابلے بارے میں ایسا شعر کہوں گا جو بیک وقت مدح و ہجو دونوں بن سکے۔ پھر اس نے مذکورہ شعر کہا۔

بشار نے خیاط کی دونوں آنکھوں کی یکسانیت کی تمنا کا اظہار کیا، جس کا ایک مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ خراب آنکھ اچھی ہو جائے اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اچھی آنکھ بھی خراب ہو جائے۔

اس صنعت کو جبر و استبداد اور خوف و ہراس کے ماحول میں زیادہ فروغ ملتا ہے، ادباء و شعراء اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں، لیکن انہیں اہلِ اقتدار کا ڈر بھی ہوتا ہے، اسلئے گرفت سے بچنے کی خاطر دو رخا کلام کہتے ہیں۔

کلام کی غیر معمولی قوت و تاثیر کو سمجھنے کیلئے ایک اور مثال پر غور کیجئے:

ابو الحسن محمد بن عمر انباری (متوفی ۳۸۰ھ) بغداد کا ایک نامور شاعر تھا، عز الدولة بختیار بن معز الدولہ کے وزیر ابو طاہر محمد بن محمد بن بقیۃ کو عضد الدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کے حکم سے قتل کرنے کے بعد سولی پر لٹکا دیا گیا تھا، یہ ۳۶۷ھ کا واقعہ ہے، ابو الحسن انباری نے ابن بقیۃ کا مرثیہ لکھا جسے بڑی شہرت حاصل ہوئی تذکرہ نگاروں نے اس مرثیہ کی مقبولیت کے سلسلہ لکھا ہے کہ جب عضد الدولہ نے جس کے حکم سے ابن بقیۃ کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا، اس مرثیہ کو سنا تو تمنا ظاہر کی کہ کاش مقتول کی جگہ میں سولی پر لٹکایا گیا ہوتا اور یہ مرثیہ میرے بارے میں کہا جاتا!

مذکورہ مرثیہ کا مطلع ہے:

علو فی الحیاة وفی الممات ، لحق انت احدى المعجزات

(تمہیں موت و زندگی دونوں میں بلندی حاصل ہوئی، بلا شبہ تم ایک معجزہ ہو)

سولی پر لٹکنے کے کریہہ منظر کو شاعر نے اپنے فنی کمال سے کس طرح حسین بنا دیا ہے، اس کا اندازہ ذیل کے شعر سے ہوتا ہے:

مددت یدیك نحوهم احتفاءً ، کمدها الیهم بالهبات

(سولی پر لٹکنے کے بعد تم نے لوگوں کی طرف دونوں ہاتھ یوں پھیلا رکھے ہیں جیسے زندگی میں ہاتھ بڑھا کر لوگوں کو عطیات دیتے تھے)

مرثیہ کی غیر معمولی مقبولیت کا سبب اس کی فنی خوبیاں اور تعبیر کا حسن و کمال ہے، جس نے ایک حاکم کو مجبور کیا کہ وہ مرثیہ کو اپنی جان پر ترجیح دے بیٹھا۔

براہ راست یا بالواسطہ اظہارِ مدعا کی مختلف مثالیں روزمرہ سامنے آتی رہتی ہیں، بہت سی باتیں انسان براہِ راست نہیں کہہ پاتا تو بالواسطہ کہتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح اس کا مدعا حاصل ہوگیا اور کسی طرح کی خرابی بھی لازم نہ آئی، لیکن یہ تصور کوتاہ نظری پر مبنی ہے، دورخے کلام کو اختیار کرنے کی خرابی بیحد سنگین ہوتی ہے، لیکن اسکی طرف انسان کی نظر نہیں جاتی، بلکہ صرف اپنے ناپسندیدہ جذبہ کی تسکین سے خوش ہو جاتا ہے۔

انسان خودستائی کیلئے یا کسی معزز آدمی کی تنقیص کیلئے بالواسطہ کلام اختیار کرتا ہے، مدح و ہجو کی یہ صنفیں بہت عام ہیں، اور بعض لوگوں کو اس میں مہارت حاصل ہے، کلام کو پھیلا کر وہ مرثیہ کو مدح، مدح کو ہجو اور مدح غیر کو خودستائی کا جامہ پہنا دیتے ہیں، الفاظ کی پہنائیوں میں اپنی مدح سرائی اور دوسروں کی کردارکشی کے جرم کو اس طرح چھپا دیتے ہیں کہ عام طور پر قاری اس حرکت کو سمجھ نہیں پاتا، اور انکے دامِ فریب کا شکار ہو جاتا ہے۔

کسی معروف شخصیت کی وفات پر لکھتے ہوئے انسان اسکی حیات و کارنامے کو تھوڑی دیر کے بعد علیحدہ کر دیتا ہے اور اشہب قلم کو اپنے محاسن و کمالات کی تعبیر و تشہیر کی جانب موڑ دیتا ہے، یوں کہ بات سے بات نکل آتی ہے اسلئے مذکورہ رویہ پر کسی کو نکیر کی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

وفیات پر لکھتے ہوئے مخالفین کی "خبر لینے" کا بھی اچھا موقع ہوتا ہے، مرنے والے کو نظرانداز کرکے انسان ان شخصیتوں سے الجھ جاتا ہے جن سے اسے پرخاش ہوتی ہے اور پھر ان کی عیب جوئی کا عمل شروع کر دیتا ہے اور یہ کام کنایہ کے انداز میں اس طرح کرتا ہے کہ عام لوگ اس کے مدعا کا ادراک ہی نہیں کر پاتے اور وہ اپنے جذبہ عداوت کو تسکین دے لیتا ہے۔

ذو وجہین مدح کے دائرہ میں ایسا کلام بھی آتا ہے جس کے ذریعہ انسان کسی عظیم دینی، علمی یا سیاسی شخصیت کی تعریف کرتا ہے۔ اسکے محاسنِ اعمال کو نمایاں کرتا ہے، اور اس کے کارناموں کو والہانہ انداز سے پیش کرتا ہے۔

بزرگوں کی عظمت عام طور پر لوگوں کے دلوں میں موجود ہوتی ہے، اسلئے اس طرح کے تذکروں سے انہیں تسلی

ملتی ہے، اور وہ ذوق وشوق سے اس نوعیت کا کلام پڑھتے اور اس سے محظوظ ہوتے ہیں مگر اس نوعیت کی مدح کا افسوسناک پہلو یہ ہوتا ہے کہ جن محاسن کی بنیاد پر بزرگوں کی تعریف کی جاتی ہے انہیں سے ہمارے دامن خالی ہوتے ہیں، اور کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مدح کا مذکورہ اسلوب اختیار کرنے والے افراد کسی بھی سطح پر اپنی زندگی میں ان خوبیوں کو پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جنکی بنا پر وہ بزرگوں کی ستائش کر رہے ہیں۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کے عملی خلا کو مذکورہ نوعیت کے مادحین اپنی قوتِ مدح و توصیف سے پر کرنا چاہتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جن شخصیتوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہے ان کی خوبیوں کو شمار کرکے ہم بھی اسی مقام و مرتبہ کو پالیں گے یا کم از کم انکی عظمت و تقدس کی شمیم جانفزا سے ہماری زندگی کے گوشے بھی معطر ہو جائیں گے بزرگوں کے محاسن کی تکرار و احیاء کی اہمیت اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ انسان ان محاسن پر عمل پیرا ہو، اور اپنی زندگی کو ان بزرگوں ہی کی طرح صاف ستھری اور تقویٰ شعار زندگی بنائے، ورنہ رسم و رواج کے طور پر کسی شخصیت کے محاسن کو دہرانا "پدرم سلطان بود" کے دائرہ میں آجائے گا جسے نہ تو اسلام مستحسن سمجھتا ہے، نہ ملت کے افراد کی نظر میں اسکی کوئی وقعت ہے۔

مقاصد کلام میں غرض مندانہ تفنن کی ایک ناخوشگوار مثال یہ ہے کہ مضمون نگار کسی علاقہ کی علمی و دینی تاریخ پیش کرتے ہوئے واقعات و حقائق کی صحیح تصویرکشی کرنے کے بجائے صرف ایسے واقعات اور ایسی شخصیات کو نمایاں کرے جن سے اسکا مقصد وابستہ ہو، اور اسی جگہ اور اسی دور کے ان واقعات اور شخصیات کو نظرانداز کردے جن سے اسکے تعلقات ہموار نہ ہوں یا جن سے لکھنے والے کو کسی خاص فائدہ کی توقع نہ ہو۔ اس نوعیت کی جانبداری سے کبھی کبھی مخلص کارکنوں کی کردارکشی کے ساتھ ساتھ تاریخ کا کوئی نہ کوئی اہم حصہ بری طرح مسخ ہو جاتا ہے، اور اگر کسی دوسرے لکھنے والے نے اسکا استدراک نہ کیا تو اتنا حصہ ہمیشہ کیلئے گوشۂ گمنامی میں چلا جاتا ہے، اسی لئے علمی یا سیاسی تاریخ نویس کی ذمہ داری ہر دور میں بے حد اہم مانی گئی ہے، مورخ کا فرض ہے کہ وہ واقعات کی بالکل صحیح اور غیر جانبدارانہ تصویر پیش کرے، خواہ اسکی تحریر سے اسکے بھی خواہوں کا سر اونچا ہو یا نیچا، تاریخ نویسی درحقیقت بہت بڑی امانت ہے، اسے بہر قیمت محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ جماعت اہل حدیث ہند کو اس سلسلہ میں بڑا تلخ تجربہ ہوا ہے، انگریزوں کے عہد اور اسکے بعد کی علمی و دینی تاریخ پیش کرتے ہوئے، مؤرخین نے انصاف و وسعت قلبی سے کام نہیں لیا ہے۔ کچھ دوسرے لکھنے والوں نے بھی مختلف اغراض و مقاصد کے تحت اس تاریخ کی ناقص ترجمانی کی ہے جس سے جماعت کے بہت سے کارنامے یا تو احاطۂ تحریر میں نہ آسکے، یا انکی غلط

ہماری نظر میں

"فتنوں کی سرزمین نجد یا عراق" تالیف۔ مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی۔ صفحات ۴۰۔ قیمت پانچ روپیے
ناشر شعبۂ نشر واشاعت المعہد الاسلامی السلفی، رچھا بریلی۔

حق و باطل کی کشمکش اور ان میں باہم تصادم کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی اسلام کی، اسی طرح ہر دور میں حق پرست اور ہوا پرست علماء بھی باہم متصادم رہے ہیں۔ کسی کا مقصد احقاق حق ہے تو کوئی شکم پروری اور تقلید جامع کی عینک چڑھائے ہوئے ماوجدنا علیہ آبائنا کی پوجا میں احقاق باطل کا وطیرہ اپنائے ہوئے ہے۔ اگرچہ اسے اپنے مدعا کے اثبات کے لئے نصوص شریعت میں کیسی ہی تاویل و تحریف کیوں نہ کرنی پڑے۔ اس قسم کی غلط تاویلات و تصحیفات میں سے بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ اعراق فتنوں اور زلزلوں کی سرزمین ہے۔ اس سے یہ مفہوم نکالا گیا کہ اس سے مراد نجد سے اٹھنے والی محمد بن عبدالوہاب کی تحریک ہے۔ اسی ضمن میں ہندوستان کی جماعت اہلِ حدیث کو بھی آڑے ہاتھوں لینے کی سعی لاحاصل کی گئی کیوں کہ حدیث میں نجد کا لفظ وارد ہے۔ زیرِ تعارف رسالہ میں اسی پیشین گوئی کی علمی و تحقیقی وضاحت ہے کہ حدیث شریف میں مذکور لفظ شرق یا نجد سے مراد عراق ہی ہے نہ کہ نجد یمن۔ فاضل مؤلف نے کمال دیانتداری سے کام لیتے ہوئے متعدد حدیثیں اس کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ نیز تاریخی شواہد بھی اسی کے مؤید ہیں کہ عراق فتنہ و فساد کی جگہ ہے اور وہاں سے متعدد فتنے رونما ہو چکے ہیں اور دجال بھی یہیں سے نکلے گا۔ اس ناحیہ سے بھی عراق ہی کے نام قرعہ فال نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ عراق کو حدیث و آثار اور اقوال ائمہ کی روشنی میں فتنہ و فساد کا گڑھ بتایا گیا ہے۔ شہادت امام حسین اس کی کھلی دلیل ہے۔ الغرض مؤلف موصوف نے متعدد طریقے سے اپنے مقصود کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور دلائل قاطعہ سے ثابت کیا کہ حدیث میں فتنے کی سرزمین سے مراد عراق ہے۔ یہ رسالہ صادقین موحدین کیجانب تھوپے جانیوالے الزامات کے ازالہ کا ایک مفید ذریعہ ثابت ہوگا (انشاء اللہ) اب یہ فیصلہ قارئین کرام کے انصاف پر ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے اور صاحب رسالہ نے کس کی حمایت کی ہے۔

سلوب میں متانت و سنجیدگی اور حقانیت کا پہلو نمایاں ہے۔

رسالہ کے شروع میں محترم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری حفظہ اللہ کے قلم سے ایک وقیع اور گرانقدر تقدیم بھی شامل ہے۔ جس سے رسالہ کی اہمیت وافادیت دوچند ہوگئی۔ ہمیں انتہائی خوشی ہے کہ شرک و بدعت کو مٹانے اور صداقت کی روشنی عام کرنے میں فضلائے جامعہ سلفیہ کا کردار قابل تحسین ہے وہ ہم سب کی جانب سے لائق مبارک باد ہیں۔ مؤلف کی یہ علمی کاوش اسی ادارہ کا فیضان ہے ع

" اللہ کرے زور بیاں اور ہو زیادہ " ؎

امتیاز احمد سلفی

عظیم ملی وجماعتی سانحہ

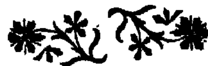
++++++++++++++++++++++

ملی وجماعتی حلقوں میں مولانا عبد الوحید سلفی رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر بڑے دکھ کے ساتھ سنی گئی، تنگی وقت کے باعث بہت سی جگہوں تک خبر نہ پہنچ سکی لیکن پھر بھی شہر اور اطراف وجوانب سے کثیر تعداد میں لوگ جنازہ وتدفین میں شریک ہوئے، موصوف کو دینی وملی کاموں سے غیر معمولی دل چسپی تھی، جامعہ سلفیہ کے آغاز ہی سے انہوں نے نظامت کی ذمہ داری سنبھالی اور اخیر عمر تک اسے بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، اسی کے ساتھ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی امارت کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ممبر اور متعدد دینی تعلیمی اداروں کے سرپرست تھے۔ عظیم تجارتی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے اداروں کی رہنمائی اور تعلیمی وانتظامی مسائل کو خیر وخوبی سے حل کرنا مرحوم کی اہلیت وحوصلہ کی دلیل ہے۔ بیرون ہند کے سفر اور متعدد کانفرنسوں میں شرکت کے باعث آپ کے ذہن میں بڑی وسعت اور فیصلوں میں گہرائی تھی پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بھی آپ اپنی فراست وتحمل سے خاطر خواہ طور پر حل کرلیتے تھے۔ صوم وصلوۃ کی پابندی اور تقوی شعاری آپ کا امتیاز تھا، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی اور حق گوئی کے پابند تھے۔ جامعہ سلفیہ کو اپنی خدا داد صلاحیتوں سے پروان چڑھا کر ایک عظیم تعلیمی ادارہ کی شکل دینے میں موصوف کی خدمات اور فکر وتدبر کا بڑا دخل ہے۔

مرحوم کو ملی مسائل سے گہرا تعلق تھا لیکن صحت کی مجبوری کے باعث اجتماعات میں پابندی سے شریک نہیں ہو پاتے تھے ، پھر بھی آپ کے مشورے اور تجاویز سے ان مسائل کو سلجھانے میں بڑی مدد ملتی تھی ، افسوس ہے کہ آپ کی موت سے دینی وتعلیمی میدان میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ، اور ملت وجماعت اپنے ایک مخلص سے محروم ہوگئی یہ امر مزید قلق کا باعث ہے کہ موصوف کی وفات ایسے وقت میں ہوئی جبکہ جامعہ سلفیہ میں ششماہی امتحان کی تعطیل اور شہر کی فضا کی ناہمواری سے مدرسین وطلبہ کی اکثریت غیرحاضر تھی یہ چیز ان حضرات کیلئے بیحد تکلیف کا سبب ہوگی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ آپ کی مغفرت فرمائے ، پسماندگاں کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جانشینوں کو توفیق دے کہ وہ ملت وجماعت کی خدمت حسن وخوبی سے انجام دیتے رہیں ۔

(دفتر جامعہ سلفیہ بنارس)



ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ نمبر ۱۲ | دسمبر ۱۹۸۹ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ | جلد نمبر ۹

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپئے فی پرچہ تین روپئے



اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔

اس شمارہ میں

کاتب شمس غفاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

شیطان کے شر سے بچنے کے ذرائع

وإما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ با للہ إنه هو السمیع العلیم

شیطان انسان کا ازلی اور کھلم کھلا دشمن ہے، اسے انسان کو گمراہ کرنے کی ڈھیل اللہ رب العزت نے اسکی طلب پر دے دی ہے، ساتھ ہی اللہ رب العزت نے انس وجن کی ہدایت ورہنمائی کے لئے بڑی واضح تعلیمات بھی بتائی ہیں، حافظ ابن قیم نے تفسیر سورۂ معوذتین میں کتاب وسنت صحیحہ سے ثابت دس ایسے امور کا تذکرہ فرمایا ہے جو انسان کو شیطان کی چالوں اور اسکے مکروفریب سے بچنے میں ممد ومعاون ہیں، بلکہ ان کو نسخۂ کیمیا کی حیثیت حاصل ہے، ذیل میں مختصراً اسکو افادۂ عام کیلئے پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) شیطان کے شر سے اللہ رب العزت کی پناہ حاصل کرنے کی دعا جیسا کہ مذکورہ آیت میں ہے۔

(۲) سورۂ فلق اور سورۃ والناس کی تلاوت، شیطان کے شر اور وسوسے سے اللہ کی پناہ وحفاظت میں یہ دونوں سورتیں بہت مؤثر ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کی پناہ طلب کرنے والوں نے ان دونوں سورتوں کی طرح کسی اور کلام سے اللہ کی پناہ حاصل نہیں کی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت ہر رات کو انہیں پڑھتے تھے، اور نماز کے بعد ان دونوں سورتوں کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ معوذتین کو سورۂ اخلاص کے ساتھ صبح وشام تین تین دفعہ جس نے پڑھا یہ سورتیں اسکے لئے ہر شے سے کفایت کریں گی۔

(۳) آیۃ الکرسی کا پڑھنا جیسا کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ خود شیطان نے اپنے شر سے دفعیہ کیلئے آپ کو یہ دعا سکھائی اور اللہ کے رسول نے اسکی تصدیق کی، "صدقك وهو کذوب" ذاك الشیطان یعنی اس نے صدق بیانی سے کام لیا

حالاں کہ وہ جھوٹا ہے وہ شیطان تھا۔

(۴) سورۂ بقرہ کی تلاوت: حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت ہوتی رہے اس میں شیطان داخل نہ ہوگا۔

(۵) سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی تلاوت: حضرت ابومسعود انصاری سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آئتیں رات میں پڑھی تو یہ اسکے لئے کافی ہیں

ایک دوسری حدیث میں ان آیتوں کی فضیلت آئی ہے اور اس میں یہ ہے کہ جس گھر میں یہ دونوں آئتیں تین رات پڑھی جائیں اس میں شیطان نہیں ٹھہر سکتا۔

(۶) سورہ حم المومن کی شروع کی آیت تا (الیہ المصیر) اور اسکے ساتھ آیت الکرسی ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے حم المومن" الیہ المصیر" تک آیت الکرسی کے ساتھ تلاوت صبح کے وقت کی تو وہ شام تک اسکے لئے محافظ ہوں گی، اور جس نے انہیں شام کو پڑھا صبح تک محفوظ رہا۔

(۷) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ سو مرتبہ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جس نے ایک دن میں مذکورہ دعا سو بار پڑھی تو اس کو دس گردن آزاد کرانے کے برابر اجر ملے گا اور اس کی سو نیکیاں لکھی گئیں اور سو خطائیں معاف ہوئیں، اور اس دن شام تک کیلئے اسکو شیطان سے محفوظ رکھیں گی، اس دعا سے زیادہ جس نے عمل کیا اسکے علاوہ کوئی اس سے افضل کام نہیں کیا۔

(۸) اور سب سے نفع بخش نسخہ یہ ہے کہ کثرت سے اللہ کو یاد کیا جائے اسلئے کہ ترمذی میں حارث اشعری کی لمبی حدیث میں آیا ہے کہ انسان اپنے کو شیطان کے شر سے اللہ کی یاد کے بغیر محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

(۹) انسان کا با وضو رہنا، اور نماز پڑھنا، یہ ایک مجرب کارگر نسخہ ہے۔

(۱۰) ضرورت سے زیادہ ادھر ادھر دیکھنے، گفتگو کرنے، کھانے پینے اور لوگوں سے ملنے جلنے سے پرہیز کرنا، اسلئے کہ انہیں دروازوں سے شیطان انسان کے دل و دماغ اور اعضاء و جوارح کو متاثر کرتا ہے۔

مذکورہ دس اسباب و ذرائع کو ذہن میں رکھ کر اور ان نسخوں کو استعمال کر کے ان شاء اللہ العزیز مسلمان اپنے کو ہر طرح کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

آج اس ضعف الاعتقادی کے دور میں کتاب و سنت کی واضح تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی سخت ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کے فتن و شرور سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

درس حدیث

اسبال ازار

لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطرا (متفق علیہ)

اللہ رب العزت قیامت کے دن اس شخص کی طرف نگاہ نہیں کرے گا جو اپنی لنگی کو تکبر اور گھمنڈ میں گھسیٹتا پھرے۔ اسبال ازار تکبر اور گھمنڈ کی علامت ہے، اسی لئے یہ متکبرین کا بڑا پرانا شعار رہا ہے اہل ایمان کو کبر و نخوت سے دور رہ کر تواضع و فروتنی کی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اسلئے متعدد احادیث شریفہ میں اسبال ازار پر شدید وعید اور عذاب جہنم کی دھمکی وارد ہوئی ہے، یہاں پر ہم چند احادیث کا ترجمہ نقل کرتے ہیں تاکہ اس فعل شنیع کے سلسلے میں اسلام کی تعلیم ہمارے سامنے آجائے۔

۱۔ ابو جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: اپنی لنگی کو آدھی پنڈلی تک اٹھائے رکھو، اگر ایسا نہ کر سکو تو اسے ٹخنے تک کر لو اور اسبال ازار سے بچو کیوں کہ یہ کبر ہے اور اللہ تعالیٰ کبر کو ناپسند کرتا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی وصححہ، والحاکم وصححہ)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: دونوں ٹخنوں سے نیچے کا لنگی کا حصہ جہنم میں ہوگا۔ (صحیح بخاری)

۳۔ حضرت ابوہریرہ کی ایک دوسری متفق علیہ حدیث میں ہے کہ: اللہ رب العزت قیامت کے روز کبر و نخوت سے لنگی گھسیٹنے والے آدمی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے گا۔

۴۔ تین آدمیوں سے اللہ رب العزت قیامت کے روز نہ ہمکلام ہوگا اور نہ انکی طرف دیکھے گا بلکہ وہ دردناک عذاب کے سزاوار ہوں گے، ایک ٹخنے سے نیچے لباس رکھنے والا (مسبل ازار) دوسرا بھلائی کر کے احسان جتلانیوالا تیسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال تجارت کھپانے والا۔

۵۔ ایک آدمی اپنے لباس میں ملبوس، اور اپنے جی میں کبر و نخوت لئے چل رہا تھا اور اپنے بال سنوارے ہوئے

تھا کہ زمین میں اللہ نے اسے دھنسا دیا اور تا قیامت وہ اس میں دھنستا جائے گا

۶۔ جس شخص نے اپنے لباس کو نخوت و تکبر سے گھسیٹا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسکی طرف نہیں دیکھے گا۔

۷۔ اسبال لنگی (و پاجامہ) اور پگڑی میں ہے جس نے اس میں سے کسی کا بھی متکبرانہ اسبال کیا اللہ تعالے اسے قیامت کے روز نہیں دیکھے گا۔

۸۔ مومن کی لنگی (لباس) اسکی آدھی پنڈلی تک ہے، اور پنڈلی اور ٹخنے کے مابین بھی ہو تو کوئی ہرج نہیں، ٹخنے سے نیچے جو لباس ہوگا وہ جہنم رسید ہوگا۔

اسبال سے ممانعت کے سلسلہ میں احادیث میں ازار (یعنی لنگی) اور عمامہ (پگڑی) کے الفاظ آتے ہیں، سراویل پاجامہ، پینٹ، لمبا کرتا، جبہ، قباء وغیرہ تمام انواع واقسام کے لباس اس ممانعت میں داخل ہوں گے۔

اسلئے تمام مسلمانوں کو اس منکر سے پرہیز کرنا چاہیئے، اور یہ حقیقت مد نظر رکھنی چاہیئے کہ اسبال ازار چاہے جذبہ کبر و نخوت سے ہو اور چاہے بطور عادت، نماز کے اندر اور نماز کے باہر یہ ممنوع اور حرام ہے۔

صرف عورتوں کو کبر و نخوت کے جذبے سے پاک ستر کے چھپانے کیلئے ٹخنے سے نیچے ایک بالشت تک کپڑا لٹکانے کی اجازت دی گئی ہے

مخصوص حالات میں مخصوص لوگوں کے احکام عام لوگوں کے احکام سے ہٹ کر بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس پر قیاس کرنا اور اسکو قابل تقلید سمجھنا جائز نہ ہوگا، جیسے کوئی نحیف و کمزور آدمی جس کے بدن پر کپڑا ٹکے نہ، بلکہ سرک سرک جائے، تو اسکے لئے بے خیالی میں ایسا ہونا کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اسکو اس کا خیال کرنا چاہیئے۔ یا کوئی ایسا آدمی جو کسی زخم یا مرض کی بنا پر ٹخنے سے نیچے کپڑا استعمال کرنے پر مجبور ہو تو ضرورت تک اسکے لئے یہ جائز ہوگا۔

ضروری گزارش

جامعہ سلفیہ بنارس کے جملہ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ جامعہ کو اپنے موجودہ پتہ سے مطلع کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ ان سے مراسلت کی ضرورت ہے۔

(دفتر جامعہ سلفیہ)

افتتاحیہ

کل ہند شبانِ اہلِ حدیث کنونشن

۲۸، ۲۹ صفر ۱۴۱۰ھ، ۳۰ ستمبر، یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء کی تاریخوں میں دہلی کے معروف سپرو ہاؤس ہال میں شبان اہل حدیث کا آل انڈیا کنونشن منعقد ہوا، یہ اہلِ حدیث کا پہلا شبان کنونشن تھا جو مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کی زیر سرپرستی کل ہند پیمانہ پر منعقد ہوا، معلوم ہوا ہے کہ جمعیۃ کے ذمہ داران کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ سے شبانِ اہلِ حدیث کے نمائندے ہزاروں کی تعداد میں اکٹھا ہوئے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ دو کروڑ نفوس پر مشتمل سلفیان ہند کے یہ جواں سال جیالے مسلک عمل بالکتاب والسنۃ کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے باضابطہ طور پر میدان عمل میں اترنے کے لئے آمادہ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جوانان اہل حدیث اپنا ایک امتیاز و تشخص رکھتے ہیں وہ تمام اہل اسلام میں وہی مقام رکھتے ہیں جو اہل اسلام کو دیگر اقوام وملل کے مقابل حاصل ہے، وہ ہر نسبت اور ہر اطاعت سے پہلے ابناء الاسلام ہیں وہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید کے بیٹے ہیں، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے بڑھ کر اور اس سے کمتر انہیں کوئی چیز مطلوب نہیں، ان کا یقین کامل ہے کہ انسانیت کی تکمیل وعروج اور اقوام عالم کے مابین صلح وامن کا خواب اسوۂ رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا، بعثت رسول عربی ہی حقیقی حریت کا آفتاب تھا، پندرہ صدیوں میں دنیا کی بہت سی قومیں اس سے متأثر ہو کر تمدن اور اجتماعیت کے بلند مقام پر پہونچ گئیں، امت مسلمہ جس نے اس پیغام کو قبول کیا تھا شخصیت پرستی کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں سمٹ کر رہ گئی اور رسالت محمدی کی آفاقیت اسکی نظروں سے اوجھل ہو گئی، مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں بجا ارشاد فرمایا ہے:

" ہم نظریۂ عمل بالکتاب والسنہ کے داعی ہیں، اور آج زمانہ کو اسی دعوت کی تلاش ہے کیونکہ دیگر اصول ومقاصد زمانہ کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، آج کا ذہن شخصیت پرستی وجانبداری کا قائل نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جن عقائد واحکام کی تعلیم دی تھی وہی اس کے سامنے پیش کئے جائیں اور انہیں کی سب کو دعوت دی جائے۔"

انسان کی عمر میں شباب کا مرحلہ امتیازی اوصاف کا حامل ہوتا ہے، کتنی مخفی قوتیں جو فطرت الٰہی نے ودیعت کی ہیں عمل کا روپ اختیار کرنے کے لئے بیتاب ہوتی ہیں، جسم کے تمام ظاہری وباطنی قویٰ تازہ دم ہوتے ہیں، راحت وسکون سے گھبراہٹ اور جہد مسلسل میں لذت ملتی ہے۔ خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ اپنے جسم وجان اور روح وایمان کے خزانے دوسروں میں لٹا دیں، یہ قوتیں جب علم کے لئے بیتاب ہوتی ہیں تو حبرالامت اور امیرالمومنین فی الحدیث جیسی شخصیات کے روپ میں نمایاں ہوتی ہیں اور جب سب کچھ لٹا دینے کیلئے بیقرار ہوتی ہیں تو غازیان بدر، شیخ الاسلام الحرانی، شہیدان بالاکوٹ وسرحد اور شیخ الاسلام امرتسری جیسی شخصیتوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں، ان قوتوں کو روبعمل آنے کے مواقع جب فراہم نہیں ہوتے تو مختلف نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر تنگنائیوں میں فنا ہو جاتی ہیں یا آڑے ترچھے راستوں پر چل کر زندگی کے ایام گذار دیتی ہیں عمر کے اس مرحلہ میں چونکہ زندگی کے بہت سے نشیب وفراز سے واسطہ نہیں پڑتا یا زندگی کے مختلف مراحل کے سرد وگرم چکھنے کے تجربات نہیں ہوتے اسلئے تجربہ کار بزرگوں اور قائدوں کی ضرورت لازمی ہوتی ہے جنکی مشفقانہ رہنمائیوں سے جہد وعمل کے مشاکل اور نشیب وفراز کے عقدے حل کئے جائیں۔

نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کا آفتاب انسانی معاشرت کی جن تاریکیوں سے نبرد آزما ہو کر افق عالم پر نمودار ہوا تھا وہ اسوہ اور وہ حالات ہمارے سامنے ہیں، اسی آفتاب سے کسب منور کر کے ہم ظلمات زندگی کی وادیاں تاقیامت قطع کرتے رہیں گے، ہندوستان میں جماعت اہل حدیث نے سلف صالحین کے طریق دعوت وعمل کو حرز جاں بنا کر اس کے گوشہ گوشہ میں قال اللہ قال الرسول کے غلغلے بلند کئے بلکہ جہاد کے عظیم الشان کارناموں کے ذریعہ اسلام کی حقیقی روح اس سرزمین کی آب وہوا میں تحلیل کر دی، دعوت وعمل اور جہاد کے اس مقدس قافلہ میں شیخ وشاب ساتھ ساتھ تھے اور اسلام کو یہی مطلوب بھی ہے، لیکن حالات کے تقاضوں کی بناء پر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے موجودہ بزرگ قائدین نے یہ تجویز فرمایا کہ جوانوں کی اصلاحی ودعوتی تربیت کیلئے ان کی ایک مستقل تنظیم "جمعیۃ شبان اہل حدیث ہند" کا قائم ہونا مفید رہے گا محترم قائم مقام ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ نے استقبالیہ کلمات میں فرمایا:

"عمائدین جمعیۃ کا یہ فیصلہ وقت کی ایک اہم ترین ضرورت کی تکمیل ہے، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے نوجوانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوگی، ان کی دینی و اخلاقی زندگی میں جلا پیدا ہوگی، نظم سے وابستگی ان میں چستی و توانائی لائے گی، اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر وہ تحریک کے دست و بازو بن سکیں گے، آج جماعت کو ان شاہین صفت نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ہر مفاد سے بلند ہوکر خالص اسلام کے لئے کام کریں اور ہر تعصب سے آزاد ہوں۔"

اس سلسلہ میں محترم امیر جمعیۃ ہند کے حکیمانہ مشورے مشعلِ راہ ہیں، فرماتے ہیں:

"اس طرح کا کوئی بڑا اقدام کرتے ہوئے ہمیں اپنے بنیادی اصول، مقاصد، جماعتی روایات و مزاج اور بزرگوں کے طریقہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، ہماری دعوت اور ہمارے مقاصد میں اصالت ہے اسلئے ہمارے اقدامات میں بھی اصالت کی ضرورت ہے، دیگر ذیلی تنظیموں کے عروج و زوال کے احوال اور آثار و عواقب کو نظر میں رکھنا چاہیئے، جماعتی نظم و ضبط اور اتحاد و تعاون کی روح کا تحفظ بہر قیمت کرنا چاہیئے، ہم اللہ کے دین کی اشاعت، جماعت کی ترقی اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے نیک نیتی سے یہ تنظیم قائم کر رہے ہیں اسلئے کسی موڑ پر اگر یہ محسوس ہو کہ اس تنظیم سے فائدہ کے بجائے نقصان یا اصلاح کے بجائے خرابی پیدا ہو رہی ہے تو پوری فراخ دلی کے ساتھ اس سے دست بردار ہو جانا چاہیئے اور کشمکش کا ایسا ماحول نہیں پیدا کرنا چاہیئے جس سے دین و جماعت کو نقصان پہنچے۔"

شبان کا یہ کونشن اور مستقل تنظیم اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے ہمیں کتاب و سنت کا صحیح علم اور سلف صالحین مسلک کے صحیح ادراک کی توفیق نصیب ہو، ہم ہر طرح کی گروہ بندی سے محفوظ رہیں، اسلامی اخوت کے عالم گیر دائرہ کی پابندی کرتے ہوئے دلوں کے آبگینوں کی حفاظت کریں، اپنی سیرت و کردار میں استواری پیدا کریں اور سب سے اہم یہ کہ کتاب و سنت پر مبنی تمام احکام میں امیر کی اطاعت کریں۔

تحریر ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی ترجمہ ابن حبیب اشرف

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا علمی مقام

اور علماء کے تعریفی کلمات

شیخ الاسلام کی مساعی اور کارنامے آپ کے دور میں اور آپ کے بعد کے ادوار میں ایک مکتب فکر کی حیثیت رکھتے ہیں جو عصر محدثین کے خاتمہ کے بعد قوی ترین مکتب فکر سمجھا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام کے دور سے لے کر ہمارے زمانہ تک تمام سلفی تحریکات کا قیام شیخ الاسلام اور آپ کے تلامذہ ہی کے افکار پر ہوا ہے چنانچہ یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس مکتب فکر کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے جس سے سلف صالحین کے مذہب تک پہونچا جا سکے، اور اللہ کا فضل اور اس کا احسان وکرم ہے کہ روز بروز یہ مکتب فکر ترقی کر رہا ہے اور اسکے آفاق میں وسعت وانزدھار پیدا ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن طرخان ملکاوی متوفیٰ ۸۰۳ھ کا یہ قول صحیح کر دکھایا کہ: ہر صاحب بدعت اور اس کا تعاون کرنے والے اگر غالب آ جائیں تو ان کا مٹنا اور برباد ہونا ضروری ہے جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی عظمت نمایاں ہوتی جائے گی اور ان سے محبت کرنے والے اور ان کے اصحاب کی کثرت ہوتی جائے گی۔[1]

شیخ الاسلام کا علمی مقام اور علماء کے تعریفی کلمات

شیخ الاسلام کے معاصر علماء سے لے کر ہمارے اس دور تک اہل علم کا اتفاق ہے کہ موصوف درجہ امامت پر فائز اور علم وفضل، زہد وورع اور اخلاق حسنہ کے اعتبار سے تفوق اور امتیاز کے حامل تھے، اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمتوں کا آپ پر فیضان کیا تھا، اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے آپ کی سیرت پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں اور تراجم وسیر کی کتابوں میں آپ کی حیات اور کارناموں کے تذکرے لکھے ہیں:

موصوف اپنی زندگی ہی میں اور موت کے بعد بھی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے (۲) چنانچہ مطلق طور پر جب اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے تو اہل علم کے نزدیک اس سے مراد ابن تیمیہ ہوتے ہیں خاص طور سے ان لوگوں کے ہاں جو اس سلفی سے انتساب رکھتے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن الصفی عثمان بن الحریری الانصاری حنفی قاضی القضاۃ مصر و شام فرماتے ہیں،
ابن تیمیہ شیخ الاسلام نہیں ہوں گے تو پھر کون ہوگا ؟! (۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثل اور قوی حافظہ عطا فرمایا تھا جو علم کی اساس ہے، گہرائی، قوت فکر و نظر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاضر جوابی و برجستہ گوئی، حریت فکر، طلب حق میں اخلاص، ہوائے نفس کی تلویث سے پاکیزگی فصاحت و بلاغت، قدرت بیان و توضیح، شجاعت، صبر، قوت ضبط و حلم، فراست و دانائی اور شخصی ہیبت کے بلند اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔

شیخ الاسلام کے دشمنوں نے بارہا آپ کو اذیت دینی چاہی بلکہ مار ڈالنا چاہا، لیکن موصوف نے قدرت پانے کے بعد انہیں یہ کہتے ہوئے معاف فرمایا کہ میری طرف سے انہیں کوئی گرفت نہیں ہے، مالکی قاضی زین الدین ابن مخلوف اس کے بعد کہا کرتے تھے، ہم نے ابن تیمیہ سے زیادہ متقی کسی کو نہیں دیکھا، ہمارے لئے ان کیخلاف کسی کوشش کی گنجائش ہی نہیں رہی، جب کبھی انہیں ہمارے اوپر قدرت حاصل ہوئی ہمیں معاف کر دیا (۱)

کہنے والے نے کتنا سچ کہا ہے " فضل وہ ہے کہ دشمن بھی جس کی شہادت دیں حق بات کے لئے سلطان حکام علماء اور مشائخ سے مقابلہ کرنے میں کبھی تردد نہیں کیا، منصب و جاہ کے حصول سے ہمیشہ پرہیز کیا۔

---

(۱) الرد الوافر (۱۳۴)

(۲) الرد الوافر علی من زعم بأن من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام کافر، اس کتاب کے مؤلف نے صفحہ ۸۷ میں ان ائمہ اسلام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کا لقب دیا، اس کی بعض مثالیں آپ کی مرویات و مسموعات کے ذکر میں آئیں گی

(۳) الرد الوافر (۹۸)

علماء افاضل نے آپ کی شان میں جو تعریفی کلمات کہے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، یہاں ہم چند ائمہ کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں، اور خاص طور سے ایسے اقوال جن کا تعلق شیخ الاسلام کی حدیث اور علوم حدیث میں مہارت سے

(۱) ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ نے مصر میں ۷۰۰ھ میں شیخ الاسلام سے ملاقات کے بعد فرمایا تھا میں نے جب ابن تیمیہ سے ملاقات کی تو انہیں ایک ایسا آدمی پایا کہ تمام علوم جس کی آنکھوں کے سامنے تھے جو چاہتے لے لیتے اور جو چاہتے چھوڑ دیتے تھے۔

(۲) ابن سید الناس یعمری متوفی ۷۳۴ھ حافظ مزی کا ترجمہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: انہوں نے مجھے شیخ الاسلام تقی الدین سے ملاقات کا شوق دلایا، میں نے انہیں ایسے لوگوں میں سے پایا جنہیں تمام علوم سے حظ وافر ملا تھا، وہ تمام سنن اور آثار کے بالاستیعاب حافظ تھے، اگر تفسیر میں گفتگو فرماتے تو اس کے سرخیل لگتے تھے، فقہ میں فتویٰ دیتے تو اس کے منتہی معلوم ہوتے، اور حدیث کا مذاکرہ کرتے تو اسکے صاحب علم و روایت تھے۔ (۳)

(۳) برزالی کہتے ہیں: بہت بڑی جماعت نے ان سے حدیث کا سماع کیا، انہوں نے خود بہت زیادہ پڑھا اور حدیث کی طلب کی، بہت سی کتابیں نقل کیں اور مدتوں سماع حدیث کرتے رہے، جو کچھ بھی سنا اسے حفظ کرلیا، اور فن حدیث کے تو سرخیل تھے، احادیث کے حافظ تھے، صحیح و سقیم میں امتیاز رکھتے تھے، رجال حدیث کی گہری معرفت رکھتے تھے اور علوم حدیث کے ماہر تھے۔

نیز فرماتے ہیں میرے اور ان کے درمیان بچپن سے محبت اور مصاحبت تھی۔

نیز فرماتے ہیں: آپ ایسے امام ہیں جن کے فضل و شرف اور دینداری پر اجماع ہے، آپ نے قرآن پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی، علوم عربیت و اصول میں طاق تھے، تفسیر و حدیث کے علوم یکتا تھے اور ہر چیز میں آپ ایک ایسے امام تھے کہ آپ کے گرد راہ کو بھی نہیں پہونچا جا سکتا (۱)

---

(۱) العقود الدریة (۲۸۳)

(۲) ذیل طبقات الحنابلة (۳۹۲/۲) والشهادة الزكية (۲۹)

(۳) العقود الدرية (۱۰) والشهادة الزكية (۲۶) المعجم المختص (ورق ۷) الدرر الكامنة (۱۵۴/۱) ذيل طبقات الحنابلة (۳۹۰/۲) الرد الوافر (۵۷)

(۴) حافظ مزی متوفیٰ ۷۴۲ھ کہتے ہیں: میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی، اور نہ خود انہوں نے اپنا مثل دیکھا، میں نے ان سے بڑھ کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم اور دونوں کی اتباع کرنے والا نہیں دیکھا (۲)

(۵) ابن عبدالہادی متوفی ۷۴۴ھ کہتے ہیں: آپ نے بار ہا مسند امام احمد کا سماع کیا، کتب ستہ اور بہت سے اجزاء کا سماع بھی کیا، آپ کے مسموعات میں سے معجم طبرانی کبیر بھی ہے، اور آپ نے حدیث اور علوم حدیث سے شغف کیا، ان کی کتابیں پڑھیں اور انہیں قلم بند بھی کیا۔ (۳)

نیز فرمایا: آپ نے از خود بہت زیادہ پڑھا، حدیث کی طلب کی، حدیث کی اہم کتابیں قلم بند کیں، اور مدتوں سماع کرتے رہے، آپ نے جملہ علوم میں اشتغال پیدا کیا، حدیث کے آپ حافظ تھے، صحیح وسقیم کا امتیاز رکھتے تھے، رجال اسناد کی معرفت حاصل تھی اور اس فن میں ماہر تھے۔ (۴)

(۶) امام ذہبی متوفیٰ ۷۴۸ھ نے اپنی کتاب الامصار ذوات الآثار میں دمشق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

تیسری صدی ہجری تک یہاں علماء حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی لکھا ہے کہ یہ قرآن وحدیث اور فقہ کا مرکز تھا چوتھی صدی اور پانچویں صدی میں یہاں علم کی کمی ہوگئی تھی لیکن بعد میں پھر اضافہ ہوگیا، خصوصاً نورالدین کے دور حکومت اور محدث دمشق ابن عساکر کے عہد میں نیز یہاں فروکش ہونے والے مقدسیوں کے زمانہ میں، پھر ابن تیمیہ اور مزی اور ان کے اصحاب کے ذریعہ اس میں بڑا اضافہ ہوا (۱)

نیز فرمایا: کسی مسئلہ پر دلالت کرنے والی آیات کے لئے سرعت استحضار میں میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، یہی ملکہ انہیں متون احادیث کے استحضار اور ان کو ان کے مراجع کی طرف انتساب میں بھی حاصل تھا گویا تمام مراجع ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے اور نہایت لطیف اور شیریں عبارت میں ان کی نوکِ زبان پر ہوتے تھے۔ (۲)

---

(۱) العقود الدرية (۱۲) البداية والنهاية (۱۳۵/۱۴) شيخ الاسلام ابن تيمية سيرته واخباره (۱۱۸ — ۱۱۹)

(۲) العقود الدرية (۷)

(۳) " (۳)

(۴) " (۲، ۳)

نیز ایک مقام پر لکھتے ہیں : حدیث میں ان کے سماعات بہت زیادہ ہیں، آپ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے، تفسیر میں آپ کی معلومات حد کمال تک ہے، حفظ حدیث، رجال اسناد اور صحت وسقم روایات میں آپ کے درجہ تک نہیں پہونچا سکتا (۳)

المعجم المختص میں لکھتے ہیں : آپ نے اسلاف کی کتابیں قلم بند کیں، مطالعہ کیا، انتخاب کیا، اور علوم اسناد ومتن میں فائق وممتاز ہوئے، آپ نے درس بھی دیا، فتویٰ بھی تحریر فرمایا، کلام اللہ کی تفسیر بھی کی اور نہایت نادر کتابیں تصنیف فرمائیں، آپ نے بہت سے ایسے مسائل پر بھی رسائل تصنیف فرمائے جن کے سبب آپ کو مشکلات سے دو چار ہونا پڑا، آپ انسان تھے گناہ اور خطا عین ممکن ہے لیکن اس کے باوجود واللہ میری آنکھوں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی اور نہ خود انہوں نے اپنا مثل دیکھا، آپ علوم دینیہ میں ایک متبحر امام تھے، صحیح الذہن سریع الادراک اور تیز فہم تھے، آپ کے محاسن بہت زیادہ ہیں، آپ فرط شجاعت وکرم سے متصف تھے، کھانے پینے اور جماع کی لذتوں سے بے پرواتھے، علم کی اشاعت اسکی تدوین اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کے سوا آپ کے لئے کسی اور چیز میں لذت نہ تھی (۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں : مذاہب صحابہ وتابعین کی معرفت میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، کسی مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے اکثر مذاہب اربعہ کا ذکر فرماتے تھے، معروف مسائل میں آپ نے ائمہ اربعہ کی مخالفت بھی کی ہے اور اس سلسلہ میں رسائل تصنیف فرمائے ہیں، اور ان کے متعلق کتاب وسنت سے دلیلیں پیش کی ہیں

اسکندریہ کے دور اسیری میں صاحب "سبتة" نے آپ سے التماس کیا کہ انہیں اپنی مرویات کی اجازت مرحمت فرمائیں اور ان کے اسماء تحریر فرمادیں تو شیخ الاسلام نے دس اوراق میں اپنے حافظہ سے مع اسانید کے انہیں تحریر فرمادیا جب کہ کوئی بڑا محدث بھی ان میں سے بعض کو بھی پیش کرنے سے عاجز رہ جائے گا۔

رجال اسناد، جرح وتعدیل، طبقات رواۃ، علم وفنون حدیث، عالی ونازل، صحیح وسقیم اور حفظ متون میں

---

(۱) الامصار ذوات الآثار (۲۳-۲۷) امام سخاوی نے اسے الاعلان بالتوبیخ (۶۶۲) میں نقل کیا ہے۔

(۲) سیرۃ شیخ الاسلام عند المؤرخین (۲۷)

(۳) العقود الدریۃ (۲۳) الشہادۃ الزکیۃ (۴۰)

(۴) المعجم المختص للذہبی (۱۱ ق ۷)

ں کو مہارت تامہ حاصل تھی، اس دور میں کوئی ان کے رتبہ کا نہیں بلکہ اسکے قریب بھی نہیں، دلائل کے استحضار اور استخراج
ں وہ عجیب قوت رکھتے ہیں کتب ستہ اور مسانید کی طرف احادیث کے انتساب میں انہیں کمال حاصل ہے چنانچہ یہ
ل ان پر صادق آتا ہے کہ: ہر وہ حدیث جسے ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں ہے، لیکن احاطہ صرف
نہ کے لئے ہے البتہ ابن تیمیہ سمندر سے سیرابی حاصل کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ سوتوں سے۔

سالہا سال سے وہ کسی معین مذہب پر فتویٰ نہیں دیتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک جس بات پر دلیل قائم
جائے اسی کا فتویٰ دیتے ہیں۔

آپ نے سنت رسول اور طریقہ سلف کی نصرت وتائید فرمائی ہے اور اسکے لئے براہین اور مقدمات اور ایسے
ور سے حجت پکڑی ہے جس کی مثال نہیں ملتی ہے، نصرت حق کے لئے ایسی عبارتیں پیش کی ہیں کہ جس کے ڈر سے اگلوں
ر بعد والوں کے قدم پیچھے ہٹ گئے لیکن آپ پوری جسارت سے اس پر جمے رہے، علماء مصر وشام کی ایک بڑی
اعت آپ کی مخالفت پر اس طرح تل گئی کہ اس سے زیادہ کی بھی نہیں جاسکتی، آپ کو بدعتی قرار دیا گیا، مناظرات ٹھانے
ئے اور آپ کی مخالفت میں رسائل تحریر کئے گئے، لیکن بغیر کسی مداہنت کے آپ اپنے موقف پر ثابت قدم رہے اور
ن بات کہتے رہے جو لوگوں کو کڑوی لگتی تھی، آپ کی قوت اجتہاد، تیزیٔ ذہن اور سنن واقوال میں آپ کے علم کی وسعت
رع وتقویٰ، کمالِ فکر، وسعت ادراک، اللہ کے ڈر اور اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کا تقاضا یہی تھا کہ آپ جو کچھ کہتے بے لاگ
ہتے۔ چنانچہ آپ اور ان علماء کے درمیان جنگ برپا ہوگئی، مصر وشام دونوں اس کے میدان تھے، بارہا ایسا ہوا کہ اکیلے
بن تیمیہ پر سب نے مل کر تیر چلایا، لیکن اللہ نے انہیں نجات بخشی، یقیناً آپ بہت زیادہ اللہ سے رجوع رکھنے والے اور
شکلات میں اس کی مدد طلب کرنے والے تھے، اللہ پر آپ کا توکل بہت قوی تھا اور آپ بڑے بہادر تھے۔

دوسری طرف ایسے علماء، صلحا، اہل لشکر، امراء، تجار، رؤساء تھے جو آپ سے محبت کرتے تھے، اور عوام کی اکثریت
پ سے محبت کرتی تھی اسلئے کہ رات دن اپنی زبان وقلم سے ان کی نفع رسانی

عربی و دینی نصاب تعلیم میں اصلاح کیوں اور کیسے

ڈاکٹر محمد اقبال حسین ندوی شعبۂ عربی سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدرآباد

یہ مقالہ "قومی سیمینار برائے اصلاح نصاب تعلیم مدارس دینیہ" منعقد ۷ تا ۸ اکتوبر ۱۹۸۹ء ... حیدرآباد میں پڑھا گیا۔

کسی بھی قوم وامت کی ترقی کا راز اسکی علمی ترقی میں مضمر ہے۔ اسکی تہذیب وثقافت کی نشوونما اور بقاء علم کی ترقی پر منحصر ہے۔ اور کسی بھی قوم اور امت کی ترقی اور اس کا اعزاز اس قوم کی علمی ترقی وعلمی کارناموں سے جانا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح اس قوم کو دنیا یاد رکھتی ہے جس قوم کے علمی سرمائے اور علمی کاوشوں نے علم میں اضافہ کیا ہے۔ اور اس قوم کی اس عہد کی تاریخ زیادہ واضح تصور کے ساتھ موجود رہتی ہے جس کے علمی دبستانوں نے علم کا چراغ روشن رکھنے کے ساتھ علم کے پودے کو زیادہ سے زیادہ سرسبز وشاداب رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ سے قبل دنیا کی بہت سی قومیں اس سرزمین پر آباد تھیں۔ لیکن آج کا انسان یونان کی علمی سرگرمیوں، کارناموں اور ثقافتی ترقی سے ہی واقف ہے اور ان سے متعارف ہے۔ اسلئے کہ ان کے علمی اختراعات اور علمی نشوونما نے دنیا کو علوم وفنون سے نوازا ہے۔ اسی طرح عربوں کا سنہرا دور عہد عباسی کو سمجھا جاتا ہے اسلئے کہ علم کی نشوونما اور ترقی جس قدر اس عہد میں ہوئی اس کے بعد کبھی نہیں ہوئی، محض سیاسی اقتدار کسی قوم کی ناموری کا سبب نہیں بنتا ہے۔ اور نہ ہی کسی قوم کا اخلاقی معیار اس سے بلند ہوتا ہے۔ جس علمی ترقی کا آفتاب نصف النہار تک عہد عباسی میں پہنچا اس کی ابتداء عہد اموی میں ہوئی۔ قرآن کریم کی تلاوت، مطالعہ، معانی ومفاہیم پر غور وفکر، لغات کی تحقیق، معجزانہ اسلوب پر مفکرانہ نظر ڈالنے اور اس کے مابہ الامتیاز خصوصیات

کی تلاش وتفکر نے مختلف علوم وفنون کو وجود بخشا۔ صرف، نحو، بلاغت اور تفسیر جیسے علوم عربی زبان میں عالم وجود میں آئے اور نصاب تعلیم کا جزبن گئے۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ ان علوم کو وجود بخشنے ان علوم کی خشت اول رکھنے اور ان کو پروان چڑھانے کے لئے اہل علم نے دوسری زبانوں کے علوم سے بھی استفادہ کیا۔ علمی تحقیق اور غور وفکر کے بعد انہوں نے ان علوم کو فن کے مرتبہ تک پہنچایا ان اہل علم میں خلیل بن احمد فراہیدی کا نام سرفہرست ہے۔ سیبویہ کی الکتاب جو عربی قواعد کی پہلی مرتب کتاب ہے اس کا بڑا حصہ اور فنی اصطلاحات خلیل بن فراہیدی کی دین ہے۔ اور عربی زبان کی پہلی لغت "کتاب العین" جو خلیل ابن احمد فراہیدی کی طرف منسوب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حروف تہجی کی ترتیب کے لئے سنسکرت کی لسانیات اور قواعد کے ڈھانچے کو سمجھنے کے لئے سنسکرت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا، اسکی تفصیل احمد امین کی کتاب ضحی الاسلام میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اور تراجم کی متداول کتابوں میں بھی اسکے تذکرے ملتے ہیں۔ اسکے علاوہ زندگی کی ضروریات، شب وروز کے تقاضے اور مسائل ومعاملات نے تدوین حدیث کے کام پر مجبور کیا، اصول حدیث وجود میں آیا۔ فقہ اور اصول فقہ مرتب کرنے اور وضع کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اہل علم نے خاص طور سے اس دور کے لحاظ سے جو بھی ممکنہ مسائل ہو سکتے تھے انکا استنباط کیا۔ علم بلاغت جو قرآن کریم کے بلاغی نکات کی تلاش وتحقیق کی وجہ سے وجود میں آیا۔ اس علم کے وضع کرنے والوں میں خاص طور سے جاحظ نے یونانی بلاغت سے استفادہ کیا۔ مجھے یہ قصۂ پارینہ دہرانے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ اس دور کے جبا قرہ اور یگانۂ روزگار علماء کو کسی نصاب تعلیم یا درسگاہ نے تیار نہیں کیا بلکہ علماء کی ذاتی درسگاہوں میں مروجہ طریقہ پر انہوں نے عربی زبان کو سیکھنے اور اس پر قدرت حاصل کرنے کے لئے تاریخ، انساب وسیر اور اشعار کی تعلیم پہلے حاصل کی، پھر مختلف فنون کے مختلف ماہرین سے فنون کی تکمیل کی، ماہرین فنون کا مسند درس مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے، اور انکے ذاتی مکانات پر بچھتا تھا۔ اور انہی کی صحبتوں میں دینی وثقافتی تربیت بھی ہوتی تھی۔ فقہ کے تمام ائمہ، محدثین، مورخین ادباء، وشعراء اس طرز تعلیم کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔

جہاں تک باقاعدہ درسگاہ کے قیام کی بات ہے بقول ابن خلکان اسلامی دنیا میں جس نے پہلے مدرسہ کی بنیاد ڈالی وہ حکومت سلجوقیہ کا نامور وزیر اعظم نظام الملک طوسی تھا، بغداد میں ۴۵۷ھ میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی جس میں ۴۵۹ھ میں تعلیم شروع ہوئی، مدرس اول اس وقت کے نامور استاد ابو اسحٰق شیرازی مقرر ہوئے۔ (تفصیلات ابن الاثیر کی الکامل، سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور تاریخ ابن خلکان میں دیکھی جا سکتی ہیں) لیکن تحقیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے قبل عباسی خلیفہ مامون نے مدرسہ قائم کیا تھا، بقول سیوطی اور اسکی وجہ سے مدرسہ قبل از [illegible]

سعدیہ نیشا پور میں اس سے قبل قائم ہو چکے تھے۔ طوسی نے مدرسہ نظامیہ کے علاوہ مختلف مقامات پر پچاسوں مدرسے قائم کئے اور خاص بات یہ تھی کہ ہر ایک مدرسہ میں ایک عظیم کتب خانہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ اور اساتذہ ایسے افراد مقرر کئے گئے جو یکتائے فن اور یگانۂ روزگار تھے۔ نظام الملک نے جو مدرسہ قائم کیا اس کا مقصد محض علم و فن کی ترویج و اشاعت اور ثقافتی ترقی نہیں تھی بلکہ اسکے ساتھ عظیم مقصد دین کی خدمت بھی تھا اور اسکی نشر و اشاعت بھی۔ جو واقعی کسی بھی عربی مدرسہ کا بنیادی مقصد ہونا چاہیئے۔ علامہ شبلی رقمطراز ہیں:

" نظام الملک نے جو صرف کثیر مدارس وغیرہ کے لئے شاہی خزانہ سے مقرر کیا تھا، اس پر ملک شاہ کو بھی خیال ہوا۔ اور اس نے نظام الملک کو بلا کر اپنے معمولی طریقے کے موافق کہا کہ " پیارے باپ اس قدر زر کثیر سے تو ایک فوج مرتب ہو سکتی ہے، جن لوگوں پر آپ یہ فیاضیاں کر رہے ہیں ان سے ایسا بڑا کام کیا نکل سکتا ہے" نظام الملک نے کہا جان پدر! میں تو بوڑھا ہوں، لیکن تم جو ایک نوجوان ترک ہو، اگر بازار میں بیچنے کے لئے کھڑے کئے جاؤ تو امید نہیں کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری قیمت اٹھے، اس پر خدا نے تم کو اتنا ملک عنایت کیا، کیا اسکا اتنا شکریہ بھی تم ادا نہیں کر سکتے، تمہاری فوج کے تیر چند قدم پر کام دے سکتے ہیں، لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اسکی دعاؤں کے تیر آسمان کی سیر سے نہیں رک سکتے" ملک شاہ بیساختہ بول اٹھا، کہ مرحبا پیارے باپ ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہوں اور تیار کرنی چاہیئے "

(مقالات شبلی جلد دوم ص۴۲)

لیکن جب ماوراء النہر کے علماء کو نظامیہ کے قیام کی اطلاع ملی تو انہوں نے ایک مجلس ماتم منعقد کیا اور اس ات پر روئے کہ " اب علم علم کے لئے نہیں، بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے گا " نظام الملک طوسی جیسا محقق و ربالغ نظر نے جس ارادے اور نیت سے مدرسہ قائم کیا تھا، اور اس وقت کے علماء ماوراء النہر نے جس نظر سے دیکھا دونوں ، بیان سے ظاہر ہے کہ نظام الملک طوسی کے سامنے بھی مقصد دینی اور عربی تعلیم تھا، لیکن اسکی قوتِ فکر، علوم کی خدمت ، جدید انداز فکر نے تعلیمی نظام کو منظم اور مستحکم کرنے پر آمادہ کیا۔ اور علماء ماوراء النہر کی قوت فکر اس سے آگے سوچنے کی صلاحیت ں رکھتی تھی کہ تعلیمی نظام کی کوئی اور منظم و بہتر شکل ہو سکتی تھی، اسلئے کہ ہر ایک عالم کا جو مسند درس تھا وہ ابھرتا ہوا یا۔ مدرسہ کی ملازمت سے انکی شخصیت کی قدر و قیمت جاتی ہوئی نظر آئی، اسلئے وہ اس دور کے نظام تعلیم میں کوئی تبدیلی ت بیجا سمجھتے تھے۔

اب ذرا اس دور کے نصاب تعلیم پر ایک نظر ڈالیں تو یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ جس طرح علوم وفنون کا ایجاد اور ترقی ہوگئی، فنون ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم بنتے گئے، نصاب تعلیم میں موضوع اور مضامین کے مانے والے کے ساتھ خود تبدیلیاں بھی ہوتی گئیں۔ پہلے دور میں عربوں کے پاس انساب وسیر اور اشعار کے ذخیرے ہی علوم وفنون کی شکل میں موجود تھے اور اسی کی تعلیم پر اکتفا کیا جاتا رہا۔ عہد اموی اور عہد عباسی کے ابتدار تک کتابی درس کا بالکل رواج نہ تھا بلکہ املا کرانے کا رواج تھا، جب صرف ونحو اور بلاغت کا وجود ہوا تو یہ علوم دینی مضامین کے لازم موضوعات کی حیثیت سے پڑھائے جانے لگے، اسکے بعد جب حدیث نبوی کی تدوین ہوئی۔ رجال کی تحقیق اور حدیث کی تخریج کے لئے معیار کی تلاش ہوئی تو اصول حدیث واسمار الرجال، اسکے بعد مسائل کے استنباط کی ضرورت پیش آئی تو فقہ اور اصول فقہ وجود میں آئے، پھر یہ تمام مضامین نصاب تعلیم کے جز قرار دیئے گئے۔ عربی زبان پر قدرت حاصل کرنے کی غرض سے اشعار، تاریخ وانساب کی تعلیم حاصل کی جاتی پھر ان دینی مضامین کی تکمیل مختلف فن کے ماہرین سے حاصل کی جاتی۔ پانچویں صدی کے اخیر تک نصاب تعلیم میں یہی مضامین شامل درس رہے۔ اور حصول علم میں مقصود بالذات فن ہوتا تھا نہ کہ کوئی خاص کتاب۔ اس سلسلہ میں خاص بات یہ ہے کہ مدرسہ کے قیام کے بعد بھی نصاب تعلیم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ذاتی تعلیم گاہوں اور مدرسہ کے نصاب تعلیم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور عام طور سے نحو، بلاغت، لغت فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تاریخ، اسمار الرجال، طبقات ان سے متعلقہ مضامین نصاب تعلیم میں رائج رہے۔ اس عہد تک علمار میں تقلید شخصی کا رجحان نہیں تھا، اس کے بعد تقلید کا رواج شروع ہوا۔ اور علوم کے ایجادات کی قوت سلب ہونے لگی، منطق وفلسفہ جو بعد کی صدیوں میں سرچڑھ کر بولا عرصہ دراز تک نصاب تعلیم میں شامل نہیں کیا گیا۔ اگرچہ یہ علوم تیسری چوتھی صدی ہجری میں کافی ترقی کرچکے تھے۔ یونانی اور ہندوستانی فلسفہ کی وجہ سے جو عقائد کے مباحث سامنے آئے تو علمار نے یہ اجتہادی کوشش کی کہ ان مضامین کو بھی نصاب تعلیم کا جز بنایا تاکہ دینی نقطۂ نظر سے اس منطقی اور فلسفیانہ انداز میں دین کی حفاظت کی جاسکے۔ لیکن فلاسفہ کی تحقیق کے ساتھ درسی کتابوں میں تبدیلی ہوتی رہی، یعقوب کندی، فارابی، بوعلی سینا، اور قطب الدین رازی ہر ایک کے دور میں درسی کتابوں میں تبدیلی ہوتی گئی۔ اور فلسفہ کے موضوع پر غور وفکر وتحقیق نے الہیات طبعیات اور دوسرے موضوعات جیسے فلکیات، علم رمل وغیرہ کو وجود بخشا، اور یہ علوم بھی نصاب تعلیم میں شریک کئے گئے، گرچہ ان علوم کو علوم دینیہ سے کوئی قریبی ربط نہیں رہا ہے۔ غرض کہ عربی زبان اور علم دین کی تعلیم کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کہیں لیکن واقعہ ہے کہ اسکے نصاب تعلیم میں موضوعات

اور کتابوں کے اعتبار سے ہر دور میں نئے علوم کے ایجاد کے ساتھ تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہے ہیں۔

اب ذرا ہم ہندوستان کی سرزمین پر جو مدارس قائم کئے گئے اور ان میں جو نصاب تعلیم رائج رہا اس پر ایک نظر ڈالیں تو دارالعلوم دیوبند سے قبل کسی بڑے مدرسہ کا قیام نظر نہیں آتا ہے۔ اس سے قبل ذاتی تعلیم گاہوں کا رواج تھا اور عرصہ دراز تک نصاب تعلیم میں منقولات کے مقابلہ میں معقولات کی کتابیں زیادہ تعداد میں درس میں شامل رہیں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد میں بنیادی مقصد ایسے علماء تیار کرنا تھا جو دین کی ترویج و اشاعت کا کام انجام دیں، ایسے علمی خدمات انجام دینا جس میں ایجاد یا اجتہاد کی نوعیت ہو اسکے مقاصد میں شامل نہیں رہے۔ اسکے اسباب و وجوہات ہیں اسلئے کہ عالم اسلام میں عثمانی حکومت کے خلاف زبردست بے چینی تھی، ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا یعنی مسلم شہنشاہیت کی سرپرستی مسلمانوں کے سر سے ختم ہو چکی تھی۔ انگریزوں کی اسلام دشمنی پوری طرح زوروں پر تھی، مسلمان ذلیل و خوار کئے جا رہے تھے، ایسے حالات میں اعلیٰ ثقافتی ترقی کے متعلق سوچنا یا ایسی علمی خدمات کے بارے میں جو ایجادات یا اجتہادی نوعیت کی ہو سوچنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ اور ایسے حالات میں جب کہ عیسائیت کی تبلیغ گلی کوچوں تک ہو رہی تھی، اسلئے کہ انکی حکومت تھی، اور حکومت و طاقت کا اثر کسی مذہب یا تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر معاون ہوتا ہے اسے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسی صورت میں دین کی حفاظت اور دین پر قائم رہنا ہی مسلمانوں کے لئے ایک بڑے امتحان اور صبر آزمابات تھی، بانیان دارالعلوم نے اسکے پیش نظر دین کی خدمت کو بنیادی مقصد قرار دیا۔ اور اسکے حصول کیلئے ملا نظام الدین فرنگی محلی نے جو نصاب تعلیم تیار کیا تھا، اور اسوقت رائج تھا، اسکو جاری کیا اسلئے کہ اس نصاب تعلیم کی خوبی یہ تھی کہ دینی علوم کے ساتھ علوم عقلیہ بھی شامل تھے، جو عیسائی تبلیغ اور اسکے مبلغین کے اسلام مخالف عقائد اور پروپیگنڈہ کا جواب دینے کے لئے زیادہ مفید اور کارآمد تھا۔ الاکثر حکم الکل کے اصول کے تحت میں خاص طور سے درس نظامی ہی کا ذکر کر رہا ہوں، اسلئے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مدارس میں اس طرز کے نصاب تعلیم کا رواج ہے۔ اور عام بھی ہے۔

علوم دینیہ اور علوم عربیہ کے نصاب تعلیم کا یہ ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ذاتی تعلیم گاہیں یا مدارس کے ذرائع آمدنی کیا تھے، اسلئے کہ علم کی ترقی اور نصاب تعلیم کی کامیابی کا ایک گونہ انحصار اس پر بھی ہے اقتصادی مشکلات اور مالی دشواریوں کے حل ہونے ہی کی وجہ سے علماء نے علم کی عظیم خدمات گذشتہ صدیوں میں انجام دیا۔ اور وہ شب و روز علم کی خدمت اور علوم کے ایجاد میں مصروف رہے۔ انہوں نے اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیر

و انساب اور منطق و فلسفہ جیسے علوم کو ایجاد کرنے کے ساتھ ایسی کتابیں تصنیف کیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ اصول حدیث اور اسماء الرجال میں جو اصول وضع کیے، کسی بھی علم کی تحقیق و تنقید کا معیار اس سے زیادہ بلند نہیں ہو سکا۔ اسی طرح فقہ کے وضع کرنے کے لیے جو اصول فقہ وضع کیے گئے اور مسائل کا استنباط کیا گیا قانون سازی میں اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے۔ اسی طرح دوسرے علوم میں جو تحقیق معیار اور ایجاد کا پہلو اپنایا گیا دوسری زبان یا قوموں کی علمی تحقیقات کا معیار اور ایجاد اس سے بہتر نہیں ہے یا اگر ہے تو عربی علوم کی خوشہ چینی کا نتیجہ ہے۔ تو بات یہ ہے کہ مالی دشواریوں سے ان کا ذہن یکسو ہونے ہی کی وجہ سے وہ علمی تاریخ کا زریں باب پیش کر سکے۔ عہد اموی میں بعض اساتذہ طلبہ سے فیس وصول کرتے تھے اسکے بعد تو مسلم امراء و سلاطین نے اہل علم کی علمی خدمات انجام دینے کے لئے وظیفے مقرر کئے۔ اور جاگیریں دی گئیں اور مدرسوں کو بڑی بڑی جائدادیں وقف کی گئیں، ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ہلاکو خاں جس نے تمام اسلامی ممالک کو تاخت و تاراج کیا تھا اس نے بھی ان جاگیروں اور موقوفہ جائدادوں کو علمی خدمات کے لئے باقی رکھا۔ ہندوستان میں بھی وہ علماء جنکی ذاتی درسگاہیں تھیں ان کو بھی امراء و سلاطین نے جاگیریں عطا کیا تھا ۱۸۵۷ء کے قریب تک یہ نظام جاری رہا۔ لیکن انگریزوں نے ان جائدادوں کو غصب کر لیا۔ اور علماء کے لئے مسند درس کا جاری رکھنا دشوار ہو گیا اسلئے کہ طلبہ کی کفالت اور اساتذہ کی اقتصادی ضروریات کی تکمیل ایک ناگزیر مسئلہ بن گیا۔ اسکے بعد جو بھی دینی تعلیمی ادارے وجود میں آئے ان کی آمدنی کا ذریعہ امراء کے متعینہ اقوام یا عوامی چندہ ٹھہرا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد مکمل طور پر عوامی چندہ ہی ان مدارس کی بقا و ترقی کا ضامن قرار پایا۔ یہ ایک انتہائی خوشی کی بات ہے اور کسی قوم کے زندہ رہنے کی قوت و صلاحیت کی علامت ہے اور باعث فخر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان علوم دینیہ و علوم عربیہ کی خدمت کے ضامن خود ہیں کسی کا دست نگر نہیں۔ اور یہ بات ان کے محض دینی جذبہ کی وجہ سے ہے۔

اب یہ بات قابل غور ہے کہ کیا ہندوستان کے مسلمانوں کو دینی تعلیمی اور اقتصادی طور پر ان حالات سے ہی دوچار رہنا چاہیئے اور جس حال میں ہیں اسی کو لائق صد شکر سمجھنا چاہیئے، لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں، ہندوستان کے مسلمانوں کو دینی تعلیمی حالت پر غور کرنا چاہیئے اور خاص طور پر دینی تعلیم کے میدان میں ان کو دنیا کی قیادت کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہیئے اسلئے کہ جیسا کہ شروع میں میں نے کہا کہ وہی امت اور قوم با عزت و سرفراز اس دنیا میں رہتی ہے جو تعلیم سے آراستہ اور علمی خدمات میں ایجاد و اجتہاد کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اقتصادی حالت بہتر ہو، اور اقتصادی حالت کو بہتر کرنے کے لئے حکومتی اداروں سے منسلک ہونا اور حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے

کی صلاحیت وطاقت ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہمارے دینی تربیت یافتہ، باشعور، بہتر تعلیم یافتہ افراد جن میں امت مسلمہ کی خدمت کرنے کا جذبہ ہو، احساس دیانتداری اور فرائض کی انجام دہی کا دینی احساس ہو اور وہ حکومت وقت کے خدمات سے وابستہ ہوں۔ میں یہ باتیں اسلئے کہہ رہا ہوں کہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں ہمیں اسکا موقع دیا گیا کہ یکسو ہو کر علوم دینیہ وعلوم عربیہ کی خدمات انجام دیں۔ لیکن ہم میں ان مذکورہ باتوں کا احساس وشعور نہ ہونے کی وجہ سے ذمہ داری کے فرائض کے انجام دینے میں کوتاہی ہی نہیں بلکہ ہم فرائض دینی ادا کرنے کے بھی قصور وار ہیں اور ان میں وہ افراد ہیں جنہوں نے اسلام کے قلعے میں تربیت پائی ہے۔ (اپنی ان کوتاہیوں کا الزام دوسرے پر نہیں دے سکتے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں نظام تعلیم ونصاب تعلیم پر غور کرنے کے ساتھ دینی تربیت کے سلسلہ میں جو خامیاں ہیں ان پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات اور دنیا کے نقشہ میں ایک زبردست تبدیلی آچکی ہے۔ سائنس کی ترقی نے دنیا کے اقتصادی اور تعلیمی نظام تہ وبالا کر دیا ہے۔ اور وہ علوم جو ہمارے نصاب تعلیم کے جزء تھے۔ ان علوم میں تحقیق اور تجربے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب اسکی کوئی قدر وقیمت نہیں رہ گئی ہے۔ ان علوم کو نصاب میں شامل رکھنا وقت ضائع کرنے کے ساتھ امت کو پیچھے کی طرف لے جانا ہے۔ صرف یہ خیال کرنا کہ ہم دین کی حفاظت کے لئے جو تعلیم دے رہے ہیں اس سے ہمارا دین اور ہمارا ایمان محفوظ رہے گا اور امت مسلمہ محفوظ رہے گی، یہ اسی طرح کی بات ہے کہ کوئی اپنی مدافعت یا دشمنوں سے حفاظت کے لئے قلعہ میں محصور ہو جائے اور سمجھے کہ خطرہ ٹل گیا تو یہ بڑی غلط فہمی ہے۔ بلکہ وہ امت اور قوم فاتح اور کامیاب ہوتی ہے جو اپنے قلعہ سے نکل کر دوسرے کے قلعہ پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اسی طرح علوم دینیہ وعلوم عربیہ کے ساتھ ہم نے دوسرے ضروری علوم کی طرف توجہ نہیں کی اور ان کو حاصل کر کے علمی ایجاد کے علاوہ اقتصادی منفعت کے پہلو کو مد نظر نہیں رکھا تو ہندوستان کے مسلمان یقیناً مزید پستی کی طرف چلے جائیں گے یہ نقصان صرف اقتصادی اعتبار سے نہیں ہوگا بلکہ دینی اعتبار سے بھی ہوگا۔ اسلئے کہ ہم دینی علوم کو پھیلانے اور دین کی خدمت کرنے کے لائق نہیں رہیں گے۔ اور اگر ہم نے حکومتی اداروں میں اپنی تعداد کا اضافہ نہیں کیا اور اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش نہیں کی تو اسکا زبردست خسارہ برداشت کرنا پڑے گا۔

ہمیں نصاب تعلیم[1] کی اصلاح وتجدید کے متعلق ذرا روایتی جذبات سے ہٹ کر سوچنا چاہیے اسلئے کہ تعلیم اور

---

[1] ہندوستان کی سرزمین پر تحریک ندوۃ العلماء نے پہلی بار اصلاح نصاب تعلیم کی طرف توجہ کی، وقت کی ضرورت کے مطابق دینی ——

نصاب تعلیم ہی ایسا جوہر ہے جو کسی بھی قوم کے دینی معیار اور اخلاقی کردار کو بلند کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پس منظر میں پیش کیا کہ نصاب تعلیم میں ہر دور میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ اور علوم دینیہ و علوم عربیہ کے نصاب تعلیم میں تبدیلی علماء کے اجتہادی کوششوں سے ہوتی ہے۔ اب وقت ہے کہ علماء ایک بار پھر نصاب تعلیم کی تبدیلی میں اجتہادی کوششوں سے کام لیں۔ اس بیسویں صدی میں اور آزادی کے بعد خاص طور سے ہندوستان میں جو تبدیلی آئی ہے ان حالات کو پیش نظر رکھ کر نصاب تعلیم کی اصلاح کی طرف خاص توجہ دیں۔ نصاب تعلیم صرف مذہبی یا دینی اقدار ہی کا ضامن نہیں بلکہ انسان کی زندگی کو سنوارنے اور دنیا و آخرت دونوں کے لیے کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کی غرض سے ایک مشعل راہ ہوتا ہے جیسا کہ گذشتہ صدیوں میں ہوتا رہا ہے۔ ہندوستان کے اکثر و بیشتر مدارس میں ہم جس درس نظامی کے پیروکار ہیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد مدارس نے جس نصاب تعلیم کو اپنایا وہ خاص حالات کے تحت تھے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا مسائل و تقاضے مختلف ہو چکے ہیں اور ہمیں صرف دینی بقاء مقصود نہیں اور اب جبکہ عیسائی مشنری کا واسطہ نہیں ہے۔ نئے تقاضوں اور ضرورتوں کی روشنی میں نصاب تعلیم کا دینی مزاج، دینی مقاصد کے حصول کے اغراض سے سر مو انحراف کئے بغیر تبدیلی کے لئے سوچنا چاہیئے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو علم و فن کے میدان میں ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت دینا چاہیئے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم میں ایک انقلابی صورت اختیار کریں چوں کہ علم و تعلیم کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے۔ دین و اخلاق کے علاوہ انسان میں اس دنیا میں زندگی گذارنے کا سلیقہ پیدا کرے، اگر کوئی نصاب تعلیم اس ضرورت کو پورا نہیں کرتا ہے تو یقیناً وہ ناقص ہے۔ درس نظامی کا نصاب تعلیم تقریباً ایسا ہے کہ دینی مقاصد کا حصول تو کسی حد تک ہو جاتا ہے لیکن علمی ایجاد، ثقافتی ترقی اور زندگی گذارنے کے لئے ضروری معلومات

و عربی علوم و فنون کی تعلیم کیلئے ایسے نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم کے لئے دعوت دی جن سے علوم و فنون کے ایسے ممتاز علماء و اسکالر پیدا ہو سکیں جو دینیات و اسلامیات کے ماہر ہونے کے ساتھ بقدر ضرورت عصری علوم و تقاضوں سے بھی بخوبی واقف ہوں، ان میں علم دین اور اسلامی صحیح فکر کے ساتھ عالمانہ شان بھی ہو، اور وہ ذہنی وسعت و فکری بلندی کے حامل ہوں۔ عملی شکل پیدا کرنے کے لئے ۱۸۹۸ء میں عظیم الشان دارالعلوم لکھنؤ میں قائم کیا گیا ___ ہندوستان کی سرزمین پر خاص طور پر اس بیسویں صدی میں مسلمانوں میں ذہنی جمود پر تقلید جامد کے باوجود اس تحریک کا اثر ہوا۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر نے دینی و عربی نصاب تعلیم کے تقلید جامد سے نکل کر جدید تبدیلیوں کو گوارا کیا اور اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق کچھ نہ کچھ تبدیلی ضروری کی۔

فراہم نہیں کرتے اور نہ ہی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

لیکن نصاب تعلیم کی اصلاح وترتیب میں ہمیں افراط وتفریط سے بچنا چاہیئے۔ نہ تو وہ صورت اختیار کرنا چاہیئے جو بعض صوبوں میں مدرسہ اکزامینیشن بورڈ نے کیا ہے کہ عصری تقاضوں کی اندھی تقلید اور حکومت کے تعلیمی اداروں کے مساوی مدرسے کے نصاب تعلیم کے مختلف مراحل کو قرار دینے اور حکومتی اداروں میں ملازمت حاصل کرنے کی غرض سے نصاب تعلیم میں جو غیر متوازن طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہ دینی عربی نصاب تعلیم نہیں کچھ اور کہا جا سکتا ہے۔ وہ نصاب تعلیم عصری علوم، منقولات اور معقولات کی کتابوں سے ایسا بوجھل ہے کہ طلبہ کی قوت استعداد اسکو کبھی قبول نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس سے علم کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی نصاب تعلیم کو ایسا ہونا چاہیئے جو عصری مضامین، زندگی گزارنے کے لئے ضروری اور دینی ومذہبی نقطۂ نظر سے خاص طور سے فقہ کے جدید مسائل کے استنباط کرنے کے لئے معاون ہوں ان سے خالی ہو۔

اور نصاب تعلیم کو اتنے مراحل میں تقسیم کرنا چاہیئے اور اس طرح مضامین کی ترتیب اور معیار قائم کرنا چاہیئے کہ پہلے بنیادی معلومات جن کا جاننا ہر متمدن انسان خاص کر مسلمان کیلئے ناگزیر ہے اور دوسرے تفصیلی وتحقیقی معلومات جو کسی بھی علم یا فن میں اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کے لئے درکار ہوتی ہیں، مرتب ہونا چاہیئے۔ یہ اسلئے ایسا کرنا چاہیئے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ انسانی معاشرہ ایسے افراد کا مجموعہ ہے کہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں اسطرح متخصص سے متخصص ایک فنی آدمی کو مختلف علوم کی ذیلی وضمنی طور پر ضرورت پڑتی ہے۔ اسلئے معلومات کی وسعت کیلئے معاون مضامین کا شامل نصاب کرنا ضروری ہے۔

میری رائے ہے کہ تعلیم کو ابتدائی، ثانوی، لیسانس (مولوی وعالم) اور فاضل کے مراحل میں تقسیم کرنا چاہیئے، ابتدائی مرحلہ پانچ سال کی مدت کا، ثانوی مرحلہ پانچ سال کی مدت کا، مولوی ڈیڑھ سال کی مدت کا، عالم دو سال کی مدت کا اور فاضل دو سال کی مدت کا ہونا چاہیئے۔ ثانوی یا مولوی تک کی تعلیم کی تکمیل کے بعد سرٹیفکٹ عالم اور فاضل کی تکمیل کے بعد ڈگری دینی چاہیئے۔ عالم کے مرحلہ تک کئی کئی مضامین نصاب درس میں شامل کئے جائیں لیکن فاضل کے مرحلہ میں کسی خاص فن پر اختصاص کرایا جائے۔ جیسا کہ بہت سے مدارس میں رائج ہے۔

جہاں تک مضامین کا سوال ہے۔ ناظرہ قرآن مع تجوید عملی، دینیات، اردو، حساب، سماجی علوم (تاریخ وجغرافیہ کی ابتدائی معلومات) علاقائی زبان، انگریزی، فارسی، ہندی، جنرل سائنس تاریخ ہند، تاریخ اسلام، تاریخ علوم اسلامیہ، علم تمدن یا سیاسیات، اقتصادیات، عربی زبان، صرف، نحو، بلاغت، ادب، انشاء، ترجمۂ قرآن، تفسیر، اصول تفسیر حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض، عقائد، منطق، فلسفہ اور اسرار شریعۃ، انکی تقسیم نصاب تعلیم میں مرحلہ

وار کرنی چاہیئے اور بقدر ضرورت بھی۔

ناظرہ قرآن مجید کے ساتھ دینیات اردو، حساب، سماجی علوم کی تعلیم ابتدائی مرحلہ میں دی جا سکتی ہے۔ دینیات پر خاص توجہ کی ضرورت ہے اسلئے کہ بچہ کی نشوونما اور دینی تربیت کا دور یہی ہے۔ اردو زبان کی تعلیم بحیثیت مادری زبان یا ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے ابتدا ہی سے ثانوی حد تک اسلئے ضروری ہے کہ ثانویہ کے آخری سالوں میں اردو ادبیات کے انتخاب سے بھی واقف کرایا جائے تاکہ ادبی شعور بلند ہونے کے ساتھ زبان کا صحیح مذاق اور ذوق پیدا ہو سکے جو کسی بھی موضوع پر علمی کام کرنے کیلئے ضروری ہے۔ سماجی علوم یعنی تاریخ وجغرافیہ کی معلومات ثانوی کے ابتدائی سالوں تک لازمی ہے تاکہ طالب علم سمجھ سکے کہ جس دنیا میں وہ زندگی گزار رہا ہے کیا ہے اور کیسی ہے؟ حساب کی تعلیم ثانویہ کے معیار تک اسکول کے معیار کے مطابق لازمی ہے اسلئے کہ مولوی یا عالم کے بعد کسی مقابلہ کے امتحان میں کوئی شریک ہونا چاہے تو اس سے فائدہ اٹھا سکے اور زندگی کے میدان میں جہالت کا ثبوت نہ دے سکے ـــــ علاقائی زبان کی تعلیم ابتدائی سالوں میں اسلئے ضروری ہے کہ ہندوستان کے صوبجات میں علاقائی زبانوں کی جس طرح ترقی ہو رہی ہے اور جیسے حالات پیدا ہو رہے ہیں جس علاقہ میں رہنا ہے زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے علاقائی زبان سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ فارسی زبان کی تعلیم سمجھنے کی حد تک اسلئے ضروری ہے کہ اسکے الفاظ اور تراکیب کثرت سے اردو زبان میں مستعمل ہیں، صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان کی متوسط تعلیم بھی کافی ہے قدیم دینی اور تاریخی کتابیں جو فارسی میں ہیں ان سے استفادہ اس قدر تعلیم سے ممکن ہو سکے گا۔ فارسی کی اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہندوستان میں عربی مدارس کے طلبہ کیلئے اسلئے ضروری نہیں ہے کہ اب فارسی زبان کوئی دفتری زبان نہیں ہے جو ملازمت یا حصول معاش کیلئے معاون ہو۔ ہندی معلومات پڑھنے لکھنے اور اسکے معروف کثیر الاستعمال الفاظ کی حد تک کی تعلیم لازمی ہے۔ ابتدائی کے تیسرے سال سے ثانویہ کے آخری سالوں تک اسکی تعلیم ہو جائے تو بہتر ہے۔ باقی اخبار کے مطالعہ اور تھوڑی سی ممارست سے ضروری استعمال کے لائق استعداد ہو جائے گی، چونکہ دفتروں میں یہ زبان رواج پاتی جا رہی ہے۔ ملازمت کیلئے یا زندگی کی ضرورت کی تکمیل کیلئے اسکا حصول ضروری ہے۔ تاریخ ہند اور تاریخ اسلام ثانوی کے آخری سالوں میں تفصیل سے پڑھائی جائے تو کافی ہوگی، مولوی کی سطح پر منطق و فلسفہ ایک ایک سال صرف نصاب میں شامل رکھیں، تو اس قدر واقفیت ہو جائے گی کہ ان علوم کے اصطلاحات جو علوم اسلامیہ کی کتابوں میں استعمال کئے گئے ہیں با سانی سمجھ جائیں گے، نفس مضمون کی حیثیت سے اس دور میں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تو مناظرہ میں موشگافیوں کی ضرورت ہے۔ جس میں منطق کا استعمال کیا جا سکے نہ قدیم فلسفیانہ مباحث کی

ضرورت ہے جس کی جگہ اب سائنس نے لے لی ہے۔ اسلئے عربی نصاب کو غیر ضروری فلسفہ کے موضوع سے بوجھل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسکے بجائے جنرل سائنس نصاب میں داخل کرنا چاہیئے۔ سیاسیات اور اقتصادیات کو نصاب تعلیم میں جگہ دیجائے اس طور پر کہ مولوی کی سطح پر پورے مضامین کی حیثیت سے ایک ایک سال پڑھائیں جو بی اے کے معیار کا ہو، عربی مدارس میں چونکہ تعلیم زیادہ پابندی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسلئے اس دو سالہ مدت میں بہتر طریقہ پران مضامین کو پڑھا یا جاسکتا ہے اردو زبان میں چونکہ یہ مضامین پڑھائے جائیں گے اسلئے اسکی تفہیم میں طلبہ کو زیادہ دشواری نہیں ہوگی، نفس مضامین سے واقفیت کی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ اسناد کو حکومتی اداروں میں منظور کرانے میں سہولت ہوگی، دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمدنی اور اقتصادی مسائل کے استنباط میں ہمارے فقہا کے لئے بہت ممد و معاون ثابت ہوں گے، یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی اسلامی معاشرہ اور حکومت کی تشکیل کیلئے دور حاضر میں موجودہ علم سیاسیات کا علم ضروری ہے۔ دور حاضر کے سیاسی تقاضوں کی روشنی میں فقہی اور اسلامی نقطۂ نظر سے وضع قوانین اور مسائل کے استنباط کیلئے موجودہ علم سیاسیات کا مطالعہ لازمی ہے۔ فقہاء میں صحیح قوت ادراک کسی بھی مسلم معاشرہ یا حکومت کیلئے وضع قوانین کرنا ہو تو اسی وقت پیدا ہوگی جب کہ وہ موجودہ تمدنی نظام سے واقف ہوں۔ اسکے بغیر شاید وہ اس دور کے پیچیدہ سیاسی امور کے متعلق صحیح فقہی رائے نہ دے سکیں۔ اور اقتصادیات کی تعلیم اسلئے ضروری ہے کہ اس وقت پوری دنیا اقتصادی مسائل سے اس قدر پریشان ہے کہ ان کے تمام نظریات اور نئے نئے اقتصادی نظام ناکام ہوتے جارہے ہیں، اشتراکی اقتصادی نظام جو بیسویں صدی کا کامیاب ترین نظام سمجھا جارہا تھا۔ لیکن اب وہ نظام چند ہی سالوں میں اس قدر ناکارہ ہوکر رہ گیا ہے کہ تقریباً اسکا وجود خاتمہ کے قریب آپہونچا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ کہوں گا کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک کتاب الخراج" نظام معیشت مملکت کیلئے پیش کی تھی جو صدیوں تک ملکی پیمانہ پر اقتصادی نظام کو حل کرنے کا ذریعہ بنی رہی۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اس طرف توجہ کریں اور موجودہ اقتصادی مسائل کو سمجھیں، موجودہ اقتصادی نظریات و علوم نے جو اقتصادیات کا ڈھانچہ تیار کیا تھا، اسکے تمام پہلوؤں پر ہمارے فقہاء غور کریں اور ایک ایسا نظام معیشت پیش کریں جو اسلامی روح کے مطابق ہو۔ اور اقتصادی بحران سے دنیا کو نکال سکے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمارے مفتیان کرام بینک کے مسائل پر فتاویٰ دیتے ہیں اور اقتصادی مسائل پر مضامین لکھتے ہیں لیکن انکی معلومات موجودہ اقتصادی نظام یا بینک کے نظام اور طریقۂ کار پر نہایت سرسری ہوتی ہے اور واقعہ ہے کہ نہیں کے برابر ہوتی ہے اور اسکے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ انکے فتاوے علم کی منتہا پر مبنی ہوتے ہیں۔ چونکہ مسئلہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا ہوتا ہے اسلئے میری رائے ہے کہ

جدید علم الاقتصاد کو بھی اب علوم دینیہ کا ایک لازمی جز بنایا جائے، اس پر مہارت حاصل کی جائے، تاکہ نظری طور پر اور عملی طور پر اقتصادی نظام کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے راسخ ہو۔ اور نصاب تعلیم میں اس وسعت کو وقت کی ضرورت سمجھا جائے۔

عربی زبان کی تعلیم کی ابتداء ثانویہ کے پہلے سال سے کی جائے ابتدائی دو سال محض ابتدائی عربی اور ابتدائی قواعد کی تعلیم تک محدود رکھا جائے ثانویہ کے آخری سالوں میں عربی زبان، صرف و نحو اور فقہ کی کوئی آسان و سہل زبان میں کتاب شامل درس کیا جائے، اور پوری توجہ عربی زبان و قواعد اور فقہ کے ابتدائی معلومات پر دی جائے، عربی قواعد کیلئے ایسی کتابیں تیار کی جائیں اور شامل نصاب ہوں جن میں عملی مشق کے لئے تمرینات کثرت سے ہوں۔ اور جدید طریقہ تعلیم کے مطابق ہوں، اور ہمیں ان کتابوں کو نصاب سے خارج کر دینا چاہیئے جو اب اس دور میں طلبہ کے لئے پوری طرح مفید ثابت نہیں ہو رہی ہیں اس بات کو تسلیم کریں یا نہ کریں کہ کافیہ، شرح جامی پڑھنے کے بعد بھی صحیح عبارت پڑھنے کی بیشتر طلبہ میں صلاحیت نہیں ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم قواعد کی تعلیم اس طرز پر دیتے ہیں کہ قواعد کو زبان کے سیکھنے صحیح عبارت پڑھنے اور لکھنے کا ذریعہ نہیں سمجھ کر اس مضمون کی فلسفیانہ موشگافیوں کو زیر بحث لانا ہی طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ کافیہ و شرح جامی اپنے دور کے مقاصد کے اعتبار سے صحیح تھی، لیکن اب جب کہ آسان زبان اور سہل طریقہ پر قواعد کی تعلیم کا رواج ہو چکا ہے اور اسکی افادیت بھی واضح طور پر سامنے آچکی ہے اسلئے خاص طور پر قواعد کی کتابوں میں تبدیلی اور طریقہ تعلیم میں تبدیلی بھی ضروری ہے۔ اگر اس سلسلہ میں بھی روایت پرستی میں مبتلا رہے تو ہمارے طلبہ کا معیار عبارت خوانی اور زبان دانی روز بروز گرتا ہی جائے گا۔

فقہ کی تعلیم اور نصاب تعلیم کے سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے نصاب میں نورالایضاح، قدوری، شرح وقایہ، کنز الدقائق، ہدایہ، اور بدایۃ المجتہد جیسی کتابیں شامل ہیں۔ ان کتابوں میں ان مسائل سے ہی بحث کیا گیا ہے ممکنہ حد تک ان کتابوں کی تصنیف کے وقت جو مسائل معاشرہ میں پیش آسکتے تھے۔ اب جبکہ دور جدید میں بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے، اور علماء نے فتوے دیئے اور استدلالی نظریات پیش کئے ہیں۔ کتابیں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ ان مسائل کو بھی استدلالات کے ساتھ شامل نصاب کرنا چاہیئے خواہ عام فقہی مسائل و نصاب کے ساتھ یا اختصاص کی منزل پر۔ اور اسی طرح اصول فقہ کے موضوع کی طرف بھی اس سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے جتنی دی جاتی ہے، اور کتابوں کے سلسلہ میں بھی جو آسان اور سہل کتابوں میں موضوع پر آگئی ہیں، شامل درس کرنا چاہیئے۔ اسلئے کہ ہماری توجہ نفس مضمون کی تعلیم پر رہنی چاہیئے نہ کہ کتابوں پر۔ اور اسلئے بھی کہ اب طریقہ تعلیم اور نقطہ نظر میں فرق آگیا ہے۔ درس نظامی کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ فن کی مشکل ترین کتاب پڑھا دی جائے تو اس فن کی تمام کتابوں کا سمجھنا آسان

ہوجائے گا لیکن اب جدید تعلیمی نقطۂ نظر یہ ہیکہ کسی بھی فن کو آسان سے آسان طریقہ پر پیش کیا جائے اور پڑھایا جائے تاکہ نفس فن کی مہارت پیدا ہو جائے۔

حدیث کا جو نصاب رائج ہے نہایت ہی بہتر ہے۔ اسکی تعلیم مولوی سے شروع کی جائے تو مناسب ہے لیکن مشکوٰۃ المصابیح سے پہلے ریاض الصالحین یا آثار السنن یا اسطرح کی کوئی اور کتاب شامل کی جائے تو اس موضوع سے مناسبت پیدا کرنے میں مدد ملے گی، اور مشکوٰۃ میں جس انداز سے بحث کی جاتی ہے طلبہ کیلئے مفید ثابت ہوگی ـــ حدیث کی تمام کتابوں کے درس میں ایمان اور عبادات سے متعلق ابواب پر پوری بحث کی جاتی ہے۔ معاملات سے متعلق احادیث کے درس میں اسقدر بحث نہیں کی جاتی، حالاں کہ ائمہ کے اختلافات معاملات سے متعلق مسائل میں بھی ہیں۔ فتاوی یا مسائل کے استنباط کیلئے معاملات سے متعلق احادیث کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ بعض کتابوں میں ایمان وعبادات سے متعلق احادیث پر تفصیل سے بحث کی جائے اور بعض کتابوں میں معاملات سے متعلق احادیث پر تو شاید حدیث کی تعلیم کا حق اور بہتر طور پر ادا ہو سکے۔ اسی طرح طلبہ میں احادیث کی تخریج اور اسماء الرجال سے پوری واقفیت کرائی جائے تو یہ فن اور موضوع زیادہ کارآمد ہوسا ہو۔ طلبہ میں یہ صلاحیت پیدا کرنیکی کوشش نہیں کی جاتی ہے اور نہ ہی درس میں اسکا لحاظ کیا جاتا ہے کہ طلبہ میں استعداد

جہاں تک قرآن کریم کی تفسیر پڑھانے کا تعلق ہے درجۂ مولوی اور عالم میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ لغوی، فنی اور آیات احکام کی تفسیر کے ساتھ پڑھایا جائے، عالم کے آخری سال میں بیضاوی اور کشاف شامل نصاب کیا جائے۔

اور بلاغت کی تعلیم کم از کم دو سال دینی چاہیئے، اسکی تعلیم کے معیار کو بھی بلند کرنا چاہیئے، اور ایسی کتابیں درس میں شامل کرنی چاہیئے جو اس فن کے سیکھنے میں معاون ہوں، اور تعلیم میں اس بات کا لحاظ کرنا چاہیئے کہ فن کی مکمل واقفیت ہونے کے ساتھ کسی بھی عبارت یا شعر کی بلاغت کو سمجھنے پر قدرت حاصل ہو سکے۔ اسلئے کہ اگر کوئی شخص فن بلاغت سے فنی طور پر واقف نہیں ہوتا ہے تو اسکے لئے ممکن نہیں ہے کہ قرآن کریم کے معانی ومفہوم کو اور احادیث نبوی کے معنی کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔ محض قواعد کے علم سے اعراب اور الفاظ کی ظاہری ترکیب اور معنی تو سمجھ سکتا ہے لیکن اسلوب کے فرق سے جو معانی میں فرق پیدا ہوتا ہے اسکو بغیر بلاغت سے گہری واقفیت کے ہرگز سمجھا نہیں جاسکتا۔ تو بلاغت کی بہتر تعلیم اور عملی مشق کے لئے البلاغۃ الواضحۃ اور اسکے بعد الرمانی کی کتاب النکت اور عبدالقاہر جرجانی کی دلائل الاعجاز مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

اسی ضمن میں ایک بات یہ بھی کہنے کی ہے کہ عربی زبان و ادب کی حیثیت دوسری زبانوں سے بالکل مختلف ہے۔ عربی زبان کی وسعت اسکے اسلوب کی چاشنی اور زبان کے معیار کی بقاء قرآن کریم واحادیث نبوی کی وجہ سے ہے حضرت

بکر، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے خطبے جاحظ اور اس جیسے اہل قلم کی تصانیف عہد جاہلی اور عہد اسلامی کی اس زبان کا معیار ہیں۔ انکے اسالیب کے فرق کو سمجھنے کے لئے بلاغت کی تعلیم ضروری ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض افراد نے اسالیب کے اختلافات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عربی زبان کو اسلامی عربی اور غیر اسلامی عربی میں تقسیم کیا۔ شاید وہ اسلامی ادب یا غیر اسلامی ادب کی تعبیر استعمال کرتے تو زیادہ صحیح ہوتا۔ اسی طرح بعض افراد اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی پر پردہ ڈالنے کے لئے دور جدید کی ثانوی شاعری، افسانے، ناول اور ڈرامے ہی کو عربی زبان کا معیار اور ثمرہ سمجھتے ہیں جو درحقیقت ایک دھوکہ ہے جو مغربی زبانوں کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے اسلئے کہ ان زبانوں کا سرمایہ ہی اس قدر ہے یہ اور بات ہے کہ جدید تعبیر اور اسلوب میں ترسیل کی زبان سیکھنے کیلئے افسانے، ناول اور ڈرامے کا مطالعہ مفید ہے۔ لیکن عربی زبان و ادب کا بنیادی حصہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ عربی زبان کا اصل سرمایہ قرآن کریم اور احادیث نبوی ہے۔ اسکے بعد عہد جاہلی، عہد اسلامی اور عصر عباسی کے نثری و شعری اسالیب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسکے بغیر شاید عربی زبان کے اسالیب اور بلاغت کی خوبیوں پر کامل عبور نہ ہو۔ اور عربی ادب کی تعلیم و تدریس کے لئے نصاب تعلیم کے انتخاب میں ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

علوم عربیہ کے ساتھ انگریزی زبان سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ جو انگریزی کبھی ناجائز تھی، اب علماء اسکی ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں۔ اور اکثر مدارس میں اسکی تعلیم ہونے لگی ہے۔ مدارس میں انگریزی تعلیم کا معیار وہ تو نہیں قائم کیا جاسکتا جو اسکولوں کالجوں کے طلبہ کا ہوتا ہے۔ اسلئے کہ مدارس میں اسکی حیثیت ایک ضمنی مضمون کی ہے اور ہونا بھی چاہیئے تاکہ ہمارے نصاب تعلیم کا اصل مقصد فوت نہ ہو۔ عربی و دینی موضوعات کی تعلیم پر اثر انداز نہ ہو۔ لیکن اس حد تک انگریزی کی تعلیم ضروری ہے کوئی شخص بات کہے تو سمجھ سکے اور خط وکتابت کی صلاحیت پیدا ہو سکے تاکہ علماء براہ راست اسلام کے خلاف یا مسلمانوں کے خلاف جو کچھ کہا جارہا ہے اسکو سمجھ سکیں، وہ دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ اور وہ طلبہ جو عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حکومت کی ملازمتوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ انکے لئے دروازہ بند نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں ہے اور ہر فرد کو حکومتی اداروں میں ملازمت بھی نہیں مل جاتی ہے۔ اگر تھوڑے افراد دینی تعلیم و تربیت کے بعد حکومتی اداروں کی ملازمت میں شریک ہوجاتے ہیں تو اس سے ہمارے ملی مسائل حل کرنے اور اقتصادی بحران پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ اور آسانیاں بھی ہوں گی، اور امت مسلمہ کو ترقی کرنے کا موقع بھی ملے گا۔

اور جہاں تک کسی موضوع یا فن پر اختصاص کا تعلق ہے مدارس عربیہ اسکی طرف توجہ کرنے لگے ہیں یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ ذہین، محنتی اور با صلاحیت طلبہ کا ہی داخلہ اختصاص کیلئے کیا جائے۔ بعض طلبہ کی

تعداد شمار کرانے کے لئے ہر شخص کا داخلہ اس غرض کے لئے نہیں کرنا چاہیئے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ طالب علم کی اس قدر مالی اعانت کرنی چاہیئے کہ یکسوئی سے خوش دلی کے ساتھ وہ کام کر سکیں۔ کتابوں کی فراہمی، قدیم و جدید مصنفین کی کتابوں سے استفادہ کا موقع دینا چاہیئے۔ اس فن کا ماہر جس میں وہ اختصاص کرتا ہے کہیں اور ہے تو اس سے بھی استفادہ کا موقع فراہم کرنا چاہیئے اس سے تحقیق و محنت کے بعد ایسے مقالے لکھوانا چاہیئے جس میں جدت محسوس ہو۔ فکر کی گہرائی اور مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہو۔ اس میں اس بات کا میلان ہو کہ فن یا موضوع میں جن جدید مسائل کو حل کرنے کی ضرورت ہے حل کرنے اور ایجاد کرنے کی خوبی پائی جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ہمیں علم کو علم کی حیثیت سے حاصل کرنا ہے اور علم میں ایجاد کا معیار پیدا کرنا ہے دینی شعار کی بقاء کے ساتھ زندہ قوم کی حیثیت سے رہنا ہے تو ہمیں اپنے نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم پر پھر سے غور کرنا ہوگا۔ اسلئے کہ علم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو انسان میں فکری بلندی پیدا کرتا ہے اور فکری بلندی ہی انسان کو دینی و اخلاقی اعتبار سے بلند مرتبے تک پہونچاتی ہے۔ اور قوم و امت کو عزت و اعزاز بخشنے کے ساتھ انسانی تاریخ میں اس قوم کے نام کو زندہ و تابندہ رکھتا ہے۔ اور موجودہ دور و موجودہ حالات میں ایسے نصاب تعلیم اور علوم کی ضرورت ہے جو بقول علامہ اقبال

" در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق کا مصداق ہو"

تحریر: ڈاکٹر عبدالعلی ازہری — ترجمہ: امتیاز احمد سلفی

یورپ میں مسیحی سرگرمیاں

اور اسلام کی موجودہ صورت حال

جس دور میں ہم سانس لے رہے ہیں وہ مادی دور کہلاتا ہے، مادیت کا دور دورہ اور اسی کا غلبہ ہے یہاں تک کہ اسکے آگے دین کی اخلاقی قدریں بھی مات کھا گئیں اس چیز کو ہر وہ آدمی محسوس کرسکتا ہے جو یورپ میں مادیت کی طغیانی اور اسکے مظاہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو دین لے کر آئے اس میں مادیت کو بالکلیۃً قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا، دین انسانیت کی ہدایت اور ہر اس چیز میں اسکی رہنمائی کیلئے آیا تھا جس میں انسان کی دنیوی و اخروی بہتری ہو۔ اس اعتبار سے اسلام تمام ادیان سے ممتاز ہے کہ وہ فرد و معاشرہ میں مادی اور روحانی پہلو کے مابین انصاف کے توازن کو برقرار رکھا ہے۔ دین کی شریعت و تعلیم کا رجحان ان دونوں پہلوؤں میں سے نہ کسی ایک جانب ہے اور نہ ہی ایک دوسرے پر کسی کی فضیلت کا قائل، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کو کما حقہٗ ادا کیا جائے اس ناحیہ سے شریعت اسلامیہ انسان کے تمام مقتضیات کی تکمیل کیلئے وقف ہے۔ انسان نام ہے جسم و روح کے اتصال کا، اسکے جسم نمو و بقاء کے لئے مادی اشیاء کی ضرورت ہے جس میں کھانا پینا، نکاح اور افزائشِ نسل وغیرہ شامل ہے، سر چھپانے کے لئے گھر کی ضرورت ہے تاکہ سرد و گرم سے محفوظ رہ سکے اسی پر بس نہیں، اگر وہ صرف انہیں اشیاء پر اپنی نظر مرکوز رکھے تب تو وہ حیوانات سے بھی گیا گذرا کہلائے گا، جو صرف اپنی جسمانی پرورش کیلئے زندہ رہتے ہیں۔ انسان کا مقصدِ حیات اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے، یہ جائے کہ وہ اپنی روح کو مادیت کے سامنے مغلوب رکھے اللہ تعالیٰ نے اسے قوتِ غور و فکر سے سرفراز فرمایا ہے، اسکو استعمال کرکے اس دنیا میں وہ اپنا مقام بلند کرسکتا ہے لیکن اگر وہ مادیت سے یکسر منحرف، وسائلِ زندگی سے الگ تھلگ ہوکر رہبانیت کی زندگی اختیار کرے تو گویا وہ اپنے لئے موت و فنا کو اختیار کررہا ہے، مذہبِ اسلام نے مادہ و روح کے مابین تطبیق پیدا کی ہے اس کا یہ عمل نیا نہیں ہے، بلکہ تمام انبیاء سابقین کی یہی دعوت رہی ایمان اور عبادت کے ذریعہ روح میں

جلا پیدا کرنا، دنیوی معاملات میں شریعت کو نافذ کر کے مادی پہلو کی اصلاح کرنا۔ یہ الگ بات ہے کہ انبیاء کے متبعین نے انکی تعلیمات میں تحریف کر ڈالی اور ادھر ادھر بہک گئے، یہاں تک کہ مادیت اور روحانیت کے مابین شریعت نے جو توازن قائم رکھا تھا وہ ختم ہو گیا یہی چیز یورپ میں مسیحیت کے اندر پیدا ہو گئی۔

دین و سلطنت یا کلیسا و حکومت کے مابین اٹھا پٹک کی داستان یورپ میں بہت معروف ہے اور اسکی بنیاد سلطنت کا کلیسا پر غلبہ اور دین کو معاشرۂ انسانی کے تمام پہلوؤں (سیاست و اجتماعیت اور اقتصاد و ثقافت) سے دور رکھنا ہے لیکن کیا مادہ پرستوں کو مغربی قوم کے نزدیک دینی و روح کے ساتھ اس طرح کے سلوک میں کوئی کامیابی نصیب ہوئی، اور کیا لوگ دینی اقدار کو بھول گئے جن پر انکے آباء و اجداد چل رہے تھے۔ یقیناً مادہ پرستوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست کامیابی حاصل کی لیکن انسانی سعادت اور روحانی سکون کے وسائل مہیا کرنے میں وہ سخت ناکام بھی ہوئے آج امریکہ و یورپ کی ترقی پسند قومیں انتہائی خوف و خطر کی زندگی بسر کر رہی ہیں، اس کے بالمقابل مسلمانوں کو باوجود فقر و تنگدستی کے امن و سکون حاصل ہے یورپ وغیرہ کے معاشرہ میں اس طرح کی متضاد زندگی نے مفکرین کو حیرت میں ڈال رکھا ہے اور مادیت کے متوالوں کو اپنی ناکامی کا احساس بھی ہے، وہاں تمسک بالدین یا ماضی کی طرف رجوع کی دعوت کا میدان صاف ہو رہا ہے، اور عملی طور پر دین کے داعی اہلِ سلطنت کو اس بات پر مجبور کرنے کی استطاعت رکھنے لگے کہ دنیا میں مسیحیت کے فروغ میں وہ تعاون کریں اور دینی مجلسوں میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ اس وقت مسیحی نصب العین کے آثار دو پہلوؤں سے زیادہ نمایاں ہیں۔

۱۔ یورپ میں مسیحیت کی ترویج و اشاعت اور غیر ملکی لوگوں کو اسکی طرف رغبت دلانے میں مسیحی مبلغین کچھ زیادہ چاق و چوبند دکھائی دے رہے ہیں، اور اسکے لئے ان قوموں کو استعمال کر رہے ہیں، جو کسی اسلامی یا غیر اسلامی ملک سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہیں اور ان کا دین مسیحیت نہیں ہے، ہوتا یوں ہے کہ تبلیغ کیلئے مسیحی عورتوں اور مردوں کی جماعت ان قوموں کا رخ کرتی ہیں جو ایشیا، یا افریقہ میں مقیم ہیں اور دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بٹ کر کسی ایک خاندان کے لوگوں سے ملاقات کرتی ہیں اور انتہائی نرمی اور ملائمت سے ایسے بحرانی مسائل اور اسکے طریقۂ علاج کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں جن سے آج کا انسان دوچار ہے، اور اس بات پر زور دیتے ہیں، کہ ہم انسانیت کو مشکلات سے نکالنے کیلئے کوشاں ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہ ہمارے اندر اتحاد اور ہمدردی کی روح پھونکے گا اور محبت و عفو کا سلوک رائج کرائے گا اور وہ آمادہ کرتے ہیں کہ آدمی ہر جاندار سے محبت کرے اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستوں جیسا برتاؤ کرے اور

یادتی کرنے والوں کو معاف کرے۔ اس طرح ماحول بنتے بناتے ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا اتحاد و ہمدردی، الفت ومحبت
ور باہمی تعاون سے لبریز نظر آئے گی اور ہر اس چیز سے نفرت پیدا ہوگی جو ان کی زندگی کو مکدر کرنیوالی ہے۔
قارئین ملاحظہ فرمائیں کیسی چکنی چپڑی اور دل کو موہ لینے والی بات ہے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو مظلوم ومجبور
وکر مہاجرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس سرزمین سے محروم ہیں جہاں کی آب وہوا میں ان کی پیدائش اور پرورش ہوئی۔
یحی کی باقاعدہ اسی نہج پر تربیت ہوتی ہے کہ کیسے وہ اپنی بات لوگوں کے سامنے رکھیں، تبلیغ کے کیا طریقے ہیں، وہ
ذہبی اختلافات اور مسیحیت کو کسی دیگر مذہب پر افضلیت کی بات نہیں کرتے وہ علانیہ لوگوں کو ان کے دین سے متنفر نہیں
ـتے بلکہ اپنی تمام تر توجہات اس بات پر مرکوز رکھتے ہیں کہ لوگ آپس میں محبت و بھائی چارگی اور عفو در واداری کا شعور
یدا کریں وہ اپنی پاک بازی کو خوبصورت شکل میں پیش کرتے ہیں۔ چال ڈھال اور تخاطب میں الفت ومحبت نرمی اور انکساری
اہر کرتے ہیں، صاف شفاف لباس ہوتا ہے گفتگو میں مٹھاس ہوتی ہے، اس رواداری سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں
ہ دلوں میں اپنے دین کی اہمیت کا بیج بوئیں اور دوسرے ادیان پر مسیحیت کی بالادستی ثابت کریں۔
اس سلوک وبرتاؤ کا آپ ذرا مسلمان مبلغین سے موازنہ کریں جن کا حال یہ ہے کہ ان کے کپڑے گندے ہوتے ہیں
س سے گندگی کو فروغ ملتا ہے گھروں میں صفائی نہیں رہتی بر سرعام لوگوں کے درپے آزار ہوتے ہیں، طریقہ کلام میں سختی
رتی ہے، اور اپنی بات کو معمہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں، اسطرح لوگوں کو اسلام سے متنفر کرتے ہیں، حالاں کہ بظاہر وہ اپنے
ان کے مطابق دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہیں یہ محض طریقہ دعوت وتبلیغ سے ان کی ناواقفیت اور دعوت الی اللہ کو بے حکمتی
ے پیش کرنے کا نتیجہ ہے، جس کا قرآن نے حکم فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مبلغین کی اس ناواقفیت کی وجہ سے اسلام کو بہت
نقصان پہنچا، اور مسیحیت کی کوششوں کے سامنے اسلام کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا خصوصاً ان علاقوں میں جہاں کے سیاسی
سماجی حالات اسلام کے حق میں سازگار تھے مگر اسلام کے مبلغین دینی تعلیم کے خوشنما جوہر کو پیش کرنے سے قاصر رہے سبب کہ
ت کے مخالفین اپنے مفاد کیلئے تاریخ اسلام کے تاریک پہلوؤں کو استعمال کرنے میں پوری طرح قادر ہیں۔
۲۔ ملاویشین قوم میں دینی بیج پھونکنے کی غرض سے حکومتِ برطانیہ نے انگریزی کلیسا کے صدر اعلیٰ کی سفارش سے چند
اردادیں پاس کی ہے جسکی بنا سے ابتدائی اور ثانوی درجے کے نصاب تعلیم میں مسیحیت کی تعلیم ضروری قرار دی گئی چنانچہ ہر اسکول
ں ہفتہ کے اندر اسکے لئے چند گھنٹیاں لازم ہوگئیں، اسکے علاوہ روزانہ اجتماعی طور پر صباحی ترانہ تمام طلبہ پڑھتے ہیں جسمیں دینی
ریقہ کار کی عکاسی ہوتی ہے۔

ایک جمہوری ملک میں اسطرح کا قانون کہ مذہب و سیاست میں تفریق ہو، صاف اشارہ ہے کہ یورپین معاشرہ میں نا اتفاقی ہے، یہ صورت حال ان مسلمان طلبہ اور طالبات کیلئے جو وہاں انگریزی اسکول میں زیر تعلیم ہیں سخت خطرناک ہے کیونکہ وہاں ہر ایک کیلئے تعلیم لازم ہے کوئی شخص اپنی اولاد کو تعلیم گاہ سے جدا نہیں کر سکتا۔ لیکن اس قانون میں یہ ترمیم کی گئی کہ جو لوگ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دینا چاہتے ہیں، وہ ان اسکولوں سے انہیں واپس بلا سکتے ہیں مگر یہ ترمیم ایک آزمائش کی چیز بن گئی کہ مسلمان اپنے بچوں کو کہاں تک دینی تعلیم دے سکیں گے، جب کہ محض دینی تعلیم کا حصول مشکلات کا حل نہیں، اس طرح کی اور بھی بہت سی آزمائشیں انہیں درپیش ہیں ضروری ہے کہ اس کا کوئی عوض تلاش کیا جائے۔ اگر مسلمان کسی مفید تجویز پر متحد ہو کر اسے اعلیٰ افسران کی خدمت میں پیش کریں، تو ممکن ہے کہ وہ کسی سرکاری تعاون کے حصول میں کامیاب ہو جائیں۔ عملی طور پر بعض مسلم تنظیموں نے اس سلسلہ میں قابل قدر کام انجام دیا ہے لیکن انفرادی کوششیں کہاں تک کامیاب ہوں گی، لہذا مقامی طور پر مسلم تنظیمات اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور مشترکہ شکل میں ایسا عملی اقدام اٹھائیں جس سے آنے والی نسلیں مغربی معاشرہ کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ و مامون ہو سکیں۔

لیکن مشاہدہ بتا رہا ہے کہ یورپ اور برطانیہ میں کیا دنیا کی اکثر اسلامی تنظیمیں سخت اختلاف و انتشار کا شکار ہیں انکا اتفاق کسی ایسے لائحہ عمل پر نا ممکن ہے جو ان کو اسلامی نسل کے مفاد میں کام کرنے پر متحد کر سکے۔ انکی نا اتفاقی کی تازہ ترین مثال ابھی ملعون سلمان رشدی کی کتاب "آیات شیطانیہ" کی اشاعت و تشہیر کے موقع پر دیکھنے کو ملی آئے دن کسی رہنما کی قیادت میں کوئی نہ کوئی تنظیم بنتی تھی گویا بغیر کسی تنظیم کے انہیں کوئی مناسب مقام ملنا دشوار ہے، انکی ذاتی ہوس اسوقت تک نہیں ختم ہوتی، جب تک کہ ان کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ اکٹھا نہ ہو جائے اور انکی قیادت حاصل ہو۔

یورپ میں تمام مسلم تنظیمات کسی نہ کسی شکل میں حکومت کے تابع ہیں، اور اسکے مفاد کی رعایت کرتی ہیں، تعلیمی میدان میں انہیں کے احکام کی رعایت کی جاتی ہے، اس طرح تنظیم ایک سیاسی روپ دھار لیتی ہے، اور کسی خاص ریاست کے مفاد میں کام کرتی ہے۔ چہ جائے کہ مسلمانوں کی خدمت کریں، ان میں دینی شعور پیدا کریں اور غیر مسلموں میں اسلام کی بالادستی کے خصائص بیان کریں۔۔



مولانا احمد مجتبیٰ سلفی

ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن

اور امت میں ان کے غلط اثرات

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ، بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ

یعنی: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے کسی کی بھی اقتدار کرلوگے ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔

یہ حدیث موضوع ہے اگرچہ چھ صحابہ کرام سے مروی ہے: حضرت عمر، ابن عمر، ابن عباس، جابر، ابوہریرہ اور نبیط بن شریط رضوان اللہ علیہم، (حضرت نبیط کی حدیث کے الفاظ ہیں "أَهْلُ بَيْتِي كَالنُّجُوْمِ .... یعنی: میرے اہل بیت....) اور ہر ایک صحابی کی حدیث کی سند میں کوئی نہ کوئی جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا راوی موجود ہے۔ مثلاً: حضرت عمر کی حدیث کی سند میں عبدالرحیم بن زید العمی، ابن عمرؓ کی سند میں حمزہ الجزری ابن عباس کی سند میں سلام الطویل، ابوہریرہ کی سند میں جعفر ابن عبدالواحد، اور نبیط کی سند میں احمد بن ابراہیم بن اسحاق ابن نبیط الکذاب،

بنا بریں یہ حدیث کثرت اسانید کی بناء پر حجت کے مرتبے تک نہیں پہونچ سکتی کثرت اسانید کی بناء پر صرف وہی حدیثیں حجت کے درجہ کو پہونچتی ہیں جن کی سندوں میں کوئی جھوٹا راوی نہ ہو۔

مذکورہ بالا اسانید کے ساتھ اس حدیث کو، خطیب نے کفایہ (ص۴۸) میں ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۲/۹۰) میں، ابن حزم نے الاحکام (۶/۱۰۵۶) میں، قضاعی نے مسند شہاب (رقم ۱۳۴۶) میں، ابن الجوزی نے العلل (۱/۲۸۳) میں اور ابن نبیط الکذاب نے اپنی گھڑی ہوئی احادیث کے مجموعہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے راویوں پر تفصیلی کلام کے لئے مذکورہ بالا کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ میزان الاعتدال للامام الذہبی، لسان المیزان للحافظ ابن حجر، اور سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ علامہ الالبانی، ارقام ۵۸ تا ۶۲۔

مشہور صوفی عبدالوہاب شعرانی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ: یہ حدیث گرچہ محدثین ...

رٹیڑ ہے لیکن اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے، یہ کتنی لچر بات ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں، (دیکھئے ان کی کتاب "المیزان")
معنی پر ایک نظر: گذشتہ حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہی سب کچھ اس حدیث کے معنی
ور غلط اثرات کے بارے میں بھی صادق آتا ہے۔

نیز امام ابن حزم فرماتے ہیں: یہ بات محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر صحابی کی ہر بات کی اتباع کا حکم دیں
ہوں کہ بعض صحابہ بعض چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں تو بعض دوسرے انہی کو حرام قرار دیتے ہیں، اگر ہر ایک کی اتباع جائز
ہو تو حضرت سمرہ بن جندب کی اتباع میں شراب کی فروخت کا کام جائز ہوگا، اور حضرت عثمان و علی و طلحہ و ابو ایوب و ابی
بن کعب کی اتباع میں عزل سے منی خارج نہ ہونے پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ (حالاں کہ دو شرمگاہوں کے صرف مل جانے
سے غسل واجب ہو جاتا ہے)

آگے چل کر فرماتے ہیں: ایسے اشخاص کی تقلید کیسے جائز ہو سکتی ہے جو کبھی خطا بھی کر جاتے ہیں، ہمارے اوپر تو اصل
صرف اس چیز کی اتباع فرض ہے جو اللہ کے قرآن میں ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث میں، وہ رسول جنکو
دین کی تفسیر و توضیح کا حکم دیا گیا ہے، اختلاف بہر صورت اعتنار کے لائق نہیں، بعض لوگوں نے حدیث "اصحابی کالنجوم
...." کا سہارا لے کر اختلاف امت کو رحمت قرار دیا ہے، حالاں کہ یہ حدیث باطل ہے، اہل فسق کی گھڑی ہوئی ہے،
بھلا، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس بات کو جائز قرار دے سکتے ہیں جس سے ایک بار منع کر چکے ہوں،
آپ نے ایک بار حضرت ابو بکر کی ایک تفسیر کو غلط قرار دیدیا تھا، اور حضرت عمر کو ایک مسئلہ میں مخطئ قرار دیا تھا،
اور حضرت ابو السنابل کو عدت کے بارے میں ایک فتوے کو رد فرما دیا تھا۔ تو یہ بات بالکل محال ہے کہ آپ پھر اسی بات
کو جائز قرار دے دیں جس کے غلط ہونے کی خبر ایک بار دے چکے ہیں۔ اگر ہر ایک صحابی کی اتباع کو جائز قرار دیدیں تو گویا
خود اپنے ہی غلط قرار دی ہوئی بات کی اتباع کی اجازت دیدی؟ حاشا، وکلا، ہاں اگر آپ کی مراد روایت ہو تو پھر ٹھیک
ہے کیوں کہ تمام صحابہ عادل ہیں، کسی سے بھی کوئی حدیث رسول مروی ہو روایت لینے والا ہدایت یاب ہو جائے گا۔ نیز یہ
تشبیہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ یہ تو ایک ظاہر البطلان تشبیہ ہے کیوں کہ ہر ستارے سے راستہ معلوم نہیں کیا جاتا، پس یہ تشبیہ
باطل اور یہ حدیث باطل۔

علامہ البانی فرماتے ہیں: کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کی اتباع کو جائز
قرار دے دیں جبکہ ان میں عالم بھی تھے اور غیر عالم بھی، اور ان میں سے بعض اولے کھانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے قائل نہیں
تھے جیسے حضرت ابو طلحہؓ (دیکھئے مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۷۹) خدا ہمیں باطل احادیث کی اتباع سے بچائے، آمین۔

انتخاب و ترتیب : احمد مجتبیٰ سلفی

بَابُ الْفَتَاوىٰ

۱۔ جس جگہ کی پاکی نہیں معلوم ہو اس پر نماز کا حکم :

۲۔ جماعت سے پنجوقتہ نماز کی ادائیگی واجب ہے ۔

سوال : ہم لوگوں نے ایک جگہ با جماعت نماز ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد صاحب مکان نے کہا کہ : مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ جگہ پاک ہے یا ناپاک، تو کیا ہم لوگ اس نماز کو دھرالیں ؟ یا کیا کریں !

الجواب : اس نماز کو دھرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اشیاء میں اصل طہارت ہے اور ناپاکی کا یقین نہیں بلکہ اگر سلام کے بعد بالیقین معلوم ہو جائے کہ جگہ ناپاک تھی تب بھی نماز دھرانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر سلام کے بعد معلوم ہو کہ نمازی کے جسم یا کپڑے میں ناپاکی تھی تب بھی نماز دھرانے کی ضرورت نہیں، یا نماز سے پہلے معلوم تھا پھر بھول گیا اور سلام کے بعد یاد آیا، اس بارے میں یہی صحیح قول ہے اسلئے کہ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے بحالت نماز میں آپنے اپنے جوتے اتار دیئے تو دیکھا دیکھی لوگوں نے بھی اپنے اپنے جوتے اتار دیئے، نماز کے بعد آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ : تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیئے ؟ صحابہ نے عرض کیا : اسلئے کہ آپ کو دیکھا کہ آپ نے اتار دیئے، آپ نے فرمایا : میں نے تو اسلئے اتار دیئے کہ جبرئیل نے آکر بتایا کہ آپ کے جوتے میں ناپاکی ہے، اگر کوئی آدمی نماز کو آئے تو اسے چاہیئے کہ اپنے جوتوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ لے اگر ان میں ناپاکی ہو تو دور کر دے تب ان میں نماز پڑھے (رواہ ابوداؤد باسناد صحیح)

اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ جگہ، کپڑا اور جسم کی ناپاکی کے علم سے پہلے کی نماز دھرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جتنی نماز پڑھ لی تھی اسے دھرائی نہیں۔

نیز ارشاد باری ہے : (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا) سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اگر کسی کو نماز کے درمیان جگہ کی ناپاکی کا علم ہوا اور اس کے ارد گرد پاک جگہ ہو تو وہ اس جگہ منتقل ہو جائے اسکی نماز صحیح ہو جائے گی۔

اور اگر اس کو پاک جگہ میسر نہ ہو تو اسی جگہ پر پاک جائے نماز بچھا کر نماز پڑھ سکتا ہے، اور اگر پاک جگہ میسر نہ ہو نماز توڑ کر دوسری پاک جگہ تلاش کرنی چاہیئے۔

یہی حکم کپڑوں اور جوتوں میں ناپاکی معلوم ہو جانے پر بھی ہے۔

لیکن اگر کسی کو حالت نماز میں یہ یقین ہو جائے کہ اسنے وضو یا غسل نہیں کیا تھا جب کہ اس کی ضرورت تھی نماز باطل ہو جائے گی اسے وضو یا غسل کر کے نماز دھرانی ہوگی اسلئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"لا صلاۃ بغیر طہور" (رواہ مسلم) یعنی بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوگی۔

۱) **سوال** : بعض لوگ نماز باجماعت یہ عذر کر کے چھوڑ دیتے ہیں کہ: ہمیں بڑی مشغولیت رہتی ہے، اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: نماز کا تعلق اللہ سے ہے اس میں کسی انسان کو دخل دینے کی ضرورت نہیں، تو آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب : مسلمانوں کا ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہنا اور غیر شرعی کاموں سے روک دینا دین کے اہم فرائض میں سے ہے، ارشاد باری ہے (وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) (سورۂ توبۃ) یعنی مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: " من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ، وذالک أضعف الایمان (رواہ مسلم) "یعنی اگر کوئی کسی بری بات کو دیکھے تو اسے بذریعہ طاقت ختم کردے، اگر بذریعہ طاقت ختم کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے کوشش کرے کہ وہ برائی ختم ہو جائے، اگر اسکی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو دل ہی سے اس برائی کو برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔

تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بغیر شرعی عذر سے نماز باجماعت کا ترک ایک منکر ہے اس پر نکیر واجب ہے، مردوں کیلئے بس تو باجماعت اور مسجد میں ادا کرنا فرض ہیں، اسکی بہت سارے دلائل ہیں منجملہ ان کے یہ فرمان نبوی ہے "من سمع النداء فلم یأت فلا صلاۃ لہ الا من عذر" یعنی جو آدمی اذان سن کر جماعت میں شریک نہ ہو اسکی نماز ہی نہیں ہوگی"

اس حدیث کو ابن ماجہ اور دار قطنی اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور یہ ہے بھی صحیح۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک اندھے سے فرمایا تھا کہ اگر تم اذان کی آواز سنتے ہو

تو تمہارے اوپر جماعت میں شریک ہونا واجب ہے (رواہ الامام مسلم) نیز اور بھی بہت سی احادیث اس معنی میں وارد ہیں ۔

نیز مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جب اس کا کوئی مسلمان بھائی اس کی کسی غلطی پر ٹوکے تو غصہ نہ ہو بلکہ اسے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور دعا خیر کرنی چاہیئے کہ اس نے اسکو اس کا واجب یاد دلایا ۔ اسکے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تکبر کا رویہ اختیار کرے کیونکہ خدا نے ایسا رویہ اختیار کرنے والے کی مذمت کی ہے، ارشاد ہے: (وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ، وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ) (سورہ بقرہ، آیت: ۲۰۶) یعنی اگر کوئی اسے کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو اکڑ خانی کی وجہ سے گناہ پر اڑ جاتا ہے۔ بس جہنم اسکو کافی ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ۔

(افادات شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ، مفتی اعظم سعودی عربیہ،
شائع شدہ "الدعوۃ" مورخہ ۲۱/۲/۱۴۱۰ھ)

کتاب "سو بڑے" کے مصنف مائیکل ہارٹ کے ساتھ ایک انٹرویو کا خلاصہ

(مشہور عالم کتاب "سو بڑے" کے مصنف مائیکل ہارٹ کے ساتھ ایک انٹرویو میں ہفتہ وار "المسلمون" کے ایک نامہ نگار مجاہد خلف نے بتایا ہے کہ مصنف موصوف نے انٹرویو میں یہ انکشاف کیا کہ مذکورہ کتاب کی اشاعت کے وقت ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پادریوں اور میرے درمیان ایک کش مکش کا ماحول پیدا ہو گیا تھا، امریکہ کے تمام پادری اس بات پر مصر تھے کہ میں سو بڑوں کی تاریخ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت کو سرفہرست نہ رکھوں۔ ڈاکٹر ہارٹ نے مزید کہا کہ: شدید نکتہ چینی کے باوجود پیغمبر اسلام کا نام ہٹا کر ان کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسری بڑی نصرانی شخصیت کا نام سرفہرست رکھنے پر میں آمادہ نہ ہو سکا اس سلسلہ میں مجھے یہ دلیل مطمئن نہ کر سکی کہ دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ اس وقت نصرانی مذہب کا پیرو ہے۔ ڈاکٹر ہارٹ نے مختلف اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اہل کلیسا پر واضح کر دیا کہ انسانی زندگی پر گہرے اثرات کے پیش نظر پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بلند و بالا مرتبہ کے مستحق ہیں جو اپنی کتاب میں انہیں میں دے سکا ہوں)

مذکورہ تمہید کے بعد جو سوال و جواب شائع ہوا ہے اس کا خلاصہ درج ہے:

سوال نمبر ۱: ڈاکٹر مائیکل ہارٹ! علم فلکیات کے ایک استاد اور محقق کی حیثیت سے اسلامی معاشرہ کے مطالعہ اور اس پر توجہ کا محرک کیا ہے؟

جواب: میں اسلامیات کا ماہر نہیں، البتہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، میرا خاص میدان سائنس بلکہ اسکا ایک شعبہ یعنی فضائی سائنس ہے، لیکن ساتھ ہی تاریخ، سیاست اور ریاضیات پر بھی میری توجہ رہی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھنے کے محرکات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ہارٹ نے وضاحت کی کہ جب میں نے ان شخصیات پر لکھنا شروع کیا جو انسانی تاریخ پر خصوصیت کے ساتھ اثر انداز ہوئی تھیں تو مجھے احساس ہوا کہ ان میں سے بہت سے مذہبی رہنما اور قائدین ایسے ہیں جنہوں نے لاکھوں اور کروڑوں اشخاص پر گہرے اثرات ڈالے ہیں، اور ان میں پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام سرفہرست ہے۔ پھر میں نے اس طرح کی سو شخصیتوں کو منتخب کر کے اس کتاب میں شامل کیا

ان کا تعلق دنیا کی مختلف حکومتوں اور مختلف ممالک سے ہے۔ جن شخصیتوں پر میں نے لکھا ہے ان میں سے ہر ایک اور بالخصوص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر میں نے بہت زیادہ پڑھنے کے بعد کتاب لکھی ہے۔

سوال نمبر۲: پیغمبر اسلام سے متعلق آپ نے مغربی اہل قلم کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہوگا، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر لکھتے ہوئے مغرب کے اہل قلم غیر متعصب اور بے لوث ہوتے ہیں؟

جواب: ڈاکٹر ہارٹ نے فکر انگیز خاموشی کے بعد کہا کہ: پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، زندگی اور سیرت کے متعلق میں نے صرف انگریزی زبان میں پڑھا ہے کیونکہ میں عربی زبان سے واقف نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام سے متعلق نگارشات کے سلسلہ میں بڑا مسئلہ تعصب اور بدنیتی کا نہیں بلکہ معلومات کی فراہمی کا ہے۔ مثال کے طور پر میں کہنا چاہتا ہوں کہ امریکہ و یورپ کے بہت سے محققین دونوں براعظموں کی تاریخ سے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں، لیکن عربوں، مسلمانوں اور مشرقی ملکوں کے بارے میں انہیں اس قدر معلومات حاصل نہیں ہیں۔ مذکورہ کتاب کی تیاری کے لئے مطالعہ کے دوران مجھے احساس ہوا کہ اہل مغرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق لکھتے ہوئے ان کی زندگی کی تفصیلات کی گہرائی میں نہیں جاسکے ہیں۔ بلکہ عمومی اور سرسری انداز میں ان کی سیرت اور کردار کے جائزہ پر اکتفا کیا ہے۔

سوال نمبر۳: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھنے سے پہلے آپ نے کسی مسلم ملک کا سفر کیا تھا؟

جواب: مجھے کسی عرب ملک کے سفر کا موقع پہلے نہیں مل سکا تھا، البتہ مذکورہ کتاب کی تالیف کے دوران ان عرب شخصیتوں سے ملاقات کا موقع ملا تھا جو امریکہ میں مقیم تھیں، ان سے ملاقات کے دوران عربوں کی زندگی پر سب سے زیادہ اثرانداز ہونے والی شخصیت سے متعلق میں نے ان کا نقطۂ نظر معلوم کیا۔ اسی طرح میں نے ہندی و چینی شخصیات سے متعلق لکھتے ہوئے بھی کیا، میرا مقصد ان اثرات کو معلوم کرنا تھا جو قوموں کی زندگی پر ان اشخاص کی وجہ سے رونما ہوئے تھے اور میں ان سے واقف نہ ہوسکا تھا۔

سوال نمبر۴: آپ کی کتاب پر مختلف حلقوں کی طرف سے مختلف تاثرات اور ردعمل کا اظہار ہوا، ان میں نمایاں ردعمل کیا ہے؟

جواب: امریکہ میں رہنے والے مختلف مسلمانوں نے جن سے میں واقف نہ تھا، مجھے تعریفی خطوط لکھے، عرب اہل قلم نے اس کا مناسب تعارف یا تبصرہ لکھا جب ۱۹۸۰ء میں میں مصر آیا تو جتنے لوگ مجھ سے ملے سب نے کتاب کے اسی حصہ کی بابت سوالات کئے جس میں پیغمبر اسلام کے حالات درج تھے، جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ لوگوں نے پوری کتاب کے بجائے

صرف اسی حصہ کو پڑھتا ہے۔ یہ عام طور پر ہوتا ہے کہ لوگ صرف ان ہی شخصیتوں کو پڑھتے ہیں جن کا ان کی زندگی پر اثر ہوتا ہے اور دوسری شخصیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

درحقیقت میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ لوگ دوسری شخصیتوں کو بھی پڑھیں تاکہ انہیں دوسری ثقافتوں اور دوسرے علاقوں کے احوال کا علم ہو۔

سوال نمبر ۵: نصرانی اہل قلم اور اہل کلیسا کے رویہ سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: اپنی کتاب کے لئے جب میں نے منتخب شخصیات کی فہرست مرتب کی تو کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ میں کتاب پڑھنے اور اسکے مشتملات سے اختلاف کے سلسلہ میں ہر شخص کو پورے طور پر آزاد تصور کرتا ہوں۔ کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفہرست رکھنے پر مصر میں کسی نے مجھ پر اعتراض نہیں کیا، لیکن امریکہ میں اس نقطہ پر بڑی بحث و تکرار ہوئی، میں اسکی وجہ یہ سمجھتا ہوں کہ امریکہ کے اکثر لوگ غیر مسلم ہیں، اور ہر شخص کتاب کو اپنے نقطہ نظر سے پڑھتا ہے میں بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی بھی کتاب کا مطالعہ تنقیدی نقطۂ نظر سے ہونا چاہیئے، میری کتاب اس سے مستثنیٰ نہیں، ممکن ہے مجھ سے غلطی ہوئی ہو۔

اہل کلیسا کے ساتھ میرے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب میں سرفہرست لکھوانا چاہتے تھے، میری کتاب میں مسیح علیہ السلام کے علاوہ پولس رسول، مارٹن لوتھر، کالفن اور پادری اوگسٹائن کے احوال درج ہیں، اہل کلیسا کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ دنیا کی نصرانی آبادی پر جو مسلمانوں سے زیادہ ہے، مذکورہ شخصیات کے اثرات زیادہ گہرے ہیں۔

میں نے ان کے سامنے واضح کیا کہ مذکورہ نصرانی شخصیات نے مجموعی طور پر جو اثر ڈالا ہے اسکے مقابلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر زیادہ گہرا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نصرانیت کو کسی ایک شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، انجیل حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام نہیں، اسکے بہت سے حصوں کو رسول پولس نے لکھا ہے، اور اسی نے نصرانیت کی تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس کے برعکس اسلام اور مسلمانوں کی بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت منفرد ہے، پورا قرآن آپؐ پر نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دین کی بنیادیں مضبوط کیں، اور آپ ہی کے ہاتھوں پر لوگوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں دینی وسیاسی رہنما تھے، مجھے ایسی کوئی دوسری شخصیت نہیں مل سکی جس

نے مسلمانوں کی زندگی پر مذکورہ اثر ڈالا ہو۔ اسلام میں بھی بہت سی اہم شخصیات موجود ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

سوال نمبر۶: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے جن نقاط پر آپ نے زیادہ توجہ مرکوز کی وہ کون ہیں؟

جواب: ڈاکٹر ہارٹ نے مخصوص انداز میں زور دیکر کہا کہ: عزم مصمم، دنیا کی مختلف شخصیتوں میں بیدار مغزی اور صلاحیت کی فراوانی نظر آتی ہے، لیکن اثر اندازی اور انجام دہی میں ان کا کوئی مقام نہیں، اس کی وجہ ارادہ کی پختگی دقوت اور پیہم کوشش کے لئے قوی عوامل کا فقدان ہے۔

لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نمایاں پہلو آپ کی وہ غیر معمولی اور پیہم کوشش کی طاقت ہے جس کی وجہ سے سخت ترین حالات اور گوناگوں مصائب میں بھی آپ نے اپنا مشن جاری رکھا، اور نتیجہ کے طور پر آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

(المسلمون ص۸، شمارہ نمبر ۲۲۳، ۴ ذی الحجۃ ۱۴۰۹ھ)

بقیہ ص۴۸

جامعہ سلفیہ کے سارے متعلقین کو اس حادثہ پر دلی صدمہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ موصوف کی مغفرت فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

مولانا ضلع سدھارتھ نگر (بستی) کے مشہور مدرسہ شمس العلوم کے ناظم اور صوبائی جمعیۃ مشرقی یوپی کے امیر تھے۔ مسلک کے دفاع میں بڑے جری تھے۔ جماعتی جلسوں میں آپ کی شرکت بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ ابھی چند ماہ پیشتر ڈاکٹر اسلم کا نپوری اللہ کو پیارے ہوگئے، جو پورے ملک میں جماعتی اجتماعات کی رونق تھے اور اپنی آواز کے جادو جگاتے تھے۔ یہ شخصیات اٹھتی جارہی ہیں، خالی جگہیں خالی ہی رہ جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جماعت کو سرفراز و ترقی نصیب فرمائے آمین۔

دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات

شنبہ و یکشنبہ ۲۵، ۲۶ نومبر ۱۹۸۹ء کی درمیانی رات میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے ناظم اعلیٰ اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر مولانا عبدالوحید عبدالحق سلفی (رحمہ اللہ) اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، "انا للہ وانا الیہ راجعون" اور اس طرح جامعہ سلفیہ اور ملت و جماعت اپنے ایک مخلص و بے نفس اور باہمت و بصیرت رہنما سے محروم ہو گئی۔

اہل ایمان کی نظر میں موت ایک اٹل حقیقت ہے، اور ہر متنفس کے لئے اس کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدم و تاخیر ناممکن ہے، اسی طرح اسلام کا حکم ہے کہ مسلمان اگر اپنے کسی عزیز و قریب یا محسن و متعارف کی موت کے صدمہ سے دوچار ہو تو صبر و صلوٰۃ کا سہارا لے، اور اللہ تعالیٰ سے جانے والے کے لئے مغفرت و رحمت اور پسماندگان کے لئے صبر و سکون کی دعا کرے۔ اسلام کے اس حکم میں بڑی معنویت ہے، اور غمہائے روزگار کے ہجوم میں سنبھلنے کا یہی سب سے بہتر سہارا ہے۔ اعزاء و متعلقین میں سے کسی کی جدائی بڑی شاق ہوتی ہے، اور رحلت کرنے والی شخصیت اگر زیادہ عظمت و اہمیت کی مالک ہوتی ہے تو صبر و شکیب کی تمام تدبیریں بے سود ہو جاتی ہیں، اور دل کو کسی بھی طرح سکون و قرار نہیں ملتا۔

جس ذات گرامی کی وفات پر یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں ان کی انفرادی حیثیت و اہمیت بھی کچھ کم نہیں، لیکن ان کی ملی و جماعتی فعالیت و تاثیر کو دیکھتے ہوئے جب ان کی موت کا خیال آتا ہے تو کلیجہ شق ہونے لگتا ہے، وہ خود ایک انجمن ہی نہیں بلکہ انجمن ساز تھے، جماعت کی تاریخ میں انہوں نے جس طرح رنگ آمیزی کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں جس طرح بڑے بڑے کارنامے انجام دلوائے ان پر سب لوگ آج بھی رشک کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تدبیر سے کبھی خود کو بچانے کی کوشش نہیں کی، لیکن قدرت نے ہر میدان میں ان کو سربلندی سے نوازا، اور ان کے قدم قدم کو جماعت کے لئے باعث خیر و برکت بنایا۔

جامعہ سلفیہ کی پچیس سالہ تاریخ میں جس طرح اخلاص وللہیت محنت وجانفشانی اور اور ایثار وقربانی سے انہوں نے اس شجر نورستہ کو سینچا اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے وسعت قلب اور دقت نظر کی ضرورت ہے۔ جامعہ کی یہ تاریخ ان کی ذات سے اس طرح وابستہ ہے کہ دونوں کو الگ کرکے صحیح حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکتا، انہوں نے ادارہ کو، اور بعد کے دور میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کو بھی، اپنا مرکز نگاہ بنالیا تھا، مصروف تجارتی زندگی سے وقت بچا بچا کر دونوں اداروں کی خدمت کرتے رہے، اور اس میں اس قدر انہماک دکھایا کہ صحت متاثر ہوگئی، ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا اور عمل کے اوقات میں کمی کی سخت تاکید کی، لیکن زندگی میں اس کا موقع نہ مل سکا۔

مدنپورہ بنارس کے جس خانوادہ سے مولانا عبدالوحید صاحبؒ کا تعلق تھا اس کی ریاست وسیادت، کرم گستری وعلم نوازی اور جاہ وحشمت کا سب کو اعتراف ہے، اس خانوادہ کے بیشتر افراد ملی وجماعتی خدمات کی وجہ سے مقبول خاص وعام ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد ان ہی کے ایثار وقربانی سے بنارس کی جماعت قلت تعداد کے باوجود ہمیشہ سربلند رہی، اور جامعہ سلفیہ کے قیام کے بعد افراد جماعت کا ربط اس خانوادہ سے اور زیادہ قوی ہوگیا، ہر طرف سے لوگ اپنے مالی وانتظامی مسائل لے کر یہاں پہونچتے تھے اور بیشتر حالات میں مقصد سے ہمکنار واپس جاتے تھے۔ جماعت کا مؤرخ یہاں کے احوال قلمبند کرنے بیٹھے گا تو اسے علم پروری وغرباء نوازی کی بڑی انوکھی مثالیں نظر آئیں گی۔

اس خانوادہ کے عظیم احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے عزم وہمت سے مرکزی دارالعلوم کی تاسیس کا کام آسان بنادیا، اور یہاں سے اس ادارہ کو ایسا باصلاحیت مخلص ناظم ملا جس نے اپنی دوررسی اور جانفشانی سے ادارہ کو چار چاند لگا کر بہت تھوڑی مدت میں اسے ملک وبیرون ملک میں معتبر بنادیا۔ جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا تو ہمارے جماعتی ادارے ملکی سطح پر دعوت وتدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے اور ان اداروں کے قائدین ومنتظمین کو بیرونی سطح پر کام کا تجربہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مخلصین جماعت کی

کوشش و توجہ سے بہت جلد جامعہ سلفیہ نے بیرونی اسلامی دنیا سے اپنے تعلقات استوار کرلئے، مدارس کی زندگی میں یہ ایک نیا تجربہ تھا، اسے تقویت دینے کے لئے بالغ نظری ومعاملہ فہمی کی ضرورت تھی۔ محترم مولانا عبدالوحید صاحبؒ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور گوناگوں اوصاف وکمالات سے کام لے کر جامعہ سلفیہ کے بیرونی علمی تعلقات کو مزید استوار بنایا، اور اس طرح ادارہ کے فارغین ومتعلقین کے لئے علمی ترقی کے وسیع تر راستے سامنے آئے، متعدد تعلیمی اداروں سے استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے اور علمی مذاکرات واجتماعات میں شرکت کا مرحلہ آسان ہوا، ساتھ ہی جامعہ سلفیہ کو بھی متعدد کانفرنسیں منعقد کرنے کا حوصلہ ملا جس سے جماعتی زندگی میں حرکت وسرگرمی پیدا ہوئی، جامعہ سے جن طلبہ کو بیرون ہند تعلیم کا موقع ملا ان میں سے بیشتر طلبہ نے اپنے اپنے مضامین میں نمایاں کامیابی حاصل کی، اور اس طرح علمی وتحقیقی کاموں میں قابل قدر پیش رفت ہوئی۔ عرب دنیا میں حالات کی ناہمواری کے باعث طلبہ کے داخلہ میں اس وقت کمی ہوگئی ہے، لیکن جو طلبہ بیرون ملک علمی خدمات میں مشغول ہیں ان سے بہتر توقعات وابستہ ہیں۔

انسان کی ذات میں بہت سے محاسن وکمالات ہوتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ جملہ محاسن نمایاں طور پر لوگوں کے سامنے آجائیں، حالات کے مطابق آدمی کی شخصیت ابھرتی ہے اور اس کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ ملی وجماعتی زندگی میں داخل ہونے کے بعد مولانا عبدالوحید صاحبؒ کے جو محاسن ابھر کر سامنے آئے ان کی فہرست طویل ہے، جامعہ کی تاریخ اور مرحوم کے سوانح مرتب کرنے والے حضرات ان خوبیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے، اور ان سے متعلق واقعات وحقائق کو شرح وبسط سے پیش کریں گے، اور اپنے اپنے نقطۂ نظر اور تجربہ کے مطابق ان خوبیوں کے مابین ترتیب قائم کریں گے، لیکن مرحوم کے جو محاسن ان سے ملنے اور ان کو سننے والے ہر شخص کو نمایاں طور پر متاثر کرتے تھے ان میں ان کا تدین، تقویٰ شعاری، سنت رسولؐ پر فدائیت، صبر وتحمل، مردم شناسی وبالغ نظری، وقار ووضعداری، خوش خلقی وملنساری اور انتھک جد وجہد نمایاں ہیں، کبھی کبھی ان کی زندگی میں ان محاسن کی ایسی جلوہ گری ہوتی تھی کہ متعلق شخص

ششدر رہ جاتا تھا۔ تجارت کی دنیا سے باہران کا زیادہ تر سابقہ علماء و طلبہ سے رہتا تھا، وہ سب کی سنتے اور سہتے تھے، کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کی، اور نہ ایسی صورت پیدا ہونے دی جس سے ان لوگوں میں سے کسی کو شرمساری ہو۔

جامعہ سلفیہ کے قیام سے پہلے مرحوم نے جامعہ رحمانیہ کی اپنی نظامت کے دور سے متعلق بعض واقعات ایک استفسار پر بیان کئے، ان کو سن کر اندازہ ہوا کہ علماء کی قدر و منزلت ان کے نزدیک کتنی تھی۔ مردم شناسی کا یہ حال تھا کہ آدمی کو پہلی نظر میں پوری طرح پڑھ لیتے تھے، لیکن تاثرات کے اظہار میں بے حد محتاط تھے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، اس سے بعض لوگ یہ سمجھ لیتے تھے کہ حقیقت ان سے مخفی رہ گئی۔

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ دو دو ماہنامے ان کی ماتحتی میں شائع ہوتے تھے لیکن کبھی اپنی کارگذاری کو نمایاں کرنے کے لئے کنایۃً بھی کوئی فرمائش نہ کی اور اگر کہیں کسی کارگذاری کے ضمن میں ان کا نام آگیا تو اس پر مسرت کے بجائے تکدر کا اظہار کیا، خاموشی کے ساتھ دین و علم کی خدمت ان کے اصول میں داخل تھی۔

راقم سطور نے ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہوئے بیس سال سے زائد کا عرصہ گذارا، اس مدت میں ان کی زندگی کے بہت سے پہلو نمایاں ہوئے، جماعتی میدان میں ان سے متعلق دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی دیکھنے کا اور پڑھنے کا موقع ملا، ان سب سے متعلق اپنے تاثرات کسی دوسری فرصت میں پیش کروں گا، فی الحال محدث کی کاپی پریس جانے کیلئے تیار ہے اور عجلت میں یہ سطریں تحریر کر رہا ہوں، مفصل سوانحی خاکہ انشاء اللہ کسی دوسری اشاعت میں پیش کروں گا۔

جامعہ سلفیہ و جمعیۃ اہل حدیث کے سربراہ کی حیثیت سے مرحوم کے تعلقات کا دائرہ بے حد وسیع تھا، باہم ایسے صورت پیش آسکتی ہے جس سے کسی طرح کا تکدر پیدا ہوا ہو، لیکن مرحوم اب اس دنیا میں نہیں رہے، تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کا اختلاف بھی مثبت و مفید پہلو رکھتا تھا، جماعت پر چونکہ ان کا حق بہت بڑا ہے اسلئے میری گذارش

ہے کہ ہم مرحوم کے لئے اسلامی تعلیم کے مطابق دعائے خیر کریں، اور ان کے مخلص و صحیح جانشین کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کریں۔

مرحوم کی موت اسپتال میں تقریباً ایک ماہ زیر علاج رہنے کے بعد ہوئی، پھر بھی اچانک حادثہ تھی، حالات کی ناہمواری کے باعث جملہ متعلقین ومتعارفین کو بروقت خبر نہ دی جا سکی، جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے، اور ساتھ ہی ہم ان تمام حضرات کے تہہ دل سے شکر گذار ہیں جنہوں نے خبر سن کر جنازہ میں شرکت کی یا تعزیت وہمدردی کے کلمات ارسال کئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سلامتی و عافیت سے نوازے، مرحوم کو جنت الفردوس اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے،

وصلی اللہ علی رسولہ الکریم، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(شریکِ غم: مقتدیٰ حسن ازہری)

قارئین محدث کی خدمت میں

ماہنامہ محدث ہر ماہ پابندی سے آپ کے نام ارسال کیا جاتا ہے اس لیے آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ پرچہ تاخیر سے پہنچنے یا نہ پہنچنے کے سلسلہ میں اولین فرصت میں ادارہ سے رجوع کریں۔

اگر آپ کے ذمہ ماہنامہ خریداری کی رقم باقی ہے تو براہ کرم پہلی فرصت میں بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔

(ادارہ)

جوارِ رحمت میں

(۱) جامعہ سلفیہ بنارس کے نائب صدر، سرپرست خاندان و رئیس مدنپورہ اور شہر بنارس کے میئر جناب محمد صالح انصاری صاحب کے چچا الحاج محمد صدیق صاحب (۸۷ سال) کی اہلیہ محترمہ سلمہ بی بی بروز منگل، ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی عمر بیاسی سال تھی۔ انھوں نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے، الحاج عبدالماجد، ابوالہاشم، ابوالقاسم، عبدالباری محمد زبیر اور چار بیٹیاں چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ متوفیہ کی مغفرت فرمائے، اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

(۲) جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کی والدہ محترمہ خدیجہ بی بی زوجہ عبدالحق مرحوم بروز منگل مورخہ ۲۴ راکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ ۹۳ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انھوں نے اپنے پیچھے ایک خاندان چھوڑا ہے جو تقریباً چار سو افراد پر مشتمل ہے۔ انھوں نے دس بیٹے، عبدالعلیم مرحوم، عبدالعظیم، عبدالرشید، عبدالقدیر، عبدالوحید (ناظم جامعہ سلفیہ و امیر جمعیت اہلحدیث ہند) حافظ عبدالبصیر، عبدالکبیر، محمد شعیب، محمد صالح، محمد سلیم اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں جو سب کے سب صاحب عیال ہیں۔ مرحومہ بڑی متقی، پرہیزگار اور تہجد گزار تھیں، ملنساری اور غرباء پروری انکی خاص صفت تھی، گھر کے ماحول اور معاشرت پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی، گھر کے اندر اگر کوئی غلط کام ہوتا تو اس پر وہ ضرور نکیر کرتی تھیں۔ ان کی عمدہ تربیت اور اچھی تعلیم کا اثر ان کی اولاد اور نسل پر نہایت نمایاں ہے مرحومہ نے تین بار حج کا شرف حاصل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ دے، نیز پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۳) یہ خبر جماعتی حلقوں میں بڑے رنج و غم سے سنی جائے گی کہ مشہور عالم و مناظر جناب مولانا عبدالمبین منظر صاحب کا بروز جمعہ ۲۷ راکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون موصوف بنارس بغرض علاج تشریف لائے تھے۔ ایک اسپتال میں آپریشن ہوا جو موت کا بہانہ ثابت ہوا۔

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

DECEMBER8 1989 Vol. VII - No. XII

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Farhat Jamal
2.1.90

مطبوعات جامعہ سلفیہ

معاویۃ بن ابی سفیان

رضی اللہ عنہ

ایک مجاہد صحابی

تالیف

منیر محمد الغضبان

قیمت Rs. 56/00

مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، وارانسی

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Editted by : A. W Hijazi.
Printed at Salafia Press, Varanasi.